جنات کا غلام

بیس روز جنات
کے ساتھ گزارنے والے
ممتاز صحافی کی
ہوشربا سچی داستان

شاہد نذیر چودھری

قرآن پاک اور جنات

جس طرح ہم مسلمان قرآن پاک کی ہر آیت پر ایمان رکھتے ہوئے زندگی' موت' قبر کی زندگی' قیامت روز محشر' جزا و سزا کو تسلیم کرتے ہیں' فرشتوں اور ابتدائی انسانی نسلوں کے عبرتناک واقعات کو مانتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں قرآن پاک میں بیان کردہ جنات کی مخلوق کے وجود کو بھی تسلیم کرنا چاہیے۔ قرآن پاک میں فرشتوں' جنات اور انسانوں کی تخلیق پر کئی آیات موجود ہیں۔ درج ذیل میں جنات کے وجود و تخلیق کے بارے میں قرآن پاک کی آیات پیش کی جا رہی ہیں۔

قرآن پاک میں جن کا لفظ ۲۲ بار استعمال ہوا ہے جبکہ ۳۱ آیات مبارکہ میں ۳۲ بار جن و جان و جنۃ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں میں بھی جن' جان' ابلیس' شیطان اور شیاطین کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ

''اور اس طرح ہم نے ہر پیغمبر کے لئے انسانوں اور جنوں سے دشمن قرار دیئے ہیں۔''

سورہ رحمٰن کی آیت مبارکہ ۱۴ اور ۱۵ میں ارشاد ربی ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ''

''(اللہ تعالیٰ نے) انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا''۔

سورۂ حجر مبارکہ کی آیت ۲۶ اور ۲۷ میں ارشاد الٰہی ہوا۔

''وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ''

''اور ہم ہی نے انسان کو سال خوردہ گلی سڑی مٹی اور قبل ازیں جنات کے گروہ کو بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا''

سورۂ کہف کی آیت ۵۰ میں جنات کا ذکر یوں کیا گیا ہے۔

''فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ''

''تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ جنوں میں

"تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ جنوں
میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی
کی"

سورۂ ذاریات کی آیت ۵۶ میں ذکر آتا ہے

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اس لئے پیدا کیا ہے
کہ وہ عبادت کریں"۔

قرآن حکیم میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ "جن" اور "جان" سے ایک ہی مراد لی گئی
ہے۔ سورۂ رحمٰن کی آیت ۳۳ میں فرمایا گیا ہے۔

"یا معشر الجن والانس"

"اے گروہ جن وانس"

سورۂ رحمٰن کی آیت ۳۹ میں بھی فرمایا گیا

فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان"

"پس اس روز انسانوں اور جنوں سے گناہوں کے متعلق
سوال نہ کیا جائے گا"۔

سورہ انعام (۱۱۲) میں جنات کے وجود کی نشاندہی یوں فرمائی گئی۔

"وکذالک جعلنا لکل نبی عدو شیطین الانس والجن"۔

"اور ہم نے ہر نبی کے دشمن انسانوں اور جنوں میں سے
بعض لوگوں کو قرار دے رکھا ہے"۔

ہم سورہ والناس میں یوں پڑھتے ہیں:

"(اے رسول ﷺ) کہہ دیجئے میں لوگوں کے پروردگار' لوگوں کے بادشاہ' لوگوں
کی معبود سے (شیطانی) وسوسہ کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں جو (خدا کے نام سے پیچھے ہٹ جاتا
ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جنات میں سے ہو خواہ آدمیوں میں سے"۔

سورہ نمل کی آیت ۱۷ میں فرمایا گیا

"وحشر لسلیمٰن جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون

"اور سلیمان کے سامنے ان کے لشکر جنات اور آدمی اور
پرند سب جمع کئے جاتے تو وہ سب کے سب (مثل مثل)
کھڑے کئے جاتے تھے"۔

قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے تسخیر جن و
شیطان کے قصے کے بعد آیا ہے۔ (سورہ سبا ۱۴) "پھر
(جب کھوکھلا ہو کر ٹوٹ گیا اور) سلیمان گرے تو جنات
نے جانا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو (اس) ذلیل کرنے
والی (کام کرنے کی) مصیبت میں نہ مبتلا رہتے"۔

اس آیت میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جن بھی عام انسانوں کی
طرح علم غیب سے محروم ہیں۔ لوگ جنوں کے سریع الحرکت ہونے کی بنا پر گمان کرتے تھے کہ وہ
علم غیب رکھتے ہیں۔ لیکن اس واقعہ سے انہیں معلوم ہو گیا کہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن کریم میں
انسانوں اور جنوں کے لئے علم غیب کی نفی کی گئی ہے مگر مخصوص شخصیتیں ایسی ہیں کہ خداوند تعالیٰ
ان کو اپنی حکمت کی بنا پر غیب سے باخبر کر دیتا ہے جیسا کہ سورہ جن کی آیات مبارکہ ۲۶' ۲۷ میں
فرمایا گیا۔

علم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا O الا من ارتضی من رسول

(وہی) غیب دان ہے اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں
کرتا مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔

سورہ حم سجدہ آیت (۱۳) میں جنات کی موت کے بارے میں ارشاد ربی ہوا۔

"میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور
آدمیوں سے"۔

سورہ اعراف کی آیت ۳۸ میں فرمایا گیا۔ (تب خدا ان
سے) فرمائے گا جو لوگ جن وانس کے تم سے پہلے چل بسے
ہیں ان ہی میں مل جل کر تم بھی جہنم واصل ہو جاؤ"۔

سورہ رحمٰن کی آیت ۵۶ میں فرمایا گیا "(عورتیں) جن کو ان
سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ جن نے"۔

جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے کام کرتے تھے جن کے لئے وہ امر الٰہی سے مسخر کر دئیے گئے تھے۔ محل تعمیر کرتے' نقاشی کرتے اور بڑے بڑے برتن بناتے تھے اس بات کے درست ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں آیات موجود ھیں. (سبا/۱۲)

''اور جنات (کو ان کے تابع کر دیا تھا) میں کچھ لوگ ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے ہیں''۔

(انبیا/۸۲)''اور جنات میں سے جو لوگ (سمندر میں) غوطے لگا کر (جواہرات) نکالنے والے تھے اور اس کے علاوہ اور کام بھی کرتے تھے (سلیمان کا تابع کر دیا تھا) اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے (کہ بھاگ نہ جائیں)

شاہد نذیر چوہدری
لاہور۔۔۔پاکستان
03004329136

صرف دو رتی افیون حاصل کرنے کے لئے اس قدر خوار ہونا پڑے گا، یہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا اور اب مجھے اس عذاب سے جان چھڑانے اور فرار کا کوئی رستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس تپتی دوپہر میں نہر کنارے موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا۔ یہ لالو قصائی میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی آوارگی سے میں سخت عاجز آ چکا تھا۔ تین بار مشکوک انسان سمجھ کر پولیس نے ہمیں روکا تھا مگر میرے تعارف کرانے پر وہ چھوڑ دیتے تھے اور ہم افیون کی خاطر ایک نئے گاؤں کی طرف جا نکلتے تھے۔ نہر کے سیفل سے ایک کوس پہلے جب لالو قصائی نے مجھے ملیاں گاؤں کی طرف موٹر سائیکل کا رخ موڑنے کی ہدایت کی تو میں گھبرا گیا اور موٹر سائیکل روک دی۔ ملیاں منشیات فروشوں کا گڑھ تھا۔ اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کی خاطر میں نے اپنے خوف کو دبالیا اور سخت لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا

''لالو اب ملیاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے دو رتی افیون لینی ہے اور اس کے لئے تم نے مجھے بارہ گاؤں گھوما دیئے ہیں۔ ہر بار تو یہی کہتا ہے کہ ہمارا کام فلاں گاؤں میں ہو جائے گا''

''چوہدری صاحب غصہ نہ کریں۔ میں بھی خوار ہو رہا ہوں۔ میں نے آج میلے سے جانور لینے جانا تھا، کل گوشت کے لئے ایک بھی جانور نہیں ہے میرے پاس۔ لیکن میں صرف آپ کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پی رہا ہوں۔''

''لالو کام تو مجھے بھی بہت ہیں۔ صبح میرا انگریزی کا پرچہ ہے لیکن ایک دکھی عورت کی خاطر میں یہ

نیکی کرنے نکلا ہوں۔تو جانتا ہے پوری پٹی پر پولیس نے ناکے لگا رکھے ہیں اگر میں صحافی نہ ہوتا تو یقیناً وہ ہمیں پکڑ لیتے"

لالو قصائی کی چندھیائی ہوئی آنکھوں میں ایک لحظہ کے لئے عجیب سی چمک آئی بولا"پولیس نے آپ سے متھا لگا کر مرنا ہے جی۔ویسے بھی یہ راجوڈوگر کا علاقہ ہے۔اس نے تھانے خریدے ہوئے ہیں۔آپ تو ویسے ہی ڈر رہے ہیں۔چلیں مجھے یقین ہے ملیاں میں ہمارا کام ہو جائے گا" ٹھگنے قد کا مالک یہ لالی قصائی میرے دوست کے گاؤں ملک وال کا رہنے والا تھا۔عام سی شخصیت کا روکھا سوکھا نوجوان تھا۔گاؤں میں بڑے گوشت کی ایک ہی دکان تھی جو لالو قصائی کے باپ دادا کے وقتوں سے چلی آرہی تھی اور اب لالو اپنے آباء کی گدی سنبھالے ہوئے تھا۔ میں اس وقت تک اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن جب اس کا گھناؤنا کردار مجھ پر عیاں ہوا تو اس مسکین صورت کے پیچھے ایک چالباز' مکار اور انتہائی بدگو شخص چھپا ہوا نکلا۔اگلی صبح میرا بی اے کا انگریزی پرچہ تھا مگر اپنے بابا جی کی خاطر میں اس شرمناک مہم پر نکلا تھا۔مجھ پر سالانہ امتحان کا خوف بھی طاری تھا اور اس پر مستزاد کہ مجھ جیسا شخص جس نے صحافت کو ایک مشن سمجھ کر اختیار کیا تھا اور جو ہمیشہ جرائم پیشہ عناصر کے خلاف اپنا قلم استعمال کرتا تھا خود ایک گھناؤنے فعل کے ارتکاب پر مجبور تھا۔مجھے ڈر تھا لالو قصائی نے مجھے افیون دے دی اور پولیس نے ناکے پر تلاشی کے بعد برآمد کر لی تو میرا کیا بنے گا؟ عزت نفس اور خاندانی عزت و وقار کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے والے ایک نوجوان کے لئے اس سے بڑی تہمت اور بدنامی کیا ہو سکتی تھی کہ وہ افیون رکھنے کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ایک ایسا نوجوان جس نے غلطی سے بھی سگریٹ نہ تھاما ہو اس پر افیون نوشی کا الزام عام سی بات نہیں ہوتی۔مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ اگر میں اس الزام میں پکڑا گیا تو والد صاحب سے خوب جوتے پڑیں گے۔وہ تو مجھے پولیس سے ہرگز نہیں بچائیں گے اور اپنا غصہ گھر کے دوسرے افراد پر بھی نکالیں گے کہ یہ تم لوگوں کی وجہ سے ملکوال پڑھنے گیا تھا اب اس کے کرتوت دیکھ لو؟ میں نے بارہا دل میں یہ دعا کی کہ یاالٰہی مجھے افیون نہ ہی ملے تو اچھا ہے لیکن جس بزرگ ہستی سے میں وعدہ کر کے آیا تھا اس کے سامنے مجھے انکار کرنے کا حوصلہ بھی نہیں تھا۔اپنے تئیں مجھے یقین تھا کہ افیون نہ بھی ملی تو میری یہ کوشش بھی مجھے بابا جی کی نظروں میں سرخرو کر دے گی۔کہ میں نے ان کے کہنے پر یہ تگ و دو تو کی۔۔

ملیاں سے ایک کوس پہلے لالو قصائی نے مجھے رکنے کا اشارہ کیا"بادشاہو......رکو رکو......"

"اب کیا ہوا ہے"میں نے فٹافٹ بریک لگائی۔

"اس کچے پر موٹر سائیکل اتاریں"اس نے سرکنڈوں کی طرف اشارہ کیا

"یہ راستہ تو مکھن سائیں کے آستانے کی طرف جاتا ہے۔ملیاں کے لئے یہاں سے کوئی راستہ نہیں جاتا"میں نے کہا

"بادشاہو۔میں نے سوچا ہے مکھن سائیں کی زیارت کرتے چلیں۔سرکار کے علاقے میں آیا ہوں تو ان کے درشن کئے بغیر آگے کیسے جا سکتا ہوں"لالو قصائی سرفروشانہ انداز میں بولا"سرکار کو پتہ چل جائے گا کہ لالو ادھر سے گزرا ہے، وہ ناراض ہوں گے"

"یار تو مصیبت بن گیا ہے۔میں نے تجھے کہا تھا کہ میرا کام جلدی کر دے مگر تین گھنٹے سے تو مجھے کبھی ایک گاؤں اور کبھی نہر کے کنارے لئے بھاگ رہا ہے۔اب تجھے مکھن سائیں کی زیارت تنگ کرنے لگی ہے"میں نے جھلاتے ہوئے کہا اور موٹر سائیکل کھڑی کر کے نیچے اتر گیا اور کہا"تو اکیلا زیارت کے لئے چلا جا میں بھنگیوں اور چرسیوں کے علاقے میں نہیں جا سکتا۔ لعنت بھیجتا ہوں میں اس خدمت پر میں جا رہا ہوں"میں نے فوراً فیصلہ کیا کہ بابا جی سے معافی مانگ لوں گا کہ میں افیون نہیں لا سکا مگر اس طرح منشیات فروشوں کے علاقے میں خوار ہوتے پھرنا اب مجھے گوارا نہ تھا۔میں نے جونہی موٹر سائیکل سٹارٹ کی لالو قصائی اچک کر پیچھے بیٹھ گیا۔"جیسی آپ کی مرضی جناب......آپ کو ناراض تھوڑا کرنا ہے"۔

ابھی میں نے گیئر لگایا ہی تھا کہ جھنڈ کے پار سے کسی نے نعرہ مستانہ بلند کیا"حق......سرکار...... یا مدد مکھن سائیں سرکار"میں نے چونک کر ادھر دیکھا تو دو ہٹے کٹے ملنگ قسم کے نوجوان مکھن سائیں کے ساتھ ہماری طرف آتے دکھائی دیئے۔

"سرکار آ گئی"لالو افراتفری سے موٹر سائیکل سے اترا تو اس کی شلوار کا پائنچہ موٹر سائیکل کے پائیدان میں پھنس گیا اور وہ چکرا کر نیچے گرا مگر اپنے پیر کی عقیدت کا مارا برق رفتاری سے اٹھا اور"میری سرکار میرے سائیں بابا......میں آپ کی طرف ہی آ رہا تھا"کہتا ہوا لالو قصائی اس کے قدموں میں جا گرا۔اس دوران مکھن سائیں خاصا قریب آ چکا تھا۔

"پیر و مرشد"کے ملنے ملانے کا منظر دیکھتے ہوئے میں مکھن سائیں کی زیارت سے بھی مستفید ہو رہا ہے۔چھ فٹ قد اکہرا بدن، تیل میں گوندھی لمبی لمبی لٹیں' سیاہ چوغہ میں ملبوس' پیروں سے

ننگا' دونوں ہاتھوں میں عقیق یمنی' نیلم اور زمرد کی انگوٹھیاں' کلائیوں میں فولادی کڑے' گلے میں موٹے دانوں کی لمبی سی مالا۔ گہری آنکھیں قہر و قتال کی سرخیاں لئے ہوئے۔ خشخشی داڑھی' دہانہ کھلا' دانت سیاہی مائل' چوڑے نتھنے' مکھن سائیں کا یہ سراپا اپنے سامنے دیکھ کر میں ایک بار تو نظریں جھپکنا بھول گیا۔ اس کی شخصیت میں بھرپور وجدانی تاثر تھا۔ اسکی آنکھوں میں دیکھتے اور سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے سامنے خواہ مخواہ مودب ہو جانا ایک عام سی بات تھی۔ اس کے پاس سے کافور کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اس کے آستانے یا ڈیرے پر بھنگی اور چرسی پڑے رہتے ہیں اور اس کی کرامات کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے۔ پولیس اس کے مریدوں پر ہاتھ نہیں ڈالتی تھی اور نشئی قسم کے گداگر اس کا نام لے کر جس در پر پہنچتے بدعقیدہ لوگ انہیں خالی واپس نہ بھیجتے ہیں۔ سنا تھا کہ کسی نے اس کے فقیر کے ساتھ بدتمیزی کی اور اس پر عذاب آ گیا۔ یہ سچائی تھی یا نہیں مگر اس کا سہارا لے کر مکھن سائیں کے فقیر سارے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمزور غریب اور وہم پرستی کے شکار فارغ البال نوجوان اس سے امیدیں وابستہ کرنے لگے اور اپنے گھروں سے فرار ہو کر اس کے ڈیرے پر بیٹھ کر نشہ کرتے رہتے۔ ان کے گھر والے اپنے بچوں کی بربادیوں کا رونا روتے۔ اخبارات میں خبریں شائع ہوتیں کہ نہر اور بیلے کا سارا علاقہ ایک طرف راجو ڈوگر اور دوسری طرف مکھن سائیں کی وجہ سے منشیات کا گڑھ بن چکا ہے۔ جس سے نوجوان نسل کی صحت مندانہ سرگرمیاں مفقود ہو چکی ہیں اور وہ منشیات میں غرق رہنے لگے ہیں۔ مکھن سائیں پر الزامات تو آتے تھے مگر آج تک اس کے علاقے میں چوری ڈاکے یا کسی قتل وغیرہ کی واردات نہیں ہوئی تھی۔ اسکے مرید اسکو اپنے مرشد کی کرامت اور دبدبہ قرار دیتے تھے۔ اس کے علاقے سے کچھ ہی دور نہر کی پٹڑی پر دن دہاڑے لوگ لوٹ لئے جاتے اور کئی کو مار کر نہر میں پھینک دیا جاتا تھا۔ راہزنی لوٹ مار اور منشیات کی وجہ سے ہی پولیس نے یہاں پرنا کے لگا رکھے تھے۔ پچھلے سال انتظامیہ نے مکھن سائیں کے خلاف ایکشن بھی لیا تھا مگر ایک واقعہ ایسا رونما ہوا کہ اس کے بعد پولیس نے مکھن سائیں کے آستانے کا راستہ دیکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ہوا یوں تھا پولیس جب اس کے آستانے پر پہنچی تو مکھن سائیں دس فٹ گہری قبر میں چلہ کاٹ رہا تھا۔ اس کے مرید قبر کے گرد بیٹھے بھنگ گھوٹ رہے تھے کچھ تو چرس کے سگریٹ پی رہی تھے۔ وہ پولیس کو دیکھتے ہی مجذوبانہ انداز میں نعرے لگانے لگے۔

''اوئے آج سرکار سے سرکار ملنے آئی ہے'' پولیس انسپکٹر نے ان کے نعروں پر انہیں ڈانٹا اور نہایت سختی سے پیش آیا۔ تمام ملنگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ انسپکٹر پیروں فقیروں اور روحانی معاملات کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس نے پوچھا۔

''اوئے مکھن سائیں کہاں ہے''

''مائی باپ...... سرکار تو سو رہے ہیں'' ایک ملنگ جو غالباً دوسر ملنگوں کا قائد تھا اس نے بتایا

''کدھر سو رہا ہے اندر ہے۔ کیا؟'' انسپکٹر نے پوچھا تو ملنگ بولا ''سرکار...... مکھن سائیں بستر پر نہیں سوتے وہ تو زمین کے اندر سوتے ہیں''

''اوئے بک بک نہ کر...... سیدھی طرح بتا کدھر ہے تمہارا مکھن۔ آج میں اس میں سے بال نکال دوں گا۔ چرسی کہیں کا''

''سرکار...... ہمارے مرشد کی شان میں گستاخی نہ کریں ورنہ اچھا نہیں ہوگا'' ایک بانکا قسم کا مجذوب انسپکٹر کو آنکھیں دکھانے لگا۔

''اوئے تو۔۔۔'' انسپکٹر نے اسے گالی دی اور چھڑی سے اس کی پٹائی شروع کر دی۔ ملنگ اس کی مار سہتا رہا اور اس نے ایک بار بھی اف نہ کی، بولا ''میری بوٹی بوٹی کر دو بے شک۔ یہ مار تمہیں بہت مہنگی پڑے گی'' ملنگ کا جواب سن کر انسپکٹر کے علاوہ دوسرے سپاہیوں نے بھی اس کی دھلائی کر دی مگر وہ بانکا مجذوب دلیری سے مار سہتا رہا۔ بالآخر ہار انسپکٹر کا ہی مقدر ٹھہری۔ تھک ہار کر ہانپتے ہوئے اس نے سپاہیوں سے کہا کہ مکھن پیر کو تلاش کرو۔ اس پر مار کھانے والا ملنگ بولا

''میری سرکار تو ادھر اس محل میں سو رہی ہے۔ تم انہیں کہاں ڈھونڈتے پھرو گے تھانیدار جی'' اسنے قبر کی طرف اشارہ کیا تو اسکا استہزائیہ لہجہ انسپکٹر کو طیش دلانے لگا اور وہ بولا ''مر گیا ہے مکھن سائیں...... بتاتے کیوں نہیں مر گیا ہے کیا...... کب مرا ہے یہ''

''تھانیدار جی مریں ہمارے دشمن۔ سرکار تو اندر چلہ کاٹ رہے ہیں اور وہ آپ کی ساری حرکتیں دیکھ رہے ہیں''

''چلہ کاٹ رہا ہے۔ کیا مطلب اس قبر میں۔ کب سے ہے قبر میں'' انسپکٹر غصہ اور حیرت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ پوچھنے لگا

''سرکار کو آج تیس واں روز ہے۔ چالیس روز تک انہیں اس قبر میں رہنا ہے اور پڑھائی کرنی

ہے" ایک معتبر ملنگ بولا "اگر سرکار چالیس روز سے پہلے باہر آ گئے تو قیامت آ جائے گی"

"کیسی قیامت اوئے" انسپکٹر نے دانت کچکچاتے ہوئے چھڑی ملنگ کے دانتوں پر رکھتے ہوئے دبائی "بکواس بند کرو اور اسے باہر نکالو"

"نہ سرکار...... نہ...... ہماری کھال اتار دو بے شک پر ہم یہ گناہ نہیں کریں گے"

"اوئے کیسا گناہ چرسیو۔ نہ نماز نہ روزہ...... نشے میں ہر وقت غرق رہتے ہو۔ خدا رسول کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے اور اپنے بے عمل مرشد کے عذاب سے ڈرتے ہو۔ چلو اور قبر سے باہر نکالو اپنے مرشد کو" ایک باریش حوالدار نے انہیں لتاڑا

"جناب...... خدا کا خوف کرو...... ہمارے مرشد بڑی پہنچی ہوئی ہستی ہیں۔ ان کی شان میں ......"

"بکواس بند کر اوئے گستاخی کے پتر" انسپکٹر دھاڑا اور سپاہیوں سے کہا "چلو تم قبر کھودو" سپاہی آستانے کے اندر سے کسی اور پھاوڑے لائے تو ملنگ دہائیاں دینے لگے۔ انسپکٹر نے ان کے ساتھ مٹی ہٹائی تو نیچے دو بڑے بڑے تختے رکھے ہوئے تھے وہ بھی ہٹائے گئے تو کافور کی بے تحاشا خوشبو کا جھونکا باہر کو لکا۔ اندر مکھن سائیں چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مسکان تھی۔ موٹے دانوں کی تسبیح اس کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ آنکھیں بند کیئے لیٹا تھا۔ پیروں میں موتیئے کے تازہ پھولوں کا ہار تھا۔ پاس ہی پانی سے بھرا ایک گھڑا پیالہ اور چند سوکھی روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔

گڑھا دس فٹ گہرا تھا

اس وقت زوال کا وقت ہو رہا تھا۔ روشنی اتنی تھی کہ قبر میں رکھی ہر شے واضح نظر آ رہی تھی۔ انسپکٹر اور سپاہیوں نے جب قبر میں مکھن سائیں کو انتہائی سکون کے ساتھ لیٹے ہوئے پایا تو قدرے پریشان ہو گئے۔ انہیں یقین نہ آیا کہ تیس روز سے قبر میں بند ایک شخص اتنا تر و تازہ بھی ہو سکتا ہے۔ قبر کی گرمی تو مردے کو ایک ہی دن میں پگھلا کر رکھ دیتی ہے اور پھر ایک زندہ انسان کا تیس روز تک قبر میں لیٹ کر پڑھائی کرنا ناقابل فہم بات تھی۔ انسپکٹر اور سپاہیوں کا اعتماد بری طرح ڈگمگانے لگا۔ کچھ لمحے تک وہ مکھن سائیں کی طرف دیکھتا رہا پھر اپنے اندر کے سخت انسان کو بیدار کر کے بولا "مکھن سائیں باہر نکلو"

اس کی آواز کا مکھن سائیں پر کوئی اثر نہ ہوا تو انسپکٹر نے دو تین بار اسے آواز دی۔ اس پر بھی اس

نے کوئی حرکت نہ کی۔

"مولوی تم نیچے اترو اور اسے اٹھاؤ" انسپکٹر نے باریش حوالدار سے کہا پہلے تو اس نے عجیب خوفزدہ نظروں سے انسپکٹر کی طرف دیکھا پھر حکم حاکم مرگ مفاجات کے مصداق قبر کے کناروں پر ہاتھ رکھتے ہوئے نیچے کود گیا تو اسی لمحہ مکھن سائیں کے آستانے کے برگد کے درخت پر ہلچل مچ گئی۔ سب نے خوفزدہ ہو کر اوپر دیکھا تو ان گنت پرندے برگد کے درخت کے اوپر سے اڑے اور بے قراری سے چہکتے ہوئے برگد کا طواف کرنے لگے۔ مکھن شاہ کی قبر اسی برگد کے نیچے تھی۔ حوالدار پر پرندوں کے شور سے سکتہ طاری ہو گیا۔ لہذا جب اس نے مکھن پیر کو پاؤں سے ہلا کر جگانا چاہا تو اس کے انداز میں قدرے نرمی اور مرعوبیت آ چکی تھی۔ اس کی نظریں مکھن سائیں کے چہرے پر تھیں جس پر مسکان گہری ہوتی جا رہی تھی۔

اسی لحظہ ایک عجیب کام ہوا۔

برگد سے ایک سانپ سیدھا قبر میں لیٹے ہوئے مکھن سائیں کے سینے پر آ گرا اور حوالدار کی طرف رخ کر کے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

حوالدار کی بہادری اتنے سارے اتفاقات دیکھ کر "خطا" ہو گئی۔ اسے اپنی جان کی پڑ گئی اور وہ باہر نکلنے کے لئے اچھلنے لگا

"صاحب جی باہر نکالیں...... یہ سانپ" انسپکٹر بھی پریشان ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے ایک سپاہی کی مدد سے حوالدار کو باہر نکالا۔ ملنگوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ عقیدی مندی کے مارے نعرے مارنے لگے۔ مار کھانے والا ملنگ بولا "تھانیدار جی میں نے کہا تھا ہمارے مرشد کو تنگ نہ کرنا" انسپکٹر نے قہر بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک سپاہی سے ڈنڈا لے کر خود قبر میں کود گیا۔ اس نے جاتے ہی مکھن سائیں کا پاؤں پکڑا اور زور سے اٹھایا۔ اس دوران وہ سانپ سے غافل نہیں ہوا۔ اس نے جھٹ سے ڈنڈا سانپ پر دے مارا مگر اس لمحہ مکھن سائیں نے غضب ناک انداز میں پہلے آنکھیں کھولیں پھر زور سے دھاڑا اور نہایت تیزی سے سینے پر بیٹھے سانپ کو مٹھی میں پکڑ کر انسپکٹر کی ضرب سے بچا لیا۔

مکھن سائیں کا یہ اضطرار، بیداری اور جلالت دیکھ کر انسپکٹر کا اعتماد کرچی کرچی ہو گیا۔

"تجھ پر خدا کی مار ہو تو نے ہمارے ملنگوں کو تنگ کیا ہے ہمیں سوتے سے جگا دیا۔ ہمارے محافظ کو مارنا چاہتے تھے" مکھن سائیں کی گونجدار آواز سن کر انسپکٹر کی زبان گنگ ہو گئی اور وہ بت کی مانند

مکھن سائیں کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ''تو سمجھتا ہے ہم دھندہ کرتے ہیں یہاں' اور ہمیں پکڑنے آیا ہے تو...... لے پکڑ لے اور لگا ہتھکڑیاں'' مکھن سائیں نے سانپ کو ہوا میں اچھالا اور وہ برگد کی گھنی شاخوں میں جا کر چھپ گیا۔ اس نے کلائیاں انسپکٹر کے سامنے کر دیں۔ ''لگا لو ہتھکڑیاں تھانیدار جی...... یہ ہتھکڑیاں تو دھاگے ہیں دھاگے، تمہارے اندھے لولے لنگڑے قانون کے۔ تم کیا جانو۔ ہم نے خالق قدرت اور ساری کائناتوں کے قانون بنانے والے کی ہتھکڑیاں اور طوق پہن رکھے ہیں۔ یہ لے اور اپنی حسرت پوری کر لے''

مکھن سائیں کے لہجے اور شخصیت نے انسپکٹر پر لرزہ طاری کر دیا اور اس نے سر گرا دیا اور کہا'' سرکار معاف کر دیں۔ مجھے آپ کے درجات کا علم نہیں تھا''

''درجات...... کاہے کے' کہاں کے درجات تھانیدار جی۔ ہم تو ابھی پہلے درجہ سے بھی بہت بہت نیچے ہیں'' مکھن سائیں تاسف بھرے لہجے میں بولا تو اس کے اندر کہیں قلب و گماں کے چٹخنے کی آوازیں آنے لگیں۔

مکھن سائیں کو گرفتار کرنے کے لئے آنے والا قانون اس کے آستانے کی دہلیز پر دوزانو بیٹھ گیا۔ انسپکٹر نے ملنگوں سے معافیاں مانگیں اور پھر وہ خود بھی مکھن سائیں کا گرویدہ ہو گیا۔ مکھن سائیں نے اپنی انگلی سے ایک بھاری عقیق کی انگوٹھی اتار کر اسے دی اور کہا ''تھانیدار جی ملنگ کا تحفہ پہن لو۔ میرا مولا سائیں تیرے درجات بلند کرے گا'' وہ انسپکٹر جب مکھن سائیں کے آستانے سے نکلا تو اس کا مرید بن چکا تھا اور پھر ایسا پکا مرید ثابت ہوا کہ اگلے ہی مہینے جب اسے ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی ملی تو وہ اسے مکھن سائیں کی دعاؤں کا ثمر قرار دینے لگا اور پھر جب تک وہ اس علاقے میں رہا مکھن سائیں کے آستانے پر شب و روز چراغاں ہونے لگے' نوجوان ملنگوں کی فوج بڑھ گئی اور پولیس اس کچے راستے پر تنی گردنوں کی بجائے سرنگوں ہو کر سفر کرتی رہی۔

آج وہی مکھن سائیں میرے سامنے تھا۔

لالو قصائی اس کے پیروں میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا ''اوئے لالو...... مجھ سے ملے بغیر واپس جا رہا تھا''

''ناں سرکار...... ناں...... میں یہ جرات کر سکتا ہوں۔ وہ تو اسے جلدی تھی اس لئے'' لالو قصائی نے میری طرف اشارہ کیا تو مکھن سائیں نے بے وجہ قہقہہ لگایا اور بولا۔

''واقعی اسے بہت جلدی ہے۔ یہ ہے بھی جلد باز۔ تو اس کا کام کیوں نہیں کرتا۔ اسے خوار بھی تو بہت کیا ہے تو نے شیطان'' مکھن سائیں کی یہ بات سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ وہ میری واردات قلب کے بارے اشارے دے رہا تھا اور میں عجیب طرح کے احساسات سے دوچار ہو گیا۔

''لالو...... ہمارے دوست اس کے مہمان بنے ہوئے ہیں۔ اس کی امانت اس کے حوالے کر ہمارے مہمان بھی اس کی بے قراری اور لاچارگی کا نظارہ کر رہے ہیں'' میں مکھن سائیں کی بات نہ سمجھ سکا' البتہ اس وقت میں حیرت اور غصے کی ملی جلی کیفیت کا شکار ہو گیا جب لالو قصائی نے شلوار کے نیفے میں ہاتھ ڈالا اور افیون کی ایک ڈلی نکال کر میرے پاس لے آیا۔

☆☆☆

''لو بادشاہو دو رتی کیا آپ پوری ڈلی رکھ لو۔'' اس نے افیون میری طرف بڑھائی۔ ''سرکار کا کہا میں ٹال سکتا ہوں بھلا۔''

میں اس بے شرم کا منہ تک رہا تھا اور وہ ڈھٹائی اور رذالت کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''یہ تمہارے پاس تھی تو مجھے کیوں نہیں دے رہے تھے۔'' میں نے لالو قصائی سے افیون لیتے ہوئے ناراضگی کے ساتھ کہا۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولا مگر اس کی اضطراری حالت بتا رہی تھی کہ اس نے بامر مجبوری مجھ پر یہ عنایت کی ہے۔

''اوئے کسی شریف آدمی کو زیادہ تنگ نہ کیا کر۔'' مکھن سائیں نے لالو کو اپنے پاس بلایا اور استہزائیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا' مجھے مکھن سائیں کی باتوں کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا یا مجھے طنز کر رہا تھا۔ طنز کر رہا تھا تو کیوں' ایک طرف وہ ایسے اشارے بھی دے رہا تھا جیسے وہ میرے حالات سے باخبر ہو۔ اس کے بارے ایسی ہی باتیں مشہور تھیں کہ وہ دلوں کی باتیں پکڑ لیتا تھا۔

''جا اب اسے واپس لے جا'' مکھن سائیں نے اس کی کمر پر تھاپڑا دیا۔ لالو قصائی نے عقیدت سے جھک کر مکھن سائیں کے گھٹنے چھوئے تو وہ مجھے گہری نظروں کے ساتھ مسکرا کر دیکھنے لگا۔ بولا'' میاں! کبھی دل مچلے اور کچھ باتوں کی سمجھ نہ آئے تو چلے آنا' مکھن سائیں کا دروازہ کھلا ملے گا۔'' میں نے غیر ارادی طور پر اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور ہاں۔ اپنے بابا جی کو میرا سلام کہنا ...''

میں چونکا اور کسی اصیل گھوڑے کی طرح میرے اندر کوئی شے بدکی' میرے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔
''تو کیا مکھن سائیں اس حد تک باطنی ہے' اسے کیا معلوم مجھے کس نے' کس کام سے بھیجا ہے۔''
خدا گواہ ہے' میں اس لمحے مجبور ہو گیا اور اس کے لئے میرے دل میں رعب پیدا ہوا...... میں دل و جان سے مکھن سائیں کو ایک فریب کار' شیطان کا چیلا اور ڈھونگی سمجھتا تھا۔ اس سے منسوب واقعات اس کے چیلوں کے کاروباری ہتھکنڈے سمجھتا تھا۔ مگر آنکھوں دیکھی کانوں سنی کون جھٹلا سکتا ہے۔ سو یہ میرے ساتھ بھی ہوا۔
''آپ بابا جی سرکار کو جانتے ہیں۔'' میں بے اختیار ہو کر مکھن سائیں کے پاس پہنچ گیا۔
''ترے بابا جی سرکار مجھے بھی جانتے ہیں' پُتر جی'' مکھن سائیں دھیرے سے بدلا...... مگر اس کا انداز معنی خیز تھا۔ ایسے جیسے مجھے کچھ سمجھانا چاہ رہا تھا۔
وقت خاصا ہو چکا تھا مجھے واپسی کی بھی فکر تھی لہٰذا میں نے اس مرعوبیت کے حصار سے باہر نکلتے ہوئے لالو قصائی سے واپس چلنے کے لئے کہا' مکھن سائیں اپنے ڈیرے کی طرف چل دیا لیکن اس کا ایک ملنگ پیچھے رہ گیا۔ اس نے لالو قصائی کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا
''نذرانہ......''
لالو قصائی نے ذردیدہ نظروں سے میری جانب دیکھا اور ایک بار پھر شلوار کے نیفے سے افیون کی دو تین ڈلیاں نکال کر ملنگ کو پکڑا دیں۔ وہ ایک ایک ڈلی کو سونگھ کر بے خودی سے جھومنے لگا اور حق سائیں سرکار مکھن سائیں کے نعرے لگاتا ہوا اپنے مرشد کے پیچھے ہو لیا۔
لالو قصائی کا یہ روپ مجھے الجھن میں ڈال رہا تھا۔ میں خاصی دیر سے اس کے ساتھ خوار ہو رہا تھا وہ مجھے یہ کہہ کر دوسرے گاؤں لے جاتا تھا کہ اسے افیون اس گاؤں سے نہیں ملی لہٰذا دوسرے گاؤں سے مل جائے گی مگر اب وہ بڑے سکون سے مجھے اور ملنگ کو افیون دے چکا تھا۔ میں اس سے یہ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اسی اثنا میں دو سپاہی گشت کرتے ہوئے ادھر آ نکلے۔ لالو کو دیکھتے ہی بولے ''اوئے کالیے تو ادھر'' اس نے گالی دیکر کر مخاطب کیا۔ ''منشی جی۔ یہ لالو قصائی ہے۔ پھڑیا ہے۔ آج قابو آ ہی گیا۔''
میں اس دوران موٹر سائیکل پر بیٹھ چکا تھا اور کک مارنے ہی لگا تھا کہ دوسرے سپاہی نے جھٹ سے چابی نکال لی ''اوئے تو کدھر بھاگ رہا ہے......'' اس لمحے میں ڈر گیا۔ خوف کی جھرجھری

سے میں کانپ گیا۔ میرے پاس تو افیون تھی اور میرا دھر لیا جانا یقینی تھا۔
''جناب مسئلہ کیا ہے......'' میں نے جرات سے کام لیتے ہوئے اپنا تعارف کرایا تو چابی چھیننے والا ایک لحظہ کے لئے رکا اور بولا۔
''کارڈ ہے آپ کے پاس ہے۔'' میں نے اخبار کا کارڈ نکال کر دکھایا تو وہ بولا' ''آپ اس پھڑیے کے ساتھ یہاں کیا کر رہے ہیں......''
اس لمحہ دوسرے سپاہی نے لالو قصائی کی مکمل تلاشی لی اور بولا۔ ''حیرت ہے بھئی...... لالو آج تیرے پاس ایک رتی افیون بھی نہیں ہے۔''
میں نے لالو کی طرف دیکھا تو وہ کمینہ اکھیوں میں مسکرا رہا تھا۔
''صحافی بادشاہ ہیں بھئی۔ ادھر راجوڈوگر' ادھر مکھن سرکار اور ادھر آپ...... جاؤ جی۔ قانون بھی تمہارا۔ حکمرانی بھی تمہاری ہم تو آوارہ گردی اور چوکیداری کے لئے بھرتی کئے ہوئے لوگ ہیں۔ ڈھب ڈھب تلاشی لو۔ ملا' کچھ نہ ملا۔ مل بھی گیا تو اوپر سے سفارش آ گئی اور چھوڑ دیا' چور کمینے ہم سے تگڑے ہیں جناب......''
''جناب آپ تو ناراض ہو گئے ہیں۔ کل اپنا بندہ بھیج دیجئے گا۔ آپ کے لیے بچھڑے کی ران کا گوشت رکھ چھوڑوں گا......'' لالو قصائی بولا۔
''ہاں یار......'' سپاہی نے یہ سنتے ہی لہجہ بدل لیا۔ ''کئی دن ہو گئے ہیں گوشت نہیں چکھا...... اب تو اس پٹری پر چائے پانی بھی بند ہو گیا ہے...... کل میں اور منشی جی خود آئیں گے......''
یہ کہہ کر وہ دونوں مکھن سائیں کے ڈیرے کی طرف چل دیئے اور میری ناک جڑوں سے کٹتے کٹتے رہ گئی۔
ملک وال پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی تھی۔ میں نے لالو کو اس کی دکان پر اتارا اور جلدی سے اپنے دوست ملک نصیر احمد کی حویلی پہنچ گیا۔ نصیرا اپنے پیر صاحب کے ساتھ بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا۔ گھر کے دوسرے افراد بھی وہاں موجود تھے۔ پیر صاحب چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور نصیر ان کے بالوں میں جناتی تیل سے مالش کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پیر صاحب اٹھ پڑے اور قہقہہ لگا کر بولے۔ ''آؤ شہزادے کیسا رہا......''
''سرکار۔ مرتے مرتے بچا ہوں......'' میں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔ ''آپ تو جانتے ہیں یہ

کام میرے کرنے کا نہ تھا...... پولیس سے بار بار ٹکراؤ ہوتا رہا ہے۔ بس اللہ نے عزت رکھ لی ہے......"

پیر صاحب نے یہ سنتے ہی ایک لحظہ کے لئے میرے سر کے اوپر دیکھا پھر چونکے اور جلدی سے نصیر سے کہا" دروازے کھڑکیاں بند کر دو اور ان کے پردے گرا دو...... بابا جی آ گئے ہیں' اور ہاں باہر ملازموں سے کہہ دو... اندر نہ آئیں......" پیر صاحب نے نصیر کی والدہ کی طرف دیکھا اور کہا" ماں جی۔ آپ نے اگر بتیاں نہیں جلائیں......"

" ہائے میں بھول گئی" وہ اٹھنے لگیں تو ان کی بیٹی زلیخا اپنے سر پر چادر درست کرتے ہوئے بولی

" ماں ٹھہرو...... میں اگر بتیاں لاتی ہوں......"

" تم بیٹھو...... ماں کو اگر بتیاں جلانے دو......" پیر صاحب نے گدلی اور جلالی آنکھوں سے زلیخا کی طرف دیکھا تو وہ اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گئی۔ نصیر کی والدہ نے طاق میں رکھی اگر بتیاں جلا دیں تو بیٹھک میں خوشگوار خوشبو پھیل گئی۔ کھڑکیوں پر پردے گرانے سے بیٹھک میں قدرے اندھیرا ہو گیا تھا۔ سب لوگ حسب معمول درود شریف پڑھنے لگے میرا دل بے تابی سے دھڑکنے لگا۔ آج سے پہلے بابا جی سرکار شام کے وقت بالخصوص جب ابھی دن کی روشنی موجود ہوتی وہ حاضری نہیں دیتے تھے مگر آج ان کا غیر معمولی پھیرا تھا۔ اس بار ایک اور عجیب بات ہوئی تھی۔ پیر صاحب کو کچھ پڑھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ حالانکہ اس سے قبل جب بھی بابا جی سرکار کی حاضری لگوانا ہوتی' پیر صاحب کسی غیر مانوس زبان میں کچھ پڑھنے لگتے اور کبھی کبھار بجلی کے سوئچ بورڈ کے پاس کھڑے ہو کر کوئی ایک بلب جلانے اور بجھانے لگتے تھے جب بابا جی سرکار آ جاتے تو وہ لائٹ آف کر دیتے تھے مگر آج انہیں کچھ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

ہم سب اگر بتیوں کے فسوں زدہ ماحول میں آنکھیں بند کئے ہوتے تھے جب بابا جی کی بھاری بھاری سانس مجھے اپنے آس پاس محسوس ہونے لگیں۔ ان کے وجود کا احساس ہر کسی کو ہو رہا تھا اور صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بیٹھک میں گھوم رہے ہیں۔ ایک لحظہ کے لئے تو میری سانسیں اٹک کر رہ گئیں جب بابا جی سرکار میرے پاس آئے انہوں نے اپنے ریشمی ہاتھوں سے میری کمر پر تھاپڑا مارا اور پھر بے اختیار ہو کر ہنسنے لگے۔

شاہد پتر' لالو بڑا ہی کمینہ نکلا" یہ کہہ کر وہ دوبارہ ہنسنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی شرارتی غازی کے

قہقہے بھی گونجنے لگے۔

" غازی ذرا صحافی صاحب کو پورا قصہ تو سنا، اگر آج ہمارا لکھن سائیں ادھر نہ آ نکلتا تو یہ تو گئے تھے جیل میں......"

" بابا جی۔ میرا آدھا خون تو خوف سے سڑ گیا ہے" میں نے کہا

" آپ نے مجھے اتنے کڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔"

" ہماری محبت تو خود ایک کڑا امتحان ہے میاں......" بابا جی بولے۔ " ہاں غازی...... پھر کیا ہوا......؟"

غازی نے بے ساختہ قہقہوں کے درمیان بتایا" لالو قصائی بڑا کایاں انسان ہے بھیا۔ آج کل اس پر خاصی سختی ہو رہی تھی۔ آپ نے جب اس سے افیون مانگی تو اس نے آپ کو استعمال کرنے کا پروگرام بنا لیا اس نے یہاں...... اپنے گاؤں سے افیون کی خاصی مقدار اٹھا لی تھی آپ کو تو یہ کہہ کر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں لے کر جاتا رہا کہ وہ افیون ڈھونڈ رہا ہے مگر حقیقت میں وہ گاؤں گاؤں افیون بیچتا رہا۔ آپ کی وجہ سے پولیس اس کو جانے دیتی تھی۔ آپ نے دیکھا جب لکھن سائیں نے اسے کہا تو اس نے فوراً افیون نکال کر آپ کی ہتھیلی پر رکھ دی......"

" بڑا بے غیرت نکلا لالو......" مجھے اس پر غصہ آنے لگا" مجھے ساتھ لیکر دھندہ کرتا رہا وہ...... بابا جی سرکار۔ اگر میں پکڑا جاتا تو آپ جانتے ہیں میرے ساتھ کیا ہوتا......"

" تو کیوں پکڑا جاتا......" بابا جی نے میرے کاندھے پر روئی جیسے ہاتھ میرے کاندھے پر رکھے۔ ان کی تیز بوجھل اور گرم سانسیں میرے چہرے پر محسوس ہونے لگیں۔ لگا وہ میرے مقابل کھڑے ہیں مگر میں آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔" یہ غازی ترے ساتھ ساتھ تھا......" بابا جی بولے" پتر جی' ہم اپنے پیار کرنے والوں کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ غازی پولیس والوں کی عقل مار دیتا تھا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ لالو جیسے شکار کو آسانی سے جانے دیتے......"

" بابا جی...... صبح میرا انگریزی کا پرچہ ہے۔ میں آج گھر جانا چاہتا ہوں۔ ابا جی ناراض ہوں گے......" میں نے افیون بابا جی کو دے دی۔ اب مجھے اپنے امتحان کی فکر تھی۔

" تو فکر کیوں کرتا ہے۔ اللہ خیر کرے گا۔" بابا جی نے مجھے امید دلائی...... " تو بس ایک کام کرنا' صبح امتحانی سنٹر میں داخل ہوتے وقت سورہ یاسین کا ورد کرتے رہنا۔ اللہ خیر کرے گا۔" یہ کہہ کر

باباجی چارپائی پر جا بیٹھے۔

"آج رات ادھر ہی رہ جا...... صبح سویرے یہاں سے شہر چلے جانا" فقیر کہنے لگا......

"نہیں اسے جانے دے" باباجی بولے

"باباجی رات ہو رہی ہے' نہر کی پٹڑی پر کیسے سفر کرے گا۔"

"چلا جائے گا یہ...... غازی پتر تو اس کے ساتھ چلا جا اور اسے اس کے گھر تک پہنچا کر واپس آ جانا......" باباجی نے کہا اور پھر بولے "بھئی وہ فاطمہ بی بی کی دوائی بھی بنانی ہے افیون تو آ گئی ہے اب دس سیر گائے کا دودھ اور آدھ پاؤ سپاری چاہئے۔ نصیر پتر تو اس کا خود بندوبست کر......"

"جی اچھا باباجی۔ کب چاہئے سامان......"

"صبح منگوا لینا اور اپنے ریاض شاہ کے حوالے کر دینا......" باباجی نے پیر صاحب کی طرف اشارہ کیا" ریاض بیٹے' میں تمہیں دوا بنانے کا طریقہ سکھا دوں گا' تو کل ہی فاطمہ بی بی کو دوائی بنا کر دے دینا' ہوسکتا ہے میں کل نہ آ سکوں' میں نے بڑی سرکار کے ساتھ پاکپتن جانا ہے اور کل سارا دن اور رات ہمیں وجد کی محفل میں حاضری دینی ہے۔ اس لئے تو یہ کام خود نپٹا لینا۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو تب یاد کر لینا......"

"باباجی! کیا فاطمہ کے ہاں اولاد ہو جائے گی۔" میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"اللہ نے چاہا تو ضرور ہو گی"...... فاطمہ میرے گاؤں کی رہنے والی تھی اس کی شادی کو بارہ برس ہو چکے تھے اور اب تک اس کی گود ہری نہیں ہوئی تھی۔ اس نے کہاں کہاں سے علاج نہیں کرایا ہو گا۔ ڈاکٹر حکیم' پیر فقیر جدید میڈیکل ٹیسٹ...... وہ سب تجربات سے گزر چکی تھی مگر اب تک نامراد ہی تھی۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ وہ بانجھ ہے اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔ مگر دکھیاری امیدوں بھری تھی مایوسی کے گرداب میں آسرے تلاش کرتی پھرتی تھی۔ جب سے مجھے باباجی کی قربت ملی تھی اور مجھ پر انکشاف ہوا تھا کہ باباجی ایک حاذق طبیب بھی ہیں تو میں نے فاطمہ بی بی کا مسئلہ ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔ ان سے التجا کی کہ وہ اس کے لئے دوائی بنا دیں۔ ممکن ہے انسانوں کی بنائی دوائی جو کام نہ کر سکی ایک برگزیدہ جن کے ہاتھوں سے اس دکھیاری کے درد کا مداوا پر ہو جاتا۔ باباجی نے حامی بھر لی اور میں فاطمہ کو لے کر باباجی کے پاس آ گیا' پھر باباجی نے اس کی دوائی بنانے کے لئے ہی مجھ سے افیون منگوائی تھی اور میں نے صرف فاطمہ بی

بی کی خاطر یہ ثواب آمیز "گناہ" کیا تھا۔ حالانکہ جب باباجی نے نسخہ میں شامل کرنے کے لئے افیون لانے کے لئے مجھے کہا تو میں نے بہت تردد بھی کیا تھا اور پیر صاحب ریاض شاہ سے کہا تھا کہ باباجی کے لئے افیون لانا کیا مسئلہ ہو سکتا ہے وہ خود کیوں نہیں لے آتے پیر صاحب ریاض شاہ نے اس پر قدرے خفگی کا اظہار کیا اور کہا تھا

"ایک تو باباجی نے تجھ پر مہربانی کرتے ہوئے ایک قیمتی ترین دوائی بنا کر دینے کا وعدہ کر لیا ہے اوپر سے تم حجت کرتے ہو۔ باباجی نے یہ سن لیا تو ناراض ہوں گے۔"

"پیر صاحب میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ اس میں خطرہ ہے......" میں نے وضاحت پیش کی۔

"تم باباجی سے ہی بات کرنا' ایک تو تمہارا کام مفت ہو رہا ہے اوپر سے باتیں بھی کرتے ہو......" میں پیر صاحب کی ناراضگی سے اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ میں نے کہا "آپ ناراض نہ ہوں سرکار...... میں لے آؤں گا......"

اس شام جب باباجی سرکار حاضر ہوئے تو پیر صاحب نے انہیں کہا" شاہد میاں کہتے ہیں کہ بابا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِي وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

ترجمہ: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لئے ملک ہے' اسی کے لئے سب تعریف ہے' اسی کے ہاتھ میں خیر ہے' وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس کے ذاکر کو ہر بار پڑھنے کے بدلہ میں دس نیکیاں اسکے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی اور دس گناہ نامہ اعمال سے مٹا دیئے جائیں گے اور ہر بری چیز سے اور شیطان مردود سے محفوظ رہے گا اور شرک کے سوا کوئی گناہ اسے ہلاک نہ کر سکے گا اور وہ عمل کے اعتبار سے سب لوگوں سے افضل رہے گا۔

(ٹاہلی والی سرکار کا ذکر خاص)

جی افیون خود کیوں نہیں لے آتے......"

بابا جی نے نہایت شفیق انداز میں مجھے سمجھایا "میاں ہم انسانی معاملات میں مداخلت کے اسقدر مجاز نہیں ہیں کہ ایسی اشیاء خریدتے پھریں۔ قانون قدرت اور احکامات جنات کے مطابق تمام نشہ آور اشیاء ہم پر ممنوع ہیں۔ جیسا کہ تم انسانوں پر...... مگر تم لوگ قوانین الیہہ کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہو۔ مگر ہم میں یہ تاب نہیں...... لانے کو ہم لا سکتے ہیں مگر کوئی مومن جن یہ کام نہیں کرسکتا۔ ہاں...... اگر اس کا عامل اسے مجبور کرے تو وہ ایسی قبیح حرکت کرتا ہے مگر اس کی ذمہ داری پھر اس کے عامل کی گردن پر ہوتی ہے۔" بابا جی نے مجھے جنات کے دائرہ عمل میں رہنے والے احکامات سے آگاہ کیا اور میں نے شرمساری سے سر جھکا کر وعدہ کیا تھا کہ یہ کام میں خود کروں گا۔

☆☆☆☆☆

میں نے موٹر سائیکل لیا اور اسی شام ملکوال سے نکلا اور غازی کی راہنمائی میں نہر کی پٹری کے راستے اپنے گاؤں کی طرف چل دیا۔ غازی انسانی شکل میں میرے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت وہ ایک نوجوان کی صورت میں متشکل تھا۔ غازی بابا جی کا شاگرد تھا اس کی عمر 35 سال تھی اور وہ ابھی "بچہ" جن تھا۔ اول درجے کا شرارتی، اس کی پانچ ہاتھ زبان ہوگی یعنی اول درجہ کا باتونی۔ میں اس کی شرارتوں سے بہت محظوظ ہوتا تھا۔ وہ مجھ سے محبت کرنے لگا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ میں اس کی شرارتوں پر اس کے ساتھ شریک ہو جاتا۔ وہ آئس کریم کھانے کا شوقین تھا' مجھ سے پیسے لیکر آئس کریم کھانے جاتا تھا' بابا جی اس پر ناراض بھی ہوتے تھے۔ اس پر غازی ان سے کہتا "بابا جی سرکار یہ ہم بھائیوں کا پیار ہے......"

بابا جی مجھے کہتے "میاں اسے پیسے نہ دیا کرو...... کسی دن تمہارا بیڑہ غرق کردے گا......" اور میں ہنس دیتا۔ مجھے غازی کی باتیں اور اس کی مجلس بہت اچھی لگتی تھی۔

مجھے آج تک یاد ہے' اس شام جب وہ انسانی شکل میں میرے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' اس کی شرارتیں اور شوخیاں قابل دید تھیں۔ حالانکہ بابا جی نے اسے سخت تنبیہ کی تھی کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے' جس سے کسی انسان کو نقصان پہنچے یا کوئی شبہ میں مبتلا ہو جائے مگر غازی کہاں باز آنے والا تھا ابھی ہم نہر پر چڑھے ہی تھے کہ مجھ سے ضد کرنے لگا کہ میں اسے موٹر سائیکل چلانے دوں......

"کیا تم موٹر سائیکل چلا سکتے ہو......" میں نے ہنستے ہوئے کہا

"کیوں نہیں چلا سکتا بھیا میں نے تو ایک بار موت کے گولے میں بھی موٹر سائیکل چلائی تھی۔" وہ بولا

"کب......" میں نے پوچھا

"ایک سال پہلے......" وہ ہنستے ہوئے بولا "ملک شاہ ولی کے دربار پر میلہ لگا ہوا تھا۔ وہاں سے چاہ جگیاں زیادہ دور نہیں میرا پورا قبیلہ وہاں رہتا تھا۔ میں میلے کی رونقیں دیکھنے جاتا تھا۔ ماں باپ بہت منع کرتے تھے کہ ابھی تمہاری بہت کم عمر ہے باہر نہ جایا کرو...... مگر میں ضد کرکے چوری چھپے چلا جاتا۔ ملک شاہ کے دربار پر میرے ماں باپ ڈیوٹی دیتے تھے اور ان کا اپنا اثر بھی تھا۔ میں میلے میں چلا جاتا۔ ادھر موت کے گولے میں موٹر سائیکل سوار کو دیکھتا تو مجھے بہت اچھا لگتا۔ موٹر سائیکل ایک مخنث چلاتا تھا۔ میں انسانی روپ میں اس سے ملا اور اس سے کہا کہ مجھے بھی یہ کام سکھادو...... وہ مجھ سے بہت متاثر ہوا اور اس نے مجھے موٹر سائیکل چلانا سکھادی۔ پھر ایک روز جب ابھی شو شروع نہیں ہوا تھا مگر لوگ گولے کے باہر جمع ہو چکے تھے' میرے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ میں نے غیبی حالت میں موٹر سائیکل چلا دی۔ موٹر سائیکل گولے میں دوڑ رہی تھی مگر اس پر سوار نظر نہیں آ رہا تھا...... پہلے تو لوگ اسے شعبدہ سمجھے مگر جب گولے والوں نے یہ منظر دیکھا تو وہ پریشان ہو گئے اور شور مچانے لگے کہ موٹر سائیکل کون چلا رہا ہے۔ بس ان کا یہ کہنا تھا کہ شور مچ گیا ادھر میری شوخی اتنی بڑھ گئی کہ میں نے موٹر سائیکل کی رفتار راکٹ سے تیز کردی اور پھر موٹر سائیکل کو چلتی حالت میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ موٹر سائیکل ہوا میں اڑنے لگی اور گولے کی فولادی دیواروں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی یہ دیکھ کر لوگ بھاگے اور ایک دوسرے کے اوپر گرنے سے زخمی ہو گئے' یہ شور مچ گیا کہ کسی جن نے یہ حرکت کی ہے۔ یہ خبر میرے ماں باپ تک پہنچ گئی اور انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ بھیا...... اس روز میری بہت ٹھکائی ہوئی تھی۔

میں غازی کی بات سن کر ہنسنے لگا۔ "اور آج تم ایک بار پھر یہ حرکت کرنا چاہتے ہو۔ بابا میں یہ رسک نہیں لے سکتا"

"مگر اب تو میں سیانا ہوگیا ہوں' بابا جی سرکار سے اتنی مار کھاتا ہوں کہ اب عقل آنے لگی ہے......"

غازی کی باتیں سنتے سنتے سفر خیریت سے کٹ گیا عشاء کے وقت گاؤں پہنچ گیا۔ راستے میں البتہ ایک دلچسپ واقعہ ہوا تھا۔ جب ہم گاؤں کے قبرستان کے پاس سے گزرنے لگے تو آوارہ کتوں کے ایک غول نے ہماری موٹر سائیکل کو گھیر لیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ بری طرح چیخنے چلانے لگے اور خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے تھے۔ غازی کہنے لگا ”انہوں نے اب مجھے پہچان لیا ہے۔ شاید تم نہیں جانتے‘ کتوں بلیوں‘ الوؤں حتیٰ کہ گدھوں کو بھی جنات کے وجود کی خبر ہو جاتی ہے اور وہ انہیں دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں......“ غازی مجھے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میں رات گئے تک پرچے کی تیاری کرتا رہا۔ پچھلے تین دن سے...... یعنی جب سے میں ملک وال گیا تھا وہاں پڑھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ میں تو یہ سوچ کر اپنے دوست کے پاس پڑھنے گیا تھا تاکہ اپنی سوشل زندگی کی گہما گہمیوں سے بچ کر بی اے کے امتحان کی تیاری کر سکوں گا مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھے وہاں جنات کی دنیا سے متعارف ہونا پڑے گا اور میری زندگی ایک ایسے راز کائنات سے آشنا ہو جائے گی جس کو پانے کے لئے لوگوں کی عمریں گزر جاتی ہیں۔

☆☆☆☆

ہر انسان کی زندگی ناگہانی واقعات سے بھری ہوتی ہے۔ کوئی خوش قسمت کوئی بد بخت ہی ہوگا جسے اتفاقات زمانہ کے ہاتھوں سخت قسم کے تجربات سے نہ گزرنا پڑتا ہوگا ورنہ ہماری دنیا میں اربوں انسانوں کو یقیناً زندگی میں ایک آدھ ایسے معجزاتی‘ غیر مرئی‘ غیر حقیقی واقعات سے واسطہ پڑا ہوگا۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا۔ اس وقت تو میں خود کو خوش قسمت ہی تصور کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی پوشیدہ کائنات کے باسیوں سے متعارف کرا دیا ہے اور مجھ پر یہ حقیقت روشن کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہر حال میں حق ہے۔ اس نے جو اس میں شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ہم مسلمان تو بالغیب ایمان پر اطاعت کرتے ہیں۔ پرکھوں سے مسلمان ہیں تو اس روایت پر چلتے رہتے ہیں۔ نمازیں‘ روزے‘ اور اخلاقی تعلیمات ہمارے مسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ بے شک اسی میں ہماری نجات اور فلاح ہوتی ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت میں ہمیں عبادات الٰہی سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ مگر ذرا سوچئے...... کتنے مسلمان ہیں جو ایمان بالغیب کے باوجود گمراہی کی زندگی گزارتے ہیں۔ قرآن کریم میں شیطان اور جنات کو بطور ایک مخلوق ہم انسانوں سے متعارف کرایا گیا لیکن ہم جنات کے وجود سے غافل اور انکاری ہوتے ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک تھا مگر جب بابا جی سرکار اور غازی کے علاوہ ان کے درجنوں جنات ساتھیوں اور کارکنوں حتیٰ کہ بابا جی سرکار کے پیر و مرشد بڑے حاجی صاحب سے ملاقاتیں ہونے لگیں تو میرا ایمان اس غیبی مخلوق کی حقیقت جاننے کے بعد بہتر ہو گیا۔ میں نے ان جنات کو انسانی شکلوں میں دیکھا‘ اپنے قریب پایا‘ انہیں چھوا‘ ان کے انسانی و [illegible]نانی خدوخال کا تجزیہ کیا‘ انہیں کھانے اور پھل کھلائے‘ ان کے کاندھے سے کاندھا ملا کر چلتا رہا۔ ویرانوں اور آبادیوں میں ان کے تجربات و مشاہدات اور معمولات دیکھتا رہا۔ ان سے حکایات زمانہ اور تاریخ کے المناک اور دلچسپ واقعات سنتا رہا۔ وہ اپنی محفلیں سجاتے قرآن

پاک کی تلاوت سے وجد کا ساں باندھ دیتے' شب ان سے نعتیں سنتے گزر جاتی' سحری کا تارہ ان کا عبادات میں استغراق دیکھتے ساکت ہو جاتا۔ جنات سے میری بیس روز تک کی ان ملاقاتوں میں لگا بیس صدیاں گزار بیٹھا ہوں۔ان کے گزرے ایک ایک پل کی ہر ساعت آج بھی میرے قلب ونظر کو عجیب شانتی سے روشناس کراتی ہے اور میں سر سجدے میں گرا کر خالق حقیقی کی خالقیت' ابدیت اور اس کے نظام قدرت پر تسبیح شروع کر دیتا ہوں۔ واللہ خالق العظیم' وہی تو ہے رب الملائکہ' رب الانس' رب الجن' جب اس نے کہا کہ وہی ذات بالا و برتر ہے جو پتھر میں کیڑے کو رزق دیتی ہے۔تو جنات ان کیڑوں سے بہت بالا مخلوق ہے' لوگ کہتے ہیں کہ کبھی ہو گی یہ مخلوق مگر اب نہیں ہے۔اربوں کھربوں انسانوں کے درمیان جنات کہاں بسیرا کرتے ہیں۔ایک زمانے میں جب دنیا میں انسان کم تھے جنات کی آبادیاں ہوں گی مگر آنکھوں دیکھی ہوئی حقیقت ان پر بھی منکشف ہو جاتی تو وہ چلا چلا کر اس مخلوق کے وجود کی حقیقت کے بارے میں بتاتے پھرتے کہ ارے' یہ مخلوق ابھی باقی ہے اور زمین و آسمان کے درمیان' ویرانوں پہاڑوں' سمندروں' جنگلوں اور انسانی آبادیوں میں مقیم ہے۔ان کی اپنی زندگی ہے۔معمولات اوقات ہیں' ان کے ہاں بھی انسانوں جیسی اختراعات' عبادات' قبائل' رسم ورواج' اچھائیاں' برائیاں اور ثقافتیں موجود ہیں۔مگر یہ سب دیکھنا' کہنا سننا اور پھر باور کرانا بہت دشوار ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب غازی مجھے گھر تک چھوڑنے آیا تھا تو میں نے ساری رات پڑھنے کی بجائے انہی خواب وخیال میں گزار دی تھی۔میرا ذہن بار بار بابا جی سرکار' غازی اور مکھن سائیں کی طرف چلا جاتا تھا۔ہوا کا ایک جھونکا اگر کسی پردے کو ہلکا سا سرکاتا تو مجھے یہی گماں ہوتا کہ غازی یا بابا جی میں سے کوئی آیا ہے تو میں بے ساختہ آنکھیں بند کر لیتا' کبھی نیم وا اور دزدیدہ نظروں سے اپنے ماحول کا جائزہ لینے لگ جاتا اور دل میں درود پاک ﷺ پڑھنے لگتا تھا۔مگر وہ ہوا کا جھونکا' پردوں کا ہلنا' روشنی کا دیواروں پر لہرانا سب معمولات میں شامل تھا۔میں اس رات ڈرتا رہا' سہم کر چارپائی پر سکڑ کر بیٹھ جاتا' کبھی متجسس نظروں سے ارد گرد دیکھنے لگتا' انگریزی کی کتاب میرے ہاتھوں میں کھلی تھی مگر ایک انجانا خوف تھا یا بے کلی' میں دلجمعی سے پڑھ نہ سکا اور پھر رات خوب گزر چکی تو' فضا میں خنکی اور تازگی کا احساس ابھرا آسمان روشن ستاروں سے بھر گیا۔ماحول میں نورانیت اور روحانیت کا پہرہ بڑھ گیا تو میرا خوف اکارت گیا۔

میرے اندر بے خوفی پیدا ہوئی اور ایک معمول کی طرح اٹھا۔وضو کیا اور نماز تہجد ادا کی اور پھر سو گیا۔بڑی میٹھی اور خوشبودار نیند آئی تھی۔مجھے لگا جیسے میرا بستر گلستان میں بچھا ہوا ہے۔رنگ برنگے پرندے جہاں چہچہا رہے ہیں اور پھولوں کی خوشبوؤں سے فضا مہک رہی ہے۔

صبح سات بجے والدہ نے مجھے اٹھایا۔"اٹھو دیر ہو رہی ہے۔آٹھ بجے تمہارا پیپر شروع ہو جانا ہے اور تم ابھی تک سوئے پڑے ہو"

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔مجھے امتحان دینے کے لئے سیالکوٹ شہر جانا تھا۔علامہ اقبال کالج میں میرا سنٹر بنا تھا۔

"مارا گیا" میں پریشان ہو گیا۔شہر جانے میں گھنٹہ لگ جاتا تھا۔میں نے گھڑی دیکھی تو پورے سات بجے تھے۔میں نے سوچا اگر سوا سات بجے والی ریل گاڑی پکڑ لوں تو دس پندرہ منٹ میں سیالکوٹ پہنچا جا سکتا تھا۔میں جتنی جلدی تیار ہو رہا تھا دماغ اس سے بھی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ جلد از جلد کیسے پہنچا جائے۔موٹر سائیکل پر جاتا تو آدھ پون گھنٹہ تب بھی لگ سکتا تھا بس اور ویگن پر جانے کا مطلب تھا ایک گھنٹہ ضائع۔لہٰذا میں نے ریل گاڑی پکڑنے کا سوچا اور بھائی سے کہا کہ مجھے اگوکی ریلوے سٹیشن تک چھوڑ آئے۔جب ہم اسٹیشن پر پہنچے ریل گاڑی اسٹیشن چھوڑ رہی تھی۔بھائی چلتی گاڑی کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل دوڑانے لگا۔صبح کی گاڑی تھی خوب رش تھا' اس کی چھتوں اور پائیدانوں پر بھی مسافر بیٹھے اور لٹکے ہوئے تھے۔بھائی کہنے لگا"رش بہت ہے۔جگہ نہیں ملے گی۔میں اسی رفتار سے موٹر سائیکل تیزی کے ساتھ ساتھ دوڑاتا ہوں' ہم یونہی سیالکوٹ پہنچ جائیں گے" پٹڑی کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل چلانا خطرناک کام تھا۔میں نے منع کیا اور اسے کہا کہ وہ موٹر سائیکل ذرا آہستہ کرے میں چلتی گاڑی پر سوار ہو جاتا ہوں۔اس وقت گارڈ کا ڈبہ میرے سامنے تھا' اس کے پیچھے ایک مال ڈبہ تھا جس میں غالباً جانور بھرے ہوئے تھے' اس کے پیچھے آخری ڈبہ زنانہ تھا۔بھائی بضد ہوا" یار میں تمہیں چلتی گاڑی پر سوار نہیں ہونے دوں گا" بھائی کا خوف بجا تھا۔گاڑی تیز ہو رہی تھی اور کسی بھی ڈبے کے ہینڈل کو پکڑ کر پائیدان پر پاؤں رکھنے کی بھی گنجائش نہیں تھی۔مگر مجھے دیر ہو جانے کے خوف نے بہادر بنا دیا تھا۔

میں نے زبردستی بھائی سے موٹر سائیکل رکوائی اور پھر چلتی گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ گارڈ نے دیکھا کہ میں سوار ہونا چاہتا ہوں تو وہ اونچی آواز میں چلایا۔

"اوئے انسان بن......سوار نہ ہونا گر جائے گا"

مگر میں نے اس کی سنی ان سنی کر دی۔ گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتا چلتی گاڑی پر سوار ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھے قدرے پریکٹس بھی تھی۔ اسٹوڈنٹس تو عموماً سوار ہی چلتی گاڑی پر ہوتے تھے لہٰذا مجھے یہ یقین تھا کہ میں چلتی گاڑی پر سوار ہو جاؤں گا۔ مگر میرے لئے اس وقت مسئلہ یہ تھا کہ گارڈ کے پیچھے جانوروں کی بوگی تھی اور اس کے پیچھے زنانہ ڈبہ جس کا دروازہ بند تھا۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور جانوروں کی بوگی پر سوار ہونے کے لئے اس کا ہینڈل تھام لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ پوری گاڑی میں سوار مسافر پلٹ کر مجھے دیکھ رہے تھے کہ جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ نوجوان کیوں سوار ہونا چاہتا ہے۔

ہینڈل پکڑتے ہی میں پائیدان پر پاؤں رکھنے کے لئے اچھلا تو بدقسمتی سے یہ نہ دیکھ سکا کہ پائیدان ٹوٹا ہوا ہے۔ جونہی میرے پاؤں پٹری سے اٹھے اور پائیدان پر رکھنے لگا تو پائیدان دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے میرے پاؤں سیدھے گاڑی کے نیچے پہیوں سے ٹکرائے۔ میرے بھائی کی چیخ نکل گئی' گاڑی کے شور میں بھی مسافروں کی سسکیاں سنائی دیں' میرا انجام ان کی نظروں میں گھوم گیا۔ میں ہینڈل کے ساتھ لٹک گیا تھا خدا کا شکر تھا کہ پاؤں پہیوں کے نیچے نہیں آگئے مگر پٹری پر پتھروں سے ٹکرانے کے بعد میں گاڑی کے ساتھ ساتھ گھسیٹا جانے لگا تھا۔ اب اگر میں ہینڈل چھوڑ دیتا تو گاڑی کے نیچے آ سکتا تھا مگر دوسری طرف میں زیادہ دیر تک لٹکا بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے بچاؤ کی دو ہی صورتیں تھیں یا تو گاڑی فوراً رک جاتی یا دوسرے پائیدان پر پاؤں رکھنے میں کامیاب ہو جاتا۔ اضطراری حالت میں' میں پاؤں پٹری سے اٹھانے کی کوشش تو کر رہا تھا مگر میرے گھٹنے اور پنڈلیاں بری طرح چھل چکی تھیں اور گاڑی جب تک رکتی میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔

مجھے یاد ہے میں نے اونچی آواز میں اپنے پیارے اللہ کو پکارا تھا "یا اللہ مدد" میرے ہاتھوں کی گرفت کمزور ہو رہی تھی اور کچھ ہی لمحے بعد میں گر جاتا کہ اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی نادیدہ طاقت میرے اندر سرایت کر گئی ہے اور پھر میرے کمزور بازوؤں میں اتنی طاقت عود آئی کہ میں نے اپنے لٹکے ہوئے وجود کو سکیڑ لیا اور بڑے آرام سے پائیدان پر پاؤں رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر میں جونہی بوگی میں داخل ہوا جانور مجھے دیکھ کر بدک گئے اور خوف سے چلانے لگے۔ میں پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ پنڈلیاں اور ایڑھیاں گھائل تھیں مگر اس سے مجھے

کسی قسم کی تکلیف کا احساس نہیں ہوا۔ جانوروں کی بوگی میں ایک بیل اور تین بکریاں اور ایک کتا اپنی اپنی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ جانوروں نے خوفزدگی کے مارے پوری بوگی میں اچھل کود شروع کر دی تھی۔ کتا تو خوف سے مجھ پر بھونک رہا تھا مگر چند ہی ساعتوں کے بعد سارے جانور مطمئن ہو گئے۔ میں اس وقت تو نہ سمجھ سکا کہ یہ کیوں پریشان تھے۔ مگر کچھ ہی دیر بعد مجھے غازی کی ایک بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا تھا کہ بعض جانور جنات کے وجود کا احساس ہوتے ہی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ تو کیا اس سے غازی یا کوئی اور جن میرے ساتھ بوگی میں موجود تھا جس کا احساس ان جانوروں نے دلایا تھا' لیکن شاید اب وہ چلا گیا تھا کیونکہ جانور اب شانت ہو چکے تھے۔

گارڈ نے ویکیوم کھینچ کر گاڑی نہیں روکی تھی۔ اگر وہ گاڑی روک لیتا تو مجھے پکڑ کر یقیناً پولیس کے حوالے کر دیتا۔ میرے ذہن میں آیا کہ اسٹیشن پر گاڑی رکتے ہی وہ مجھے پکڑنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر ایک کام غلط کیا ہے تو دوسری بار غلط کام کر کے ہی بچ سکوں گا۔ لیکن دوسری بار مجھے غلط کام کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔

ریل گاڑی سیالکوٹ اسٹیشن سے پہلے سبزی منڈی کے پھاٹک سے پیچھے رک گئی۔ غالباً سگنل ڈاؤن نہیں ہوا تھا۔ یا کسی سبزی منڈی میں اترنے والے نے ویکیوم کھینچ کر گاڑی روک لی تھی۔ علامہ اقبال کالج سبزی منڈی کے سامنے تھا لہٰذا گاڑی رکتے ہی میں تیزی سے باہر نکلا اس دوران دیکھا گارڈ میری طرف آ رہا تھا۔

"اوئے ادھر آؤ" اس نے جھنڈی کا ڈنڈا میری طرف کرتے ہوئے اشارہ کیا۔ میں نے اس کی سنی ان سنی کی اور بھاگ کر سبزی منڈی میں داخل ہو گیا۔ گارڈ میرے پیچھے نہیں آیا تھا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کالج کی طرف چل دیا۔

سبزی منڈی میں جابجا فروٹ اور سبزیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور آڑھتی ان کی بولیاں لگانے میں مصروف تھے۔ گلے سڑے پھلوں کے ڈھیر بھی ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ان سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ مگر آڑھتی اور خریدار اس گندگی سے بے نیاز تھے۔ میں ناک پر ہاتھ رکھے منڈی سے باہر نکلنے لگا تو یکدم میرے عقب سے ایک آدمی کے چلانے کی آواز آئی۔ دیکھا تو ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ پھلوں کے ایک ڈھیر کے پاس مجذوب بچہ کھڑا تھا۔ اس نے کیلوں کا ایک بڑا گچھا اٹھایا ہوا تھا اور آڑھتی اس سے وہ گچھا چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اوئے چور کے پتر سرعام چوری کرتا ہے'' آڑھتی نے بچے سے جو تقریباً دس سال کا ہو گا اس کے منہ پر تھپڑ مار کر کیلوں کا گچھا چھین لیا۔ اسی لمحہ بچے نے منہ بسورتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں' چہرہ صدیوں کی میل سے بھرا ہوا تھا' کپڑے پھٹے ہوئے تھے' پاؤں اور ہاتھوں کے ناخنوں میں سیاہ مٹی بھری تھی۔ میرے دل میں اس کے لئے رحم بھر آیا۔ میں نے سوچا کہ شاہد تمہیں آج خدا نے دوسری زندگی دی ہے اور پھر تم امتحان دینے جا رہے ہو' چلو سخاوت کرتے جاؤ۔ اپنا صدقہ خیرات کر کے امتحان میں بیٹھو گے تو ممکن ہے اللہ کو تمہاری یہ ادا پسند آ جائے۔ یہ سوچ کر میں آڑھتی کے پاس پہنچا وہ بچے کو دوبارہ تھپڑ مارنے ہی والا تھا کہ میرے تیور دیکھ کر رک گیا'' یہ چور کا پتر......''

''بس بس...... رہنے دو تمہارے چار کیلے اس نے اٹھا لئے ہیں تو کون سی قیامت آ گئی ہے'' میں نے کہا'' کتنے پیسے ہیں ان کے''

''جناب یہ چار نہیں پورے پانچ درجن کیلوں کا گچھا ہے۔ اس نے میری ڈنڈی خراب کر دی ہے۔ دو تین کیلے تو اب اتار کر نہیں دے سکتا۔ پانچ درجن کیلوں کی قیمت دیں مجھے'' آڑھتی بہت ہی نادیدہ قسم کا شخص تھا۔

''تم لوگوں کو خدا کا خوف نہیں۔ مال بے شک گل سڑ جائے مگر کسی غریب کو نہیں دینا۔ کتنے پیسے ہیں اس کے'' میں نے پرس نکالا۔

''100 روپے'' وہ بولا۔

''سو روپے...... 20 روپے درجن۔ پندرہ روپے درجن میں تو باہر سے مل جاتے ہیں ادھر منڈی میں تو دس روپے درجن ہونے چاہئیں'' میں نے تیوری چڑھا کر کہا

''پانچ درجن لو گے تو یہی قیمت ہے زیادہ مال کی قیمت کم ہوتی ہے'' آڑھتی کاروباری انداز میں بولا'' اچھا تم اس میں سے ایک درجن کیلے نکال دو۔ تمہیں کیا فرق پڑے گا'' میں نے اس دوران گھڑی دیکھی تو آٹھ بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میں جلدی سے بولا

''دیکھو میرے پاس صرف سو روپیہ ہے اور ابھی مجھے واپس گاؤں بھی جانا ہے۔ یہ پچاس روپے لو اور اس میں جتنے کیلے آتے ہیں دے دو'' اس نے جھٹ سے پچاس روپے پکڑے۔ اس لمحہ بچے نے آڑھتی کے ہاتھوں سے گچھا چھین لیا اور بولا'' میں سارے کھاؤں گا''

میں نیکی کر کے واپس مڑنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے بچے نے چھ سات

کیلے مٹھی میں پکڑے اور چھلکے اتارے بغیر منہ میں ڈال لئے

''ارے...... یہ کیا کر رہے ہو...... چھیل تو لو'' میں یہ کہتا ہی رہ گیا اور بچہ سات کیلوں کا ایک لقمہ بنا کر کھا گیا اور دوسرا لقمہ لینے کے لئے چھ سات کیلے مزید منہ میں ڈال لئے۔ میں پہلے تو حیران ہوا۔ پھر سوچا کہ مجذوب بچہ ہے اسے کھانے پینے کے آداب کیا آئے ہوں گے۔

میں واپس پلٹا تو آڑھتی یکدم چلانے لگا'' حرام خور اب دفع ہو جا۔ اب کون تیرے پیسے دے گا'' میں نے پلٹ کر دیکھا بچہ کیلوں کا خالی ڈنڈا پرے پھینک رہا تھا اور ایک دوسرے گچھے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''صاحب جی'' آڑھتی نے مجھے پکارا۔

''اور پیسے دیتے ہیں تو یہ گچھا بھی اسے دے دوں۔ یہ جن کا بچہ پانچ درجن کیلے کھا گیا ہے اور کیلے کھانا چاہتا ہے'' اس کی آواز سنتے ہی میرا ذہن گھوم گیا اور میں میکانکی انداز میں واپس آیا۔ ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں کوندا اور میرے منہ سے بے اختیار نکلا

''غازی''

مجذوب بچہ گڑبڑا گیا اور خالی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''غازی...... باز آ جا'' میں نے مجذوب بچے کی طرف دیکھ کر کہا تو اب کی بار اس کی خالی نظروں میں شرارتوں کے قندیل روشن ہو گئے۔ مجھے باباجی سرکار کی بات یاد آ گئی'' شاہد اسے زیادہ پیسے نہ دیا کرو۔ یہ تمہیں برباد کر دے گا'' میں بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔ مجذوب بچے کے روپ میں غازی کھڑا تھا اور ندیدوں کی طرح کیلے کھانے کے لئے مچل رہا تھا۔

میں نے منہ اس کے کان کے قریب کیا۔

''غازی یار...... میں جانتا ہوں تو یہ ساری سبزی منڈی بھی ہڑپ کر جائے تو تیری ایک آنت بھی نہیں بھرے گی۔ مگر یار...... میرے پاس اب پچاس روپے بچے ہیں۔ میں نے کل بھی پرچہ دینے آنا ہے۔ ویسے بھی تیری اس حرکت سے یہاں تھرتھلی مچ جائے گی۔ شرافت سے واپس چلا جا تا...... ورنہ باباجی کو خبر ہو گئی تو تیرے ساتھ مجھے بھی چھترول ہو گی''

''بھیا تمہاری جان روپے پیسوں سے مہنگی ہے' تو پچاس روپے صدقہ دے کر خوش ہو رہا تھا'' غازی منمناتے ہوئے بولا'' خیر اب تم پر قرض ہے۔ اگر میں وقت پر نہ آتا تو ریل کی پٹری پر تمہارے اتنے ٹکڑے نظر آتے جتنے یہاں کیلے پڑے ہیں''

"اوہ......شکریہ غازی...... میں جان گیا تھا کہ اس کرامت میں تمہارا ہاتھ ہوگا" میں نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا "آڑھتی پریشان ہو رہا ہے تمہاری بے احتیاطی سے یہاں دہائی مچ جائے گی"

میں نے غازی کو سمجھایا۔ آڑھتی کو ہماری باتیں سنائی نہیں دیں۔ غازی نے کیلوں کا گچھا واپس رکھ دیا اور بولا "اچھا اب تم جاؤ بھیا اور پیپر دے آؤ...... ہاں یاد آیا سورہ یٰسین پڑھنا نہ بھولنا"

میں نے جیب کو ٹٹولا تو سورہ یٰسین چھوٹی سی کتابی صورت میں میرے پاس تھی۔ میں نے غازی کو ادھر ہی چھوڑا اور امتحانی سنٹر میں پہنچتے ہی جلدی سے غسل خانے میں گیا اور ہاتھ پاؤں صاف کر کے وضو کیا اور پھر امتحانی کمرے میں پہنچ گیا۔ نگران نے رول نمبر سلپ دیکھنے کے بعد مجھے سیٹ اور کرسی پر بٹھا دیا۔ میں نے کرسی پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے سورہ یٰسین جیب سے نکالی اور پڑھنے لگا۔

اس دوران شیٹس تقسیم کرنے والا میرے پاس آیا اور مجھے شیٹ پکڑانے کے بعد کہنے لگا "اچھی بات ہے برکت ہوگی پڑھ لو۔ ابھی پرچہ تقسیم ہونے والا ہے" میں سورہ یٰسین پڑھنے میں اس قدر مستغرق ہوگیا کہ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کب ایک نگران سوالنامہ لے کر میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے متوجہ کر کے سوالنامہ دیا اور بولا "مولانا اب پرچے کی فکر کرو" میں نے اس سے سوالنامہ لے لیا اور دوبارہ سورہ یٰسین پڑھنے لگ گیا۔ میں نے جب تک تین بار مکمل سورۃ نہیں پڑھ لی پرچے پر نظر نہیں ڈالی۔ اس دوران آدھ گھنٹہ تو گذر ہی گیا ہوگا۔ نگران اور پھر سپرنٹنڈنٹ تک اب پریشان ہو رہے تھے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس قدر بے فکری کے ساتھ سورہ یٰسین پڑھنے میں مصروف ہوں اور پرچے کی کوئی فکر ہی نہیں کر رہا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھ میں سوالنامہ پر نظریں دوڑانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی قوت تھی یا کوئی اور خیال جو مجھے کہہ رہی تھی گھبراؤ نہیں۔ پڑھتے جاؤ۔ تمہارا پرچہ انشاء اللہ ٹھیک ہوگا" مگر اس خیال کے سہارے میں زیادہ دیر تک وہاں بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔ مجھے پرچہ حل کرنا ہی تھا۔ کب تک حقائق سے نظریں چراتا۔ آخر میں نے جرات کر کے سورہ یٰسین جیب میں ڈالی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ اس گناہ گار کی عزت رکھ لینا۔ اس پرچے میں مجھے پاس کر دینا" میں نے بالآخر سوالنامہ پر نظر دوڑائی پہلا ہی سوال پڑھتے ہوئے میرا دل خوشیوں سے بھر گیا۔ اس قدر آسان

سوال...... پھر سارے سوالنامے میں سے میں نے پانچ سوال منتخب کر کے گھڑی پر نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ پرچہ شروع ہوئے تقریباً چالیس منٹ گزر چکے ہیں۔ میں نے اللہ کا نام لیا اور پھر لکھنا شروع کیا تو ایسے لگا جیسے میرے قلم کو پر لگ گئے ہیں یا اس میں کوئی مشین فٹ ہوگئی ہے۔ اس قدر تیز رفتاری سے لکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو میں نے بی اے میں انگریزی کے پرچہ الف میں رفتار پکڑی تھی۔ پرچہ ختم ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے جب میں سارے سوال حل کر کے فارغ ہو چکا تھا اور پہلا امیدوار تھا جو فارغ ہو کر سنٹر سے باہر نکلا تھا۔ جونہی میں سنٹر سے نکل کر سبزی منڈی کے سٹاپ پر پہنچا تو نظریں بے اختیاری سے اسی آڑھتی کو ڈھونڈنے لگیں۔ میں اس کے ڈھیر کی طرف گیا تو وہاں ایک عجیب منظر میرا منتظر تھا۔ جابجا کیلوں کے خالی ڈنٹھل بکھرے پڑے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ غازی اپنا کام دکھا گیا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ منڈی میں قدرے ویرانی ہے اور لوگ خوفزدہ نظر آرہے ہیں۔ میں نے ایک آڑھتی سے صبح والے آڑھتی کا پوچھا تو وہ بے ساختہ بولا "نور بخش کا پوچھ رہے ہو۔ وہ جس کے کیلے جن کا بچہ کھا گیا ہے"

"مجھے کیا معلوم" میں گھبرا کر بولا۔ میں اسے کیا کہتا کہ ہاں وہی بچہ۔ یہ تو بلاوجہ شک میں مبتلا کرنے والی بات تھی۔ "اگر تو آپ اس کا پوچھ رہے ہیں تو وہ ادھر بابا تیلے شاہ کی جھگی میں بے ہوش پڑا ہے صبح سے۔ اس پر جن آگیا تھا۔ صبح ایک مجذوب بچہ اس کا سارا مال کھا گیا اور پھر نور بخش پر غشی کا دورہ پڑ گیا۔ مارکیٹ کے لوگ اسے بابا تیلے شاہ کے پاس لے گئے ہیں کہ جی اس کا جن اتاریں میں تو جی ادھر نہیں جاسکا۔ سنا ہے کہ بابا تیلے شاہ نے اس کے جن کو پکڑ لیا ہے۔"

"کک......کیا" میں پریشان ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ کیا غازی پکڑا گیا ہے۔ اگر بابا تیلے شاہ نے واقعی اس کو پکڑ لیا ہے تو وہ اسے مار ڈالے گا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ وہ جلالی قسم کا ملنگ ٹائپ پیر تھا وہ جب جلال میں آتا تھا تو کسی کا لحاظ نہیں کرتا تھا۔

"یا اللہ میرے غازی کو بچالے" میں دل ہی دل میں دعا کرنے لگا اور پھر سوچنے لگا کہ اپنے غازی کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔

☆☆☆

مجھے بابا جی کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ غازی جب بھی کوئی بھی چلبلی بات کرتا یا [illegible]ت کے موڈ میں نظر آتا تو اسے ڈانٹ دیتے تھے۔ مگر غازی کہاں چپکا بیٹھ سکتا تھا۔ اچھل

کوداور چھیڑ چھاڑ اس کی طبیعت کا حصہ تھے۔ میں نے پہلی ملاقات میں اس سے کہا تھا

''تمہارا نام غازی کی بجائے مستان ہونا چاہئے''

''کیوں غازی اچھا نام نہیں ہے'' اس نے بچوں کی معصومیت لئے ہوئے انداز میں پوچھا

''اچھا نام ہے' مگر تمہاری حرکتیں ایسی ہیں کہ تمہیں غازی نہیں کہنا چاہئے۔ تم پر تو ہر وقت شیطان کی سی مستی چڑھی رہتی ہے۔ اسی لئے کہہ رہا تھا کہ تمہیں مستان یا پھر شیطان کہنا چاہئے'' میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا

''مجھے تو یہ دونوں نام پسند ہیں۔ مستان اور شیطان'' غازی چہکتے ہوئے بولا ''اگر میں شیطان کہلانے لگا تو بابا جی کا غصہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ ارے بھیا تم نے بابا جی کا جلال نہیں دیکھا۔ ایک بار بزرگ قسم کے عبادت گزار جن نے کسی لڑکی کو تنگ کیا تھا۔ بابا جی کو معلوم ہوا تو اس بیچارے کی کھال میں بھس بھر دی تھی بابا جی نے۔ وہ تو پہلے ہی کہتے رہتے ہیں کہ غازی ہے تو مسلمان جنات کا بچہ مگر اس کے اندر شیطان کی روح ہے''

''غازی تمہارا یہ نام کس نے رکھا تھا'' میں نے دریافت کیا

''یہ بڑی دلچسپ بات ہے۔ میرا اصل نام تو عبداللہ ہے لیکن مجھے غازی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ہر شرارت کے بعد بھی محفوظ رہتا ہوں۔ میں انسانوں کی بستیوں میں جا کر شرارتیں کیا کرتا تھا کئی بار ایسا ہوا کہ کسی اللہ والے درویش سے بھی مڈبھیڑ ہو جاتی تھی۔ میری قسمت اچھی ہوتی اور میں بچ کر آ جاتا تھا۔ میرے دوست جنات یہ دیکھتے تو کہتے عبداللہ تم غازی ہو۔ تمہاری ہر شرارت کسی جنگ سے کم نہیں ہوتی۔ میرے زندہ سلامت بچ کر نکل آنے پر وہ مجھے غازی کہتے تھے۔''

''میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔ شرارت کا جنگ سے کیا تعلق؟'' میں نے پوچھا

''ہماری شرارتیں کسی جنگی محاذ سے کم نہیں ہوتیں'' غازی ہنستے ہوئے بولا ''اگر تم آج دس لٹر آئس کریم کھلاؤ گے تو میں تمہیں اگلی بات بتاؤں گا''

''دس لٹر'' میں نے حساب لگایا ''یار دس تو نہیں صرف ایک لٹر کے پیسے ہیں میرے پاس''

''ٹھیک ہے...... ایک لٹر ہی سہی۔ منہ کا ذائقہ تو بدلے گا'' غازی نے مجھ سے پیسے لئے اور بولا ''اصل میں ہمیں اپنی بستیوں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہمیں بچپن سے ہی اصول جنات پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسانی بستیوں میں ظاہر نہیں ہونا' کسی کو

تنگ نہیں کرنا' اگر کوئی انسان تنگ بھی کرے تو صبر کرنا ہے اور اپنے بزرگوں کو اس سے آگاہ کرنا ہے۔ کسی بزرگ کے مزار پر جا کر گندہ کام نہیں کرنا۔ کسی ولی اللہ اور عبادت گزار مسلمان کی عبادت میں خلل نہیں ڈالنا۔ عورتوں بچوں پر قابض نہیں ہونا۔ مسلمان جنات کو بچپن سے ہی یہ سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے مگر شرارتی جنات چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ باز نہیں آتے۔ شرارتوں سے نہیں کتراتے۔ انسانوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ پھر جب پکڑے جاتے ہیں تو اکثر اوقات مارے بھی جاتے ہیں۔ میں چونکہ آج تک نہیں پکڑا گیا اس لئے مجھے میرے دوست غازی کہتے ہیں''

اس روز میں غازی سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ میرے اندر کا صحافی ہزاروں سوال کرنے کے لئے مچل رہا تھا مگر بابا جی سرکار کی آمد ہو گئی تھی اور انہوں نے آتے ہی باتونی غازی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی گدی پر اس قدر زور سے تھپڑ مارا کہ بیچارے کی چیخ کوسوں دور تک سنی گئی ہوگی۔ اس کی چیخ سے کم از کم ہمارے دل تو پھٹ ہی گئے تھے۔ سارا کمرہ تھرا گیا تھا۔ زلیخا بے ہوش ہو گئی تھی اور میرا دوست ملک نصیر اس کی چیخ کی دہشت سے کافی دیر تک کانپتا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ غازی اس کے بعد کبھی شرارت کی جرات نہیں کرے گا۔ بابا جی سے ایک تھپڑ کھانے کے بعد وہ سسکیاں بھر بھر کے روتا رہا تھا۔ اس کے رونے سے میری حالت عجیب ہو گئی تھی۔

''حرام خور...... تجھے لاکھ بار کہا ہے اپنی زبان پر تالا لگا کر رکھا کر وار پھر تم میرے آنے سے پہلے یہاں کیوں ظاہر ہو گئے تھے۔ شاہ صاحب آپ نے اسے یہاں کیوں آنے دیا'' بابا جی پیر صاحب پر ناراض ہونے لگے۔ ''اس کی دم میں نمدہ لگاتے اور اسے کہتے دفع ہو جاؤ۔ یہ کسی دن ہم سب کو امتحان میں ڈال دے گا۔ میں آج اس کی جان نکال دوں گا۔''

''بابا جی سرکار'' میرے لبوں سے سسکی نکلی۔ ''میری خاطر ایک بار معاف کر دیجئے۔ دراصل میں نے خود اسے باتوں میں لگا لیا تھا'' میں نے جرات کر کے بابا جی کا غصہ ختم کرنے کی کوشش کی۔

''یہ بڑا کمینہ ہے۔ تمہیں ایک روز اس کی شرارتوں کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑ سکتی ہے'' بابا جی کہنے لگے ''اسے معلوم ہے کہ جنات کے حالات اور ان کی زندگی کے بارے میں راز کی باتیں بیان کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ تم سے پیسے اینٹھنے کے چکر میں سچ جھوٹ بولتا رہتا

ہے۔اس کی باتوں پر اعتبار نہ کیا کرو۔ابھی بچہ ہے اسے نہیں معلوم کہ یہ کیا کر رہا ہے'' باباجی گھمبیر لہجے میں بولے۔''تم انسانوں کی طرح جنات کو بھی اپنی نسل کے برباد ہونے کا دکھ ہے۔ہماری نسل بھی بدتمیز اور گمراہ ہو رہی ہے۔انہیں علم سیکھنے کی بجائے آوارگی کا شوق رہتا ہے۔یہ مچلتے رہتے ہیں اور مواقع تلاش کرتے پھرتے ہیں کہ کب یہ انسانی بستیوں میں جائیں اور انسانوں کی غذاؤں سے اپنا پیٹ بھریں۔شاہد بیٹے ...... تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارے ان بچوں کی وجہ سے ہمارے مسلمان جنات کو کس قسم کے نقصانات اٹھانا پڑ رہے ہیں۔جزاوسزا کے تو ہم بھی مستحق ہیں اس لئے ہم اپنے گمراہ بچوں کو سمجھاتے رہتے ہیں۔انہیں روک ٹوک کرتے رہتے ہیں مبادا کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔تمہیں اس نے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ جب کوئی مسلمان جن کسی اللہ والے باعلم انسان کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے اور اس کے سامنے گناہوں سے تائب نہیں ہوتا اور مرنا قبول کر لیتا ہے تو اس کی موت کے بعد ہم پر کیا گزرتی ہے۔کئی نسلوں تک اس کی موت کا چرچا رہتا ہے۔جنات انتقام پر مچلتے رہتے ہیں مگر قانون قدرت کے سامنے سر جھکانے والے اپنے اپنے پردہ کائنات میں رہنے والے جنات یہ جرات نہیں کرتے، ہاں جب وہ بے انصافی کا شکار ہو جائیں اور انسانوں کی طرف سے انہیں مسلسل ایذا پہنچیں تو وہ بالاخر انسانی بستیوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔لیکن ایک بات تمہیں بتا دوں شاہد بیٹے ...... جنات منتقم مزاج ہیں۔ان کی جبلت میں غضب کی زیادتی ہے۔ان کی عقل پر جلال طاری رہتا ہے۔مگر مسلمان جنات میں صبر بردباری اور ٹھہراؤ آجاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ وہ اگر غضب کا شکار ہو جائیں گے تو ان کا ایمان خراب ہو جائے گا لہٰذا ہم جنات کو چاہئے کہ وہ انسانوں کے ساتھ گھلنے ملنے کی کوشش نہ کریں۔البتہ جہاں ان کی قربت اور عزت ہو تو وہ وہاں اپنے عامل کی مدد سے ظاہر ہوتے ہیں۔اس دوران اگر کوئی جن کوئی غلط حرکت کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار عامل ہوتا ہے نہ کہ وہ جن ...... اسی لئے میں شاہ صاحب سے کہہ رہا ہوں ابھی یہ بھی بچے ہیں اور ہماری دنیا کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔انہوں نے ہماری محبت اور عقیدت میں اس حرام خور غازی کو چھوٹ دے رکھی ہے'' باباجی کی۔مدبرانہ ہزاروں راز لئے ہوئے یہ باتیں میرے ذہن پر نقش ہو گئیں۔غازی نے تھوڑی دیر بعد باباجی سے معافی مانگ کر انہیں راضی کر لیا تھا مگر وہ غازی ہی کیا جو دوبارہ شرارتوں کا محاذ گرم نہ کرتا۔ایک آدھ گھنٹہ بعد وہ سب کچھ بھول گیا اور دوبارہ

شرارتوں میں مگن ہو گیا تھا۔

غازی اپنی شرارتوں کی وجہ سے تیلے شاہ کے ہاتھ چڑھ گیا تھا اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آج ہمارا غازی شہید ہو کر رہے گا۔میں پریشان تھا کہ اسے کیسے بچاؤں۔میں تیلے شاہ کے پاس کیسے جا سکتا تھا۔اگر چلا بھی جاتا تو اسے کیا کہتا۔مگر میری جذباتی کیفیت نے میری عقل کو ماؤف کر دیا تھا یا مجھے یہ خوف لاحق ہو گیا تھا کہ اگر باباجی سرکار کو غازی کی شرارتوں اور بابا تیلے شاہ کی قید کی خبر ہو گئی تو تب بھی غازی نہ بچ سکتا تھا۔بابا تیلے شاہ سے نجات کے بعد باباجی سرکار خود اپنے ہاتھوں سے غازی کو شہید کر دیتے۔

میں کافی دیر تک منڈی میں ٹہلتا رہا اور پھر جرات کر کے بابا تیلے شاہ کی کٹیا کی طرف چل دیا۔بہت سارے لوگ وہاں جمع تھے کچھ ایسا سماں وہاں بندھا ہوا تھا جیسے کوئی مداری تماشا دکھا رہا ہو۔میں لوگوں کی بھیڑ میں سے گزرتا ہوا آگے پہنچا تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ نما شخص جس کے بال لمبی لمبی اور گندی لٹوں کی صورت میں اس کے چہرے اور شانوں پر لہرا رہے تھے محض ایک میلی کچیلی سی دھوتی باندھے ہاتھ میں پتلی سی شیشم کی شاخ لئے بیٹھا تھا اس کے سامنے نور بخش آڑھتی بے ہوش پڑا تھا۔بابا تیلے شاہ شاخ اس کے سینے پر رکھتا' پھر پھونک مارتا تو نور بخش کا پورا بدن تشنج کا شکار ہو جاتا اور اس کے اندر سے کسی بچے کی چیخ سنائی دیتی۔میرے لئے یہ چیخ اجنبی نہیں تھی۔یہ غازی کی چیخ تھی۔درد و اذیت میں جتلا چیخ۔میرے پورے بدن میں سنسناہٹ محسوس ہونے لگی۔بابا تیلے شاہ خاصے جوشیلے موڈ میں تھا۔وہ بے ہوش نور بخش کو بظاہر شاخ سے گدگدی کر رہا تھا مگر ردعمل میں غازی کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔

''کون ہے تو بتاتا کیوں نہیں ہے'' بابا تیلے شاہ نے چیختے چلاتے غازی کو مخاطب کیا۔

''میں نے بتایا نہ سرکار میرا نام سورن سنگھ ہے'' غازی کی سسکیوں بھری آواز سنائی دی۔میں حیران ہوا کہ وہ جھوٹ کیوں بول رہا ہے۔

''کہاں کا رہنے والا ہے'' بابا تیلے شاہ نے دریافت کیا

''ادھر پورن بھگت کے کنوئیں کے پاس ہماری بیٹھک ہے'' غازی بولا

''کب سے وہاں رہ رہے ہو'' بابا تیلے شاہ ذرا اونچی آواز میں بولا ''اور ادھر کیوں آیا تھا''

''میں بھوکا تھا سرکار ...... آڑھتی نے مجھے مارا بھی تھا اگر کیلے نہ کھاتا تو بھوک سے مر جاتا''

غازی جھوٹ پر جھوٹ بول رہا تھا۔ ''ہم پرکھوں سے اس کنوئیں پر رہ رہے ہیں۔ ہمارا پورا قبیلہ یہاں آباد ہے''

''کیلے تمہاری غذا نہیں ہیں حرام خور'' بابا تیلے شاہ یکدم جوش کے عالم میں بولا اور زور سے شاخ نور بخش کے سینے پر ماری۔ غازی بلبلا اٹھا۔ ''اوپر سے جھوٹ بول رہا ہے...... ہونہہ ٹھہر جا میں تیرا پتہ لگاتا ہوں کہ تو کون ہے۔ پورن بھگت کے کنوئیں پر تمہاری پکھی نہیں ہو سکتی۔ میں نے وہاں چلہ کاٹا ہوا ہے۔ اگر تمہاری پکھی وہاں ہوتی تو میں جان لیتا'' یہ کہہ کر بابا تیلے شاہ نے آنکھیں بند کر لیں اور شاخ کی نوک نور بخش کے دل کے مقام پر ٹھہرا کر زیر لب پڑھنے لگا ''تیرا جھوٹ پکڑا گیا سورن سنگھ...... پورن بھگت کے کنوئیں پر جنات کی بستی آباد نہیں ہے'' بابا تیلے شاہ نور بخش کو شاخ سے پیٹنے لگا تو اس کے جواب میں غازی کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ مجھے ہول آنے لگے اور میرا دل چاہا کہ بابا تیلے شاہ کے ہاتھوں سے شاخ چھین لوں اور بے ہوش نور بخش کو اٹھا کر بھاگ اٹھوں۔ غازی اس میں سرایت کیا ہوا تھا۔ مجھے کوئی تدبیر نظر نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیسے بچاؤں۔ اپنی شرارتوں سے عاجز آیا ہوا غازی آج موت کے منہ میں کھڑا تھا اور پھر بابا تیلے شاہ کے سامنے جھوٹ بول رہا تھا۔ میں لاچارگی سے یہ تماشا دیکھنے پر مجبور تھا۔

''اگر سچ بتا دے گا تو میں تجھے بخش دوں گا۔ ورنہ مار کر تیری راکھ کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگا لوں گا۔ میں بھی تو دیکھوں ایک سکھ جن کی راکھ کا سرمہ کیسا ہوتا ہے۔'' بابا تیلے شاہ اشتعال انگیز اور استہزائیہ لہجے میں بات کرتے کہہ رہا تھا ''تم جیسے جناتوں کو مار دینا کار ثواب ہے سورن سنگھ...... جلدی سے بتا یہ لوگ تمہارا تماشہ دیکھ رہے ہیں''

غازی ہچکیاں بھرتا ہوا التجا کرنے لگا ''سرکار...... مجھے معاف کر دیں میں پردیسی ہوں اب دوبارہ ادھر نہیں آؤں گا۔''

''تو آخر بتاتا کیوں نہیں کہ کون ہے'' بابا تیلے شاہ دھاڑا

''سرکار بتاتا ہوں میرا نام سورن سنگھ ہے اور میں پورن بھگت......'' غازی کی بات منہ میں رہ گئی۔ بابا تیلے شاہ نے غضبناک انداز میں نور بخش کے سر پر شاخ ماری تو غازی کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔

''جھوٹ بولتا ہے...... جھوٹ بولتا ہے...... بابا تیلے شاہ سے جھوٹ بولتا ہے۔ اوئے حرام

خور۔ ہم نے اپنا سارا ماس ریاضتوں میں جلا دیا۔ تیرے جیسے خبیثوں کے ساتھ کھیل کھیلنا میرا شغل ہے۔ ساری عمر اور جوانی اسی شغل میں گزار دی ہے ہم نے سورن سنگھ۔ اگر تجھ سے آج سارے سوالوں کے جواب کھرے کھرے وصول نہ کئے تو لعنت ہے میری ریاضتوں پر۔ تھو ہے اس بدن پر جس کی ہڈیوں پر گوشت نہیں چڑھتا'' بابا تیلے شاہ غضبناک انداز میں چیخنے لگا تھا۔ مجھے اب غازی کی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا اگر بابا تیلے شاہ کے جلال کو روکا نہ گیا تو وہ طیش میں آ کر اپنے علم کی طاقت سے غازی کو جلا کر راکھ کر دیتا۔ بابا تیلے شاہ کا یہ روپ دیکھ کر مجھے جرات بھی نہیں ہو رہی کہ میں اسے کچھ کہوں۔ مگر میری خاموشی اور لاچارگی غازی کی موت کا منظر دیکھنے کی روادار بھی نہیں تھی۔ مجھ میں اتنی سکت کہاں تھی کہ میں اپنے غازی کو بے موت مرتا دیکھتا۔ میں دل ہی دل میں درود شریف پڑھنے اور اللہ سے دعا کرنے لگا کہ یاالٰہی نادان غازی کو بچا لے۔ مجھ پر اس کا قرض بھی تھا۔ اس نے آج مجھے ریل گاڑی کے نیچے آنے سے بچایا تھا اور اب مجھ پر واجب تھا کہ میں اس کی مدد کرتا۔ مگر وہاں کا ماحول اور منظر ایسا نہیں تھا۔ مجھے یہ فکر بھی تھی کہ یہ لوگ جو بابا تیلے شاہ کی روحانی قوتوں کے اسیر اور عقیدت مند تھے میری کسی حرکت کے جواب میں مجھے مارنا شروع کر دیتے۔ آخر میں کیا کرتا۔ کوئی چارہ نظر نہیں آیا کوئی امید بر نہیں آئی۔ میرے سامنے غازی پٹتا رہا' چلاتا رہا' معافیاں مانگتا رہا مگر بابا تیلے شاہ کو اس پر رحم نہ آیا اور بالآخر اس نے اعلان کیا۔

''تو بڑا ڈھیٹ نکلا۔ لو اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ'' بابا تیلے شاہ نے کہا ''ایک مسلمان انسان کے دل پر قبضہ جما کر بیٹھنے والے کافر جن۔ تجھے مار دینا اب مجھ پر واجب ہے۔'' بابا تیلے شاہ نے شاخ نور بخش کے سینے پر رکھ دی اور نظریں اٹھا کر ہجوم کی طرف دیکھنے لگا۔ سب لوگ بے خوفی سے مگر اشتیاق بھری نظروں سے یہ تاریخ ساز منظر دیکھنے کے متمنی تھے۔ وہ سب متجسس تھے کہ دیکھیں ایک جن کو کیسے ہلاک کیا جاتا ہے۔

''کوئی اندر جائے اور میرے پیالے میں رکھا پانی لے آئے'' بابا تیلے شاہ نے بلند آواز میں کہا۔

میرے ذہن میں برق سی کوندی اور فوراً خیال آیا۔ بابا تیلے شاہ پانی میں دم کر کے نور بخش کے اندر چھپے ہوئے غازی پر چھڑکاؤ کرنا چاہتا ہے۔ دم شدہ پانی کی برکت سے انسانی بدن میں چھپا ہوا جن کسی ناسور کی طرح جڑ سے اکھڑ جاتا ہے۔ میں نے یہ بات کسی ناول میں پڑھی تھی

اورآج میرے ذہن میں تازہ ہوگئی تھی لہٰذا میں جھٹ سے آگے بڑھا۔ اسی دوران دو تین اور لوگ بھی کٹیا کی طرف بڑھے مگر میں انہیں دھکا دیتے ہوئے اندر گیا اور پیالے میں پانی ڈال کر باہر لے آیا۔ میں نے اپنا ذہن ہر طرح کی مصیبت جھیلنے کے لئے تیار کرلیا تھا۔ میں نے عہد کر لیا تھا کہ اگر میرا غازی مارا گیا تو میں زندگی داؤ پر لگا کر اسے بچاؤں گا۔ نہ جانے یہ سوچ اور وارفتگی کیسے میرے اندر پیدا ہوگئی۔

میں نے پیالا بابا تیلے شاہ کو تھمانا چاہا تو اس نے غضبناک جلالی اور قہر میں غرق آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں میرے اندر اتر گئی ہیں اور میرے خیالات کو پڑھنے لگی ہیں۔ میرا یہ شبہ غلط نہیں ہوا۔ بابا تیلے شاہ کی آنکھوں میں سفا کی عود آئی مگر لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تیرنے لگی۔ مگر وہ لبوں سے کچھ نہیں بولا۔ صرف کہا تو یہ ''ہونہہ'' اور پھر طائرانہ نظروں سے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا اس کے دل میں کیا خیال آرہے تھے میں نہیں جان سکا البتہ مجھے اس بات پر پورا یقین ہوگیا کہ بابا تیلے شاہ جلالی حالت میں اب کچھ بھی کر گزرے گا۔ لہٰذا میں نے اس سے پہلے ہی حرکت کردی اور پانی سے بھرا پیالہ بابا تیلے شاہ کے سر پر اس انداز میں الٹا دیا کہ یوں لگے جیسے خوف کی وجہ سے پیالا چھوٹ گیا ہے۔

میری یہ حرکت دیکھ کر لوگ چلا اٹھے ''اوئے بدبخت گستاخی کرتا ہے'' اسی دوران بہت کچھ ہو گیا۔ بابا تیلے شاہ غضبناک ہو کر اٹھا تو اس کی شاخ نور بخش کے سینے سے ہٹ گئی۔ بے ہوش نور بخش نے ایک جھرجھری لی اور مجھے یہ محسوس ہوا جیسے غازی نے فوراً اس کے بدن کو چھوڑ دیا ہے اور نکل کر بھاگ گیا ہے۔ بابا تیلے شاہ کی روحانی قوتوں کی توجہ ہٹانے کا یہی تو فائدہ تھا اور میں اس میں کامیاب ہوگیا تھا۔

''غلطی ہوگئی جناب، میں اور پانی لے آتا ہوں'' میں پلٹنے لگا تو بابا تیلے شاہ کا استخوانی ہاتھ میری کلائی پر جم گیا

''ٹھہرو''

میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ گوشت اس کے چہرے پر برائے نام ہی تھا۔ ہڈیاں بھی سوکھی ہوئی تھیں۔ ایسے لوگوں میں جان ہی کہاں ہوتی ہے مگر بابا تیلے شاہ کی میری کلائی پر گرفت سے محسوس ہو رہا تھا جیسے میری کلائی آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہے۔

''سرکار'' میرے لبوں سے نکلا

''بول کیا چاہتا ہے'' بابا تیلے شاہ کی عقابی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں ''تیرے دل میں کیا ہے۔ میں پڑھ سکتا ہوں۔ تمہاری اس جرات پر تمہیں بڑی سخت سزا مل سکتی ہے۔ تو نے اس کو بھگا دیا ہے لیکن میں تجھے نہیں بھاگنے دوں گا'' یہ کہہ کر بابا تیلے شاہ نے ہجوم کی طرف رخ کیا۔ ''تم لوگ جاؤ کھیل ختم ہوا۔ اس کو بھی لے جاؤ۔'' اس نے نور بخش کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اب ٹھیک ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آجائے گا تو گرم دودھ جلیبی کھلا دینا اور اسے کہنا اگلی جمعرات کو امام صاحب جا کر گھی کا چراغ جلا دے۔''

بابا تیلے شاہ کی آواز سنتے ہی لوگ تتر بتر ہوگئے۔ نور بخش آڑھتی کے ساتھی اسے اٹھا کر لے گئے۔ بابا تیلے شاہ نے میری کلائی نہ پکڑی ہوتی تو میں بھی فرار ہو جاتا۔ مگر مجھے اس کا موقع ہی نہیں ملا۔

''چل اندر چل'' بابا تیلے شاہ مجھے کٹیا کے اندر لے گیا اور میری کلائی چھوڑ کر مجھے بوسیدہ سی چٹائی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اندر آتے ہی بابا تیلے شاہ کا روپ بدل گیا تھا۔ اس کا جلالی انداز جمالی ہوگیا تھا۔

''مجھے تیرا ہی انتظار تھا۔ تجھے یہاں بلانے کے لئے میں نے یہ کھیل کھیلا ہے'' یہ کہہ کر بابا تیلے شاہ قہقہے لگانے لگا اور میں سن سا ہو کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟۔

☆☆☆

بابا تیلے شاہ میرے لئے ایک معمہ ثابت ہوا۔ میں کوئی مشہور شخص تو تھا نہیں کہ لوگ مجھے ملنے کے مشتاق ہوتے یا میرا کوئی خاص حوالہ ملاقات پر مجبور کر دیتا۔ بابا تیلے شاہ کا یہ کہنا کہ اسے برا ہی انتظار تھا اور اس نے صرف مجھے اپنے پاس بلانے کے لئے ڈرامہ کیا تھا۔ میرے لئے برانی کا باعث تھا، میں سوچنے لگا کہ کون سا ڈرامہ؟ کیا غازی کا منڈی میں آکر کیلے کھانا یک ڈرامہ تھا یا بابا تیلے شاہ کا اس کو نور بخش کے بدن میں قید کر کے مارنا ڈرامہ تھا۔ بالفرض یہ رامہ ہی تھا تو غاری اس کا کردار کیسے بن گیا۔ میں اپنے سوالوں کا جواب دریافت نہ کر سکا تو ا تیلے شاہ تبسم ریز انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے بولا ''پڑ گئے ناں سوچوں میں بھول یلیوں میں کھو گئے ہو کیا۔''

"ہاں سرکار...... میں سوچ رہا ہوں آپ کس قسم کے ڈرامے کی بات کر رہے ہیں۔ میں کچھ سمجھا نہیں ہوں۔" میں نے اپنی الجھن بیان کی۔

"ہم ڈھونگی ہمارا روپ ڈھونگ...... آہا" بابا تیلے شاہ کے لبوں سے مسکان غائب ہو گئی اور ایک تلخی کی لہر اس کے چہرے پر نمودار ہوئی "ہم لوگ بڑے ہی کمینے ہیں میاں۔ ڈھونگ رچا کر اپنا من مارتے پھرتے ہیں۔ میں بھی اک ڈھونگ ہوں۔ ایک بے وقعت' حقیر انسان جو دنیا میں خود کو طاقتور اور اہم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ڈھونگی ہی کہلاتا ہے بچے۔ لوگ سمجھتے ہیں بابا تیلے شاہ بڑی طاقتور شے ہے۔ توپ ہے توپ بابا تیلے شاہ۔ مگر سچ یہ ہے میاں بابا تیلے شاہ تو ایک (تنکا) تیلا ہے تیلا۔ ذرا ہوا چلی تو اڑ گیا، کبھی یہاں کبھی وہاں۔ تو ہی بتا کہ ایک تیلے کی کیا حیثیت ہے۔"

"بابا جب یہ تیلا آنکھ میں پڑ جائے تو پھر پتہ چلتا ہے تیلے کی وقعت کا ہے" میں نے ذرا شگفتگی سے جواب دیا۔

"اوئے تم سب تیلے ہو۔ ایک دوسرے کی آنکھ میں خواہ مخواہ جا گرتے ہو۔ تم لوگوں کو ذرا ایک دوسرے کا خیال نہیں ہے۔ آہ مگر تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ تمہاری وقعت کیا ہے۔ میرے سوہنے رب نے تمہیں کیا بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اور تم لوگ کیا بن بیٹھے ہو" وہ تاسف بھری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا بابا تیلے شاہ کا فلسفہ کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہا تھا۔ لیکن میں کبھی بھی فلسفہ سننے کے موڈ میں نہیں ہوتا۔ میں تو سیدھی اور حقیقی بات سمجھنے والا ایک نوجوان تھا لہٰذا میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"بابا آپ کس ڈرامے یا ڈھونگ کا ذکر کر رہے تھے اور آپ کو میرا انتظار کیوں تھا؟"

"بڑا بے صبرا ہے تو۔ تجھے جلدی ہے جانے کی۔ میں سمجھ سکتا ہوں تو کہاں جانے کے لئے مچل رہا ہے۔ کچھ دیر اس تیلے کے پاس بیٹھا رہ جائے گا تو تجھے کیا فرق پڑے گا" اس بار اس کے چہرے پر افسردہ سی خوشی کا تاثر پیدا ہوا تھا۔

"جی بابا میں بیٹھا ہوں آپ فرمائیں" میں نے محسوس کیا کہ بابا اشاروں کنایوں میں کچھ کہنا چاہتا ہے مگر جب تک میں اس کے پاس آرام سے نہیں بیٹھوں گا وہ کھل کر بات نہیں کرے گا۔

"ترے پاس پیسے بہت ہیں کیا؟" بابا نے سوال کیا۔ "لا کتنے ہیں" اس نے ہتھیلی پھیلا

دی "میں بھی آئس کریم کھانا چاہتا ہوں"

"میں نے کچھ کہے بنا جیب سے آخری پچاس روپے کا نوٹ نکالا اور بابا کی سوکھی مریل سی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بابا کچھ لمحوں تک پچاس کے نوٹ کو گھورتا رہا۔ پھر یکدم مسکرا دیا۔

"لے اسے جیب میں رکھ لے۔ اللہ تجھے بہت دے گا۔ تیرا من سکھی کر دے گا" بابا بولا

"میں تو تیرا تر ودد یکھ رہا تھا کہ تو دیکھنے میں کتنا روکھا ہے، پر تیرا من تو صاف نکلا"

"میں لا دوں آئس کریم" میں نے کہا

"نہ بچے...... تیرا یہ بابا آئس کریم نہیں کھاتا۔ میرا من تو پہلے ہی بہت ٹھنڈا ٹھار ہے۔ آئس کریم تو اسے کھلاؤ جو آگ میں جلتا ہے اور جس کا سارا اندر آگ ہے۔"

"جی بابا...... میں سمجھا نہیں"

"غازی...... ارے تیرا غازی یار۔ بڑا ندیدہ اور آتشی ہے۔ میں اسی کا کہہ رہا تھا" بابا ہنسا

"تیرا یہ یار کہتا ہے کہ وہ شرارتیں کرتا ہے لیکن وہ چوریاں کرتا ہے چوریاں۔ تیرے بابا جی تمہیں سمجھاتے ہیں کہ غازی کو پیسے نہ دیا کرو۔ مگر پیسے نہ بھی ہوں تو ندیدہ ادھر آ جاتا ہے اور چوری چوری پھل کھاتا رہتا ہے۔ گلا سڑا نہیں کھاتا تازہ پھل کھا جاتا ہے۔ آڑھتی مجھ سے آ کر کہتے تھے کہ ان کے پھل نہ جانے کیسے غائب ہو جاتے ہیں۔ گوداموں کو باہر سے تالا لگا ہوتا ہے مگر اندر سے مال کا غائب ہو جانا انہیں تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے۔ میں حقیقت جان گیا۔ آج جب وہ تیرے ساتھ منڈی میں آیا اور اپنی کارروائی ڈال رہا تھا میں نے اس پر اپنا جال پھینک دیا اور اس کی نگرانی کرنے لگا۔ جب تم اس کے کان میں اس کو سرزنش کر رہے تھے تو میں سن رہا تھا۔ مجھے تمہارے اور اس کے تعلقات کا علم ہو گیا اور میں نے خواہش کی کہ تم اس بابے کی کٹیا میں آؤ اور بتاؤ کہ غازی اور اس کے والی وارثوں کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے۔ میرے سوہنے اللہ نے میری لاج رکھ لی اور تم اس بابے کے پاس آ گئے۔"

بابا تیلے شاہ ایک مجذوب دکھائی دیتا تھا لیکن اس کا فلسفہ اور باتیں سن کر لگتا تھا کہ وہ صرف مجذوبانہ انداز ہی اختیار کئے ہوئے تھا در حقیقت ایک نظر بیں انسان تھا۔ ارد گرد کی دنیا پر گہری نظریں رکھتا تھا۔۔۔ لیکن تھا وہ اللہ والا۔۔۔ یہ اللہ والے بھی بڑے پراسرار انسان ہوتے ہیں۔ باہر سے روکھے سوکھے اندر سے ہرے بھرے۔ چہروں پر عجیب سی بے زاری

دلوں میں طمانیت کا نور...... ان کے اندر ایک جہاں آباد ہوتا ہے اور وہ اس جہان کی گہما گہمی میں مصروف رہتے ہیں۔ بابا تیلے شاہ کے اندر بھی روحانیت کا ایک جہاں آباد تھا۔ اسی لئے تو وہ مجھ سے ایسی معرفت کی باتیں کہہ گیا تھا جو ایک عام انسان کے بس میں نہیں ہوتیں۔

ہم لوگ بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں پڑھے' لکھے' دنیاوی تعلیم کی وجہ سے دانشور' فلاسفر اور نہ جانے کیا کیا القابات خطابات حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہوتے ہیں۔ ہماری نظروں میں یہ مجذوب لوگ خالی الذہن ہوتے ہیں۔ ان کا لباس وضع قطع دیکھ کر ان سے کراہت اور دوری اختیار کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہم ان کے اور اپنے بیچ تفاوت کا جو بیج بوتے ہیں درحقیقت وہی تفاوت اور خلیج دو دنیاؤں کی حقیقتوں کو آشکار کرتی ہے۔ یہ بابے اور مجذوب ابدی دنیا کے باشندے ہوتے ہیں ان پر ہماری دنیا کی حقیقت بے نقاب ہوتی ہے وہ روح سے کلام کرنا جانتے اور انسان کے بطور اشرف المخلوقات کہلوانے کی وجوہات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ہم دنیاوی لوگوں کی اور ان بابوں کی ''پہچان'' میں بہت فرق ہے۔ ہماری دنیاؤں اور انسان کی روحانی قوتوں کی حقیقت کی ''پہچان'' میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ بابے فطرت اور حقائق کی پہچان سے آگاہ ہوتے ہیں' انہیں انسان کے زمین پر آنے کے مقاصد معلوم ہوتے ہیں اللہ وحدہ لاشریک سے ان کا عشق اسی آگہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مگر ہم انسانوں کو فطرت کی پردہ پوشیوں اور اس میں پنہاں قوتوں کا اس قدر ادراک نہیں ہوتا۔ ہماری ''پہچان'' خالص نہیں ہے۔ بابا تیلے شاہ جیسے ملنگ' مجذوب' اللہ والے کے پاس بھی ایک خالص قوت تھی۔ وہ قوت جو انسان کے بدن میں چھپی روح کا خاصا ہوتی ہے۔ مجھے بابا تیلے شاہ کی ذات میں دلچسپی پیدا ہونے لگی اور ایک صحافی کی حیثیت میں میرے اندر بہت سے سوالات جنم لینے لگے۔ میرا دل مچلنے لگا کہ بابا تیلے شاہ سے دریافت کروں کہ اس نے یہ آگہی کیسے حاصل کی۔ کیا اس نے کچھ علوم سیکھے تھے یا اس میں پیدائشی طور پر یہ قوتیں پنہاں تھیں۔ میں بابا تیلے شاہ کی کٹیا کا جائزہ لے چکا تھا اور مجھے نہیں لگتا تھا کہ وہ نماز کا اہتمام کرتا ہوگا۔ نہ مصلیٰ' نہ لوٹا نہ تسبیح' نہ متبادل اور پاکیزہ لباس۔ میلی کچیلی دھوتی...... میرے دل میں آیا کہ یہ بندہ صاحب ایمان کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کی درویشانہ اور فلسفیانہ باتیں سن کر میں اسے ایک شرعی بندہ کیسے تسلم کرلوں۔ صفائی نصف ایمان ہے۔ اگر

بابا تیلے شاہ ایمان والا ہے تو اس کی کٹیا میں صفائی کیوں نہیں۔ اگر یہ پہنچا ہوا بزرگ ہے تو یہ نماز کہاں اور کیسے پڑھتا ہوگا۔ میرے جیسے بندے تو نماز کے بغیر کسی کے ولایت زدہ اور روحانی بزرگ ہونے کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ لہٰذا بابا تیلے شاہ کے پاس روحانی قوتوں کی موجودگی سے میرے اندر سوالات اور تجسس بیدار ہونا ایک فطری بات تھی۔ میں جب خاصی دیر تک بابا تیلے شاہ کی ذات میں کھویا رہا تو بابا تیلے شاہ نے اچانک سوال کر دیا۔

''کس نتیجہ پر پہنچے ہو میاں...... اس گتھی کا کوئی سرا ملا کیا؟''

''کک...... کس گتھی کا سرا!'' میں نے ہڑبڑا کر پوچھا۔

''کہ یہ بابا کون ہے۔ نماز پڑھتا ہے کہ نہیں'' بابا تیلے شاہ کے سوکھے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ''تم جاننا چاہتے ہو کیا'' بابا تیلے شاہ نے استفسار کیا۔

''ہاں بابا جاننا چاہتا ہوں۔ یہ بھید کیا ہیں؟'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں سوال کیا ''کہیں ایسا نہ ہو میرا ایمان تباہ ہو جائے۔ میں جب آپ جیسے لوگوں کے پاس آتا ہوں تو میری کیفیات بدل جاتی ہیں''

''دھیرے دھیرے سے سمجھ جاؤ گے۔ لیکن پہلے مجھے اپنے غازی اور اس کے پرکھوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ پچھلے چند دنوں سے یہاں خاصی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ جنات کی پکھیاں رات بھر سفر کرتی رہتی ہیں۔ پہلے تو ایسی گہما گہمی نہیں تھی لیکن جب سے یہ غازی زمین پر اترا ہے اس کے بعد اس پورے علاقے کے جنات نے ایک جشن کا سا سماں باندھ رکھا ہے''

''مجھے کیا معلوم سرکار'' میں نے حیران ہو کر کہا'' میں کیا جانوں''

''تو جانتا ہے۔ سب جانتا ہے کہ یہ غازی کون ہے'' بابا تیلے شاہ نے ابرو تان کر کہا۔

''ہاں...... یہ تو جانتا ہوں'' میں نے ساری تفصیل بیان کر دی اور غازی کے علاوہ بابا جی سرکاران کے مرشد حاجی صاحب سرکار اور پیر ریاض شاہ کے بارے جو کچھ معلوم تھا بتا دیا کہ ان سے میری ملاقات کب ہوئی۔

''صرف چار دنوں کے تعارف میں اتنے فاصلے طے کر لئے ہیں تو نے شاہد میاں'' بابا تیلے شاہ گمبھیر لہجے میں بولا'' مگر تو ابھی حقائق سے دور ہے۔ تجھے شوق ہے ان دنیاؤں کو کھوجنے کا۔ مگر اتنا زیادہ نہ کھوج...... ورنہ بھٹک جائے گا۔ دنیا سے کٹ جائے گا۔ کسی کام کا نہ رہے گا۔ جنات سراپا آتش ہیں۔ ان سے دوستی سے باز رہ۔ ایک عام انسان کسی جن کی دوستی

برداشت نہیں کرسکتا وہ اس کا غلام بن جاتا ہے۔ہاں اگر تیرے پاس علم کی طاقت ہوتو تب انہیں برداشت کرسکتا ہے۔ دیکھ ادھر...... میری کٹیا سے باہر جنات سر جھکائے کھڑے ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں میں ان سے اپنے لئے خدمت لوں لیکن میں انہیں دھتکار دیتا ہوں۔یہ وہی جنات ہیں جو بہت سی درگاہوں پر جھاڑو لگاتے ہیں۔یہ بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کرنے آتے ہیں۔ جنات علم سیکھنے کے بہت زیادہ مشتاق ہوتے ہیں۔مگر میں ان سے باز ہی رہتا ہوں۔ مجھے میرے مرشد نے سمجھا دیا تھا کہ جنات کو ایک فاصلے پر ہی رکھنا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے مرشد نے جنات کو تعلیم دینا شروع کی تھی جنات نے ان سے کچھ ایسے علوم بھی سیکھ لئے جن کا وہ غلط استعمال کرنے لگے تھے اور اپنے علم کے تکبر میں مبتلا ہوکر انہوں نے انسانوں کو خراب کرنا شروع کردیا۔پس میں اس آگ میں کودنے سے باز ہی آیا۔اس لئے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ غازی کو اتنا منہ نہ لگایا کر۔ میں تیری اصلاح کرنا چاہتا تھا۔اسی لئے تجھے تکلیف دی۔‘‘

یہ کہہ کر بابا تیلے شاہ خاموش ہوگیا اور میں سوچنے لگا کہ صرف پچھلے چار دنوں میں میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ بابا جی سرکار اور غازی کے معاملے میں کس قدر جذباتی ہوگیا تھا۔اگرچہ ان سے ملاقات ایک اتفاق ہی تھا مگر یہ اتفاق تو میرے جیون کا سب سے قیمتی حصہ بنتا جارہا تھا۔ بابا جی سرکار سے میری ملاقات چار دن پہلے ہوئی تھی۔ پہلے بھی میں بیان کرچکا ہوں کہ ان دنوں میں بی اے کے امتحانات کی تیاری کررہا تھا۔اپنے گھر میں رہ کر میرے لئے پڑھنا دوبھر ہورہا تھا۔دوست احباب کسی نہ کسی بہانے سے ملاقات کرنے آجاتے تھے جس سے میری توجہ پڑھائی سے ہٹ جاتی تھی۔گھر والوں کو یہی خدشہ تھا کہ یہی حال رہا تو بی اے میں بری طرح فیل ہوجاؤں گا لہٰذا اس کا یہی حل سامنے آیا کہ میں ملکوال چلا جاؤں۔نہر کے کنارے بیلے کے اس پار یہ علاقہ دھان کی بھرپور فصلوں کے حوالے سے بھی معروف تھا کھلی فضائیں اور نہر سے آنے والی ٹھنڈی ہواؤں سے اس گاؤں کی فضا بہت ہی صحت افزا تھی۔میرے لئے یہ گاؤں کسی آئیڈیل مقام سے کم نہیں تھا۔اس پر یہ کہ میرے دوست کی پرانی حویلی۔اونچے اونچے کمرے، ہوادان‘ بالکونیاں‘ کھلا باغیچہ‘ بڑا پرسکون اور اساطیری ماحول تھا اس حویلی کا۔پھر اس حویلی کے مکیں...... ملک نصیر کی والدہ اور والد پرانے زمانے کی اقدار کا پیکر عظیم تھے۔ وہ علاقے کے بڑے

زمیندار تھے مگر ان میں زمینداروں جیسی خوبو نہ تھی، نہایت خلیق ملنسار‘ مخلص اور انسانی اقدار کو سمجھنے والے......ایک اور ہستی بھی اس حویلی میں رہتی تھی جس کی خاموش اور اداس سیاہ آنکھوں میں اس وقت زندگی روشن ہوتی تھی جب کبھی میں اس حویلی میں جاتا تھا۔ زلیخا......کومل سی لڑکی۔ملک نصیر کی بہن تھی۔میرے اور اس کے درمیان ایک خوشگوار تعلق قائم ہورہا تھا۔زلیخا کی آنکھیں اور گھنے بال دیکھ کر کوئی گمان نہیں کرسکتا تھا کہ اس قدر مکمل حسن کی مالکہ ایک گاؤں میں رہتی ہے۔ وہ مصری دوشیزہ دکھائی دیتی تھی۔ ملک نصیر کی والدہ کو زلیخا کی خاموشی اور اداسی بہت شاک گزرتی تھی اور وہ مجھے بھی اکثر کہہ دیا کرتی تھیں کہ بیٹے مجھے شک ہے میری زلیخا پر کسی نے جادو کیا ہوا ہے۔یہ بہت کم بولتی ہے۔نہ سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔سکول جاتی ہے تو آکر بھی کتابوں میں غرق رہتی ہے۔نہ جانے اسے کون سا روگ ہے۔

زلیخا کا روگ کوئی نہیں جان سکا تھا، میں بھی۔۔۔لیکن میں اتنا سمجھ سکتا تھا کہ یہ اداس آنکھیں کبھی کبھی روشن ہوتی ہیں، خاموش زباں کو الفاظ ملتے ہیں۔۔۔۔۔مگر ہم روایتوں ں بندھے اپنی اداسیوں اور خاموشیوں کو برقرار رکھنے سے گھبراتے ہیں۔۔

میں جب اس شام ملکوال گیا تو ایک آئیڈیل ماحول کا خیال میرے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ میرے اندر یہ احساس بھی تھا کہ حویلی کے سحرزدہ اور پرسکون ماحول میں زلیخا کا وجود اور اس کی سانسیں میرے لئے سکون کا باعث بن سکتی ہیں۔لیکن اس بار میں جب ملک نصیر کی حویلی پہنچا تو اس بار حالات مختلف تھے۔نصیر مجھے دیکھ کر باقاعدہ پریشان ہوگیا تھا۔اس کے ملنے میں نہ والہانہ پن تھا نہ پذیرائی۔ میں حیران ہوا تو اس نے میری حیرانی دور کردی اور بتایا کہ ان کے جاننے والوں کے حوالے سے لاہور سے ایک پیر صاحب ان کے گھر آئے ہیں۔ والدہ زلیخا کے روگ کو دور کرانے کے لئے ان سے دم درود کرانا چاہتی ہیں۔ پیر صاحب کے پاس جنات بھی ہیں۔ میں نے نصیر کا مذاق اڑایا مگر وہ سنجیدہ رہا بولا

’’میں بھی تمہاری طرح سوچتا تھا کہ جنات کا کوئی وجود نہیں ہے۔ابا جی تو ان پیروں کے سخت خلاف ہیں۔لیکن یار اب پہلے والی بات نہیں رہی۔ ہمارے پورے گھر میں اب انسانوں سے زیادہ جنات بسیرا کئے ہوئے ہیں۔کوئی آرہا ہے‘ کوئی جارہا ہے‘‘

میں نے ملک نصیر کی بات پر یقین نہ کیا اور ذرا ناراض ہوکر کہا’’تم تو پاگل ہوگئے ہو۔

تمہیں معلوم نہیں کہ یہ پیری فقیری بھی کاروبار بن گیا ہے۔ چلو اندر اور مجھے اپنے پیر صاحب سے ملواؤ۔ پھر میں اس کی اصلیت بتاؤں گا۔"

"یار...... میں تمہیں اندر نہیں بلا سکتا۔ پیر صاحب نے کہا ہے کہ ان دنوں کوئی اجنبی اندر نہ آئے اور کسی کو جنات کے بارے میں بتانا بھی نہیں ہے۔ مگر میں تمہیں بتا بیٹھا ہوں۔" ملک نصیر گھبرا کر اندر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ نمودار ہو گیا۔

"دیکھا...... یہی تو بات ہے۔ اگر تمہارے پیر صاحب سچے ہوتے تو یہ نہ کہتے۔ وہ ضرور کوئی فراڈ ہو گا۔ مجھے اندر جانے دو میں اماں جی سے خود بات کرتا ہوں اور پھر زلیخا۔۔۔" میرے منہ سے کچھ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ میرے دل میں کوئی شے اٹک گئی۔ ہزاروں کہانیاں اندیشے میرے ذہن میں گھوم گئے' اخبارات کی شہ سرخیاں آنکھوں میں تیرنے لگیں کون سا ایسا دن ہو گا جب کسی جعلی پیر فقیر کے بارے ایسی خبریں شائع نہیں ہوتی ہوں گی کہ وہ معصوم لڑکیوں کو تباہ کر کے فرار ہو گیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میں اندر جانے کے لئے بے تاب ہوا تو ملک نصیر میرے سامنے آ کھڑا ہوا "شاہد...... خدا کے لئے ٹھہرو۔ اگر میں نے خلاف ورزی کی تو بابا جی سرکار اور پیر صاحب ناراض ہوں گے اور......" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا اندر سے ایک بارعب آواز سنائی دی۔

"نصیرا اسے اندر آنے دو"

"جی شاہ صاحب" ملک نصیر آواز سنتے ہی مودب سا ہو گیا۔

"یہ پیر صاحب کی آواز ہے۔ شکر ہے انہوں نے خود ہی تمہیں بلا لیا ہے۔ میرے یار ناراض نہ ہونا" میں ملک نصیر کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں پہنچا تو ایک درمیانے قد کا نوجوان جس نے سفید لٹھے کی شلوار قمیض زیب تن کی تھی' سر پر عربی رومال رکھا ہوا تھا ہماری طرف آ رہا تھا۔ "یہ پیر صاحب ہیں" ملک نصیر نے جھٹ سے میرا تعارف کرایا۔ "یہ میرا دوست ہے شاہد...... صحافی ہے اور......"

"میں جانتا ہوں۔ بابا جی نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی ہے" پیر ریاض شاہ مسکراتے ہوئے بولے۔ وہ شکل و صورت سے کسی طور پر پیر نہیں لگتے تھے۔ "آؤ بابا جی سرکار آئے ہوئے ہیں" وہ ہمیں اندر زنان خانے میں لے گئے۔

☆☆☆

پرانی اور بھاری اینٹوں سے بنی طویل راہداری سے گزرتے ہوئے ہم زنان خانے میں داخل ہوئے تو ایک خوشگوار مہک میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ درباروں پر جانے والے بخوبی ایسی وجد افروز خوشبو سے آگاہ ہیں۔ میں اتنے برسوں سے حویلی میں آ رہا تھا کبھی پہلے ایسی مہک نہیں آئی تھی۔ البتہ حویلی کے مکینوں کی اپنی خوشبو نے حویلی کے در و دیوار کو خوشگوار بنایا ہوا تھا۔ حویلی کا اپنا تاثر بھی اتنا بھرپور تھا کہ یہاں آنے والا پہروں اس کے کھلے اور مانوس ماحول میں اجنبیت محسوس نہیں کرتا تھا لیکن اس روز میرے لئے حویلی بھی اجنبی تھی اور اس کا ماحول بھی۔

زنان خانہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا، اندر سے کسی کی انتہائی گھمبیر اور بھرائی بھرائی سی آواز آ رہی تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور اندر کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ پیر صاحب اندھیرے کمرے میں ایسے داخل ہو گئے جیسے یہ اندھیرا ہی ان کے لئے روشنی ہو۔ ان کے پیچھے ملک نصیر تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ میں دہلیز پر کھڑا ہو گیا۔ بھرائی ہوئی آواز خاموش ہو گئی البتہ کسی کے بھاری بھاری سانسیں لینے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں اندر جاتے ہوئے پہلی بار گھبرا رہا تھا۔ ایک تو ماحول کا اثر اوپر سے اندھیرا اور پھر یہ آواز جس کسی کی بھی تھی اس میں پراسراریت کا عنصر تھا۔ میں قدرے تامل کے ساتھ دہلیز پر کھڑا تھا کہ اندر سے وہی گھمبیر آواز سنائی دی۔

"اب آ گئے ہو تو اندر بھی آ جاؤ"

"جج...... جی' میرے لئے یہ آواز اجنبی تھی۔ "مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا"

"تمہیں تو روشنیوں میں بھی کچھ نظر نہیں آتا میاں" وہی آواز گونجی "اندھیروں میں اترنے کے عادی ہو جاؤ گے تو روشنی کے پردوں میں چھپی اندھی اور سیاہ چیزوں کو بھی دیکھنے لگو گے۔ آ جاؤ...... ناک کی سیدھ میں سیدھے چلے آؤ"

میں آگے بڑھا تو میرے سینے سے ایک روئی جیسی کوئی نرم شے ٹکرائی اور میں پیچھے گرتا گرتا بچ گیا۔ یہ ہوا کا جھونکا تھا یا میرا واہمہ۔ مجھ سے کوئی نرم ریشمی شے ٹکرائی تھی جس کے زور سے میں پیچھے کو لڑکھڑایا تھا۔ کسی نرم اور ریشمی شے میں اتنی طاقت...... ہوا جیسے خالی وجود میں ٹھوس بدن کو سنبھلنے کی صلاحیت...... میں حیران ہی تھا کہ آواز گونجی

"غازی...... پیچھے ہٹو"

اور معصومیت بھی۔
"جی بابا جی' مجھے اپنے بہت ہی قریب سے آواز آئی جس میں شوخی بھی تھی
"یہاں آجاؤ"، گھمبیر آواز میں بولنے والے بابا جی نے کہا
اتنی دیر میں میری آنکھیں اندھیروں سے مانوس ہو گئی تھیں۔ مجھے احساس ہوا کہ میرے پہلو میں کوئی پرچھائی کھڑی ہے۔ اس کے خدوخال پوری طرح واضح نہیں تھے مگر اس کے ہیولے کا تاثر عام انسانوں سے مختلف تھا۔ بڑا سا سر' چھوٹی چھوٹی سفید بٹن نما آنکھیں' پانچ فٹ قامت اور بدن پھیلا ہوا، پرچھائی کسی لہراتے کپڑے کی طرح مچل رہی تھی۔
میں آگے بڑھا تو پرچھائی نے ہاتھ بڑھایا اور میری پسلی میں گدگدی کرنے لگی۔ "کک کون ہو تم...... یہ کیا کر رہے ہو"
اس کے ساتھ ہی کھی کھی کی آوازیں آنے لگیں۔ بابا جی ڈانٹنے کے انداز میں بولے
"غازی مستی نہ کر...... مہمان کو کیوں پریشان کرتا ہے"
"بابا جی...... میں تو اسے گدگدی کر رہا تھا" یہ کہہ کر وہ غازی نما پرچھائی دوبارہ کھی کھی کرنے لگی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر زنان خانے میں زلیخا اور اس کی والدہ کی بھی ہنسی نکل گئی۔
"ماں جی...... نصیر" میں پکارا۔
"شاہد پتر...... یہ غازی بڑا شرارتی بچہ ہے۔ تجھ سے ٹھٹھولے کر رہا ہے۔ آ جا بیٹھ جا۔ یہ تجھے کچھ نہیں کہے گا" ماں جی کی آواز سن کر مجھے حوصلہ ہوا اور میں دو چار قدم آگے چلا تو مجھے دیوار نظر آ گئی۔ میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور اندھیرے میں ڈوبے کمرے کی اجنبت میں مانوسیت تلاش کرنے لگا۔
"بیٹھ جاؤ ...... اور درود ابراہیمیؑ پڑھو" بابا جی میرے بہت قریب سے بولے۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آواز کی سمت میں دیکھنے لگا تو ایک بھاری بھرکم چوغا نما پرچھائی نظر آنے لگی۔ اسی لمحہ زنان خانے کے روشن دان سے ہلکی سی روشنی اندر آنے لگی جس سے کمرے میں ملگجا اجالا ہوا اور پرچھائی کا سراپا میری نظروں کے سامنے نمایاں ہو گیا۔ یہ ایک آدھ لمحہ کی ہی بات تھی۔ بابا جی روشنی کو محسوس کرتے ہی بولے "شاہد میاں آنکھیں بند کر لو" میں نے جھٹ سے آنکھیں تو بند کر لیں مگر ایک نادیدہ وجود میرے ذہن میں اپنا عکس بنا تا چلا گیا۔ اس کے چہرے کے خدوخال تو واضح نہ ہو سکے تھے مگر میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ سراپا پیروں سے بے نیاز تھا۔ سر سے پنڈلیوں تک اس کا وجود نظر آتا تھا اس کے نیچے پاؤں

جیسی کوئی شے نہ تھی اور وہ گویا ہوا میں معلق کسی وجود کی طرح چہل قدمی کرتا ہوا میرے پاس آ گیا تھا۔ میری سانسیں تیز ہو گئیں اور اس سراپے کی سانسیں کسی گرم اور تیز لو کی مانند میرے چہرے پر پڑنے لگیں۔ اس کی سانسوں میں اتنی تپش تھی کہ اگر میں اپنے چہرے پر ہاتھ نہ رکھ لیتا تو میرا چہرہ اس کی تپش سے ہی جھلس جاتا۔
"درود پاکؐ پڑھو۔ درود پاکؐ پڑھو"
بابا جی نے اپنے ریشمی ہاتھوں سے میرے چہرے سے میرے ہاتھ ہٹائے اور نرم انداز میں سمجھاتے ہوئے بولے "بیٹا...... یہ درود پاکؐ ہی ہماری قوت ہے۔ ہماری غذا ہے یہ، اسے پڑھتے رہو تا کہ جب تک ہم یہاں ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاکؐ کے صدقے ہماری قوتوں کو قائم رکھے اور اس محفل پر اپنی رحمت عطا کرے" بابا جی کی باتوں میں مٹھاس تھی۔ ان کا لمس مجھے عجیب سی کیفیت سے دوچار کر گیا۔ مگر میرے ذہن میں ہزاروں وسوسے' ہزاروں سوالات بھی پیدا کر گیا۔ لیکن اس سب کے باوجود میرا ذہن میرے قابو میں تھا۔ ہزاروں واقعات ذہن میں تازہ ہو گئے۔ مجھے یہ سب فراڈ لگ رہا تھا۔ پیر ریاض شاہ کے کسی شعبدہ کی وجہ سے زنان خانے میں بیٹھے لوگوں کی نظر بندی کر دی گئی تھی اور مجھے وہی کچھ دکھایا جا رہا تھا جو وہ چاہتے تھے۔ میں نے ایسے بہت سے واقعات پڑھے تھے کہ بعض لوگ معصوم لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور اپنی کرامات دکھانے کی خاطر ایسے شعبدے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ماحول نے مجھ پر سحر طاری کیا تھا مگر میرے اندر کا صحافی بیدار رہا۔ اس وقت تو میرے اندر جستجو بھی بڑھ گئی تھی اور ان سارے واقعات کو ایک اہم ترین "سٹوری" بنا کر دھوم مچانے کا بھی سوچ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ بابا جی واقعی ایک جن ہیں تو ان کا انٹرویو کر کے اخبار میں چھاپ دوں گا۔ میں ذہنی طور پر تو فیصلہ کر چکا تھا لیکن کچھ بولنے کی جرات نہیں ہو رہی تھی مجھ میں...... میں بے چینی اور بے قراری کے باوجود بابا جی کی ہدایت پر درود ابراہیمیؑ پڑھنے لگا تھا۔ زنان خانے میں جتنے لوگ موجود تھے وہ بھی درود پاکؐ پڑھ رہے تھے۔ اسی لمحہ ایک آواز جو سب سے مختلف اور جدا تھی' نہایت پرسوز اور عقیدت مندانہ انداز میں بلند ہوئی "بابا جی سرکار...... حاجی صاحب نے یاد فرمایا ہے"
"غلام محمد...... خیریت تو ہے" بابا جی قدرے تشویش میں مبتلا ہو گئے "سرکار کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"خیریت سے ہیں سرکار......آپ سے کوئی مشورہ کرنا ہے" غلام محمد نے جواب دیا

"شاہ صاحب اب ہم چلتے ہیں۔ غازی چلو اور ہاں میاں تم اب ادھر ہی رہنا۔ تمہارے ساتھ ہمیں بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

باباجی نے اپنا نرم روئی جیسا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔

اسی لمحہ پیر ریاض شاہ نے لائٹ آن کر دی تو کمرہ روشن ہوگیا۔ وہ سوئچ بورڈ کے پاس کھڑے تھے کئی لمحے تک وہ یونہی کھڑے ہو کر زیر لب کچھ پڑھتے رہے۔

ہم سب نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ زلیخا اپنی والدہ اور والد کے ساتھ کمرے کی طاقوں کے پاس چٹائی پر بیٹھے تھے۔ دوسری جانب ڈبل بیڈ بچھا ہوا تھا۔ پیر ریاض شاہ سوئچ بورڈ سے ہٹ کر بیڈ پر جا بیٹھے، ان کے چہرے پر تردد اور تھکن نمایاں تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ منوں بوجھ اٹھا کر چلتے ہوئے آئے ہیں اور اب بے خود ہو کر آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئے ہیں۔ انہوں نے سر سے رومال اتارا اور ہاتھوں کو کن پٹیوں پر ہتھوڑوں کی مانند مارنے لگے۔

"نصیر پتر......شاہ صاحب کا سر دبا دے۔" نصیر والد کا حکم ملتے ہی شاہ صاحب کے پاس گیا اور بیڈ پر چڑھ کر ان کی پشت کی جانب بیٹھ گیا اور پھر ان کا سر پکڑ کر مساج کرنے لگا۔ شاہ صاحب سر جھکائے بیٹھے تھے نصیر ان کا پہلے سر دباتا رہا پھر کاندھے دبانے لگا

"تیل کی مالش کر دو یار" شاہ صاحب نے نصیر سے کہا

اس بار انہوں نے کن اکھیوں سے میری جانب دیکھا۔ میں اٹھ کر نصیر کی والدہ کے پاس گیا اور انہیں سلام کر کے ان سے پیار لیا۔ زلیخا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں پر پیپڑیاں جمیں ہوئی تھیں۔ نہ جانے وہ کس بات پر اداس تھی۔ میرے آنے پر یا باباجی سرکار کی آمد نے اس کو ناشاد کیا تھا۔

"اچھا بھئی تم لوگ تو اب بیٹھو۔ میں آرام کرنے جا رہا ہوں" نصیر کے والد اٹھنے لگے تو میں ان کا ہاتھ تھام کر اٹھنے میں سہارا دیا۔ وہ اٹھے تو میرا ہاتھ تھامے رکھا اور جب زنان خانے سے باہر جانے لگے تو ان کی آنکھوں میں الجھن اور اندیشے نمایاں تھے۔ جو بات میرے دل میں تھی وہ ان کی آنکھوں میں نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے میرا ہاتھ تھامے رکھا اور مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

"اچھا ہوا تم آ گئے۔" وہ آہستہ سے بولے۔ ان کا یہی کہنا میرے اور ان کے وسوسوں کی

تصدیق کے لئے کافی تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لئے زنان خانے سے باہر نکلے اور خاموش مضمحل قدموں کے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے۔ راستے میں ہی میں نے انہیں بتا دیا کہ میں حویلی میں کچھ دنوں کے لئے رہنے آیا ہوں۔

"پتر جی......تم اپنا امتحان تو دے لوگے مگر ان کا کیا کرو گے تمہاری چاچی اور وہ بھائی نصیر......سب مجھے امتحان میں ڈال رہے ہیں"

"کیوں کیا ہوا چاچا جی" میں نے ان کے کمرے میں پہنچ کر سوال کیا۔

"تم نے دیکھا نہیں۔ ان سب کی مت ماری گئی ہے۔ عقل نام کی شے نہیں ہے ان میں۔ تمہیں پتہ ہے میں تیری چاچی کی بات نہیں ٹالتا۔ ہے تو وہ بہت اچھی مگر کبھی کبھی ضد پکڑ لیتی ہے تو میں اس کے سامنے ہار جاتا ہوں۔ یہ شاہ صاحب اور ان جنات کا یہاں ڈیرہ لگانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس نصیر کو دیکھا ہے۔ کمیوں کی طرح اس پیر کی چاپنی کر رہا ہے شکل سے لگتا ہے پیر، کیا ایسے بے نمازے پیر ہوتے ہیں۔ تف ہے ایسی عقیدت پر" نصیر کے والد کو آج پہلی بار میں نے لاچارگی اور غصے کی ملی جلی کیفیت میں دیکھا تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے یہ سب ڈرامہ ہے" میں نے پوچھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ یہ جنات اس طرح آتے ہیں۔ ٹھیک ہے میں بزرگ لوگوں کی عزت کرتا ہوں۔ مگر یہ ریاض شاہ وہ نہیں ہے جو نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے کل رات کو جو منظر دیکھا ہے میں اسے تاقیامت نہیں بھلا سکتا پتر جی"

"بات کیا ہے چاچا جی" میں نے پریشان ہو کر پوچھا

"کل رات ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ شرم و حجاب جیسی کوئی مانع بات تھی جو ان کی زبان کو الفاظ نہیں دے رہی تھی۔ چارپائی پر ڈھیر سے ہو کر گر پڑے۔

"چاچا جی......آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ میں نصیر کو بلاتا ہوں" میں گھبراہٹ میں کمرے سے جانے لگا تو وہ بولے۔

"رہنے دو اس کم عقلے کو، اس کی بھی عقل ماری گئی ہے۔ تم میری بات سنو پتر۔ میں تو ایک رات ہی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میں تو مر کھپ گیا ہوں پتر۔ کس کو یہ سمجھاؤں کہ ان شیطانوں سے دور رہو۔ یہ نیکی کے پردے میں گناہ کا کھیل کھیلنے والے لوگ ہیں۔ تم جس کام سے آئے ہو وہ کرتے رہو۔ اگر تم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو یہ تمہیں

بھی میری طرح تنہا کر دیں گے۔'' میں خاموش ہو کر چاچی کا منہ تکنے لگا۔
''کل رات کی بات ہے پتر...... میں رات کو اسی طرح کی مجلس سے اٹھ کر کمرے میں آ گیا تھا۔ میں دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس لئے آتے ہی سو گیا۔ آدھی رات کو مجھے گھبراہٹ سی ہوئی اور مجھے لگا جیسے کوئی شے میرے سینے پر سوار ہے اور میرا گریبان پکڑ کر پھاڑنا چاہتی ہے۔ میں آیت الکرسی پڑھتے ہوئے اٹھا۔ کمرے میں میرا دم گھٹنے لگا تھا، میں تازہ ہوا کے لئے کمرے سے باہر نکلا اور باغیچے میں جاتے ہوئے جب مہمان خانے کے پاس سے گزرا تو اندر سے مجھے عجیب کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیں۔ مہمان خانے میں شاہ صاحب کو ٹھہرایا گیا ہے۔ میں چونکا اور پریشان بھی ہوا کہ اس وقت یہاں کون ہے اور کیا کر رہا ہے۔ کیا شاہ صاحب جاگ رہے ہیں اور جنات سے بات چیت کر رہے ہیں۔ وہ کھسر پھسر کسی عورت کی تھی۔ میں نے مہمان خانے کی کھڑکی کی درز سے اندر دیکھا تو سامنے کا منظر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ سامنے چٹائی پر زلیخا لیٹی تھی اور اس کے دائیں جانب تمہاری چاچی اور بائیں جانب شاہ صاحب بیٹھے تھے۔ تمہاری چاچی نے سر جھکایا ہوا تھا اور پیر صاحب سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی۔ زلیخا کا بدن ساکت تھا۔ میں نے گھڑی پر وقت دیکھا تو رات کے دو بج رہے تھے۔ مجھے یہ سب بہت عجیب لگا کہ سب کی نظروں سے چھپ کر یہ کیا ہو رہا ہے اور پھر نصیر کہاں ہے؟ مجھے اپنی بیٹی کی عصمت کا خیال آیا کہ بد بخت تمہاری چاچی اندھی عقیدت میں یا زلیخا کی کسی پریشانی کی وجہ سے کوئی نقصان نہ کرا بیٹھے۔ لہٰذا میں جلدی سے کمرے میں داخل ہو گیا اور غصے سے بولا'' یہ کیا ہو رہا ہے رضیہ۔ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو'' میں نے جب زلیخا کی ماں کو مخاطب کیا تو وہ غصے سے بھنا گئی۔ شاہ صاحب کا چہرہ بھی غصے سے بھر گیا۔ اس وقت میں نے صاف صاف محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں شیطنیت اور ہوس بھری تھی پتر۔ مرد مرد کی نظروں کی زبان سمجھ لیتا ہے۔ میری کم عقل بیوی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے جب دیکھا کہ تمہاری چاچی بھی غصے میں ہے تو انہوں نے کہا'' بی بی...... تمہارے خاوند نے سارا عمل غارت کر دیا ہے۔ بابا جی ناراض ہو کر چلے گئے ہیں'' یہ کہہ کر وہ بستر پر جا بیٹھا اور تمہاری چاچی غصے کے مارے کہنے لگی۔
''آپ اس وقت یہاں کیوں آئے ہیں''

''تم یہاں کیا کر رہی ہو...... اور یہ زلیخا یہاں کیوں سوئی ہوئی ہے'' میں نے سخت لہجے میں کہا تو تمہاری چاچی کو جیسے میری کیفیت کا اندازہ ہو گیا فوراً نرم اور خوشامدی لہجہ اختیار کرتے بولی۔'' اصل میں زلیخا کو آج دورہ پڑ گیا ہے۔ کب سے بے ہوش پڑی ہے۔ میں نے شاہ صاحب کو بتایا تو وہ کہنے لگے کہ اسے یہاں لے آئیں''
''جب یہ بے ہوش تھی تو اسے کون لایا یہاں'' میں نے پوچھا۔ وہ کن اکھیوں سے پیر صاحب کی طرف دیکھنے لگی۔'' بابا جی اٹھا کر لائے ہیں اسے''
''نصیر کہاں ہے''
''وہ سویا پڑا ہے'' رضیہ بولی
''رضیہ بی بی لگتا ہے تمہارے نصیب بھی سونے والے ہیں۔ اس بے غیرت کو اٹھا لیا ہوتا۔ مجھے اٹھا لیتی۔ لیکن اس طرح گھر کے مردوں سے چھپ چھپ کر میری بیٹی کو یہاں کیوں لے کر آئی'' میں غصے سے چلایا'' اٹھاؤ اسے......'' میں نے کہا
''یہ بے ہوش ہے'' رضیہ گھبرانے لگی تھی یا اسے میری باتوں کی سمجھ آنے لگی تھی۔
میں زلیخا کے پاس جا بیٹھا اور اسے اٹھانے لگا۔ میری دوسری آواز پر وہ اٹھ پڑی۔ اس کے سر پر دوپٹہ بھی نہیں تھا۔ بال اس کے کھلے پڑے تھے اور چہرے پر ویرانی اور زردی تھی۔ میں نے اس سے پہلے اپنی بیٹی کی یہ حالت نہیں دیکھی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا کسی نے لہو چوس لیا ہے۔ مردہ سی آنکھیں ہو گئی تھیں اس کی۔ مجھے دیکھتے ہی حواس باختہ ہو گئی اور اپنا دوپٹہ ڈھونڈنے لگی۔ میں نے اپنا کپڑا اس کے سر پر ڈالا اور کہا'' اٹھ میرے بچے۔ تو یہاں کیسے آ گئی''
''مم مجھے کیا ہوا ہے۔ میں یہاں کہاں ہوں'' وہ کمرے کا جائزہ لینے لگی تو اس کی نظریں شاہ صاحب پر پڑیں۔ وہ یکدم گھبرا گئی اور میرے سینے سے لگ گئی۔
''ابا جی'' وہ خوف سے سہمی ہوئی چڑیا کی طرح لرزنے اور رونے لگی۔ اس کا یہ خوف انجانی کہانیاں سنا رہا تھا میرے پتر۔ اس بات کا احساس کر کے ایک بار تو میں لرز اٹھا تھا۔ پیر ریاض شاہ کو دیکھ کر وہ پہلے تو اس قدر نہیں گھبراتی تھی۔
''رضیہ...... رضیہ...... سچ سچ بتا میری بچی کو کیا ہوا ہے'' رضیہ میرے لہجے کی گرمی دیکھ کر پیچھے ہٹ گئی اور دزدیدہ نظروں سے پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔

☆☆☆

میری کن پٹیاں لہو کی گرمی سے سلگنے لگی تھیں۔ رضیہ کچھ بتانے سے گریزاں تھی اور میری لاڈلی بیٹی زلیخا میرے سینے میں منہ چھپائے روتے چلی جا رہی تھی۔ میں نے قہر بھری نظروں کے ساتھ پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھا، اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت کا لاوا ابل رہا تھا۔

''رضیہ تو بولتی کیوں نہیں ہے'' میں تقریباً چیختا ہوا بولا ''بتاتی کیوں نہیں، زلیخا کے ساتھ کیا ہوا ہے۔''

''کک کچھ نہیں ملک صاحب! اللہ سوہنے کی قسم سب خیر میر ہے۔ بچی ہے ذرا گھبرا گئی ہے۔ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی'' میں نے محسوس کیا رضیہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سے قبل آج تک ایسا نہیں ہوا۔ اس کا پراعتماد لہجہ مجھے ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ وہ مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھی۔ مگر آج اس کا چہرہ صاف صاف چغلی کھا رہا تھا۔

''اٹھ میری بچی...... اپنے باپ کو کیوں پریشان کر رہی ہے'' رضیہ زلیخا کو مجھ سے الگ کرتے ہوئے اپنے شانے کے ساتھ لگانے لگی تو زلیخا ماہی بے آب کی طرح مچلی اور اپنی اس ماں کے شانے کے ساتھ لگنے سے گریزاں تھی جس کی گود میں سر رکھ کے وہ روزانہ سوتی تھی۔

''رضیہ تو مجھ سے کچھ چھپا رہی ہے۔ اگر تو اب خاموش رہی تو اللہ سوہنے کی قسم میں ساری حویلی کو خون میں نہلا دوں گا'' میں نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا ''زلیخا دھی کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا''

رضیہ کا چہرہ فق ہو گیا۔ زلیخا بھی میری جلالت دیکھ کر یکدم خاموش ہو گئی اور پھر جیسے وہ سنبھلنے لگی رضیہ میرا چہرہ تکے جا رہی تھی۔ پھر ایک دم چیخنے چلانے لگی ''لو...... سب سے پہلے مجھے مار ڈالو ملک صاحب۔ میں بدبخت عورت اپنی بچی کی پریشانی میں مرے جا رہی ہوں۔ میرے پاگل پن کی وجہ سے حویلی میں پیر صاحب آئے ہیں ملک صاحب آپ کو جس بات پر شک ہے آپ اس کی تصدیق کے بغیر غصہ کرتے جا رہے ہیں۔ آپ پیر صاحب کا کرودھ دل میں کیوں پال رہے ہیں۔ مجھ پر غصہ نکالیں اور مجھے ماریں'' زلیخا ماں کی بات سن کر اب سنبھل گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس حد تک جا کر غصہ کر رہے ہیں تو وہ اپنی ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی

''اماں...... چپ ہو جا۔ خدا کے واسطے چپ ہو جا تو نے جو کرنا تھا کر لیا۔ اب تو تیرے دل کو تسلی ہو گئی ہے کہ مجھ پر کسی قسم کے جن نے قبضہ نہیں کیا ہوا میں خود ہی ایک جننی ہوں''

''ہیں...... میں نے کیا کہا ہے'' رضیہ کولہوں پر ہاتھ رکھ کر زلیخا پر برس پڑی ''تو کہنا کیا چاہتی ہے میں نے تری عزت برباد کر دی ہے۔ تری زبان جل جائے زلیخا تو نے یہ کیا کہہ دیا ہے''

''ماں عورت کی عصمت بڑی قیمتی شے ہوتی ہے۔ کوئی نامحرم بھی اسے چھو لے تو ماں اس کی حیا کو موت آنے لگتی ہے۔ عورت بڑی پاکیزہ اور قیمتی شے ہے ماں...... میں تجھے ہمیشہ کہتی آئی ہوں مجھ پر کسی جن کا سایہ نہیں' لیکن تجھے اپنی بیٹی کے دکھ کا صرف ایک ہی وہم کھائے رہتا ہے۔ اللہ کا شکر کر ماں میں بچ گئی ہوں۔ تو آنکھیں بند کر کے یہاں بیٹھی ہو گی تیری عقیدت نے تجھے آنکھیں نہیں کھولنے دی ہوں گی ماں...... لیکن میں بے ہوش ہو کر بھی جاگ رہی تھی۔ ترے باباجی میرے پاس تھے ماں اور مجھے ایک شرمناک سبق پڑھا رہے تھے''

''بس کر دے بس کر دے زلیخا...... خدا کے لئے بس کر دے'' رضیہ چیخنے لگی ''اب باباجی پر الزام لگانے لگی ہے تو''

''رضیہ...... تو عقیدت میں اندھی ہوتی جا رہی ہے۔ تجھے اپنی بیٹی کی بات پر یقین کیوں نہیں آ رہا'' میں نے اپنا غصہ دبا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ دونوں پاگل ہو گئے ہیں۔ اندھی میں نہیں ہوئی ہوں ملک صاحب آپ ایک بزرگ ہستی پر الزام لگا کر ان کو قہر میں ڈال رہے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ باباجی کو غصہ آ گیا تو یہاں قیامت آ جائے گی''

''شاہد پتر...... یہ عورت بھی اللہ کی عجیب مخلوق ہے۔ تری چاچی جو کبھی میرے سامنے نیچی آواز میں نہیں بولتی تھی پیر ریاض شاہ کی وجہ سے مجھ پر دھاڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ پیر ریاض شاہ کو بچانا چاہتی تھی۔ یقیناً اس نے کوئی اوچھی حرکت کی تھی۔ تیرا یار نصیر تو ابھی بچہ ہے وہ مرد کی آنکھ میں تیرتے شیطانی بال کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر میں ریاض شاہ کی آنکھوں میں ابلتی ہوئی ہوس کو صاف طور پر محسوس کر رہا تھا۔ جب ہم دونوں آپس میں جھگڑنے لگے تھے تو پیر ریاض شاہ غصے سے کھولتا رہا۔ میں نے رضیہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ اپنے پیر صاحب سے کہو کہ وہ آج اور ابھی میری حویلی سے چلا جائے۔ یہ بات سن کر رضیہ رونا پیٹنا بھول گئی اور اس نے پوری ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ کہا

''ملک صاحب یہ نہیں ہو سکتا۔ میں شاہ صاحب کی بے عزتی نہیں کر سکتی۔ وہ یہیں رہیں گے

اوراگرانہیں جانا ہے تو صبح کی روشنی میں جائیں گے''

''جس کو کسی کی عزت کا خیال نہیں ہے اس کی اپنی کوئی عزت نہیں ہوتی رضیہ۔اسے کہو ابھی میرے گھر سے نکل جائے ورنہ نوکروں سے کہہ کر ابھی نکلوادوں گا''

''ملک صاحب'' پیر ریاض شاہ گرجدار آواز میں بولا

''ہوش میں آئیں۔ میں آپ کا لحاظ کر رہا ہوں لیکن آپ ہیں کہ مجھے بے عزت کرتے جا رہے ہیں۔آپ نے ابھی تک میرا صبر دیکھا ہے جبر نہیں۔ میں خود یہاں ایک منٹ نہیں رہنا چاہتا میں جا رہا ہوں ملک صاحب لیکن آپ کو ایک بات کہے دیتا ہوں۔آپ خود جھک کر مجھے بلانے کے لئے آئیں گے۔منتیں کریں گے میرے قدموں میں گریں گے لیکن میں نہیں آؤں گا''

ریاض شاہ کی باتوں سے مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن اس وقت میں نے خود پر قابو پایا۔رضیہ ریاض شاہ کے سامنے ہاتھ جوڑنے اور انہیں جانے سے روکنے لگی۔تمہاری چاچی ایک دم اس قدر نیچے گر جائے گی یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔وہ ریاض شاہ کے قدموں میں گر گئی۔

''شاہ صاحب خدا کے واسطے ایسا نہ کریں۔میں مر جاؤں گی۔ملک صاحب کے دماغ پر تو غصہ طاری ہے آپ ہی سمجھ جائیں ناراض ہو کر نہ جائیں''

میں آگے بڑھا اور رضیہ کا بازو پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کی

''حیا کر رضیہ......تو اس گندے پیر کے پاؤں پکڑ رہی ہے''

''ملک صاحب'' ریاض شاہ میری بات سن کر کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرایا۔غصے کی وجہ سے اس کی آنکھیں ابل پڑی تھیں اور چہرے سے آگ برسنے لگی تھی۔اس کا پورا بدن شاخ بید کی طرح لرز رہا تھا''حد کر دی آپ نے بہت ہو گیا۔بس......اب کچھ نہیں کہنا''

ایک لمحہ کے لئے تو مجھ پر اس کی شخصیت کا ایسا رعب طاری ہو گیا کہ میری زبان گنگ ہو گئی۔میں بھی ایک بڑا زمیندار تھا۔میری اپنی عزت تھی،رعب تھا میں نے آگے سے کہا

''اوئے تم کیا کر لو گے'' یہ کہہ کر میں نے اپنے نوکروں کو آوازیں دینی شروع کر دیں ''اوئے کاموں' کرمے ادھر آؤ'' رضیہ پیر ریاض شاہ کی ڈھال بن گئی تھی۔

''ملک جی شاہ صاحب کو کچھ بھی کہا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔آپ یہ تماشا بند کریں''

زلیخا نے یہ صورتحال دیکھی تو نہ جانے اسے کیا ہوا۔ایک زوردار کربناک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی''

ہائے میں مر گئی ابا جی'' اس کے یہ الفاظ سن کر میرا دماغ گھوم گیا۔میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا،اس کے منہ سے سفید جھاگ بہہ رہی تھی اور وہ فرش پر تیورا کر گر گئی۔رضیہ اس کی طرف لپکی اور میں نے ریاض شاہ کا گریبان پکڑ لیا

''اوئے سچ سچ بتا تو نے میری بچی کے ساتھ کیا کیا ہے۔اسے کیا کھلایا ہے۔نہیں تو تیری جان لے لوں گا''

اس سے قبل کہ ریاض شاہ بولتا یکدم کمرے کی روشنی گل ہو گئی البتہ باہر سے آنے والی روشنی سے اندھیرے میں بھی ہلکا ہلکا سا اجالا تھا۔میرے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی باہر زوردار آواز سے چیزیں گرنے لگیں کچھ ہی دیر بعد پوری حویلی میں بھونچال سا آ گیا۔میرے پالتو کتے خوفزدہ ہو کر بھونکنے لگے اور پھر یوں محسوس ہونے لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ریاض شاہ کے گریبان پر میرے ہاتھ کمزور پڑ گئے۔رضیہ زلیخا کا سر اپنی گود میں رکھ کر دہائیاں دینے لگی''ہائے میری بچی شاہ صاحب۔خدا کے واسطے کچھ کریں۔بچی کو سانس نہیں آ رہی۔ملک صاحب بھاگ کر پانی لائیں''

زلیخا کی بگڑتی ہوئی حالت اور حویلی میں برپا ہونے والے بھونچال نے مجھے بوکھلا کر رکھ دیا۔میں نے قہر آلود نظروں سے ریاض شاہ کو گھورا اور بے بسی سے اس کا گریبان چھوڑا تو کمینگی سے بھرپور ایک شیطانی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ناچنے لگی۔

''ملک صاحب'' وہ سرسراتی آواز میں بولا'' آپ سے میرا ایک رشتہ ہے جس کی وجہ سے میں آپ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا'' میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا پیچھے کو مڑ گیا

''ملک صاحب پانی لائیں'' میں بے بسی سے باہر نکلنے لگا تو باہر سے کاموں کے چیخنے کی آواز آئی

ملک صاحب جنوں نے حویلی پر حملہ کر دیا ہے''

میں نے باہر نکل کر دیکھا حویلی کی راہداری میں بڑے بڑے گملے کسی نے اٹھا اٹھا کر دور دور تک پھینک دیئے تھے اور پوری راہداری مٹی' پتھروں اور پودوں سے بھری ہوئی تھی۔میں جونہی باہر نکلا کسی نادیدہ وجود نے ایک بڑا سا گملا اٹھایا اور میرے قدموں میں اتنے زور سے پھینکا کہ اگر میں ایک انچ بھی آگے بڑھا ہوتا تو میرا پاؤں کچل گیا ہوتا۔

''نہیں......خبردار رک جاؤ''

عقب سے ریاض شاہ کی آواز آئی۔اس کے ساتھ ہی مجھے محسوس ہوا میرے پاس سے گرم ہواؤں کا ایک بگولا تیزی سے گزرا ہے۔ میں ٹوٹے پھوٹے گملوں سے گزر کر پانی لے کر آیا اور بے ہوش زلیخا کو پانی پلانے کی کوشش کرنے لگا۔اس کے دانت آپس میں جڑ گئے تھے اور سانس پھولتی جا رہی تھی۔ اس کے دل کی تیز دھڑکن ایسے ہوگئی تھی جیسے کہیں دور سے ڈھول کی آواز آتی ہے۔آنکھیں ابلی پڑی تھیں اور چہرے پر تناؤ سے اس کی شکل ہی بگڑ گئی تھی۔سانس یوں لیتی تھی جیسے خالی گھڑے پر منہ رکھ کر آواز نکالی جاتی ہے۔ میں نے پانی سے بھرا گلاس اس کے چہرے پر چھڑک دیا کہ شاید اس طرح وہ ہوش میں آ جائے مگر وہ ہوش میں نہیں آئی۔

''پتر تمہیں کیا بتاؤں اس لمحے ہم پر کیا قیامت گزر رہی تھی۔ باہر بھونچال اور شور شرابہ ختم ہوگیا تھا لیکن میرے اندر بھونچال برپا ہوگیا تھا۔ بیٹی کی حالت دیکھ کر میرے اندر کا اعلیٰ نسب ملک اور زمیندار جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''ماردیا میری بچی کو آپ نے ملک صاحب۔میری بچی کو ماردیا کرلیا شوق پورا۔حویلی کو موت سے بھر دیا ہے آپ نے ملک صاحب''

وہ میرا گریبان پکڑ کر چلانے لگی اور میرے رہے سہے حواس بھی ختم ہوگئے۔ میں نے پیر ریاض شاہ کی طرف امداد بھری نظروں سے دیکھا تو وہ کمرے سے غائب تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس نے یا اس کے باباجی نے میرے غصے کے بدلے میں یہ اوچھی حرکت کی تھی لیکن پتر جی میں ان زمینداروں جیسا سفاک اور کڑیل نہیں ہوں جو اپنی انا اور ضد پر خون بہاتے پھرتے ہیں۔ میں کمزور بھی نہیں تھا لیکن پتر جی اولاد سے میری محبت نے مجھے بہت کمزور بنا دیا تھا۔

''شاہ صاحب'' میں انہیں آوازیں دیتا ہوا کمرے سے نکلا تو دیکھا ریاض شاہ اپنا سامان اٹھا کر حویلی سے باہر جا رہا تھا میری آواز سن کر بھی وہ نہیں رکا۔ میں بھاگتا ہوا اس کے پاس پہنچا تو میری سانس پھول گئی ''شاہ صاحب'' میرے ہاتھ خود بخود آپس میں جڑ گئے اور معافی کے لئے اس کے سامنے بلند ہونے لگے۔میری آنکھیں بے کسی اور بے بسی سے بھر گئی تھیں۔لب سل گئے تھے۔میرا اندر کٹ گیا' دل قیمہ قیمہ ہوگیا تھا پتر جی، میں مرگیا تھا۔مرگیا تھا اپنی بچی کی

زندگی کے واسطے۔

شاہ صاحب کے چہرے پر فتح کا خمار تھا اور میرے جڑے ہوئے ہاتھ کسی گداگر اور کمی کی طرح بلند تھے وہ برابر مسکراتا رہا۔شاید ابھی اس کی طمع کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا جھکنے لگا۔اپنی خودداری کو توڑتے ہوئے' اس کے پیروں کو ہاتھ لگانے لگا تو اس بار اس نے مجھے کاندھوں سے پکڑ لیا۔

''نہیں ملک صاحب نہیں' آپ کی جگہ تو ہمارے دل میں ہے'' پھر وہ کچھ کہے بغیر ایک فاتح کی طرح واپس ہوا اس نے زلیخا کی طرف دیکھا اور مجھے دوبارہ پانی لانے کے لئے کہا۔ میں پانی لایا تو اس نے کچھ پڑھنے کے بعد دم شدہ پانی زلیخا پر چھڑکا۔اس کے بے ہوش بدن کو جھٹکا لگا۔پیر ریاض شاہ پانچ چھ منٹ تک کچھ پڑھتا رہا۔آخر میں وہ اس کے سر کی جانب بیٹھ گیا اور اس کے ماتھے پر شہادت کی انگلی رکھ کر کچھ لکھنے لگا۔چند لمحوں بعد وہ بولا تو ایسا لگا جیسے وہ نہیں اس کے اندر سے باباجی بول رہے ہیں ''اٹھ میری بچی......اٹھ......شاباش''

یقیناً وہ باباجی ہی تھے جو ریاض شاہ کے اندر سے بول رہے تھے۔ایک لمحہ کے لئے تو مجھے پھر یہ گمان ہوا تھا کہ باباجی کا بہروپ ریاض شاہ نے ہی نہ بھرا ہوا ہو۔وہ اندھیرے میں باباجی کو حاضر کرتا تھا۔کسی کو کیا معلوم کہ ریاض شاہ ہی آواز بدل کر بول رہا ہوتا ہے یا واقعی اس کے علاوہ کوئی دوسرا تیسرا وجود بھی وہاں ہوتا ہے۔لیکن میرا یہ وہم اس وقت باطل ہو گیا۔

زلیخا کے چہرے سے تناؤ ختم ہوگیا۔آنکھیں معمول پر آ گئیں اور ایسے اٹھی جیسے بے ہوش ہی نہ ہوئی تھی۔پہلے تو وہ ہم تینوں کے چہروں کو دیکھتی رہی پھر سر پر دوپٹہ درست کرنے لگی۔

''باباجی کہاں ہیں'' وہ آہستگی سے بولی۔تو ایک ہلکے سے کھٹکے کے ساتھ باباجی کی آواز آئی ''میری بچی......میں یہیں پر ہوں'' میں نے دیکھا اب کی بار شاہ صاحب کے لب بند تھے اور ان کے عقب میں ایک سفید رنگ کے لبادے میں ملبوس دراز کشیدہ قامت انسان کھڑا تھا۔ اس نے اپنے سر سفید چادر لی ہوئی تھی اور سر جھکا ہوا تھا۔

''باباجی سرکار'' پیر ریاض شاہ اٹھنے لگا تو باباجی نے ہاتھ ان کے سر پر رکھ کر انہیں اٹھنے نہیں دیا۔ وہ زلیخا کے پاس گئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے ''میں نے اپنی بیٹی کہا ہے تجھے زلیخا۔ مجھے تیرے باپ سے زیادہ فکر ہے'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا چہرہ بلند کیا تو چادر سے

ان کا چہرہ صاف نظر آنے لگا۔ سانولی رنگت' سفید دودھیا لمبی داڑھی' موٹی موٹی سیاہ سرگیں آنکھیں۔ وہ گزرے وقتوں کے کسی اساطیری مرد کی شکل میں میرے سامنے موجود تھے۔

''ملک ...... تو نے ہمارے بیٹے پر شک کیا اور ہمیں رسوا کیا۔ شکر کرو ہمارے بیٹے نے تمہیں معاف کر دیا ہے ورنہ جتنا تو نے ہمیں بے عزت کیا ہے اس کا بدلہ لئے بغیر ہم واپس نہ آتے ...... بہرحال تو نے ہمارا بہت دل دکھایا ہے''

بابا جی کی شخصیت کا ایسا نورانی رعب مجھ پر طاری ہوا کہ میرے لبوں سے نکلا۔ ''بابا جی مجھے معاف کر دیں۔ بشر ہوں غلطی تو کروں گا''

''آہا ...... اے ابن آدم ...... تو نے اچھا جواز گھڑا ہوا ہے۔ اوئے تم غلطی عمداً کرتے ہو اس لئے جلدی معافی مانگ لیتے ہو کہ تم خطا کے پتلے ہو۔ اپنی غلطیاں اپنے بزرگوں کے کھاتے میں نہ ڈالا کرو۔ غلطی تو اے ابن آدم تجھ سے بھی ہوئی۔ ابلیس نے بھی غلطی کی ...... پچھتاوا تو اسے بھی ہے لیکن تو خوش قسمت ہے اور وہ بدبخت۔ تو معافی مانگتا ہے دل سے تو اللہ تیری خطا معاف کر دیتا ہے۔ مگر وہ ابلیس خلق سے اوپر پچھتاتا ہے۔ اس کے لئے معافی کیسی، ملک ...... تو معافی دل سے مانگے گا تو اللہ تجھے معاف کر دے گا۔ ہمارے دلوں میں بھی تمہارے لئے نرمی اور محبت پیدا ہو جائے گی۔ مگر تجھے تیرا وہم اور تری خودداری سکون نہیں لینے دے گی۔ ہاں ...... ایک بات یاد رکھنا۔ اب میرے بیٹے کو کوئی تکلیف نہ دینا۔ ریاض شاہ تو بھی ملک کی طرف سے اپنا دل صاف کر لے''

''جی اچھا سرکار'' ریاض شاہ نے ایک سعادت مند بچے کی طرح سر ہلایا۔

''رضیہ پتری ...... آج ہماری سیوا نہیں کرے گی'' بابا جی خوشگوار انداز میں بولے ''زلیخا ...... تیری ماں حلوا بڑا مزے کا بناتی ہے تو بھی حلوہ بنانا سیکھ لے''

زلیخا جواباً مسکرانے لگی ''لیکن بابا جی آپ کی دنیا کا حلوہ تو ہمارے حلوے سے زیادہ مزیدار ہے''

''تو نے کھایا ہے'' بابا جی دھیرے سے مسکرائے تو ان کے سفید موتیوں جیسے دانت نمایاں ہو گئے

''ہاں جی ...... وہ غازی لے کر آیا تھا۔ اس نے اس وعدہ پر مجھے حلوہ کھلایا تھا کہ میں اسے کوئی اچھی سی شے بنا کر کھلاؤں گی'' یہ سن کر بابا جی نے قہقہہ لگایا اور بولے ''غازی بڑا احرام خور ہے۔

وہ کہیں سے چرا لایا ہو گا حلوہ اور تجھے کھلایا ہو گا''

اسی لمحہ مجھے اپنے عقب میں کسی سرسراتے وجود کا احساس ہوا ''لو آ گیا ہے شیطان''

''بابا جی ...... شکر ہے آپ نے مجھے شیطان کا چیلا نہیں کہہ دیا'' غازی کی شرارتوں سے بھری آواز آئی۔ وہ سفید لبادے میں چھپا ہوا تھا اور اس کا چہرہ خاص طور پر ڈھکا ہوا تھا۔

''بابا جی میں وہ حلوہ مدینے سے لایا تھا۔ بھلا میں اپنی بہن کو چوری کا حلوہ کھلا سکتا ہوں''

''تیرا کوئی پتہ نہیں ہے غازی'' بابا جی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولے ''غلام محمد کو بھی بلاؤ ...... سب آ جاؤ ...... رضیہ پتری پوری دیگ چڑھانا حلوے کی''

''لیکن میں تو باؤلی پیوں گا'' غازی مچل اٹھا۔

''باؤلی کہاں سے لاؤں گی میں'' رضیہ بولی

''لیں ماسی ...... آپ کو پتہ ہی نہیں آپ کی گائے نے بچھڑا دیا ہے حیرت ہے بھئی'' غازی ہنستے ہوئے بولا ''آپ کا ملازم کرموں ادھر باڑے میں ساری رات سے گائے کی سیوا میں لگا ہوا ہے''

''اچھا یہ تو اچھی خوشخبری ہے'' میں نے کہا ''لے رضیہ میں گائے کا دودھ لاتا ہوں تو اسے باولی بنا کر دے'' یہ کہہ کر میں نے بابا جی سے اجازت لی اور جب میں آدھ گھنٹہ بعد واپس اس کمرے میں پہنچا تو وہاں کا ماحول خاصا گرم ہو چکا تھا نصیر بھی ادھر آ گیا تھا۔ بابا جی پلنگ پر گاؤ تکیہ کے ساتھ دراز تھے' نصیر اور زلیخا ان کی پائنتی جانب بیٹھے تھے اور پیر ریاض شاہ چٹائی پر تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ کمرے میں غازی کے قہقہے گونج رہے تھے۔ کمرے میں اگربتیاں جلا کر ماحول کو خوشگوار بنا دیا گیا تھا

''اجی ملک صاحب مزہ آ گیا ہے۔ غازی تو باولی پئے گا اور ہم حلوے کے ساتھ آم کھائیں گے''

ان کے سامنے بڑی تھالی میں آم کاٹ کر رکھے ہوئے تھے اور بابا جی بڑے مزے سے آم کھانے میں مصروف تھے۔ ایک گھنٹہ بعد رضیہ دیگچے میں حلوہ بھر کر لائی تو دیسی گھی سے تیار کئے گئے حلوے کی خوشبو سے میرے منہ میں بھی پانی آیا۔ رضیہ نے حلوے میں خوب بادام گریاں ڈالی تھیں۔ اس نے پلیٹوں میں حلوہ ڈالا اور چٹائی پر رکھ دیں۔

''نہیں بھئی یوں نہیں ...... پہلے ہم غلام محمد سے نعت رسول مقبول ﷺ سنیں گے۔ پھر دعا ہو گی

"اور اس کے بعد حلوہ کھائیں گے" بابا جی نے کہا تو غلام محمد بھی حاضر ہو گیا۔ اس نے احرام باندھا ہوا تھا۔ پاؤں میں نیلے رنگ کی چپلی تھی۔ وہ کسی عرب نوجوان کی شکل اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس نے ہم سب کی طرف دیکھا اور نہایت پرسوز آواز میں بولا "آپ سب درود ابراہیمی پڑھیئے"۔

ہم سب نے درود پڑھنا شروع کیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد جب غلام محمد نے ایک پنجابی نعت پڑھنی شروع کی تو یوں لگا جیسے عرش تا فرش وجد طاری ہو گیا۔

☆☆☆

ماحول پر نور کی بارش ہو رہی تھی۔ کمرہ خوشبویات سے بھر گیا تھا۔ ہم سب آنکھیں بند کئے غلام محمد کی خوش الحانی سے محظوظ ہو رہے تھے۔ مجھے کچھ ہی دیر بعد محسوس ہونے لگا کہ اس کشادہ کمرے میں ہم چند لوگوں کے علاوہ بھی کچھ لوگ موجود ہیں اور کمرہ بھرائی ہوئی گرم سانسوں کے ساتھ بھرتا جا رہا ہے۔ بابا جی کے حکم کے مطابق تو سبھی کو آنکھیں بند رکھنا تھیں لیکن اس سے میرے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ میں آنکھیں کھول کر کمرے کے ماحول کو دیکھوں۔ لیکن تاب نہیں ہو رہی تھی آنکھیں کھولنے کی۔ حتیٰ کہ میرے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی جب بابا جی غازی اور غلام محمد عرب باشندوں کی شکل میں ظاہر ہوئے تھے تو ہم نے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ اس وقت تو ہمیں نہیں کہا گیا کہ بابا جی کی حاضری ہو گئی ہے لہٰذا

بِسۡمِ اللّٰہِ تَوَکَّلۡتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

ترجمہ : "میں اللہ کا نام لے کر نکلا، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہوں سے پھرنے اور عبادت کرنے کی طاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔"

ان کلمات کو سن کر شیطان مردود وہاں سے ہٹ جاتا ہے یعنی اس کے بہکانے اور ایذا دینے سے باز رہتا ہے۔ جو شخص گھر سے نکل کر اس دعا کو پڑھے تو اس کو (غائبانہ) ندا دی جاتی ہے کہ تیری ضرورتیں پوری ہوں گی اور تو ضرور نقصان سے محفوظ رہے گا۔۔۔

(غازی نے راقم کو یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی تھی)

آنکھیں بند کر لو۔ مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ کچھ دیر پہلے بابا جی بستر پر دراز تھے تو زلیخا اور نصیر ان کی خدمت کر رہے تھے اس وقت بھی سبھی اپنی آنکھوں کے ساتھ انہیں دیکھ رہے تھے۔ میں اپنے دل کو مختلف تاویلوں سے قائل کرنے لگا۔ مجھے آنکھیں کھول کر اس بھرپور نورانی منظر کو دیکھ لینا چاہیئے۔ آخر میں ایک زمیندار بھی تو تھا۔ مجھے بے خبر نہیں رہنا تھا۔ میں اس کشمکش میں مبتلا تھا کہ غازی میرے پاس آیا اور کہنے لگا "چاچا جی دماغ ٹھیک ہو گیا ہے"

اس سے قبل کہ میں کچھ بولتا۔ بابا جی کی آواز گونجی "غازی خاموش رہو۔ جانتے نہیں اس وقت کس ذات اعلیٰ کے لئے محفل سجی ہوئی ہے"

غلام محمد بابا کی آواز سن کر خاموش ہو گیا۔ بابا جی بولتے رہے "ادھر میرے پاس آ" انہوں نے غازی کو بلایا "بیٹھو آرام اور عقیدت کے ساتھ نعت رسولؐ سنو" اس بار بابا جی کے لہجے میں نرمی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا کہ بابا جی اسی بستر پر بیٹھے ہیں۔ ان کا چہرہ عریاں تھا اور وہی ہو بہو کامل تصویر جو پہلے دیکھ چکا تھا البتہ اب کی بار ان کی نظریں اٹھی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کر عجیب سا خوف آتا تھا۔ شمس و قمر جیسی روشن آنکھیں۔ ابرو تنے ہوئے ناک ستواں۔ وہ اپنے انسانی روپ میں تھے میں کسی سحر زدہ انسان کی طرح ان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ ان کے نقوش میں گزرے وقتوں کے لوگوں کے نقوش تلاش کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ بابا جی کا یہ روپ گزرے وقتوں کے کسی قدر شجاع اور مردانہ خد و خال کے مالک انسانوں کا ہو گا۔

بابا جی نے میری محویت کو توڑ دیا۔ ان کی نظروں نے میری آنکھوں کے زاویے پکڑ لئے۔ سرمگیں نظروں میں دل آویز مسکان ابھری۔ بولے "ملک کیا دیکھ رہے ہو" میں گڑبڑا گیا۔

"تم بھی ادھر آ جاؤ" بابا جی نے مسکراتے ہوئے مجھے سمجھایا "محافل کے آداب کرنا سیکھو ملک۔ ہر وقت تجسس کے ہاتھوں بے بس نہ ہو جایا کرو۔ تمہیں کھوجنے کی جستجو رہتی ہے۔ اللہ نے چاہا تو تمہیں اس کا موقع بھی ملے گا۔"

میں شرمندہ ہو گیا اور بابا جی کے قدموں کی طرف جہاں نصیر اور زلیخا بیٹھے تھے اپنی جگہ بنانے لگا۔ بابا جی بولے "تم بھی ادھر غازی کے پاس آ جاؤ" غازی بابا جی کے سرہانے کے پاس ایک گٹھڑی کی صورت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ سفید عمامہ کے پلو سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں غازی کے پاس بیٹھا تو بابا جی نے ٹرے سے آم کی قاشیں اٹھائیں اور مجھے پیش کرتے ہوئے بولے "کبھی کبھی آم کھانے کو دل مچل جاتا ہے میاں۔ آپ جیسے محبت کرنے والے انسانوں کی یہ ہم پر

مہربانی ہے کہ اپنی غذا میں سے کچھ ہمیں بھی عطا کردیتے ہیں“

”یہ سب آپ کا ہی ہے سرکار“ میں نے عقیدت سے آم کی قاشیں پکڑ لیں۔

”اور ہمارے لئے نہیں ہے کیا“ غازی بے ساختہ بولا تو میں نے قاشیں اسے پکڑا دیں۔ اس نے کھانے میں دیر نہیں لگائی۔

”بڑا ہی نادیدہ ہے غازی“ بابا جی اس کی حرکت پر مسکرائے تو ان کے موتیوں جیسے دانت نمایاں ہو گئے۔

”ہاں بھئی غلام محمد ذرا دوبارہ سے ہو جائے“ بابا جی نے اپنا رخ دروازے کی سمت موڑا۔ میں نے بھی ادھر دیکھا۔ غلام محمد اور اس کے عقب میں ایک درجن بھر اس جیسے ستونوں جیسی قامت والے لوگ نظر آئے۔ سبھی عربی قباؤں میں ملبوس تھے، ان کے چہرے عماموں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ غلام محمد نعت شریف پڑھنے سے پہلے بولا ”بابا جی مدینہ سے مہمان آئے ہیں اور کچھ تحائف پیش کرنا چاہتے ہیں“

”لاؤ بسم اللہ کیا لائے ہو بھئی“ بابا جی نے کہا۔ تو غلام محمد کے عقب میں کھڑے دو قامت دراز وجود آگے بڑھے اور کچھ سامان بابا جی کے سامنے رکھ دیا۔

”ماشاء اللہ“ بابا جی سامان پر نظریں ڈالنے کے بعد مجھے کہنے لگے ”لو بھئی مدینہ کی سوغات آئی ہے۔ یہ ٹوپی تم پہن لو اور نصیر ایک ٹوپی تمہارے لئے ہے۔ یہ تسبیح بھی رکھ لو۔ زلیخا بیٹی یہ آب زم زم ہے۔ اپنی امانت سنبھال لو اور سب کو پلاؤ“ میں نے ٹوپی اور تسبیح پکڑ لی۔ سنہرے رنگ کی جالی والی ٹوپی اور چھوٹے چھوٹے سفید موتیوں والی تسبیح ہاتھ میں پکڑتے ہوئے مجھ پر خوشی مرگ طاری تھی۔

بابا جی کی یہ عنایات اور روپ دیکھ کر مجھے اب شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس قدر ایک بزرگ ہستی کی شان میں گستاخی کرتا رہا ہوں۔ میں سخت شرمندہ ہو رہا تھا۔ شاہد بیٹے ...... میں نے جب ٹوپی سر پر پہنی تو روحانی خوشی کی ایک لہر میرے قلب و نظر میں اتر گئی۔ میرا بے کل اور وسوسوں سے بھرا من پرسکون ہو گیا۔

اس اثنا میں غلام محمد نے نعت شروع کی۔ مجھے اس کے بول صحیح طرح سے یاد نہیں ہیں۔ پنجابی اردو عربی اور ایک اور زبان بھی اس ایک کلام میں شامل تھی۔ مجھے محض ان کے یہ الفاظ یاد رہ گئے ہیں جو غلام محمد کے عقب میں کھڑے جنات کورس میں گاتے تھے

میں تمہارا ہوں سائیں

سائیاں

یہ نورانی محفل ایک ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ میرا اب اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن مجھ پر نیند بھی طاری ہو رہی تھی۔ میں زیادہ دیر تک جاگ نہیں سکتا۔ بے شک کتنا ہی پریشان اور خوش کیوں نہ ہو رہا ہوں۔ نیند بہرحال مجھ پر غالب آ ہی جاتی ہے۔ گاؤں کے موذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی تو بابا جی بولے ”لو بھئی فجر کا وقت ہو گیا ہے اب ہم چلتے ہیں“

یہ کہتے ہوئے وہ بستر سے نیچے اترے تو مدینے سے آئے جناتی لوگوں نے ان پر گلاب کے پھول برسانے شروع کر دیئے۔ ایسا پر جوش اور پرنور منظر نہیں بھول سکتا۔

بابا جی میرے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے ساتھیوں کے ساتھ غائب ہو گئے تو پیر ریاض شاہ جلدی سے اٹھا اور اس نے بلب روشن کر دیا۔ کمرے میں ابھی تک بابا جی کی خوشبوئیات بھری ہوئی تھیں۔ حلوے کا دیگچہ خالی پڑا تھا۔ رضیہ، زلیخا اور نصیر سحر زدہ نظروں سے ریاض شاہ کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں اب قدرے بے چینی تھی اور وہ تھکا تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کے شانے نیچے کو گرے ہوئے تھے۔

”نصیر یار مجھے لتاڑ کر جانا“ جب ہم کمرے سے نکلنے لگے تو اس نے نصیر کو مخاطب کیا اور پھر زلیخا سے کہنے لگا ”زلیخا میرے لئے گرم گرم دودھ کا ایک پیالہ لے آؤ“ ریاض شاہ شدید تھکاوٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔

”میں لتاڑ دوں“ میرے دل میں اب ریاض شاہ کے لئے کسی قسم کا شک نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بابا جی جیسے نیک اور مسلمان جنات کا ایسا روپ دیکھ لیا تھا جس کے بعد ان کی نیت پر شک کرنا سوائے ہلاکت میں ڈالنے کے کچھ نہیں تھا۔

ریاض شاہ نے خمار سے بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا ”ملک صاحب آپ کا شکریہ۔ نصیر ہے ناں۔ آپ جائیں اور آرام کریں غالباً کل آپ کی تاریخ بھی ہے“

معاً مجھے یاد آیا کہ مجھے سیالکوٹ کچہری میں ایک دیوانی مقدمہ کے فیصلہ کی پیشی پر جانا تھا۔ میں نے ریاض شاہ کو اپنی تاریخ کے بارے نہیں بتایا تھا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ آنکھیں بند کئے لیٹ گیا اور ہلکی سی آواز میں بولا ”جب آپ کچہری جائیں تو وہاں شیشم کے پرانے درخت کے نیچے ایک درویش بیٹھا نظر آئے گا۔ گھر سے جاتے ہوئے اس کے لئے

شکر گھی اور ایک سوکھی روٹی لے جانا اور اسے دے کر دعا کرنے کے لئے کہنا۔ وہ جو کہے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا"

میں پیر ریاض شاہ کو سلام کر کے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ میرے ذہن پر اب اس کی شخصیت کا وہ تاثر حاوی ہو گیا تھا جو رضیہ اور نصیر کے ذہنوں میں تھا۔ یعنی پورے کا پورا اس کی عقیدت میں ڈوب گیا تھا۔ میں سات بجے اٹھا اور کچہری چلا گیا۔ شیشم کا درخت کچہری کی پرانی عمارت کے پاس تھا۔ میں لاری اڈے سے تانگے پر سوار ہوا اور تانگہ پرانی عمارت کے پاس جا کر ٹھہرانے لگا تو ایک نہایت کمزور سا شخص جس کے سر منہ پر نہ بال تھے نہ ہی گوشت۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا وہ۔ بدن پر صرف ایک میلی کچیلی سی لنگی پہنی تھی اس نے۔ چونکہ یہ درخت لب سڑک تھا اور اس کی بڑی بڑی شاخیں سڑک پر ایک چھت کی مانند جھکی ہوئی تھیں لہٰذا جب تانگہ ان شاخوں کے نیچے جا کھڑا ہوا تو گھوڑا یکدم بدک گیا اور الٹے پیروں ہٹنے لگا۔ کوچوان پریشان ہو گیا اور اسے پچکارنے لگا میں نیچے اترنے کی کوشش کرنے ہی لگا تھا کہ گھوڑا بے قابو ہونے کو آ گیا۔ میں تانگے پر ہی جما رہا مبادا تانگہ ہلنے سے گر نہ جاؤں۔ جوان تو تھا نہیں کہ چھلانگ لگا کر نیچے اتر جاتا۔ اس اثنا میں درویش نے تانگے کی طرف دیکھا اور پھر زیر لب بڑبڑاتا ہوا اٹھ پڑا۔ وہ جوں جوں ہماری طرف بڑھ رہا تھا گھوڑے کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی اور کوئی لمحہ ایسا آنے والا تھا کہ تانگہ الٹ جاتا اور سواریاں یا تو سڑک پر گر جاتیں یا تانگے کے نیچے آ کر دب جاتیں۔

اس اثنا میں درویش گھوڑے کے پاس آ گیا اور مریل سی شکایتی آواز میں بولا "کیا ہو گیا ہے تجھے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا تجھے۔ آج ہمارا مہمان آیا ہے تو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا"

میرے علاوہ کوچوان اور سواریوں نے بھی یہ بات بڑی واضح سنی تھی جسے گھوڑے نے بھی سن لیا تھا اور پھر اس کی بے قراری کا نشہ اتر گیا۔ اس نے بدکنا چھوڑ دیا اور ایسے کھڑا ہو گیا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

کوچوان نے دیکھا تو گھوڑے کی لگام چھوڑ کر ایک دم درویش کی طرف جھکتا ہوا گیا اور اس کے پیروں میں گر گیا۔

"سرکار آپ تو بڑی ہستی ہیں ہم نے کبھی آپ کی طرف دیکھا ہی نہیں تھا سرکار"

درویش نے اس سے کچھ نہیں کہا بلکہ اسے نظر انداز ہی کر دیا تھا۔ اس نے پیروں سے اسے

ٹھوکر ماری "چل اب ہٹ...... کیوں مجھے پلید کر رہا ہے" پھر وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولا "تو بھی اب نیچے اترے گا یا میں گود میں اٹھا کر اتاروں"

میں جھٹ سے نیچے اترا اور گھی شکر اور روٹی والی پوٹلی اس کے سامنے کر دی۔

"چل اب...... بھاگ...... تماشا نہ لگا دینا یہاں" اس نے اپنی مریل آواز میں ڈانٹا

"سرکار...... کوئی نظر کرم عنایت کر دیں۔ میرے دن پھیر دیں" تانگے والے کے لئے وہ بڑی طاقتور شے بن گیا تھا

"جا دفع ہو جا آخ، تھو" درویش نے نفرت سے منہ سکیڑا اور اس پر تھوک دیا۔

کوچوان بھی خوب ڈھیٹ تھا۔ اس کے چہرے پر تھوک گرا اس نے تھوک کو صاف کرنے کی بجائے ہاتھوں کو چہرے پر یوں پھیرا جیسے گاؤں کی عورتیں پوچا پھیرتی ہیں

"سبحان اللہ سرکار...... آپ کا یہ تھوک میرے لئے عطر ہے عطر" ملنگ نے اب اس کی طرف نظریں بھی نہیں اٹھائیں اور واپس شیشم کے درخت کے نیچے اپنی جگہ پر بیٹھنے لگا۔

"سرکار نے تھوک دیا سمجھو میرے بھاگ سنور ہو گئے" شاہد میاں میں اس کوچوان پر حیران تھا جو حقارت کو بھی محبت اور پاکیزگی سے تعبیر کر رہا تھا۔ وہ تانگے پر سوار ہوا اور باقی سواریوں سے کہنے لگا "اس ٹاہلی والی سرکار کو کسی نے کھاتے پیتے نہیں دیکھا نہ کسی کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ بولتے تو کچھ بھی نہیں تھے لیکن آج تو کمال ہو گیا۔ میں نے سنا تھا کہ ٹاہلی والی سرکار جس پر تھوک دے، جس کو گالی دے اس کے بھاگ سنور جاتے۔ واہ میرے مولا...... آج تو نے مجھ پر بڑا کرم کیا ہے" میں نے تانگے والے کو کرایہ دینا چاہا تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولا "جناب چھوڑیں...... میں دو روپے لے کر کیا کروں گا۔ یہ سب آپ کو بدولت ہی ہوا۔ کیا آپ سرکار بابا کو جانتے ہیں" میں نے نفی میں سر ہلایا "تو پھر آپ کے ساتھ ان کی یہ شفقت"

"تو جاتا ہے یا ماروں ایک" عقب سے ٹاہلی والی سرکار کی آواز سنائی دی "بھونکتا چلا جا رہا ہے"

یہ سنتے ہی اس نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور چلتا بنا۔ میں واپس ہوا اور ٹاہلی والی سرکار کے پاس جا بیٹھا۔ اس نے پوٹلی کھولی اور روٹی اور گھی شکر میرے سامنے رکھتے ہوئے بولا "لے کھا رے۔ اپنے لئے اور میرے لئے روٹی اور گھی شکر بانٹ لے جو تیرا من کرتا ہے وہ تو لے لے اور جو میرے لئے بہتر سمجھتا ہے مجھے دے دے۔"

میں اس کی بات سن کر مخمصہ میں مبتلا ہو گیا۔معاً مجھے پیر ریاض شاہ کی بات یاد آ گئی۔اس نے کہا تھا کہ وہ ملنگ جو کہے اس پر عمل کرنا۔

میں نے کہا" سرکار میرا تو پیٹ بھرا ہوا ہے۔آپ ہی کھا لیں سب آپ کے لئے لایا ہوں"

"سوچ لے...... بھوک نہیں ہے تو بے شک نہ کھا۔تو نہ کھائے گا تو تیرا کیا جائے گا۔میں بھوکا ہوں۔کھا لوں گا تو میری بھوک ختم ہو جائے گی"

وہ بابا معنی خیز انداز میں بولا

"سرکار...... میں آپ کے لئے ہی تو لایا ہوں" میں نے عاجزی سے کہا

"سوچ پھر سوچ...... اگر تو چاہے تو یہ گھی شکر رکھ لے اور سوکھی روٹی مجھے دے دے"

میں نے جب دیکھا کہ وہ مجھ سے کھانا تقسیم کرانے پر بضد ہے تو میں نے کہا" اچھا تو سرکار ایسا کریں...... یہ سوکھی روٹی مجھے دے دیں گھی شکر آپ کھا لیں"

یہ سن کر اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم ابھرا" ترا پیٹ تو بھرا ہوا ہے سوکھی کھا لے گا تو تجھے فرق نہیں پڑے گا۔میں شکر گھی کھاؤں گا تو میرے اندر بھی طاقت آئے گی لے اب اپنا حصہ اٹھا اور جا۔تری پیشی ہونے والی ہے" میں نے سوکھی روٹی ہاتھ میں لی اور پھر ایک لقمہ لینے کے بعد اسے جیب میں ڈال لیا کہ اسے بعد میں کھا لوں گا۔ٹاہلی والی سرکار کی ان باتوں کی مجھے کوئی سمجھ نہیں آئی۔لیکن جب میں عدالت میں پہنچا اور جج نے میرے کیس پر جو فیصلہ سنایا اسے سنتے ہی میرے ذہن میں اس بابے کی باتوں کی حقیقت سمجھ میں آ گئی۔

جج نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا تھا" ملک صاحب آپ بڑے زمیندار ہیں اور آپ کو اللہ نے کسی قسم کی کمی نہیں دی۔یہ بھاگاں بی بی کا رقبہ ہے ہی کتنا۔آپ اسے اپنی زمینوں میں شامل کیوں کرنا چاہتے ہیں۔اگر چہ گواہوں اور شہادتوں کے بعد فیصلہ آپ کے حق میں جاتا ہے لیکن جب آپ قانون قدرت کو دیکھتے ہیں اور انسانی بھلائی کا سوچتے ہیں تو آپ کو فیصلہ ایسا کرنا چاہیئے جو بھلائی کا ہو۔بھاگاں بی بی اپنے بچوں کی کفیل ہے۔اس زمین سے اس کو روکھی سوکھی ملتی ہے۔آپ اگر اس کی زمینوں کو آزاد کر دیں اور اس کو نہری پانی بھی ملنے دیں تو اس کی یہ زمین آباد ہو جائے گی۔آپ خوشحال ہیں لیکن یہ تنگ دست عورت ہے۔آپ ہی اس کا سہارا بنیں اور اس کی زمینوں کو آزاد کر دیں۔یہ بے چاری بھی اپنی بھوک مٹا لے۔آپ کا تو پیٹ بھرا ہوا ہے" جج کا آخری جملہ سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔میرا ہاتھ بے اختیار جیب میں گیا

اور سوکھی روٹی کو سہلاتے ہوئے میں سوچنے لگا" ٹالی والے بابے نے بھی تو یہی کہا تھا" میں خاموش نظروں سے جج کا چہرہ دیکھتا رہا۔اگر چہ اس نے فیصلہ لکھ دیا تھا لیکن پھر بھی وہ مجھ سے انسانی ہمدردی کی توقعات کی خاطر اخلاقی مدد مانگ رہا تھا۔اور میں بھاگاں بی بی اور اپنے مقدمے کے بارے سوچنے لگا۔یہ ہے بھی حقیقت بیٹے۔بھاگاں کی زمین نہر سے اندر ہماری زمینوں کے بیچ میں ہے۔دو ایکڑ زمین کے اس رقبہ کی کاشت کاری اور زرخیزی کا راستہ ہماری زمینوں سے ہو کر گزرتا تھا اور اپنی زمینوں کی ہریالی کی خاطر وہ مجھے باقاعدہ حصہ دیتی تھی۔کئی سال پہلے جب اس کا شوہر زندہ تھا اور اس نے مجھ سے دشمنی مول لے لی تھی تو اشتمال کے دنوں میں پٹواری' گرداور اور تحصیلدار سے مل کر میں نے اس کے رقبہ میں ردوبدل کرا دیا تھا جس کے بعد وہ بیچارے میری زمینوں کے جال میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ان کی اپنی زمین نہر کے کنارے پر تھی لیکن اشتمال کے بعد وہ زمین میری ہو گئی تھی اور ان کا رقبہ ایک میل اندر میری ان زمینوں میں آ گیا تھا جو زیادہ آباد نہیں تھیں لیکن بھاگاں بی بی نے دن رات کی مشقت کے بعد اپنی زمینوں کی خاطر میری زمینوں کو بھی آباد کر دیا تھا۔میری اس کے شوہر سے دشمنی تھی لیکن اس کے انتقال کے بعد جب بھاگاں بی بی پر اس کے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری پڑی تو میں نے کئی بار سوچا کہ اسے اس کا اصلی حصہ دے دوں۔لیکن میری زمینداری ہمیشہ آڑے آتی۔دل مانتا تھا کہ میں نے اسکا حصہ غصب کیا ہے مگر زبان سے تو نہیں کہتی تھی۔اس کے شوہر نے پچھلے پانچ سال سے یہ مقدمہ کیا تھا اور آج خلاف توقع جج اس کا فیصلہ سنا رہا تھا۔فیصلے کی تاریخ پچھلے ایک سال سے لٹکی ہوئی تھی۔دیوانی مقدمات کا یہی تو معاملہ ہوتا ہے۔چلے تو کئی پشتوں تک اور اگر زور لگا لیا تو ایک نسل میں بھی ختم ہو سکتا ہے۔میں نے جج کی بات سے اکتفا کیا اور جیب سے سوکھی روٹی کو تھپتھپاتے ہوئے ٹاہلی والی سرکار سے ملنے چلا گیا۔مجھے دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی۔

"تو نے خود فیصلہ کیا تھا اب کوئی پچھتاوا تو نہیں ہو رہا" اس نے کہا تو میں نے جواب دیا

"سرکار...... یہ فیصلہ درست ہوا ہے بھاگاں کا حق بنتا ہے اور میں اسکو اسکا حق دوں گا"

"تو کھرا انسان ہے لیکن کبھی کبھی اتھرے گھوڑے کی طرح مچل جاتا ہے۔اپنے آپ کو قابو کرنا اور دوسروں پر شک کرنا چھوڑ دے۔" اس نے کہا" لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا آئندہ مجھ سے ملنے نہ آنا۔میں اپنی ریاست میں شور پسند نہیں کرتا" یہ کہہ کر اس نے چہرہ میری طرف سے بدل لیا

اور میں سوکھی روٹی لے کر تانگہ تلاش کرنے لگا تو وہی صبح والا کوچوان تانگہ دوڑاتا ہوا میرے پاس آ گیا۔

''آئیں جناب آپ کو لے جاؤں'' اس کے چہرے پر جوش ابھی تک نمایاں تھا ''آیئے سرکار...... آپ بیٹھیں۔ میں ٹاہلی والی سرکار کو نذر نیاز کر آؤں''۔ اس نے مٹھائی سے بھرا ہوا ایک ڈبہ پکڑا اور شیشم کے درخت کی طرف بھاگ گیا۔ میں تانگے پر بیٹھ کر سوکھی روٹی نکال کر کھانے لگا۔ اس کی اپنی لذت تھی۔ ملنگ اور دیہاتی سوکھی روٹی کھانے میں بڑی راحت اور لذت محسوس کرتے ہیں۔ میں بھی تو دیہاتی ہوں لیکن زمیندار ہونے کی وجہ سے سوکھی روٹی نہیں کھاتا۔ میں نے جب روٹی کھالی تو مجھے بے تحاشا لذت محسوس ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد کوچوان واپس آیا تو اس کے حواس اڑے ہوئے تھے۔

''سرکار غائب ہوگئی ہے'' وہ پھولی سانسوں کے ساتھ کہنے لگا۔

''ابھی تو ادھر ہی تھا'' میں نے کہا

''میں نے ساری جگہیں دیکھ ڈالی ہیں۔ لیکن وہ ملے ہی نہیں وہ جگہ دیکھ کر لگتا ہے جیسے وہاں کوئی صدیوں سے نہیں بیٹھا ہوگا حالانکہ میں پچھلے ایک مہینے سے انہیں وہاں دیکھتا آرہا ہوں'' کوچوان پریشان ہو کر سوچنے لگا پھر خود ہی سر دھنتے ہوئے بولا ''اللہ کی اللہ جانے...... اس نے ہی بلایا ہوگا تو چلے گئے۔ یہ اللہ کے بندے بھی پرندے ہوتے ہیں۔ ڈال ڈال پر بیٹھتے ہیں اور پھر چل دیتے ہیں۔ میں تو سرکار کے لئے دھنی کی دکان سے لڈو لے کر آیا تھا۔ ان کی دعا سے آج میرا پرائز بانڈ لگ گیا ہے۔ سو روپے کا پرائز بانڈ میں نے پچھلے دو سال سے سنبھال کر رکھا تھا جناب لیکن آج میرا دس ہزار کا پہلا انعام نکلا ہے۔ یہ سب ٹاہلی والی سرکار کی نظر سے ہوا ہے۔ خیر...'' وہ تانگے پر سوار ہوا''۔۔۔اب تو میں سرکار کے نام کا چڑھاوا چڑھاؤں گا۔ میں بڑا پریشان تھا جناب۔ ایک ہفتے بعد میری بچی کی شادی تھی۔ اس کے ہونے والے سسر نے کہہ رکھا ہے کہ سو بندوں کا کھانا تیار رکھنا۔ میں بڑا پریشان تھا جناب لیکن اب پریشان نہیں ہوں۔ اللہ نے اپنے نیک بندے کے ذریعے مجھ پر عنایت تو کی''

کوچوان راستے بھر بولتا رہا۔ میں ہوں ہاں اور کبھی اثبات میں سر ہلا دیتا۔ دراصل میں نے زندگی بھر کبھی ایسے لوگوں سے واسطہ نہیں رکھا تھا۔ کسی دربار پر نہیں جاتا تھا کسی پیر فقیر پر اعتبار نہیں آتا تھا لیکن جب سے پیر ریاض شاہ اور بابا جی سرکار سے واسطہ پڑا تھا میرے ذہن میں

تبدیلیاں آنے لگی تھیں۔ میں گم صم سا رہنے لگا ایک بے نام سا اضطراب کہہ لو یا بے بسی۔ میرا خیال ہے بے بسی اور بے کسی مناسب ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ یہ سب عقیدت کا کمال ہے۔ روحانیات کے درجات کو پہنچے لوگوں کی نظر کمال کا اثر ہے۔ لیکن اب ہوش آرہا ہے کہ یہ سب دکھاوا اور ڈھونگ ہے۔ اسرار اور شرافت کے لبادے میں یہ لوگ نہایت گھناؤنے اور بدمعاش ہیں۔ میں تو دو دنوں میں اس ریاض شاہ کی حقیقت کو پہچان گیا ہوں لیکن پتر جی لوگ برسوں گزار دیتے ہیں اور اندھی عقیدت میں مست رہ کر اپنا سب کچھ برباد کر دیتے ہیں۔ دنیا اچھے لوگوں سے بھی بھری ہوئی ہے پتر۔ مگر یہ شیطان مت مار دیتا ہے بندے کی۔ میرے بزرگ کہا کرتے تھے شیطان نیکی کی آڑ میں جب بہکاتا ہے تو اچھے بھلے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔

چاچا جی...... آخر کون سی بات ہوگئی ہے کہ آپ بابا جی اور پیر ریاض شاہ کے روحانی درجات کو تسلیم نہیں کرتے'' میں نے ان کی طویل گفتگو کے بعد سوال کیا

''آہ بیٹا'' وہ تاسف سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر بولے ''میں نے انہیں پہچان لیا ہے بیٹا۔ میں آج صبح قرآن شریف پڑھ رہا تھا تو میں نے آیات کا ترجمہ پڑھتے ہوئے غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ میرے سچے بندے صرف وہی لوگ ہوں گے جو اس کی اطاعت، عبادت کے حق سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن پتر جسے تم روحانی بزرگ سمجھتے ہو اور اس سے کائنات کی ایسی مخلوق وابستہ ہو جو کسی کو نظر نہیں آتی لیکن وہ مخلوق اس سے محبت کرتی ہو تو پھر ایسے شخص کو ولی اللہ ہی کہنا چاہئے ناں۔ لیکن وہ شریعت کے مطابق کام نہیں کرتا۔ بیٹے یہ شریعت ہی نیک و بد میں تمیز سکھاتی ہے۔ جو پیر یا روحانی شخصیت نماز اور قرآن سے تعلق نہیں رکھتی میں اسے کسی طور پر عظیم ہستی نہیں سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ پیر ریاض شاہ کے پاس کچھ ایسے علوم ہیں جو اس نے کسی سے سیکھ لئے ہیں اور اس نے جنات کو قابو کر رکھا ہے لیکن اس نے اپنی شخصیت کو روحانی بزرگ کے ایک روپ میں قید کر لیا ہے تاکہ لوگ اس پر شک نہ کریں۔

میرے بیٹے، تم کیا سمجھتے ہو میں بے وجہ اس کے خلاف ہو رہا ہوں۔ ہاں ابھی میں بے بس ہوں۔ مجھے ان لوگوں کی اندھی عقیدت نے باندھ رکھا ہے۔ بابا جی سرکار کا روپ میرے لئے بھی باعث کشش ہے مگر اس کی اصل حقیقت کیا ہے فی الحال میں اس پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ قرآن پڑھتے درود شریف کا ورد کرتے نعت رسولﷺ کی محافل سجاتے ہیں۔ مجھے ان کی بزرگی اور اعمال پر شک نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن بیٹے ان کے اس عمل کو کیا کہیں گے جو انہوں نے میری نیک پارسا بیٹی زلیخا کے

ساتھ کیا ہے"

"کک...... کیا کیا ہے" زلیخا کا نام سنتے ہی میرے اندر اتھل پتھل ہونے لگی، "میں کچہری سے جب واپس آیا تھا تو رضیہ نے مجھے یہ کہا کہ بابا جی زلیخا کی شادی پیر ریاض شاہ کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میرے ذہن کو دھچکا لگا۔ اس سے قبل کہ میں کچھ کہتا ریاض شاہ میرے پاس خود چل کر آ گیا۔

"زلیخا کو بابا جی نے اپنی بیٹی بنالیا ہے ملک صاحب۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں زلیخا سے شادی کرلوں" اس کی آنکھوں میں ہوس ناک چمک تھی۔ اس کی بات سن کر میری کن پٹیاں سلگنے لگیں۔ وسوسے واہم نفرتیں سب عیاں ہو گئیں اور عقیدتیں ننگی ہو کر ناچنے لگیں۔

"تو یہی چاہتا تھا ریاض شاہ اور اس کے لئے تم نے یہ کھیل کھیلا" میں نے کہا "لیکن میں اپنی معصوم اور بھولی سی بچی کی شادی تم سے نہیں کرسکتا۔"

"زلیخا تیار ہے ملک صاحب" رضیہ جلدی سے بولی "وہ کہتی ہے کہ بابا جی جیسے کہیں گے میں ویسے کروں گی" یہ کہہ کر چاچا جی خاموش ہو گئے۔ ایک کرب بے پناہ تھا جو ان کے چہرے پر عیاں تھا اور ایک حشر برپا ہو رہا تھا میرے اندر...... زلیخا...... پیر ریاض شاہ سے شادی کر لیتی تو میں...... کس کی آس پر یہاں آتا۔ حویلی میرے لئے کیسے بنی سنوری رہ سکتی تھی۔ میری خاموش چاہت کا آبگینہ یوں ٹوٹ جائے گا اور مجھے اسے سنبھالنے کا موقع بھی نہیں ملے گا، میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔

☆☆☆

انسان کتنا بے اختیار ہوتا ہے۔ اگر اسے اس بات کا احساس ہو جائے اپنی کم مائیگی، بے وقعتی کا یقین ہو جائے تو وہ امیدوں کی دہلیز پر کھڑے ہو کر ارمانوں کے محلات میں داخل ہوتے وقت ایک بار تو سوچنے لگے۔ لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ انسان سوچتا رہتا ہے بے شک اسے اس کی سوچوں کے مطابق کچھ بھی نہ ملے۔ لیکن بے اختیار سوچوں اور ارمانوں کے پنڈولم میں لٹکتے لٹکتے ہی اس کی عمر کا ایک قیمتی عرصہ گزر جاتا ہے۔

چاچا جی نے زلیخا اور پیر ریاض شاہ کی شادی کے بارے میں بات کر کے مجھے طوفانوں کی نذر کر دیا تھا۔ میں جو ابھی چاہتوں کا آشیانہ بنا رہا تھا وہ تند و تیز اندھیروں اور جھکڑوں میں تہ و بالا ہو رہا تھا۔

"چاچا جی...... میں حیران ہوں زلیخا کیسے مان گئی؟" میں نے افسردہ اور حیران نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں بھی حیران تھا پتر جی کہ زلیخا نے اس پاجی سے شادی کا اقرار کیسے کرلیا وہ حقہ کی نے ہاتھ میں تھامتے ہوئے کچھ دیر کے لئے خلاؤں میں گھومنے لگے "میرا خیال ہے بلکہ مجھے یقین ہے پتر جی۔ ریاض شاہ اور اس کے بابا جی نے زلیخا پر جادو کر دیا ہے"

"چاچا جی...... میں ان پیروں فقیروں کو نہیں مانتا۔ پیر اور فقیر وہی ہے جو شریعت اور روحانیت کی اصل روح کے مطابق زندگی گزارے۔ باقی تو کاروباری لوگ ہیں۔ لیکن آج رات کو میں نے جو مناظر دیکھے ہیں اس کے بعد میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ پیر ریاض شاہ دوسرے بہت سے پیروں سے مختلف ہے۔ اس کے پاس جنات کی طاقت ہے۔ اگر میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید میں نصیر کی باتوں پر یقین نہ کرتا۔ اب آپ نے جس مسئلہ کی طرف نشاندہی کی ہے اس کا حل تلاش کرنا بہت مشکل ہوگا" میں نے کچھ سوچتے ہوئے مگر الجھے ہوئے انداز میں پوچھا "آپ اتنا سب کچھ جاننے کے باوجود ابھی بھی اس محفل سے اٹھ کر آرہے ہیں"۔

"مجبوری سے پتر جی مجبوری" حقہ گڑگڑاتے ہوئے انہیں کھانسی کا دورہ پڑ گیا اور وہ کافی دیر

تک کھانستے اور ہانپتے رہے۔ میں اٹھا اور ان کے لئے پانی کا گلاس لایا۔ یہ کھانسی کی شدت تھی یا سینے میں اٹکے طوفانوں کی شدت کہ ان کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ پانی پی چکنے کے بعد بولے "میں اگر باباجی کی محفل میں نہیں بیٹھوں گا تو وہ جو چاہیے کرسکتے ہیں۔ انہیں کم از کم اس وقت میرا خیال تو ہوتا ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے چاچاجی" میں نے کہا "اگر اس کے ذہن پر شیطان سوار ہے تو وہ آپ کے جانے کے بعد بھی کچھ کرسکتا ہے۔ وہ آپ کو اپنی طاقتوں سے بے بس بھی تو کرسکتا ہے"۔

"ہاں کرسکتا ہے" چاچاجی شکستہ خاطر ہوگئے اور چار پائی کی ٹیک سے سر ٹکا کر زیرلب کچھ بولتے رہے نہ معلوم اس وقت وہ کیا کہنا چاہتے تھے لیکن ان کے چہرے پر آزردگی اور بے بسی دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ ایک طاقتور انسان پر جب زوال آتا ہے تو بے کسی کا ہتھوڑا اس کے کلیجے کو کیسے پیٹتا ہے۔ اپنے علاقے کے طاقتور ترین زمیندار کو اس کے اپنے ہی گھر میں اس قدر مجبور اور مقہور دیکھ کر مجھے رحم آرہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ میں ان کی مدد کیسے کرسکتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے خود بھی خوف محسوس ہورہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی تو میں نے باباجی جیسی پراسرار مخلوق کے درشن کئے تھے۔ یہ کوئی گماں آمیز صورتحال نہیں تھی میں نے جیتی جاگتی آنکھوں اور اپنی پوری حسیات کے ساتھ باباجی کو دیکھ کر اور محسوس کیا تھا پھر میں کیسے ان کے وجود کی حقیقت سے انکار کرسکتا تھا۔ چاچا جی خود بھی باباجی کے وجود کی حقیقت سے آشنا تھے۔ اگر ان پر بیٹی کی عزت کا سوال نہ آتا تو یقیناً وہ اس کیفیت سے دوچار نہ ہوتے۔ وہ زلیخا کو پیر ریاض شاہ سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے لیکن زلیخا اور اس کی والدہ دونوں ہی اس شادی پر تیار تھے۔

"آپ کو آرام کرنا چاہیے" میں نے چاچاجی سے کہا "مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کسی بڑی مشکل میں نہیں ڈالے گا"۔

"پتر جی" وہ دکھ سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے "کیا تم میری مدد کرسکتے ہو"۔

"جی چاچاجی...... کہئے میری جان بھی حاضر ہے" میں نے کہا "آپ جیسے شفیق انسان کے لئے اپنی جان قربان کرتے ہوئے مجھے دکھ نہیں ہوگا"۔

"تم زلیخان کو سمجھاؤ...... میں اسے سمجھا چکا ہوں" وہ آہستگی سے بولے "مجھے یقین ہے وہ

تمہاری لاج رکھ لے گی"۔

"میری لاج" میں نے سوچا جو بیٹی اپنے باپ کی لاج نہ رکھ سکی وہ میری لاج کیسے رکھ سکتی تھی۔ میرا اس کے ساتھ رشتہ ہی کیا تھا۔ کس بھروسے پر اس کو سمجھاتا۔ اگر میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا تو ممکن ہے وہ مجھے برا بھلا کہہ دیتی۔ میری اس کے سامنے حیثیت ہی کیا تھی۔ لازمی تو نہیں تھا وہ اپنے اور میرے خاموش رشتے کو تسلیم بھی کرتی ہو۔ میں کسی خوش فہمی میں بھی مبتلا نہیں رہنا چاہتا لیکن کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ میرے پاس کوئی ایسی طاقت بھی نہیں تھی کہ پیر ریاض شاہ کو اس کے زور پر روک دیتا یا باباجی کو قائل کرسکتا؟ لیکن ایک اضطراب ہیجان اور برہمگی تھی جو میرے اندر لاوے کی صورت ابلنے لگی تھی۔

میں نے چاچاجی کو تسلی دی اور انہیں کہا کہ وہ آرام سکون سے سوجائیں میں کوئی راستہ تلاش کرتا ہوں۔ ایک بھٹکے ہوئے انسان کو جب اپنا ہی راستہ معلوم نہ ہو تو وہ دوسروں کے لئے راستے کیسے تلاش کرسکتا ہے۔ لیکن دوسروں کے زخموں کے اندر مال کے لئے یہ تسلیاں تو دینی ہی پڑتی ہیں۔

میں چاچاجی کے کمرے سے نکلنے ہی لگا تھا کہ نصیر ادھر آگیا۔

"تم ادھر کیا کررہے ہو۔ ادھر آجاؤ۔ باباجی سرکار بلا رہے ہیں" اس کے چہرے پر اشتیاق تھا۔

"نصیر میری بات سنو" میں نے اس کا بازو تھام لیا

"کیا بات ہے" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "خیرت تو ہے"۔

"میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں" میں اسے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ یکدم کچھ یاد کرتے ہوئے تڑپ اٹھا "باتیں بعد میں کرنا۔ اس وقت جو محفل بجی ہوئی ہے اگر تم نے اس کا لطف نہ اٹھایا تو ساری زندگی پچھتاؤ گے۔ جلدی کرو۔ میں تو اباجی کو بھی بلانے آیا تھا لیکن میرا خیال ہے وہ سو گئے ہیں۔ بس تم جلدی چلو۔ آج تو باباجی سرکار نے کمال ہی کردیا ہے"۔

"کیا کمال کردیا ہے" میں نے پوچھا۔

"وہ زلیخا کے لئے اپنے دیس سے بری لے کر آئے ہیں" اس کی بات سن کر جامد ہوگیا۔

"کک...... کیا...... بری...... کس لئے...... کیوں؟" میں نے نصیر کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر خوشیاں رقصاں کررہی تھیں۔ اس بے وقوف کو شاید یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ بری کتنی بری شے ثابت ہوگی۔

"نصیر تم ہوش میں تو ہو" میں نے اسے مخاطب کیا "کیا تم جانتے ہو کہ حویلی میں کیا ہونے

جارہا ہے۔ چاچاجی بہت پریشان ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ پیر ریاض شاہ اور زلیخا کی شادی ہو"۔

"ان کا تو دماغ چل گیا ہے" نصیر کے چہرے پر اپنے والد کا ذکر سن کر عجیب سی نفرت ابھر آئی" وہ بے وجہ باباجی پر شک کرتے ہیں، جب باقی گھر والے راضی ہیں تو اباجی کو ضد نہیں کرنی چاہیے"۔

"لیکن نصیر...... یہ بات مناسب نہیں ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش"...... میں نے اسے سمجھانا چاہا تو وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

"شاہد تم اس مسئلے میں نہ ہی آؤ تو اچھا ہے۔ یہ میرے گھر کا معاملہ ہے ہمیں کیا کرنا ہے ہم بہتر جانتے ہیں۔ تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ہاں مجھے لگتا ہے اباجی نے تمہیں بھی باباجی کے بارے بدگماں کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمہارے دل میں باباجی سرکار کے لئے بدگمانی پیدا ہو رہی ہے تو تم ابھی یہاں سے جاسکتے ہو۔ میں باباجی سرکار کو ناراض نہیں کرسکتا۔ ان پر میری سات زندگیاں بھی قربان" میں نصیر کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ وہ شخص جو کبھی میرے سامنے اونچی آواز میں بات نہیں کرتا تھا، میرا سایہ بنا رہتا تھا مجھے یوں مخاطب کر رہا تھا۔

"میں چلا جاتا ہوں لیکن یاد رکھنا نصیر تم نے جس آگ کو اپنے ریشم کی حفاظت کے لئے جلا رکھا ہے وہ سب کچھ تباہ کر دے گی" اس سے پہلے کہ نصیر مجھے کچھ کہتا اندر زنان خانے سے کسی کی چیخ سنائی دی۔ نصیر نے میری طرف دیکھا اور پھر جلدی سے زنان خانے کی طرف بھاگا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اندر ہڑبونگ سی مچی ہوئی تھی۔ باباجی باآواز کسی کو ڈانٹ رہے تھے لیکن ایک نسوانی آواز شور مچاتی دہائیاں دیتی ہوئی کمرے سے بھاگ رہی تھی۔

> يَا مَالِكُ يَا قُدُّوس بحق يَا عَزِيزُ
>
> اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ رَّوْ عَاتِنَا
>
> خواتین بے حیا نظروں سے بچنے کے لئے اس اسم پاک کا ذکر کرتی رہا کریں

"غازی اس کو پکڑ اور چار چھتر مار کر اس کا دماغ ٹھیک کر دے" باباجی سخت آواز میں کہہ رہے تھے۔ اسی لمحے میں زنان خانے کے دروازے پر کھڑا تھا کہ ایک عجیب سا سیاہ رنگ کا ہیولا جس کی آنکھیں دہکتے انگاروں جیسی تھیں۔ منہ لمبوترا اور دانت باہر کو نکلتے ہوئے تھے۔ بال بکھرے ہوئے عجیب ہیئت میں مجھ سے آٹکرائی اور میں کئی فٹ دور جا گرا۔ میرا دماغ گھوم گیا اور اس مکروہ ہیولے کا عکس میری آنکھوں میں جیسے منجمد ہو کر رہ گیا۔ خوف کی ایک سرد لہر نے میرے بدن کو جکڑ لیا تھا اور میں فرش پر یوں پڑا رہ گیا جیسے چھت سے کوئی چھپکلی زمین گرتی ہے۔

"ٹھہرو آوارہ کمینی" غازی ہیولے کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

"نصیر اپنے دوست کو اندر اٹھا کر لے آؤ" باباجی نے نصیر کو میری طرف بھیجا تو وہ مجھے تقریباً گھسیٹتا ہوا اندر لے آیا۔

"دروازہ بند کر دو" باباجی بولے "اس حرام خور کو آج ہی آنا تھا۔ دیکھا رضیہ...... میں نے کہا تھا تجھے کہ تیرے گھر میں چڑیلوں کی پکھی ہے۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے تیری حویلی اور تیری بیٹی پر اپنی نحوست پھیلا رکھی ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ یہاں ظاہر ہوں۔ میں انہیں مار ڈالتا مگر یہ غازی کوئی نہ کوئی ایسی حرکت کر ہی دیتا ہے کہ تمہیں پریشانی اٹھانی پڑ جاتی ہے۔ ریاض شاہ تم شاہد کو ہوش میں لاؤ" میرے میرے اعصاب پتھرائے ہوئے تھے لیکن مجھے باباجی کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔

ریاض شاہ میرے قریب آیا اور اس نے کچھ پڑھنے کے بعد میرے سر پر دم کیا اور مجھے پانی پلا کر میرے حواس بحال کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے مکمل ہوش آ گیا۔

"یہ سب کیا تھا میرے منہ سے بے اختیار نکلا باباجی بولے" بیٹا یہ ہماری دنیا کی ایک بدکار اور گندی مخلوق ہے۔ تم انہیں چڑیلیں کہتے ہو۔ یہ کافر جنات میں سے ہیں۔ ان کا پورا قبیلہ اس حویلی کے پچھواڑے میں رہتا ہے۔ یہ وہی چڑیل ہے جس نے ہماری بیٹی زلیخا پر سایہ کیا ہوا ہے بلکہ اس نے نصیر کے والد پر بھی اثر کیا ہوا ہے۔ یہ ان کے دلوں پر بیٹھی ہے اور انہیں بدگماں کرتی رہتی ہے" باباجی مجھے بتا رہے تھے" آج جب ہم اپنی بیٹی زلیخا کو بری دکھا رہے تھے تو اس نے دیکھ لیا اور ہماری محفل کا ناس مارنے کے لئے یہاں آ گئی۔ حالانکہ میں نے غازی سے کہا تھا کہ وہ محفل کی حفاظت کرے لیکن اس حرام خور کو باتوں کا اتنا چسکا لگ چکا ہے کہ اپنے کام پر دھیان ہی نہیں دیتا۔ اس کی ذرا سی چوک سے یہ چڑیل اندر آ گئی اور بری کو الٹ پلٹ دیا"

باباجی کی باتوں کے دوران ہی غازی واپس آ گیا۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی کسی کی گھٹی گھٹی چیخیں بھی سنائیں دینے لگیں۔

"تو اسے پھر یہاں لے آیا غازی" باباجی غصے سے چلائے۔

"سرکار...... میں نے مار مار کر اس کا دماغ ٹھیک کر دیا ہے" غازی بولا۔

"اب کیا حکم ہے اسے جلادوں"۔

"جاؤ اور اسے باہر لے جا کر جلا ڈالو" باباجی گرجدار آواز میں بولے۔

"نہ سرکار مجھے معاف کر دیں۔اس غازی نے مجھے بہت مارا ہے" چڑیل چیختی ہوئی التجائیں کرنے لگی تو کمرے میں عجیب سی بو پھیلنے لگی۔

"غازی اسے باہر لے جاؤ۔یہ گند پھیلا رہی ہے" باباجی گرجے اس کی ناپاکی سے سارا کمرہ گندہ ہو گیا ہے"۔

"سرکار" چڑیل چیختی "مجھے معاف کر دیں"۔

"تمہیں کوئی معافی نہیں ملے گی...... تم نے ہماری محفل کو غارت کر دیا ہے" باباجی بولے۔

"اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا تو میری ساری پکھی حویلی میں جنگ شروع کر دے گی" وہ اپنی جان بچانے کے لئے دھمکیاں دینے لگی۔"میں زلیخا کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گی باباجی...... آپ مجھے چھوڑ دیں ورنہ بہت پچھتائیں گے"

"بکواس کرتی ہے" اس کے ساتھ ہی زناٹے دار تھپڑ کی بازگشت سنائی دی۔"مجھے بلیک میل کرتی ہے۔دھمکاتی ہے مجھے" باباجی پرجلال لہجے میں بولے "غازی مار ڈال اسے" اتنا سننا تھا کہ غازی نے نہ جانے کیا کیا ہو گا کہ اس جگہ جہاں وہ کھڑے تھے ایک نارنجی رنگ کا شعلہ سا ابھرا اور پھر ایک نہایت کریہہ دلدوز چیخ گونجی۔ایسا لگا جیسے کوئی شے گہرے ترین کنویں میں گرتی چلی جا رہی ہے۔اس کے ساتھ ہی کمرے میں بدبو کا احساس ہوا جسے برداشت کرنا دوبھر ہو رہا تھا۔لیکن دوسرے ہی لمحے پورا کمرہ کافور کی مہک سے بھر گیا اور چند ہی منٹ مزید گرے ہوں گے کہ کمرے کا ماحول نہایت پرسکون ہو گیا۔میرے حواس پر یہ منظر نقش ہو کر رہ گیا۔میرا ذہن جو باباجی پراسرار ہستی سے متنفر ہو رہا تھا ایک بار پھر ان کی طاقتور ہستی کے سامنے کمزور ہو گیا۔

باباجی اور پیر ریاض شاہ کسی انجانی زبان میں گفتگو کرنے لگ گئے تھے جب خاصی دیر گزر گئی تو باباجی نے سب لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا

"میں تم لوگوں کو ایک خوشخبری سناتا ہوں" سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

"میں نے جیسا کہ کہا ہے زلیخا میری بیٹی ہے اور اس کی شادی پیر ریاض شاہ سے ہو کر رہے گی۔اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ شادی اگلی جمعرات کو ہو گی۔نکاں مغرب کے وقت ہو گا اور ہاں رضیہ بیٹی۔مہمانوں کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس شادی میں شرکت کے لئے ہمارے مہمان آنے والے ہیں"۔

باباجی کی بات سن کر میرے اندر بےقراری اور وحشت ابھرنے لگی اور پھر اس لمحہ باباجی نے مجھے مخاطب کیا۔

"شاہد پتر...... اچھا ہوا تم بھی یہاں ہو۔میرے بچے تمہیں اپنے بھائی ریاض شاہ کی طرف سے گواہ نامزد کرنا ہے۔اس لئے تم اتنے دن ادھر ہی رہو اور یہاں رہ کر اپنے امتحان کی تیاری کرو"۔

میں خاموش رہا۔کیا کہتا کہ آپ مجھے کس امتحان سے نکال کر کس امتحان میں مبتلا کر رہے ہیں۔تھوڑی ہی دیر بعد زنان خانے میں روشنی ہو گئی۔دیکھا تو باباجی بڑے بستر پر گاؤ تکیہ کے سہارے لیٹے ہوئے تھے۔ان کا بدن سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا مگر چہرہ تھوڑا سا عیاں تھا۔پورا زنان خانہ شادی بیاہ کے کپڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ایک طرف سونے کے زیورات پڑے تھے اور دوسری طرف خوش پاش لباس۔میں انہیں حسرت سے دیکھنے لگا۔زلیخا یہ سب پہنے گی۔کس کے لئے۔پیر ریاض شاہ کے لئے۔اس پر کتنا جوبن ہو گا جب وہ دلہن بنے گی۔

"رضیہ...... یہ سامان صندوق میں ڈال کر سنبھال دے" باباجی بولے "ریاض شاہ ان پر دم کر دے، گندی چڑیل نے اس پر چھینٹے پھینک دیئے ہوں گے" بابا نے اس خیال کے ساتھ ہی نصیر کو مخاطب کیا اور کہا "نصیر بزرگوں کی عزت ہر حال میں کرنا سیکھو۔تم اپنے والد کے بارے میں گستاخی کر رہے تھے۔بیٹے کسی دوسرے کی عزت کو بڑھانے کے لئے اپنے بزرگوں کی عزت کو کم نہیں کیا جاتا۔یہ بےادبی اور گستاخی ہے۔تمہارے والد کو ان کی سوچ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔وہ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں اور ریاض شاہ کون ہیں۔یہ تو ان کے نصیب اچھے ہیں کہ ہم نے زلیخا بی کو اپنے لاڈلے بیٹے کے لئے منتخب کیا ہے"۔

"میں معافی چاہتا ہوں باباجی" نصیر شرمندہ ہو گیا۔

رات خاصی گزر رہی تھی اور ایک بار محفل پہلے بھی برخواست ہو گئی تھی لیکن یہ محفل زلیخا کی شادی

کے سامان کو دکھانے کے لئے سجائی گئی تھی۔اس میں زلیخا شامل نہیں تھی غالباً وہ اپنے کمرے میں تھی۔ میں زلیخا سے ملنا چاہتا تھا اور ایک بار اس سے اس شادی کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن اب اس بات کا سمے نہیں تھا مجھے صبح کا انتظار کرنا تھا۔

نصیر اور میں دونوں جب سونے کے لئے کمرے میں آئے تو اس نے آتے ہی اشتیاق کے مارے پوچھا"شاہد سناؤ تمہیں میرے باباجی کیسے لگے"۔

میں خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔وہ تو عقل سے پیدل ہو گیا تھا۔اسے کیا کہتا۔اس کی آنکھوں پر باباجی طاقت کا پردہ پڑ گیا۔

"تم بتاتے کیوں نہیں"اس نے دوبارہ کہا تو میں نے کہا"باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن زلیخا کی ریاض شاہ کے ساتھ شادی......یہ اچھی بات نہیں ہے"۔

"یار اس سے کیا فرق پڑتا ہے"وہ بے حسی سے بولا"زلیخا کی شادی تو ایک دن کرنی ہی تھی۔ تمہیں پتہ ہے ویسے بھی وہ بڑی خاموش رہتی ہے۔اس پر سایہ ہے۔یہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے اس کا علاج بھی یہی ہے۔باباجی کہتے ہیں اگر کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس کی شادی کر دی گئی تو وہ شخص زندہ نہیں رہ سکے گا"۔

"کیوں......ایسی کیا بات ہے؟"میں نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے بھی یہی سوال کیا تھا"نصیر بولا"باباجی نے کہا تھا کہ جن لڑکیوں پر جنات اور چڑیلوں کی حکمرانی ہو جائے وہ ان کے زیر اثر رہتی ہوں تو ان کی شادیاں کامیاب نہیں ہو سکتیں ہاں کوئی روحانی طور پر طاقتور شخص ہی ایسی عورتوں کو سحری اثرات سے نکال کر انہیں ایک صحت یاب زندگی دے سکتا ہے۔باباجی کہتے ہیں کہ زلیخا جب سے پیدا ہوئی ہے اس پر حویلی میں رہنے والی چڑیلوں نے اپنا سایہ ڈال رکھا ہے۔اس وجہ سے ان کے خون میں ایسے جراثیم داخل ہو چکے ہیں جو کسی دوسرے وجود کو تخلیق نہیں دینے دیں گے......اور بھی بہت سی باتیں باباجی نے بتائیں تھیں مجھے تو ان کی سمجھ نہیں آسکی"۔

میں بھونچکا رہ گیا۔

"باباجی کو یقین ہے کہ زلیخا پیر ریاض شاہ کے ساتھ بہت خوشی بھی رہے گی اور محفوظ بھی۔تم نے دیکھ لیا اس چڑیل نے کتنی ہڑبونگ مچائی تھی۔باباجی نے ہمیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ حویلی میں جنات کی پکھی موجود ہے جو اس شادی کو کامیاب نہیں ہونے دے گی اور فتنے جگائے گی ان کی یہ

بات سچ ثابت ہو گئی ہے"۔

نصیر کی یہ باتیں مجھے خرافات اور اوہام پرستی لگنی چاہئے تھیں لیکن میں انہیں فی الفور جھٹلا نہیں سکتا تھا۔میرے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں تھا کہ میں باباجی اور پیر ریاض شاہ کی ہر بات کو پرکھ سکتا اور پھر ان سے بحث و مباحثہ کرتا۔میں بھی خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑنے پر مجبور ہو رہا تھا۔رات میں نے آیت الکرسی پڑھتے پڑھتے گزار دی۔میرے بچپن کے اساتذہ جن سے میں نے قرآن شریف پڑھا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ آیت الکرسی پڑھنے سے انسان شیطانی وسوسوں اور اس کی دسترس سے محفوظ ہو جاتا ہے لہٰذا میں نے کم و بیش تیس چالیس بار آیت الکرسی پڑھی اور سونے کی کوشش کرتا رہا۔فجر کے وقت مجھے نیند نے آلیا لیکن نیند کچھ ہی دیر بعد کھل گئی ایسا لگا جیسے میں ابھی اونگھ لے رہا تھا کہ کسی نے مجھے جگا دیا ہے۔

میں نے غور کیا تو واقعی میں اونگھ رہا تھا۔اس وقت کمرے میں حویلی کا ملازم نورا داخل ہوا تھا اور نصیر کو اٹھا رہا تھا۔نصیر نے کیا اٹھنا تھا میری آنکھ کھل گئی۔

"کیا بات ہے نورے"میں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ جی......بڑے ملک صاحب بلا رہے ہیں اسے"وہ تھوڑا سا گھبرایا ہوا تھا۔

"خیر تو ہے"میں نے سوال کیا۔

"خیر نہیں لگتی۔باہر پولیس آئی ہوئی ہے۔پورا تھانہ ہی آ گیا ہے سرکار"۔

"اس میں کیا پریشانی ہے"میں نے کہا"پولیس تو حویلی میں آتی ہی رہتی ہے"۔

"جناب......بات ہی کچھ ایسی ہے۔ملک صاحب بڑے پریشان ہیں۔پولیس نے کہا ہے کہ ساتھ والے گاؤں کے چودھری سردار حسین کی بیٹی کا سارا جہیز اور بری چوری ہو گئی ہے۔اس سلسلے میں پولیس ملک صاحب کے پاس آئی ہے تاکہ ان کی مدد بھی حاصل کی جا سکے"۔

شادی کا سامان چوری ہو گیا۔تو پولیس یہاں کیوں آئی ہے۔ملک صاحب نے چوروں کو یہاں چھپا رکھا ہے کیا؟میں نے الجھے ہوئے لہجے میں سوچا کہ ملک صاحب اور اس زمیندار کی آپس میں لگتی تھی ممکن ہے اس نے اس خیال کے تحت اس چوری کا شک ملک صاحب پر کیا ہوگا۔

میں نے نصیر کو اٹھایا اور ہاتھ منہ دھو کر باہر بیٹھک آنے لگے تو پیر ریاض شاہ کو راہداری میں ٹہلتے ہوئے دیکھ کر ہم رک گئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی تشویش تھی۔اس نے ہم دونوں کو بلایا اور کہا"پولیس کو میرے باباجی کے بارے کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔باباجی نے منع کیا ہے

کہ اس طرح ان کی شخصیت کا چرچا ہو جائے گا اور یہ وہ پسند نہیں کرتے"۔

ہم دونوں بیٹھک میں پہنچے تو پولیس کی بھاری نفری وہاں موجود تھی۔ ڈی ایس پی عبداللہ قریشی خود تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوا تھا زمیندار چودھری سردار حسین اور ملک صاحب سمیت علاقہ کے بہت سے معززین بیٹھے تھے ملک صاحب خاصے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ ڈی ایس پی مجھے جانتا تھا۔ اس نے دیکھتے ہی کہا "لو جی صحافی بھی پہنچ گئے"۔

"یہ اپنا بچہ ہے" ملک صاحب کہنے لگے "ادھر کل رات سے آیا ہوا ہے" انہوں نے تعارف کرایا تو میں نے اس چوری کے بارے ڈی ایس پی سے پوچھا۔ اس کی بات سن کر میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ میرے ذہن میں ان گنت مانظر گھومنے لگے وہ کہہ رہا تھا "چور نے اتنی صفائی سے چوری کی ہے کہ چودھری صاحب کی حویلی کا کوئی دروازہ اندر باہر سے کھلا نہیں پایا گیا۔ بری کے کپڑے اور زیورات ہی چرائے گئے ہیں۔ چور کوئی بہت ہی ہوشیار ہے اس نے ایک نشان بھی نہیں چھوڑا۔ اگر اس واقعہ پر غور کروں تو لگتا ہے یہ چوری ہوئی ہی نہیں ہے۔ کھوجیوں کے مطابق اس کمرے میں کسی انجانے بندوں کے قدموں کے نشان بھی نہیں پائے گئے۔ گھر والوں سے بھی تفتیش کر لی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے۔ یہ واردات کسی جن نے کی ہوگی"۔

ڈی ایس پی کا یہ کہنا تھا کہ میرے اعصاب چٹخنے لگے اور میں نصیر کی طرف دیکھنے لگا۔ نصیر کے ذہن میں شاید وہ بات نہیں آئی تھی جو میں نے محسوس کی تھی۔ وہ ڈی ایس پی کی باتوں میں منہمک تھا اور میرا ذہن رات والے واقعات کے گرد گھومنے لگا۔ زلیخا کی بری...... خوش پوشی قیمتی سہاگنوں والا لباس اور زیورات سے بھرے ڈبے میری آنکھوں میں ناچنے لگے۔

ملک صاحب نے ڈی ایس پی کو ساری حویلی کا معائنہ کرا دیا مگر انہیں کچھ نہیں ملا۔ وہ مہمان خانے میں، حویلی کے پچھواڑے میں، باغیچے میں، اوپر بالکونیوں اور اندر پرانے تہ خانے میں بھی لے گئے۔ میں ان کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ ان کے چہرے پر تشویش ابھر رہی تھی۔ وہ میری طرف امید بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ مگر میں خاموش اور بے تاثر رہا۔

آدھ گھنٹہ بعد پولیس واپس بیٹھک میں آ گئی لیکن چاچا جی کے چہرے پر جو کدورت ابھری تھی ابھی تک غائب نہیں ہوئی تھی۔

"چودھری صاحب...... کچھ نہیں ملا۔ ملک صاحب نے بڑی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ ایک ایک کونہ، صندوق، برتن سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ اچھا ملک صاحب بڑی مہربانی۔ اگر آپ کو کسی پر کوئی

شک ہو یا کوئی اطلاع ملے تو مجھے ضرور بتایئے گا۔ یہ بیٹی کے جہیز کا مسئلہ ہے۔ بیٹی غریب کی ہو یا امیر کی۔ جب شادی ہو رہی ہوتی ہے تو سب کے ارمان ایک سے ہوتے ہیں۔ اپنی بری اور جہیز سے اس کو عشق ہو جاتا ہے"

ڈی ایس پی اٹھتا ہوا بولا اور پھر جب ملک صاحب اور میں پولیس کو حویلی سے باہر چھوڑ کر آئے تو ملک صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پتر وہ" وہ بولنے لگے تو میں نے آہستگی سے ان کا ہاتھ دبایا اور سرگوشی کی۔ "چاچا جی کچھ نہیں کہنا۔ خاموشی سے دیکھیں کیا ہوتا ہے"

"حیرت ہے بھئی" اس کے باوجود وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

ہم حویلی کے اندر پہنچے اور پھر دونوں ہی اکٹھے مہمان خانے کی طرف دیکھنے لگے۔ اسی وقت مہمان خانے کا دروازہ کھلا اور پیر ریاض شاہ اور نصیر باہر آ گئے۔

"ابا جی آپ نے اچھا نہیں کیا" وہ گستاخ لہجے میں اپنے والد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "اور تم نے......" وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے نفرت سے بولا "تم نے پولیس کو جان بوجھ کر اکسایا تھا، ان کی راہ ہموار کی تھی کہ وہ حویلی کی تلاشی لیں"

"دیکھو...... ایسی بات نہیں ہے" میں نے صفائی دیتے ہوئے کہا "میں نے تو ان کی کمینگی کو پکڑ لیا تھا کہ دراصل ان کی اپنی نیت کیا تھی"

بابا جی کا دیا ہوا مجموعہ اسم اعظم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَدَدَ مَافِیْ عِلْمِ اللّٰہِ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ مُلْکِ اللّٰہِ یَا رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَرَحِیْمُھَا یَااَللّٰہُ شَافِی اَللّٰہُ کَافِی یَا وَھَّاب یَا سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوْح

بعد از نماز تہجد کے بعد کثرت سے جائز مقاصد کیلئے پڑھنا چاہیے

"ان کی نیت جیسی بھی تھی لیکن تمہاری نیت صاف ظاہر ہو گئی ہے" نصیر غصے میں بول رہا تھا "تم اپنا بوریا بستر اٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ"

"نصیرے" ملک صاحب غصے سے کھول اٹھے۔ "تمہاری جرات کیسے ہوئی۔ شاہد حویلی سے نہیں جائے گا۔ اس کی بجائے تمہیں حویلی سے نکال دوں گا۔ خبردار جواب ایک بھی بات کی"

"ابا جی...... آپ نہیں سمجھتے۔ اس نے۔ اس نے" وہ پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھ کر بولنے لگا "اس نے اس لئے پولیس کو حویلی کی تلاشی پر اکسایا تا کہ پیر صاحب اور پولیس کا ٹکراؤ ہو جائے"

"اوئے تیرے پیر صاحب چور ہیں کیا" ملک صاحب تیوری چڑھاتے ہوئے کہنے لگے "ہو جاتا ٹاکرا۔ پھر کیا ہوتا۔ بابا جی پولیس کو اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ پاگل دے پتر۔ پولیس کو کیا غرض ہے کہ ہمارے گھر میں کون رہتا ہے اور کب سے رہ رہا ہے اور پھر تمہارے پیر صاحب کو کس بات کا خوف ہے۔ کیوں جی" وہ پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھنے لگے "کیوں شاہ صاحب کوئی پریشانی تھی اس میں"

"نہیں...... بس یہ ویسے ہی باؤلا ہو رہا ہے" پیر ریاض شاہ نے نصیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھا "تم بے وجہ شک نہ کیا کرو۔ بابا جی نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ اپنے والد کے ساتھ گستاخی نہ کیا کرو۔ لیکن تم پھر بھی باز نہیں آتے"

تھوڑی دیر بعد چاچا جی ڈیرے پر جانے کے لئے حویلی سے چلے گئے۔ میرا ذہن بہت سے سوالوں کے گرد گھوم رہا تھا۔ نصیر نے کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا۔ میں نے اس غرض سے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کے مصداق پولیس اور پیر صاحب کا آمنا سامنا کرا دینا تھا اور اس کے بعد جب موقع ملتا پولیس کو کچھ باتیں بتائی جا سکتی تھیں کہ پیر صاحب کے ساتھ کچھ چور جنات بھی ہیں۔ لیکن نصیر نے میری چوری پکڑ لی تھی اور مجھے سب کے سامنے بے نقاب کر دیا تھا۔ مجھے اب شرم بھی آ رہی تھی کہ شاہ صاحب میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔۔ میں ان کا سامنا کیسے کروں گا۔ کیا مجھے اب حویلی سے چلے جانا چاہئے۔ شرمندگی اور خفت کا احساس اتنا بڑھا کہ میں نے اپنا سامان اٹھایا اور حویلی سے جانے لگا۔ لیکن نصیر کی والدہ نے مجھے واپس نہیں جانے دیا۔

"پتر جمعرات کو زلیخا کی شادی ہے تم یہیں رہو گے۔ نصیرا تو پاگل ہے۔ میں اس کے کان

سیدھے کر دوں گی" وہ بڑے لاڈ سے کہہ رہی تھیں "بابا جی بھی تم سے محبت کرنے لگے ہیں۔ ابھی کل مجھے کہہ رہے تھے کہ شاہد بہت تابعدار اور مخلص لڑکا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو میرے لئے نصیر جیسا ہے" چاچی جی کے لہجے میں ماؤں جیسی شفقت تھی۔ انہوں نے نصیر کو بلایا اور اسے میرے سامنے ڈانٹ دیا۔ اس نے مجھ سے معافی مانگ لی اور جپھی ڈال کر کہنے لگا "اگر تو میری باتوں پر اسی طرح روٹھنے لگا تو پھر ہماری دوستی جلد ختم ہو جائے گی۔ یار کبھی کبھی میرا غصہ برداشت کر لیا کرو"

میں ان جیسے پر خلوص لوگوں کی باتوں میں جلد بہل گیا۔

صبح کی افراتفری کی وجہ سے اس روز حویلی کی صبح خاصی مکدر رہی۔ زلیخا چاچی جی کے ساتھ ہمیں ناشتہ کرایا کرتی تھی لیکن اس روز وہ سامنے نہیں آئی

"زلیخا کہاں ہے رضیہ" ملک صاحب نے ڈیرے سے واپس آ کر جب ناشتے پر اسے نہ پایا تو بولے بغیر نہ رہ سکے۔

وہ پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھ کر بولیں "اندر ہے آرام کر رہی ہے"

"طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی" چاچا جی بولے

"ٹھیک ہے" وہ معنی خیز انداز میں شاہ صاحب کی طرف دیکھنے لگیں پھر خود ہی مسکرا دیں "شرما رہی ہے۔ شاہ صاحب جو یہاں بیٹھے ہیں" یہ سن کر ملک صاحب اور خود میری طبیعت یکدم مکدر ہو گئی۔ غصہ نفرت اور لاچارگی ہمارے ذہنوں اور قلبوں سے نکل کر پورے بدن میں چیونٹیوں کی طرح رینگنے اور گدگدی کرنے لگی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ اب مجھے آرام کرنا ہے" شاہ صاحب نے غالباً ماحول میں پیدا ہونے والے تناؤ کو محسوس کر لیا تھا۔ ان کے جاتے ہی چاچا جی برس پڑے "رضیہ تم مجھے برباد کر دو گی"

"اللہ نہ کرے ملک صاحب" وہ گرم دودھ کا پیالہ ان کے سامنے سرکاتے ہوئے بولیں "بابا جی سرکار نے کہا ہے کہ زلیخا بہت خوش رہے گی"

"کیسے خوش رہے گی۔ اس کا آگے ہے نہ پیچھے۔ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور تم بیٹی اس کے سپرد کر رہی ہو۔ بڑا ظلم کر رہی ہے تو لیکن میں تمہیں صاف صاف کہہ دیتا ہوں میں یہ ہونے نہیں دوں گا" ملک صاحب دودھ کا پیالہ پئے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔

"پتر میں کیا کروں اب تو زلیخا بھی کہتی ہے جو بابا جی کہیں گے میں وہی کروں گی۔ آج رات جن

زادیاں اسکی مہندی لیکر آنے والی ہیں۔وہ بڑی خوش ہے" وہ مجھ سے مخاطب ہوئیں "تو ایسا کر ایک بار تو زلیخا سے مل لے اور پھر اپنے چاچا جی کو بتادے کہ وہ کیا چاہتی ہے"

میں۔۔۔اور زلیخا سے۔۔۔۔۔مل کر۔۔۔۔یہ پوچھوں کہ وہ شاہ صاحب سے شادی کیوں کر رہی ہے۔نہیں نہیں۔مجھے یہ جرات ہی نہیں ہوسکتی تھی۔میں کیسے سوال کرسکتا تھا۔

"چاچی یہ ممکن نہیں ہے۔لیکن میرا خیال بھی یہی ہے کہ یہ جوڑ مناسب نہیں ہے۔اگر آپ یہ چاہتی بھی ہیں تو کم از کم ایک بار شاہ صاحب کے بارے پوری چھان بین تو کرلیں۔آپ لاہور جائیں اور ان کے بہن بھائیوں والدین وغیرہ سے مل لیں۔ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحب پہلے سے شادی شدہ ہوں اور۔۔۔۔۔"

یہ سن کر چاچی کے چہرے پر زردی چھا گئی۔یہ پچھتاوے کا رنگ تھا۔"کہتا تو ٹھیک ہے تو" وہ ماتھا پکڑ کر بیٹھ گئیں

"ایسا کر" انہوں نے نصیر کی طرف دیکھا جو خاموشی سے زمین پر کوئلے کی مدد سے لکیریں کھینچ رہا تھا

"تو اور نصیر لاہور جا کر شاہ صاحب کے بارے پتہ کرلو"

"ماں......اگر شاہ صاحب کو معلوم ہوگیا تو" نصیر نے اپنا خدشہ ظاہر کیا

"میں بابا جی سے خود بات کرلوں گی" چاچی نے پہلی بار جرات سے کام لیا "ملک صاحب کا وہم بھی دور ہو جائے گا"

ادھر ہم یہ باتیں کر رہے تھے اور ادھر ایک اور ہی طوفان اٹھ رہا تھا۔ناشتہ کر کے میں اپنے کمرے میں پہنچا اور کتابیں لے کر باغیچے میں چلا گیا۔حویلی کے پچھواڑے میں کھلے رنگ برنگے پھلدار اور پھولدار پودے جنت جیسی راحتوں سے بھرے ہوئے لگتے تھے۔مجھے یہاں بیٹھ کر بڑا لطف اور سکون آتا تھا۔حویلی کی شہتیروں والی بالکونی کا چھجا اس باغیچے کی طرف بڑھا ہوا تھا۔زلیخا عموماً اس چھجے میں آجاتی تھی اور باغیچے کو دیکھتی رہتی تھی۔میں نے غیر ارادی طور پر اس جانب دیکھا تو چھجا سنسان پڑا تھا۔میرے دل پر افسردگی طاری تھی لیکن امتحان کا اضطراب بھی اپنی جگہ موجود تھا۔میں پڑھنے میں منہمک تھا کہ یکدم احساس ہوا جیسے میرے چاروں طرف آنکھیں تیر رہی ہوں۔گہری' خاموش' بے کس مگر اپنے اندر ہزاروں شکوے لئے ہوئے۔باغیچے کی فضا میں بھی مانوس سی مہک بڑھنے لگی۔زلیخا' بے ساختہ اک مہک نے مجھے اس کے وجود کا احساس دلایا۔میں نے پلٹ کر دیکھا۔چھجا اب سنسان نہیں تھا۔زلیخا کھڑی

تھیں اور بے خیال نظروں سے باغیچے کی طرف دیکھ رہی تھی۔اس کی زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔اس کی یہ حالت احساس دلاتی تھی کہ وہ جیسے برسوں سے سوئی ہی نہیں ہے' جاگ رہی ہے' صدیوں سے۔لیکن چاچی تو کہتی تھی وہ اس شادی پر بہت خوش ہے ،تو کیا کوئی لڑکی ایسے خوش نظر آتی ہے،جیسی وہ دکھائی دے رہی تھی۔میں اس کی جانب تکے جا رہا تھا۔کتاب میرے ہاتھوں سے پھسل کر نیچے جا گری۔کوئی احساس ایسا تھا جو مجھے بے ساختہ اس طرف کھینچ رہا تھا۔میں اٹھا اور باغیچے کے رخ پر ہی چھجے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوگیا اور ماحول سے بالکل بیگانہ ہو کر زلیخا کی طرف دیکھنے لگا۔مگر وہ اپنے اندر کہیں کھوئی ہوئی تھی اسے نہیں معلوم تھا کہ کوئی باغیچے میں کھڑا ہو کر اس کو دیکھ رہا ہے۔میں خاصی دیر تک یونہی اس کو تکتا رہا اور سوچتا رہا۔کیا زلیخا اور میرے بیچ اس چھجے جتنی مسافتیں ہیں۔وہ بلندی پر اور میں پستی پر کھڑا اس کے وصل کی تمنا کر رہا ہوں۔کیا ایک طالب مطلوب کی خواہش ناتمام کو پاسکتا ہے۔

میں اسی ادھیڑ پن میں مستغرق تھا کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور زلیخا کی پریشان سیاہ زلفیں لہرانے لگیں۔ہوا ایک دم تیز ہوگئی تھی ایسی تیز کہ اس میں خنکی بھی تھی۔موسم یکبارگی اپنے تیور بدل رہا تھا اور ہوا جیسے آندھی میں بدل کر رہ گئی۔معاً زلیخا کی ایک دردناک چیخ ابھری اور پھر اس کے ساتھ ہی ہوائیں آندھیاں اور خنکی سب کافور ہوگیا۔ایسا لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔زلیخا کی چیخ پوری حویلی میں سنی گئی تھی۔میں تیزی سے اندر گیا لیکن میرے اوپر بالکونی میں پہنچنے سے پہلے ہی شاہ صاحب نصیر اور چاچی وہاں موجود تھے

"وار کر گئے کافر" شاہ صاحب تیزی سے بولے۔زلیخا پر تشنج کا دورہ پڑا تھا اور وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی

"شاہ صاحب نظر لگ گئی میری بچی کو" رضیہ چاچی چلانے لگیں۔

"نظر" میرے دل سے آہ نکلی "شاید اسے میری نظر لگ گئی ہے۔میں ہی تو اسے دیکھ رہا تھا"

"اٹھاؤ اسے......اور نیچے لے کر آؤ" شاہ صاحب کا چہرہ اس وقت پسینے میں شرابور تھا۔میں حیران تھا کہ انہیں اس قدر پسینہ کیوں آیا ہوا ہے۔

"جلدی کرو" وہ بڑے اضطراری انداز میں بول رہے تھے اور بے چینی و بے قراری ان کے انگ انگ سے نمایاں ہو رہی تھی "وار بڑا سخت کیا گیا ہے۔اس کا توڑ کرنا ہے جلدی کرو"

"شاہ صاحب میرے بابا جی کو بلاؤ۔جلدی کرو۔بابا جی کو بلاؤ۔ہائے اللہ میری بچی" چاچی

رونے لگی تھیں۔

''باباجی سرکار نہیں آسکتے اس وقت'' شاہ صاحب بولے ''مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا'' وہ میری طرف دیکھ کر بولے ''تم میرے ساتھ چلو'' نصیر نے زلیخا کو اٹھایا اور نیچے زنان خانے میں لے گیا اور شاہ صاحب مجھے مہمان خانے میں لے گئے۔

''دیکھو۔ اس وقت مجھ سے سوال جواب مت کرنا۔ زلیخا کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نہیں چاہو گے کہ وہ مر جائے۔ حویلی میں مقیم کافر جنات کی پکھی نے اپنی چڑیل کی موت کا بدلہ لینے کے لئے زلیخا پر وار کیا ہے۔ یہ تو شکر ہے کہ مجھے جلد معلوم ہوگیا''

''آپ کو کیسے معلوم ہوگیا۔ آپ تو آرام کر رہے تھے''۔ میں سوال کئے بغیر نہ رہ سکا

''ہم کبھی نہیں سوتے'' وہ بے ساختہ بولا ''سنو ہم لوگوں کی دنیا تمہاری دنیا سے بڑی مختلف ہے۔ ہماری یاریاں اور دشمنیاں بڑی مہنگی ہوتی ہیں اور اس کا ہمیں خراج دینا پڑتا ہے۔ یہ نیند بھی ایک خراج ہے۔ ہم بظاہر سو رہے ہوتے ہیں مگر ہماری روح ہماری حفاظت کر رہی ہوتی ہے۔ اس لئے تو ہمارا سارا بدن دکھتا ہے۔ آگ بدن کو جھلساتی رہتی ہے۔ تم کسی عامل پیر کے بدن کو چھو کر دیکھو۔ تمہیں لگے گا جیسے دہکتے ہوئے گوشت کو چھو لیا ہے۔ میں اس وقت آرام کر رہا تھا جب کافر جنات زلیخا پر حملہ کرنے کے لئے آئے تھے لیکن میری مامور روحانی قوتوں نے مجھے آگاہ کر دیا لیکن افسوس اس وقت تک حملہ ہو چکا تھا خیر'' میں بھونچکا ہو کر ریاض شاہ کی باتیں سن رہا تھا جو نہ جانے کس خیال کے تحت میرے سامنے کھل رہا تھا۔

''دیکھو باباجی آج دستیاب نہیں ہیں۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ پولیس کو میرے بارے نہ بتانا۔ میں نصیر کے کہنے پر اس وقت پردہ کر گیا تھا۔ اتنی قوت ہے مجھ میں کہ میں عام لوگوں کی نظروں سے پردہ کر جاؤں لیکن روحانی علوم میں بعض معاملات ایسے ہیں جو پردہ میں چلے جانے کے باوجود عامل کو بے بس کر دیتے ہیں۔ میں زلیخا کو ہوش میں لا سکتا ہوں لیکن کچھ تاخیر ہو جائے گی۔ میں دیر نہیں کرنا چاہتا مجھے اس وقت ایک پیالا خون کا چاہئے تم اس کا فی الفور بندوبست کر دو''

''خ خون...... کک کس کا'' میں بوکھلا گیا اور پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھنے لگا

''تمہارا'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا تو مجھے یوں لگا جیسے میں ایک انسان کے سامنے نہیں کسی درندے کے سامنے کھڑا ہوں اور وہ مجھ کو میری رضا سے مانگ رہا ہے۔

پیر صاحب کی فرمائش کو پورا کرنا میرے لئے اتنا آسان نہیں تھا۔

''اس کے علاوہ کوئی دوسرا حل ہے'' میں نے اپنے اندر کے لرزتے ہوئے انسان کی مجبوری کو ڈھال بناتے ہوئے کہا ''میرا مقصد ہے اگر اس کا کوئی متبادل......''

''ہو تو سکتا ہے ...... مگر اس میں وقت لگ جائے گا تاخیر کا مطلب ہے زلیخا کی موت'' پیر ریاض شاہ کی گہری اور ساحروں جیسی آنکھیں میری آنکھوں میں جھانک رہی تھیں'' میں تمہیں یہ بتا ہی دیتا ہوں کہ زلیخا کو کافر جنات کے حملے سے بچانے کے لئے تمہارے خون کا ایک پیالا کیوں چاہئے؟'' پیر ریاض شاہ کچھ کہتا رہا اور میں سنتا رہا ''جو شخص بھی زلیخا کو دل سے چاہے گا اس کا خون ہی اس مقصد کے کام آسکتا ہے'' اس کا مطلب تھا کہ پیر ریاض شاہ میرے دل کی گہرائیوں میں بسنے والے کی کھوج پا گیا تھا۔ ایک لحظہ کے لئے تو میرے چہرے پر گھبراہٹ نمودار ہو گئی تھی اور میں شرم سے پانی پانی ہو گیا تھا لیکن چند ہی ثانیے بعد میں کہنے لگا ''شاہ صاحب! چاہتے تو آپ بھی ہیں۔ شادی آپ سے ہو رہی ہے اس کی پھر آپ خود'' میں شاید جرات کر کے یہ کہہ دیتا لیکن الفاظ حلق میں ہڈی کی طرح پھنس گئے۔ میرے دل نے کہا کہ شاید یہ کام تمہیں کر جانا چاہئے۔ یہ ریاض شاہ تو فقط اپنی ہوس کی خاطر زلیخا سے شادی کر رہا ہے۔ اس کے دل میں زلیخا کے لئے کیسی محبت۔

''ٹھیک ہے...... لیکن خون کیسے لیں گے'' میں نے رضامندی ظاہر کی ''سرنج تو یہاں نہیں ہوگی''

''فکر نہ کرو اس کا بندوبست ہے میرے پاس'' اس کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ کھلنے لگی۔ اس نے مہمان خانے ہی میں رکھے ہوئے اپنے بیگ کو کھولا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ بیگ اس کے کپڑوں سے بھرا ہوگا مگر یہ کیا۔ اس نے تہ کئے ہوئے کلف شدہ کپڑے نکال کر ایک طرف رکھ دیئے۔ ان کے نیچے کافی سارا ایسا سامان تھا جسے خرافات کے علاوہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ نہ جانے کس کس جانور یا پرندے کی ہڈیاں ایک لفافے میں رکھی ہوئی

تھیں۔ ایک کپڑے کی بھدی سی گڑیا تھی۔ ایک نوکدار چھری تھی اور کچھ ایسی ہی جڑی بوٹیاں بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔

''یہ کیا ہے'' میں نہ رہ سکا تو سوال کر ہی دیا۔

پیر ریاض شاہ نے مڑ کر ترچھی نظروں سے میری جانب دیکھا۔ پہلے خاموش رہا پھر کچھ سوچ کر جواب دیا ''یہ عملیات کا سامان ہے''

''عملیات کا سامان'' معاً میرے ذہن میں بجلی کوندی ''اوہ پیر ریاض شاہ تو اصل کھیل یہ ہے'' میں نے سوچا چند سال پہلے سیالکوٹ میں پولیس نے ایک کالا علم کرنے والے عامل کو پکڑا تھا میں نے ایک فیچر تحریر کیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ جب وہ کسی پر جادو ٹونہ کرتے ہیں اور اس کے لئے ہوائی مخلوق سے بھی خدمات لیتے ہیں تو ان پکڑنے اور کام پر مجبور کرنے کے لئے عملیات کا سامان استعمال کرتے ہیں۔ اس نے مجھے الو کے خون سے لکھے تعویذ' اونٹ کے کوہے کی ہڈی' کافور' سندور' اگر کا برادہ۔ مردوں کی راکھ' نہ جانے کیا کیا اس نے بتایا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ سامان عموماً سندھ سے منگوایا جاتا ہے اور اس کام کے لئے مخصوص لوگ ہی اس کے لئے خدمات انجام دیتے ہیں۔

پیر ریاض شاہ کے اس سامان نے کئی سوال پیدا کر دیئے۔ اگر میں اس عامل کی باتوں کا تجزیہ کرتا تو پیر ریاض شاہ اور اس میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ چاچا جی (بڑے ملک صاحب) کا شک درست تھا کہ یہ پیر صاحب کا دراصل کوئی اور ہی چکر ہے۔ اگر واقعی ان میں حقیقی روحانیت بدرجہ اتم موجود ہوتی تو انہیں اپنی قوتوں کے اظہار کے لئے ایسے حیلے بہانوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ ان کی زبان سے ادا ہونے والا کلمہ ہی کسی بھی بگڑے کام کی اصلاح کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہی تھا کہ پیر ریاض شاہ عاملوں کی بگڑی ہوئی شکل تھا۔

میں جب یہ سوچ رہا تھا اس دوران پیر ریاض شاہ نے سامان میں سے ایک بلیڈ اور کانسی کا چھوٹا سا پیالا نکالا۔ پیالا کسی پرانے دور کی ایجاد نظر آتا تھا۔ اس کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی مورتیاں بنی تھیں۔ اس میں آدھ پاؤ مائع شے آتی ہوگی۔ اس کی شکل مجھے تو دیئے کی طرح لگی تھی۔ میں زندگی میں بہت سارے لوگوں کو خون کی بوتلیں دے چکا تھا۔ مجھے یاد ہے جب میں ابھی مرے کالج سیالکوٹ میں ایف ایس سی کر رہا تھا تو والدہ محترمہ کے بیمار ہونے پر پہلی بار میں نے انہیں خون کی بوتل دی تھی۔ اس کے بعد تو عادت سی بن گئی سال میں دو تین بار کسی

نہ کسی کو خون دے ہی دیتا تھا اور کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہوتا تھا لیکن آج ...... پیر ریاض شاہ جن حالات اور طریقہ کار کے ذریعے میرا خون لے رہا تھا یہ کسی بھی ہوش مند اور دلیر آدمی کو بھی چونکا دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ میرے لئے اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

ریاض شاہ نے دائیں کلائی پکڑی اور پیالا اس کے نیچے رکھ کر کلائی پر کوئی خاص قسم کا سفوف ملنے لگا۔ مجھے کلائی پر ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگی او پھر کچھ ہی لمحے بعد جب اس نے اس جگہ بلیڈ سے چیرا دیا تو گوشت دو حصوں میں بٹ گیا اور خون پیالے میں گرنے لگا۔ پیالا بھر گیا تو اس نے دوبارہ وہی سفوف میرے زخم پر لگا دیا مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ وہ زخم ایک روز میں یوں مندمل بلکہ غائب ہو گیا تھا جیسے یہاں سے کاٹا ہی نہ گیا ہو۔ بعد میں میرے دل میں کئی مرتبہ یہ خیال آیا کہ ان سے اس دوائی کے بارے میں پوچھ لوں اور اس پر مضمون لکھ دوں زخموں کو حیرت انگیز طور پر مندمل کرنے اور جوڑنے والی دوا سے استفادہ عام کیا جا سکے لیکن اس کا مجھے موقع ہی نہیں ملا تھا۔

پیر ریاض شاہ کے ہاتھ اور لب خون کو دیکھتے ہی تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔ اس نے تھیلے میں سے روئی نکالی اور اس کی بتی بنا کر پیالے میں یوں رکھ دی جیسے یہ واقعی کسی دیئے کی لو ہو۔ وہ زیر لب کچھ پڑھنے لگا پھر اس نے بیگ سے کچھ چیزیں نکالیں اور وہ بھدی سی گڑیا بھی میرے سپرد کر دی خون سے بھرا ہوا .... اس نے خود اٹھایا تھا اور پھر ہم تیزی سے زنان خانے کی طرف ہو لئے۔

زلیخا ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ اس کے گلے سے کسی ذبح ہوتے ہوئے بیل کی طرح آوازیں آ رہی تھیں۔ چاچی اس کی ہر آواز پر تڑپ تڑپ جاتی تھیں۔ اس وقت اگر ملک صاحب یہاں ہوتے تو اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر نہ جانے کیا کر جاتے نصیر کا رنگ بھی زرد تھا۔

''نہیں چھوڑیں گے۔ ماردیں گے اسے۔ تم نے ہماری عورت کو قتل کیا ہے ہم اسے مار دیں گے''

زلیخا کے منہ سے اب کسی کی بھاری بھرکم آواز نکل رہی تھی۔ ''تم جتنے مرضی منتر پڑھ لو مگر یہ نہیں چھوٹے گی''

''شاہ صاحب خدا کے واسطے میری بچی کو بچا لیں'' چاچی اس کی آواز سننے کے بعد شاہ

صاحب کے قدموں میں گر گئیں۔

''انشاء اللہ...... میرے مولا نے چاہا تو زلیخا کو کچھ نہیں ہوگا۔ یہ حرام زادہ بکواس کر رہا ہے۔ میں اس کو بھی مار ڈالوں گا اور دیکھتا ہوں کون مجھے روکتا ہے'' شاہ صاحب جب یہ کہہ رہے تھے تو ان کی آنکھیں سرخ اور متورم ہوگئی تھیں۔ انہوں نے جلدی سے کچھ پڑھتے ہوئے زلیخا کے گرد ایک دائرہ (حصار) لگا دیا اور باقی لوگوں کو دائرے سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ دائرہ قائم ہوتے ہی زلیخا کا بدن زمین سے اچھلنے لگا اور وہ شے جو اس کے اندر سے بول رہی تھی اسے پٹخنے لگی چاچی کی تو چیخیں ہی نکل گئیں۔

''باز آ جا...... باز آ جا'' شاہ صاحب گرجے ''تری دم میں نمدہ بھر دوں گا تو تب آرام سے بیٹھے گا چھوڑ دے اس بچی کو''

''بھگوان کی سوگند نہیں چھوڑوں گا'' وہ ڈکراتے ہوئے بولا تھا

''اچھا تو...... ہندو ہے تو'' شاہ صاحب نے سوال کیا۔ اس دوران وہ کچھ پڑھتے جا رہے تھے اور اس کے بولنے سے قبل ہی انہوں نے سات بار زلیخا کی طرف پھونک ماری۔ میں نے محسوس کیا کہ پھونک کے ردعمل میں زلیخا کے بدن پر طاری لرزہ ختم ہوگیا تھا۔ شاہ صاحب نے دائرہ سے ایک فٹ کے فاصلہ پر خون سے بھرا دیا رکھا اور اس کی لو کو آگ دکھا دی۔ پھر اس میں انگلی ڈبوئی اور مجھ سے گڑیا لے کر اس کے سر پر خون سے مانگ بھر دی۔

''کھی کھی'' اب کی بار کوئی کھسیانے انداز میں ہنسا تھا اور آواز زلیخا کے اندر سے ہی اٹھی تھی

بابا جی کی محفل میں جنات یہ درود بھی پڑھتے تھے۔ بکثرت پڑھنے سے اللہ سے تعلق رسول کریمؐ سے عشق پیدا ہوتا ہے اور مسائل حل ہوتے ہیں۔ نماز تہجد کے بعد اکثر پڑھنا چاہئے اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ قَدْ ضَاقَتْ حِيْلَتِىْ اَدْرِكْنِىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

''میں سب جانتا ہوں مہاراج۔ بے وقوف بنا رہے ہو انہیں اگر انہیں معلوم ہوگیا کہ تم کیا ہو تو ...... کیا بنے گا تمہارا''

''بکواس بند کرو'' شاہ صاحب بولے ''تو مکار دغا باز شیطان ہے تو مجھے گمراہ نہیں کر سکتا یہ تیری باتوں سے بدگمان نہیں ہو سکتے''

''کھی کھی کھی'' زلیخا پر قابض ماورائی شے ہنستی رہی۔ اس لمحہ شاہ صاحب نے کچھ پڑھائی شروع کر دی اور بار بار دیئے میں انگلی ڈبو کر گڑیا کے بدن پر نکتے لگاتے رہے اور پھر ایک حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر ہمارے سامنے رونما ہوگیا

پیر ریاض شاہ نے ایک ہاتھ میں نوک دار چھری پکڑی اور دوسرے میں خون والا روشن دیہ۔ زلیخا کے اندر مچلنے والا اب خاموش تھا اور اس کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ پیر ریاض شاہ نے زلیخا کی کلائی پکڑی اور اس پر زخم لگا کر خون لگانے لگے اور وہ خون بھی انہوں نے دیئے میں شامل کر دیا۔ انہوں نے جیسے ہی چھری سے زلیخا کی کلائی کو چیرا تھا تو اس کے اندر چھپے طاغوت نے بڑی دلدوز چیخ ماری تھی اور وہ اس زور سے لرزنے لگا تھا جیسے اس پر نزع طاری ہو۔ یہ سب ایک آدھ منٹ میں ہی ہوگیا۔ شاہ صاحب خون کی مخصوص تعداد حاصل کر چکے تو انہوں نے زلیخا کی کلائی پر بھی وہی سفوف مل دیا جو میری کلائی پر لگایا تھا۔ اس کا خون بہنا بند ہوگیا۔ وہ دائرے سے باہر نکل آئے اور پھر کچھ پڑھتے ہوئے دائرے کے گرد چکر لگانے لگے۔ معاً کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے زور زور سے بجنے لگے جیسے باہر تیز طوفان آ گیا ہو اور وہ اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو اپنے ساتھ بہا لے جانا چاہتا ہو۔ پوری حویلی جیسے زلزلوں کی زد میں آ گئی تھی۔ چاچی تو اس دہشت ناک منظر سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ دیوار گیر الماریوں میں رکھے برتن نیچے گر گئے تھے اور پورا کمرہ یوں ہچکولے لینے لگا تھا جیسے کوئی کشتی پانی کے بھنور میں پھنس جانے کے بعد ہچکولے کھانے لگتی ہے۔

یہ دیکھ کر شاہ صاحب نے دائرے کے گرد چکر تیز کر دیئے۔ ساتواں چکر لگاتے ہی انہوں نے دیئے کو پھونک مار کر بجھا دیا اور پھر سارا خون گڑیا کے اوپر گرا کر گڑیا کو اپنی مٹھی میں جکڑ لیا۔ گڑیا خون میں تر و تازہ ہوگئی تھی اور اس کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ لیکن چند ثانئے بعد یوں لگا جیسے گڑیا کا سارا خون کسی نے چوس لیا۔ یہ منظر ناقابل فہم تھا ادھر خون میں تر بتر گڑیا کا خون خشک ہو رہا تھا اور ادھر زلیخا کے مردہ زرد چہرے کے گلابی خدوخال دوبارہ سے تر و تازہ ہو

رہے تھے۔

پیر ریاض شاہ احساس تفاخر سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ستائش کا منتظر ہے۔ یہ عقل سے ماورا پراسرار دنیا کے باسیوں اور ایک انسان کے علم میں مجادلہ کے بعد جو نتیجہ نکل کر سامنے آ رہا تھا اسے بار بار جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے چاہے جو بھی طریقہ اختیار کیا تھا مگر اس کا مثبت نتیجہ یہ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا کہ یہ شخص واقعی مخفی علوم کی قوت رکھتا ہے۔

گڑیا کا رنگ بالکل سفید ہو گیا تھا اور ادھر زلیخا بالکل ہشاش بشاش۔ بالکل ویسی جیسے میں اسے باغیچے میں کھڑے ہو کر کبھی کبھار دیکھتا تھا۔ اس کی نسوانی تمکنت اور معصومیت دیکھ کر میرا دل کف افسوس ملنے لگا کہ اے زلیخا...... تیری قسمت پھر بھی پھوٹ گئی۔ تو پیر ریاض شاہ جیسے فتنہ علم کی بیوی ہونے جا رہی تھی۔

اس دوران زلزلے اور طوفان کی شدت ختم ہو گئی تھی البتہ کھڑکیاں سرسراتی ہوا سے ابھی تک بج رہی تھیں۔ لیکن پھر۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر زنان خانے میں سکون لوٹ آیا تھا۔ زلیخا اٹھ پڑی تھی اور بڑی حیرت سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ چاچی بھی ہوش میں آ چکی تھی اور شاہ صاحب نے انہیں منع کر دیا تھا کہ وہ زلیخا کو اس کی بے ہوشی وغیرہ کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔ شاہ صاحب نے چاچی سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگلے چالیس گھنٹے بڑے نازک ہیں لہٰذا زلیخا سے کہہ دیا جائے کہ وہ باغیچے کی طرف نہ جائے۔ اسے نظر لگ جائے گی اور پھر کوئی وار کر دے گا۔

اس شام تک میں شاہ صاحب کے پاس ہی بیٹھا رہا۔ میں ان سے پہلے بھی مرعوب تھا لیکن زلیخا کو جس صورتحال سے انہوں نے نکالا تھا ہزاروں وساوس کے باوجود میں ان کی علمی طاقتوں کا معترف ہو گیا تھا۔ میں پہلے اندر سے بدظن ہو رہا تھا مگر اب بدظنی کو دور کر رہا تھا۔ ملک صاحب کا بھی خیال آ رہا تھا کہ وہ کیا سوچیں گے کہ میں بھی گیا۔ دوسروں کی طرح پیر ریاض شاہ کے تلوے چاٹنے لگوں گا۔ مگر جب کوئی ایسی طاقت جس کے بارے میں آپ نے تمام عمر سن رکھا ہو جب اپنے ساتھ ظہور پذیر ہوتے دیکھتے ہیں تو آپ کے خیالات کا بدل جانا ایک فطری امر ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کی عزت میں یکا یک نہیں کر رہا تھا بلکہ میں ایسے متعدد حیرت العقول واقعات کا مجھے بھی حصہ بننا پڑا تو میں ان کی مخفی صلاحیتوں کا

معترف ہوتا چلا گیا۔ اس روز شاہ صاحب نے مجھے اپنے اور اپنے خاندان کے بارے میں بہت کچھ بتایا حتیٰ کہ یہ بھی بتا دیا کہ بابا جی سرکار ان کے پاس کیسے آئے۔ اس وقت چونکہ وہ فارغ تھے۔ بابا جی کا اس روز ناغہ تھا اس لئے فراغت میں ہم دونوں باتیں کرتے رہے اور زوال کا وقت ہو گیا تو معاً شاہ صاحب چونکے اور کہنے لگے۔

''یار...... میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ابھی ایک کام رہتا ہے'' یہ کہہ کر انہوں نے وہی گڑیا نکالی۔ اب اس کا رنگ نیلا پڑ چکا تھا۔

''تم نے دیکھا اس گڑیا نے کتنے رنگ بدلے ہیں'' وہ کہنے لگے ''یہ زہر ہے جو تجھے نظر آ رہا ہے۔ بعض جنات جب کسی پر قابض ہوتے ہیں تو جاتے جاتے اپنا زہریلا مواد انسان کی رگوں میں اتار جاتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیر صاحب نے جن تو ان کے سامنے نکالا اور مارا تھا مگر بندہ پھر بھی صحت یاب نہیں ہو رہا اسی لئے اس بندے کو تعویذات' دم شدہ پانی اور بعض اوقات کچھ ادویات بھی کھلائی جاتی ہیں۔ لیکن زلیخا کو کوئی دوائی نہیں کھلاؤں گا۔ میں نے جو عمل کیا ہے اسے کوئی انسان نہیں کر سکتا اس لئے کہ مجھے یہ عمل بابا جی سرکار نے سکھایا ہے۔ اگر مجھے اس عمل پر دسترس نہ ہوتی تو یقین کرو یہ قابض جنات میرا بھرتہ بنا دیتے اور حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ خیر'' وہ کہنے لگے ''مغرب ہوتے ہی یہ گڑیا قبرستان میں دفن کرنی ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں بڑا گوشت ایک کلو چاہئے۔ اس کا بندوبست میں نے کر لیا تھا'' یہ کہہ کر انہوں نے دروازے کے پاس رکھا ایک گوشت کا تھیلا اٹھایا اور مجھے پکڑا کر کہنے لگے ''یہ سارا کام تمہیں کرنا ہے''

''مم...... مجھے کرنا ہے میں اور قبرستان جاؤں گا اور پھر...... یہ گڑیا وہاں دفن کروں گا'' میں گھبرا گیا

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نصیر کو نہیں بھیجنا چاہتا میں سمجھتا ہوں کہ اس کام کے لئے تم سے معقول بندہ کوئی نہیں'' انہوں نے مجھے سارا کام سمجھایا اور میرا ان کے لئے اور زلیخا کے لئے حکم بجا لانا بہت ضروری تھا۔

قبرستان نہر کی پٹڑی سے ایک کوس اندر تھا۔ شیشم بوڑھ اور سرکنڈوں کی بہتات سے اٹا ہوا یہ قبرستان چار دیہاتوں کا مشترکہ تھا۔ زوال ہوتے ہی میں نے سارا سامان لیا اور مغرب کی اذانوں سے پہلے ہی میں نے قبرستان میں جا کر گڑیا کو دفن کر دیا اور گوشت

اس کے مدفن کے اوپر رکھ دیا۔ میں چور آنکھوں سے قبرستان کے اندھیروں میں اپنے وہم کو تلاش کرتا ہوا قبرستان سے نکل رہا تھا کہ ایک دم پاؤں کسی گڑھے میں پڑا تو ایسا لڑکھڑایا کہ پاؤں سیدھا کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور میں اس گڑھے میں گر گیا۔ یہ گڑھا نہیں ایک قبر تھی جو جانوروں نے کھود رکھی تھی یا بارش کی وجہ سے نیچے بہہ گئی تھی۔ خوف سے میرا پورا بدن بیل گاڑی پر رکھے خالی برتنوں کی طرح کھنکنے لگا۔ پسینہ سے تر بتر میں اضطراری کیفیت میں اٹھا اور جلدی سے قبر سے نکلنے لگا تو مجھے اپنے ہاتھوں میں چپ چپ سی محسوس ہونے لگی تو لگا جیسے گیلی مٹی سے ہاتھ بھر گئے ہیں لیکن پھر جب دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا تو اس میں چپچپاہٹ اور تعفن کا احساس ہوا۔ ناگوار سی بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور پھر مجھے جس احساس نے جان کے خطرے میں مبتلا کر دیا اس کو بیان کرنا اب میرے بس میں نہیں ہے۔ بس مجھے اتنا یاد ہے کہ میں اتنے زور سے چیخ مار کر چلایا تھا اور میرے لبوں سے نکلا تھا

''یا اللہ میری مدد'' اس کے ساتھ ہی میں نے با آواز بلند درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تھا اور میری آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔ گڑھا زیادہ گہرا نہیں تھا بھرپور کوشش کر کے جب میں گڑھے سے نکلا تو مجھے احساس ہوا کہ کوئی سایہ بھی گڑھے سے باہر نکل رہا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے گہرے سیاہ ہیولے کے وجود سے روشنی پھوٹ رہی ہے اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ سیاہ ہیولہ روشن لبادے میں ظہور پذیر ہو گیا

''بچ گئے تم ...... درود پاک نہ پڑھتے تو مارے جاتے تم'' وہ کون تھا یہ میں نہیں جانتا لیکن اس کا استہزائیہ انداز میں یہ کہنا مجھے اس کے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کر سکتا تھا

''تم کون ہو'' میں نے سوکھے ہوئے حلق سے آواز نکالی

''جا کر اپنے باباجی سے پوچھ لینا'' وہ کہنے لگا ''تمہارے باباجی کے بہت سے فرض مجھے چکانے ہیں۔ میرا یہ پیغام انہیں پہنچا دینا'' یہ کہتے ہی روشنی غائب ہو گئی اور وہ سیاہ ہیولہ لہراتا ہوا دوبارہ قبر میں اتر گیا اور پھر میں نے ایسی دوڑ لگائی کہ مجھے یاد ہے اگر میں اس روز کسی دوڑ کے عالمی مقابلے میں بھی شریک ہوتا تو پہلی پوزیشن لے لیتا۔ میں نے حویلی میں جا کر دم لیا اور عین اس وقت مہمان خانے میں داخل ہو رہا تھا جب اندر سے باباجی کی غصے سے بھری آواز آ رہی تھی۔

میں دروازے کے پاس ٹھٹھک گیا

''تم نے یہ حرکت کی کیوں'' باباجی سخت ناراضگی کے عالم میں گرج رہے تھے۔ ان کی آواز سے کمرہ گونج رہا تھا۔

''غلطی ہو گئی سرکار'' پیر ریاض شاہ نے غالباً نہایت آہستگی سے معافی مانگی ہو گی کہ باباجی دوبارہ سے گرجے۔

''غلطی ہو گئی ...... تم نے کوئی ایک غلطی کی ہو تو میں تمہیں معاف کر دوں۔ دیکھو ریاض شاہ تمہاری غلطیوں کا خمیازہ ہمیں بھگتنا پڑتا ہے۔ میں اپنی مخلوق کو کب تک سمجھاتا رہوں گا۔ تمہاری غلطیاں حد سے بڑھ رہی ہیں اور اس کا نقصان جنات کو اٹھانا پڑتا ہے۔ تمہاری عیاشیوں کے لئے جنات کو اپنا خون بہانا پڑتا ہے۔ تم معصومیت اور سچائی کو قتل کر رہے ہو ریاض شاہ۔ میں اگر تمہاری والدہ محترمہ سے کئے ہوئے وعدے کا پابند نہ ہوتا تو رب ذوالجلال کی قسم تمہیں اس طرح جلا کر راکھ کر دیتا جیسا کہ تم نے آج اس ہندو جن کو جہنم واصل کیا ہے''

''سرکار ...... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ بندہ بشر ہوں مجھ سے غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ آپ کی دعاؤں کا ہی ثمر ہوں میں باباجی سرکار۔ آپ کا بچہ ہوں۔ آپ کے بھروسے اور زعم میں آ کر ایسے کام کر جاتا ہوں''

''ایک تو تم انسان بڑے عجیب ہو۔ ازلی خطا کا سہارا لے کر اپنی غلطیوں کو معاف کرا لیتے ہو'' باباجی ذرا نرم لہجے میں بولے ''اور ایک ہماری مخلوق ہے جو غلطی کرتی ہے تو اسے معافی کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ ان کی خطائیں معاف نہیں ہوتیں''

باباجی کی تاسف سے بھری آواز سن کر میں چونکا باباجی کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے جو سچے دل سے معافی مانگتا اور اس کے آگے سرنگوں رہتا ہے۔ مسلمان جنات کو بھی تو معافی مل سکتی ہے۔ ہاں اس کائنات میں صرف ایک شیطان ہے جسے معاف نہیں کیا جائے گا۔ پھر باباجی نے ایسی کیوں بات کی'' میں یہ سوچتا رہا مگر مجھے سمجھ نہیں آ سکی

کہ ایک عبادت گزار مسلمان جن ہوتے ہوئے بھی وہ رب ذوالجلال کے رحم سے امید کیوں نہیں رکھتے۔ میں یونہی کھڑا اندر ہونے والی گفتگو سن رہا تھا کہ یکا یک میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔ کسی نے نہایت نرم و گداز ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا تھا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو سرتاپا سفید لبادے اوڑھا غازی کھڑا تھا۔

''چوری چوری باتیں سننا بری بات ہے بھائی صاحب'' وہ مسکرایا تو گندمی رنگت والے غازی کے کشادہ ہونٹوں کے اندر موتیوں جیسے سفید دانت نظر آنے لگے۔ اس کی زبان سرخ اور دراز تھی۔ لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا ''باباجی کو بتادوں کہ شاہد میاں چوری چوری باتیں سن رہے تھے تو وہ غصہ کریں گے۔ مجھ سے مک مکا کرلو۔ کچھ کھلا پلا دو۔ میں ان سے نہیں کہوں گا''

بے ساختہ میری ہنسی نکل گئی ''کیا کھاؤ گے'' میں نے کہا ''میرا ابھی بھوک سے برا حال ہے'' مجھے اپنے اندر نقاہت کا احساس ہورہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ دونوں مل کر کھائیں گے'' وہ سوچنے لگا ''مگر کھائیں کیا۔ ادھر گاؤں میں کیا ملے گا چلو شہر چلتے ہیں''

''شہر اور اس وقت'' میں نے کہا ''خدا کا کچھ تو خوف کھاؤ غازی۔ میں اس وقت جا سکتا ہوں شہر اور تم نہیں جانتے میں کن حالات سے گزر کر یہاں پہنچا ہوں'' قبرستان میں پیش آنے والے واقعہ کو یاد کرکے میرے رونگھٹے کھڑے ہوگئے اور میں بے ساختہ حویلی کے گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ غالباً دور اندھیرے میں درختوں کی شاخیں لہرا رہی تھیں مگر مجھے لگا جیسے قبرستان والا عفریت میرے تعاقب میں یہاں تک آ گیا ہے۔ میرا ماتھا پسینے سے بھیگ گیا

''ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں خوف آ رہا ہے'' غازی ہنسا ''واہ بھئی واہ۔ بھائی بھی کہتے ہو اور گھبراتے بھی ہو میاں۔ تم اس دم جلے کی بات کررہے ہو۔ وہ کیا اس کی اوقات کیا۔ میرے بھائی اس کی یہ جرات ہی نہیں کہ ہمارے باباجی سرکار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔ ہاں وہ جس بات پر شیر ہوتا ہے اس کی نزاکت ہم جنات کے لئے اہم ترین مسئلہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات مصلحت کی وجہ سے ہم اپنی بگڑی ہوئی مخلوق کی بدمعاشیاں بھی برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ صرف کسی خاص انسان کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتی ہیں اور وہ خاص انسان کون ہے جس کی وجہ سے ہم اس دم جلے کو کچھ نہیں کہتے۔ یہ اپنے شاہ صاحب ہیں۔ تم نے سنا ہے باباجی ان پر برس رہے ہیں'' غازی بولتا چلا گیا

''ایسی کیا بات ہے...... جو شاہ صاحب سے سرزد ہوگئی ہے'' میں نے آہستگی سے کہا اور ساتھ ہی غازی کو بازو سے تھام لیا۔ میں اسے لے کر باغیچے کی طرف نکل آیا مبادا باباجی ہماری باتیں نہ سن لیں

''مجھے ادھر لے کر آنے کا کوئی فائدہ نہیں'' وہ راستے میں اپنا بازو چھڑا کر بولا ''باباجی کو معلوم ہے کہ میں اور تم کیا باتیں کررہے ہیں۔ ان کے ہزاروں کان ہیں'' وہ دلچسپ انداز میں مسکرایا ''باتوں میں مجھ سے کیا گیا وعدہ نہ بھول جانا''

''نہیں بھولتا یار۔ اندر اور باہر کی بھوک تنگ کررہی ہے۔ میں کشمکش میں گرفتار ہورہا ہوں۔ دیکھو غازی'' میں نے جیب سے سو روپے کا ایک مڑا تڑا سا نوٹ نکالا ''یار میں صحافی ہوں۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ ان پر عیاشی کرسکوں۔ یہ رکھ لو اور تم خود ہی شہر سے کھانے کی کوئی شے لے آؤ'' اس نے نوٹ پکڑا اور اپنی آنکھوں کے سامنے کھول کر لہرانے لگا۔

''بھائی تمہارے پیسوں سے بو آ رہی ہے'' وہ مسکرانے لگا ''انہیں زیادہ دیر تک جیب میں نہ رکھا کرو۔ تم جتنا پیسہ جیب سے نکالو گے تمہارے پاس اسی رفتار سے پیسہ آئے گا''

''اچھا...... یہ بھی کر کے دیکھ لوں گا'' میں نے اپنے مطلب کی بات کرتے ہوئے کہا ''وہ تم بتا رہے تھے کہ شاہ صاحب سے کیا غلطی ہوگئی''

''ایسا کرو'' وہ مجھے چکما دیتے ہوئے بولا ''کچھ دیر کے لئے تم یہاں ٹھہرو۔ میں شہر سے کھانے پینے کے لئے کچھ لیتا آؤں۔ پھر کھائیں گے اور باتیں بھی کریں گے''

میں نے اسے جانے دیا اور پھر دو چار منٹ میں ہی وہ واپس آ گیا۔ س کے ہاتھ میں کاغذ کا بڑا لفافہ تھا جس میں گرم گرم جلیبیاں رکھی تھیں وہ ندیدوں کی طرح زبان لبوں پر پھیرنے لگا

''گرم گرم جلیبیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ آہ تم انسانوں کو اللہ نے کیسی کیسی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا ہے...... کاش میں بھی انسان ہوتا اور جی بھر کر تمہاری دنیا کی غذائیں کھایا کرتا۔ کم از کم تمہارا جوٹھا تو نہ کھانا پڑتا''

''کیا مطلب''

''چھوڑو جلیبیاں کھاؤ۔ پھر کبھی بتاؤں گا'' اس نے کوئی بات بتانے سے پہلو بچایا مگر میں نے اس کا دامن نہیں چھوڑا

''میں نے سنا ہے تم لوگ ہڈیاں اور فضلہ کھاتے ہو یعنی تمہارے لئے یہ پسندیدہ غذائیں ہیں''

''بھائی کہا ہے نہ چھوڑو یہ باتیں۔ دل کیوں خراب کررہے ہو۔ اتنا اچھا کھانے کو مل رہا ہے اور تم کیسی چیزوں کا ذکر کررہے ہو۔ ہاں یہ اور بات ہے'' وہ لفافے سے شیرے میں لتھڑی ہوئی ایک جلیبی منہ میں ڈال کر کھانے لگا اور پھر اپنی انگلیاں چاٹتے ہوئے بولا ''اگر انسان کے روپ میں ہوں تو ہم تمہاری غذائیں کھاتے ہیں لیکن جب اپنے اصل میں ہوتو ایسی ہی اشیا کھانی پڑتی ہیں جو تمہارے ہاں نجس اور فالتو ہیں۔ یہ بھی اللہ کی قدرت ہے۔ ہمارے لئے وہ اشیالذت اور توانائی کا باعث بنتی ہیں''

غازی کو جلیبی کھاتے دیکھ کر میرے منہ میں بھی پانی بھر آیا۔ میں لفافے میں ہاتھ ڈال کر جلیبی نکالنے لگا تو غازی نے میرا ہاتھ پکڑلیا

''میں دیتا ہوں'' یہ کہہ کر اس نے جلیبی کا آدھا ٹکڑا مجھے دیا ''تم بس یہ کھاؤ تمہارا پیٹ بھر جائے گا''

''یار بڑے کنجوس ہو تم'' میں نے کہا ''اس سے میرا کیا بنے گا''

''اگر میں نے آپ کو اور جلیبیاں دے دیں تو میرا کیا بنے گا۔ سو روپے کی لایا ہوں غریبوں کی طرح۔ ہائے ہزار دو ہزار کی جلیبیاں ہوتیں تو تب جا کر میرا اگلا تر ہوتا پیٹ پھر بھی نہ بھرتا''

''اسی لئے باباجی کہتے ہیں غازی ندیدا ہے'' میں نے کہا ''اگر تم بھی بانٹ کر کھایا کرو تو تمہارے کھانے میں برکت پیدا ہوگی'' میں نے ہنستے ہوئے اسے سمجھانا چاہا تو ایک دم وہ ناراض ہوکر میری طرف دیکھنے لگا

''جا دفع ہوجا''

میں اس کا منہ دیکھنے لگا

''جاتا ہے یا نہیں'' اس کے چہرے پر ناراضی کے آثار نمایاں ہونے لگے ''تری دم میں نمدہ بھروں گا تو پھر جائے گا''

میں نے اسے ایسی کیا بات کہہ دی تھی کہ وہ ایک دم ناراض ہوگیا تھا۔ اس کے رویہ سے مجھے بڑی ندامت، شرمندگی اور خفگی محسوس ہوئی اور میں واپس جانے کے لئے پلٹا تو غازی پیار سے بولا

''بھائی آپ کہاں چل دیئے'' میں نے اس کی طرف دیکھا اور کہا ''یار خود ہی تو دفع دفعان کہہ رہے ہو''

''ارے آپ کو تھوڑی کہہ رہا ہوں'' وہ غصہ کے باوجود مسکرایا ''میں تو اسے کہہ رہا ہوں جو ادھر لیموں کے پودے کے پیچھے ندیدوں کی طرح کھڑا ہے۔ مجھ سے جلیبیاں مانگ رہا ہے۔ آپ خود سوچیں کہ آپ کو کھانے کے لئے نہیں دے رہا تو اسے کیوں دوں گا''

میں نے پلٹ کر دیکھا تو مجھے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ ''یہ آپ کو نظر نہیں آئے گا بڑا شرمیلا مگر ہٹیلا ہے۔ اس کا نام صبور ہے۔ میری منگیتر کا بھائی ہے یہ۔ اپنی بہن کے لئے میری مخبری کرتا رہتا ہے وہ بھی اس کی طرح ہے ندیدی'' غازی کی باتیں میرے لئے دلچسپی اور راحت کا باعث بن رہی تھیں۔

''ارے غازی تم بڑے ظالم ہو۔ اپنی منگیتر کے بارے ایسے کہتے ہو'' میں نے کہا ''یار منگیتر کی خوشنودی کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کر جاتا''

''میں انسان نہیں ہوں۔ ہم اپنی منگیتروں کو سر پر نہیں چڑھاتے۔ ویسے بھی یہ نک چڑھی ہوتی ہیں'' غازی بولا ''مجھ سے پچاس سال بڑی ہے میری منگیتر۔ ہر وقت اس ٹوہ میں رہتی ہے کہ میں اس وقت کہاں ہوں اور کیا کررہا ہوں۔ دس سال بعد میری اس سے شادی ہوگی''

''کیوں......اتنی دیر سے کیوں ہوگی شادی'' میں نے کہا

''ابھی میں بچہ ہوں ناں بھائی'' وہ شرمیلے انداز میں بولا

''تم بچے ہو کیا۔۔۔۔۔۔۔اور پھر بڑے ہوگے تو کیسے دکھائی دو گے۔ یار تم مجھ سے بھی بڑے قد اور عمر کے دکھائی دیتے ہو'' میں نے اسے چھیڑا ''اتنی عمر میں تو ہمارے ہاں چار بچوں کے باپ ہوا کرتے ہیں''

''یہ میں تھوڑی ہوں'' وہ بولا ''یہ ظاہری جسم میرا تھوڑا ہے۔ ویسے بھی ہمارے اور آپ انسانوں کی عمروں میں اور بلوغت میں فرق ہے۔ ہمارے ہاں پنتالیس پچاس سال کی عمر کا مطلب ہے تمہارے ہاں کی پندرہ سے بیس سال کی عمریں۔ میں ابھی پچیس سال کا ہوں۔ دس سال بعد پنتالیس کا ہوجاؤں گا تو تب شادی کے قابل ہوں گا۔ میرے والدین کو جلدی پڑی ہے مگر میں ابھی کچی عمر میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے باباجی سے بھی کہا ہے کہ میرے والدین کو منع کر دیں لیکن سرکار کہتے ہیں کہ تم جیسے لفنگے اور آوارہ جن کی شادی جلدی ہونی چاہئے۔ ہائے شاہد بھائی۔ میں تو ابھی ساری دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔ موج میلہ اڑانا چاہتا ہوں مگر میرے پاؤں میں شادی کی بیڑیاں......نہیں کانٹے چبھوئے جارہے ہیں۔ یہ صبور کی بہن

......قائمہ۔ بڑی سخت جن زادی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ جیسے آزاد جن کو کیوں قائمہ جیسی جن زادی سے بیاہا جا رہا ہے لیکن یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میں قائمہ کو پسند نہیں کرتا لیکن قبائلی رسم و رواج اور میرے والدین کی مجبوریاں قائمہ سے شادی پر بضد ہیں" اس بات کا ذکر کرتے ہوئے غازی کی مسکراہٹ کافور ہو گئی اور رنجیدگی کا سحر اس کے چہرے پر چھانے لگا

"صرف تم انسان ہی اپنی سماجی زندگی کی پابندیوں سے مجبور نہیں ہوتے بلکہ میں تو کہوں گا کہ تمہاری دنیا کے رسم و رواج شاید اتنے سخت اور ناقابل حل نہ ہوتے ہوں گے جتنے کہ ہمارے ہیں ہمارے ہاں جو پابندیاں ہیں انہیں توڑنے کا مطلب صرف موت ہے۔ اور موت بھی بڑی عبرتناک۔ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے بھائی۔ اف میرے خدا" غازی غالباً کسی سزا کا تصور کر کے کانپ اٹھا تھا اور اس نے جلیبیوں سے بھرا لفافہ مجھے پکڑا دیا۔ میرے بڑے بھائی ارمان نے بغاوت کی تھی وہ بڑا شریف اور عالم فاضل جن زادہ تھا۔ وہ بریلی کے ایک مدرسے میں پڑھتا تھا اور اس کو وہاں اپنے معلم کی صاحبزادی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ میری طرح نہیں تھا۔ بڑا حلیم اور بردبار جن زادہ تھا۔ انسانی روپ میں تعلیم حاصل کرتا تھا۔ مولوی فضل الحق نام تھا اس کے استاد جی۔ اور ان کی بیٹی سیدہ رقیہ بڑی ہی معصوم' پاکیزہ صوم و صلوٰۃ کی پابند تھی۔ میرا بھائی مولوی صاحب کی خدمت اور اطاعت میں دوسرے شاگردوں سے ممتاز تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مولوی صاحب میرے بھائی کی حقیقت کو جانتے تھے اور انہوں نے ارمان کو بہت سی ایسی باتوں سے بھی آگاہ کیا ہوا تھا جو اس کی شخصیت کے بے نقاب ہونے سے اس کو نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ بھائی خود بھی ان باتوں کا خیال رکھتا تھا۔ شاہد بھائی مجھے اپنے بڑے بھائی سے بڑی محبت تھی۔ وہ تھا بھی محبت کے قابل" غازی کی آنکھیں اپنے بھائی کا ذکر کرتے ہوئے اشکبار ہو گئیں اور مجھے اس کے اندر سے ہچکیاں لیتے ہوئے ایک بچے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میرا دل بھی افسردہ ہو گیا اسی اثنا میں کوئی وجود سرسراتی ہوا کی طرح ہمارے پاس آ کر ٹھہر گیا

"آؤ یہ لو اور اپنی بہن کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ جلیبیاں اسے دے دینا" غازی نے لفافہ میرے ہاتھوں سے لیا اور میری دائیں طرف بڑھا دیا۔ لفافہ کسی نادیدہ وجود جو یقیناً صبور تھا اسے تھما دیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے لفافہ غائب ہو گیا۔ غازی کا یہ روپ میرے لئے نیا تھا۔ ہر وقت شرارتوں کی بارش میں بھیگا ہوا' بے کل و مضطرب اور گلابوں کی طرح کھلتے ہوئے

چہرے والا غازی پریشان تھا' ادھورا' بے کس اور ہجر و وصل میں ڈوبا ہوا۔ میرے اپنے بہت سے غم تازہ ہو گئے لیکن میرے سامنے غازی تھا۔ آج جذبات کے تفاوت کا ایک عجیب منظر تھا میرے سامنے۔ ایک انسان اور جن کے دل میں دھڑکتے دل کی کیفیات کا نظارہ ہو رہا تھا۔ جذبات...... لامتناہی اور ازلی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں صرف انسان ہی دل کے مدوجزر سے جذباتیت کی لہروں کا شکار ہوتے ہیں اور یہ صرف جذبات ہی ہیں جو انسانوں کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتے ہیں مگر جذبات تو ہر دنیا میں موجود ہیں۔ جیسا کہ غازی جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا اور اپنی غمناک یادوں کے ریلے میں بہہ کر اپنی بے اختیاری کا اظہار کر رہا تھا

"شاہد بھائی! ارمان اور سیدہ رقیہ کی داستان عشق و محبت بڑی طویل تو نہیں ہے مگر اتنی مختصر بھی نہیں ہے۔ میرے بھائی نے دو سال تک مولوی صاحب کے پاس رہ کر ایک بار بھی جن زادوں جیسی حرکت نہیں کی تھی بلکہ عام طالب علموں کی طرح مشقت کیا کرتا تھا اور کبھی اپنی قوت کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ وہ بھی دوسرے طالب علموں کی طرح آٹا گوندھتا، جھاڑو لگاتا اور اتنا ہی وقت لیتا جتنا دوسرے طالب علم لیتے تھے۔ وہ بھی انسانوں جتنا کھانا کھاتا' مولوی صاحب ناراض ہوتے تو ڈنڈے اور جوتے کھاتا اور اسی طرح تکلیف کے باعث روتا جیسے عام انسان روتے تھے۔ دو سال خیریت سے گزر گئے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب بیمار پڑ گئے ایسے کہ پورا ہفتہ اٹھ ہی نہ سکے۔ مولوی صاحب نے ارمان بھائی کو مانیٹر بنا دیا تھا اور وہ انہیں مدرسے کی ساری رپورٹ دیا کرتا تھے۔ مولوی صاحب کو دق کا مرض ہو گیا تھا اور پورے بریلی میں بڑے بڑے ممتاز حکما سے ان کا علاج کرایا گیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے ارمان بھائی سے ایک وعدہ لیا کہ وہ ان کے مرنے کے بعد ان کی صاحبزادی سیدہ رقیہ کا خیال رکھیں گے۔ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی' رشتہ دار تھا نہیں کوئی۔ ارمان بھائی بہت روئے تھے مولوی صاحب کی وفات پر۔ سیدہ رقیہ کا تو برا حال تھا وہ بے آسرا ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب نے سیدہ رقیہ کو ارمان کے بارے یہ تو بتا دیا تھا کہ وہ اس کا خیال رکھے گا مگر وہ یہ نہ بتا سکے کہ وہ جن زادہ ہے۔ انہیں نہ جانے ارمان بھائی پر اتنا بھروسہ کیوں تھا کہ وہ ان کی بیٹی کی حفاظت عام انسانوں سے بہتر کر سکتے ہیں۔ انہیں یہ خوف ہو گا کہ سیدہ رقیہ نے اگر ارمان بھائی کی اصلیت جان لی تو وہ ہر وقت خوفزدہ نہ رہا کریں۔ خیر بھائی سیدہ رقیہ کی حفاظت کرتے رہے اور ان کے لئے کھانے پینے کی ہر شے مہیا

کرتے رہے۔اس کے لئے انہوں نے بریلی کے شیر فروش کے پاس ملازمت کر لی اور جو ملتا سیدہ رقیہ کو لا کر دیتے۔ بھائی اور سیدہ رقیہ نے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں تھا۔ وہ کوئی شے لاتے' دروازہ کھٹکھٹاتے یا کھنکھارتے تو سیدہ رقیہ دروازے کی اوٹ سے اشیا وصول کر لیتیں۔ یونہی کئی مہینے گزر گئے۔

ایک روز بھائی کھانے کی اشیا لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ دروازے پر نہ آ سکیں۔ بھائی نے تین چار بار دستک دی اور تب بھی کوئی جواب نہ آیا تو وہ پریشان ہو گئے پھر انہوں نے آہستہ سیدہ رقیہ کو آوازیں دیں لیکن تب بھی کوئی جواب نہیں آیا تو بھائی گھبرا گئے۔انہوں نے کچھ دیر انتظار کے بعد دوبارہ زور سے دروازے پر دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔مگر اسے کھولنے والا ہاتھ باہر نہیں آیا

''سیدہ محترمہ خیریت تو ہے'' بھائی نے مخاطب کیا مگر اندر سے پھر کوئی آواز نہیں سنائی دی تو ان کی پریشانی ہزار گنا بڑھ گئی۔اب ان کے پاس اندر داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ شرماتے ہوئے اندر گئے اور سیدہ رقیہ کو آوازیں بھی دیتے رہے۔ مولوی صاحب کا گھر تھا ہی کتنا بڑا۔ دو کمرے' ایک ڈیوڑھی' ایک رسوئی گھر اور پانچ چھ گز کا صحن۔ بھائی سیدہ رقیہ کے کمرے میں پہنچے تو دیکھا وہ بستر پر بے ہوش پڑی ہیں۔ پہلی بار انہوں نے سیدہ رقیہ کو دیکھا تھا' دودھیا رنگت' گہرے سیاہ دراز بال' قامت دراز' عکس حور و جمال تھیں وہ۔ لیکن اس وقت بیماری نے ان کے چہرے کو خستہ کیا ہوا تھا۔ بھائی کئی ثانئے تک سیدہ رقیہ کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ پھر وہ آگے بڑھے اور سیدہ رقیہ کو اٹھانے لگے۔ پانی سے چھینٹے مارے پھر بھی ہوش نہیں آیا تو بھائی آخر کار اپنی دنیا میں واپس گئے اور جنات کے طبیب خاص سے دوا لے کر واپس آنے لگے تو میرے والدین نے انہیں پکڑ لیا۔ میری والدہ بھائی ارمان سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ دو برس بعد اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔ ہم ان سے لپٹ گئے۔ مگر بھائی کی واپسی جلدی تھی والدہ اور والد نے ان کی تعلیم کے بارے میں دریافت کیا اور پھر ان کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ والد نے کہا کہ اب وہ زیادہ انتظار نہیں کر سکتے اگلے سال تک اپنی تعلیم مکمل کر لو تا کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔ اپنی شادی کا ذکر سن کر بھائی کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے۔ ہم تو نہیں سمجھے تھے کہ انہیں اپنی شادی کا ذکر پسند کیوں نہیں آیا۔ انہوں نے نہایت تابعداری کے ساتھ کہا کہ وہ فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ ابھی وہ بہت زیادہ دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔ بھائی جنات کے معلم اعلیٰ بننا چاہتے تھے۔اس لئے وہ اپنی تعلیم پر توجہ دیتے تھے۔ میرے والد تو ان پڑھ جنات میں سے تھے انہیں شوق تو تھا کہ ان کا صاحبزادہ جنات کا معلم اعلیٰ بن جائے گا مگر اپنی جلالی اور افتاد طبع کی وجہ سے وہ فیصلے اپنی خواہشوں کے مطابق کرتے ہیں۔ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب وہ ایک سال کا بھی انتظار نہیں کریں گے۔ شادی اگلے مہینے کو ہو گی۔ بھائی کی شادی یہ...... جو صبور ہے نا۔ اس کے قبیلے میں ہی ہو رہی تھی۔ والد کے ان کا ساتھ کاروباری معاملات تھے۔ صبور کا قبیلہ بڑا سخت گیر ہے۔ عزت اور غیرت کے نام پر ہر وقت ان میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ جناب کی عقلوں پر قہر و غضب کا غلبہ ویسے بھی زیادہ ہے اور پھر ایسے جنات جن کی رسم و رواج اندھی ہوں ان کے قہر و غضب کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ خیر بھائی کسی طرح واپس آئے اور سیدہ رقیہ کو دوا پلائی۔ کچھ دیر بعد انہیں ہوش آ گیا اور جب اس نے آنکھیں کھول کر ارد گرد کا جائزہ لیا اور بھائی پر نظر پڑی تو پہلے تو وہ شرم سے گھبرا گئیں پھر دوپٹہ تلاش کرنے لگیں۔ ان کی گھبراہٹ سے پریشان ہو کر بھائی باہر نکلنے لگے تو وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولیں

''آپ کون ہیں''

''میں ارمان قطبی......'' بھائی نے رخ دروازے کی طرف کئے رکھا۔ ''میں معافی چاہتا ہوں سیدہ۔ اصل وجہ یہ ہے کہ میں کب سے دروازے پر کھڑا دستک دیتا رہا تھا۔ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ جب آپ دروازے پر نہیں آئیں تو وسوسے مجھے گھیرنے لگے۔ میں نے اندر آ کر دیکھا تو آپ بے ہوش پڑی تھیں۔ اگر آپ کی طبیعت خراب تھی تو آپ مجھے پیغام بھجوا دیتیں''

''میں معافی چاہتی ہوں۔ اصل میں مجھے خود معلوم نہیں ہو سکا۔ اچانک طبیعت خراب ہوئی اور چکر آنے سے میں بے ہوش ہو گئی'' سیدہ رقیہ شرم سے دہری ہوئی جا رہی تھی

''میں مجبوری کے عالم میں اندر آیا ہوں سیدہ۔ آپ جیسی پردہ پوش کے لئے تو یہ بات ناگوار ہو گی خود میں بھی شرمندگی محسوس کر رہا ہوں کہیں''

''آپ کا قصور کیسا۔ آپ تو فرشتہ بن کر آئے ہیں۔ میں اکیلی گھر میں لاچاروں کی طرح پڑی رہتی ہوں۔ اگر خدانخواستہ مجھے کچھ ہو جائے تو کس سے فوری طور پر کہوں۔ آپ کی یہ عنایت ہے مجھ'' سیدہ رقیہ چارپائی سے اٹھ کر ارمان بھائی کے پاس آ گئیں۔

''آپ سے میرا پردہ اب کیسا۔ آپ تو میرے کفیل ہیں۔ میں نے آج تک کسی غیر مرد کو نہیں

دیکھا اور نہ ہی کسی غیر مرد نے مجھے دیکھا تھا۔ میں نے عہد کیا تھا اگر مجھے کسی غیر مرد نے دیکھ لیا تو میں اس سے عقد کی خواہش کروں گی۔ ارمان قطبی صاحب۔ میرے والد تو آپ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ آپ نے میرے والد کی بھی بہت خدمت کی تھی اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میری اس بات پر غور کر لیجئے گا" سیدہ رقیہ کا چہرہ حیا نے ڈھانپ لیا اور میرے بھائی ارمان کی کیفیت بدلنے لگی۔ انہوں نے جب سیدہ رقیہ کو پہلی نظر میں ہی اپنے بہت قریب محسوس کیا تھا اور پھر جو احساس ان کے اندر پیدا ہوا تھا اس کو مکمل ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا...... مگر یہاں کئی سوال اور اندیشے تھے۔ ارمان ایک جن زادہ اور سیدہ رقیہ انسان تھی۔ یہ شادی کیسے ہو سکتی تھی۔ اگرچہ جن و انس میں شادیوں کا رواج روایات کی صورت میں تو ملتا تھا مگر خود ایک مثال بننے جانا بڑا مشکل امر ہوتا ہے۔ ارمان بھائی سیدہ رقیہ سے شادی کے خواہش مند ہو گئے تھے مگر یہ ملن ناممکنات میں سے تھا۔ ادھر ہمارے والدین ان کی شادی کی تیاری کر چکے تھے اور ادھر یہ معاملہ درپیش تھا۔

ارمان بھائی نے بہت چاہا کہ وہ سیدہ رقیہ کو اپنی اصلیت بتا کر ایک بار ان کو یہ موقع دیں کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکیں۔ مگر یہ چاہت اور عشق کا جو کھیل ہے بہت تنگ کرتا ہے۔ محبوب کے چھن جانے کا خوف سچائی بیان کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ بھائی کوشش کے باوجود سیدہ رقیہ کو یہ نہ بتا سکے کہ ان کی اصلیت کیا ہے۔ بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ بھائی نے سیدہ رقیہ سے شادی کا فیصلہ کر لیا او اس سے اپنے دوسرے معلمین کو بھی آگاہ کر دیا

رمضان المبارک کی ستائیسویں کو نکاح اور رخصتی قرار پائی تھی۔ بدقسمتی سے جس روز بھائی کا نکاح تھا اور وہ نکاح کے لئے تیار بیٹھے تھے میرے والد مدرسے میں آ گئے۔ یہی وہ دن تھا جو میرے والد نے بھائی کی اپنے دوست کی بیٹی کے ساتھ شادی کے لئے رکھا تھا۔ بھائی کو یہ علم نہیں تھا۔ والد نے جب انہیں دولہا بنا دیکھا تو وہ طیش میں آ گئے اور انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بھائی کو مسند سے اٹھایا اور زمین پر پٹخ دیا۔ گلاب کے ہار جو ان کے گلے میں تھے پتوں میں بکھر گئے۔ پورے اجتماع پر خوف طاری ہو گیا کیونکہ والد صاحب نے اپنے اصلی روپ میں خفی رہتے ہوئے بھائی پر غصہ ظاہر کیا تھا لوگ حیران تھے کہ ارمان میاں کو یکدم کیا ہوا ہے۔ انہیں ہوا میں اچھلتے اور پھر زمین پر گرتے سبھی نے دیکھا تھا۔ اور سب نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جب ارمان بھائی زمین پر سر کے بل گرے اور دوسرے ہی لمحے اٹھ پڑے تو خون کا ایک قطرہ بھی ان کے ناک منہ اور سر سے نہیں بہا تھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور وہ

اپنے والد کو دیکھ کر چلائے تھے

"ابا جان یہاں کیوں آئے ہیں"

جواباً جب والد صاحب بولے تو مدرسے کے در و دیوار تک ہل گئے۔ انہوں نے بھائی کو لعن طعن کی اور صاف صاف کہہ دیا "تم ایک جن زادے ہو کر انسانوں میں شادی کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہے ہماری رسوم اس کی اجازت نہیں دیتیں اور پھر میرے خاندان میں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے" لوگوں نے یہ سنا تو سب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔ ارمان بھائی نے بہت کوشش کی کہ ابا جان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے مگر اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جس جس نے یہ سنا وہ خوف کے مارے بھاگ گیا۔ سیدہ رقیہ کو یہ معلوم ہوا کہ ارمان قطبی دراصل ایک جن زادہ ہے تو وہ غم کی شدت سے ایسی بے ہوش ہوئیں کہ پھر دوبارہ اس دنیا میں نہ آ سکیں۔ ارمان بھائی کو ان کی موت کا علم ہو گیا تھا ار پھر وہ ایسے تڑپے اور جلال میں آئے کہ ان کی شرافت اور نرمی کے قصے سنانے والے بھی انگشت بدنداں ہو کر رہ گئے لیکن وہ اکیلے تھے۔ والد صاحب نے انہیں باغی قرار دیا اور پھر میرے بھائی نے جب ان کی کسی بھی قسم کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا تو والد نے اپنے دوست قبیلے کے ساتھ مل کر انہیں ختم کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ شاہد بھائی والد نے سنگدلی کی ایسی لرزہ خیز روایت قائم کر دی تھی کہ آج میں اس بارے سوچتا ہوں تو تڑپ اٹھتا ہوں انہیں برف زاروں میں زندہ دفن کر دیا گیا۔ ان کے بدن کو آہنی میخوں سے برف کے بڑے بڑے ستونوں کے ساتھ گاڑھ دیا گیا اور ان کی آتش آمیز حیات سسک سسک کر بجھتی رہی۔ میرا بھائی مر گیا جنات کی اندھی اور فرسودہ روایات جیت گئیں"۔۔۔ غازی اپنے بھائی کی المناک داستان سناتے ہوئے سسکنے لگا تھا اور خود میری بھی سسکیاں نکل رہی تھیں۔

نہ جانے ہم کتنی دیر تک روتے رہے۔ مجھے آج بھی اپنے سینے میں وہ ہچکیوں بھری آہیں سنائی دیتی ہیں اور میں بے اختیار ہو کر غازی کو یاد کرنے لگتا ہوں۔ ہم سمجھتے ہیں سارے دکھ درد اور پریشانیاں صرف انسانوں میں ہیں عشق و محبت کی مستی اور ہجر و وصل کا لطف و عذاب صرف ہم انسانوں کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔ خاندانی اور قبائلی مکروہ رسم و رواج صرف انسانوں کو لطیف اور آفاقی جذبات کے پنپنے سے روکتے ہیں مگر ہمارے علاوہ بھی ایک مخلوق ہے جسے آگ سے تخلیق کیا گیا اور وہ ہواؤں اور زمین کے گوشے گوشے میں موجود ہے مگر ہم کو اس کی خوشیوں اور غموں کا ادراک نہیں ہے ہاں صرف ہمارے ذہنوں پر اس کا خوف مسلط ہے۔ غازی کو ایک کھلنڈرا لاابالی اور ہمہ وقت بے چین شرارتی ہی پایا تھا مگر وہ قلبی جذبات کی کیفیات اور غم و اندوہ کی حسیات کو سمجھتا تھا۔ مجھ میں اب حوصلہ نہیں رہا تھا کہ

اس سے مزید کچھ دریافت کروں۔

"غازی...... میں بابا جی سے ملنا چاہتا ہوں" میں نے خاصی دیر بعد اسے مخاطب کیا

"بابا جی اس وقت بہت ناراض ہیں بھیا" وہ آزردہ سا ہو کر بولا۔ "میرا دل چاہتا ہے تم یہیں میرے پاس اس وقت تک بیٹھے رہو جب تک سحری کا تارا ڈوب نہیں جاتا" وہ ستاروں بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔ وہ خلاؤں میں گھورتا رہا ایسے لگا جیسے ستارے گن رہا ہے اور کسی خاص ستارے کی کی تلاش میں ہے۔

"کیوں...... وہ مجھ پر بھی ناراض ہیں" میں نے پوچھا

"کچھ پتہ نہیں...... شاہ صاحب کی تو شامت آئی ہوئی تھی کچھ دیر پہلے۔ اصل بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کو معلوم تھا کہ آج بابا جی حاضری نہیں دے سکیں گے لہٰذا انہوں نے آپ سے جو کام لیا ہے وہ اسی غلطی میں لے گئے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا تو شاید وہ آپ کو اس کام پر پھر بھی بھیجتے اور اس کی حفاظت کے لئے ہم میں سے کوئی آپ پر مامور کر دیا جاتا اور آپ کو قبرستان میں ایسے حالات پیش نہ آتے" اس کی طبیعت اب بحال ہو رہی تھی "اگر آپ کہو تو میں بابا جی سے آپ کے لئے اجازت کا پروانہ لا سکتا ہوں"

"وہ کیسے"

اس کے لبوں پر شگفتگی کے پھول نئے سرے سے کھل رہے تھے۔ "جلیبیاں تو ختم...... اب کچھ اور ہونا چاہئے"

میں بے ساختہ مسکرا دیا "یار...... اب تو یہی کچھ بچا ہے" میں نے جیب سے پیسے نکال کر اسے دیئے اور وہ اس نے روپے ایسے اچک لئے جیسے چیل مرغی کا بچہ۔

"لو بھیا میں ابھی آیا" یہ کہہ کر وہ غائب ہو گیا اور میں باغیچے میں تنہا رہ گیا۔ معاً مجھے صبور کا خیال آ گیا۔ اردگرد دیکھنے لگا مگر مجھے نظر نہیں آیا۔ البتہ احساس ہوا کہ پودوں کے سائے بہت زیادہ گھنے اور ان پر لرزہ طاری ہو رہا ہے۔ ایسے لگتا تھا جیسے ان کے اندر ہزاروں وجود داخل ہو چکے ہیں اور یہ سارے سائے ایک دوسرے میں مدغم ہوتے جا رہے ہیں۔ مجھے فضا میں گھٹن کا بھی احساس ہوا۔ فضا کی خنکی اور رومانیت یکسر موقوف ہو رہی تھی۔ مجھے گھبراہٹ اور خوف محسوس ہونے لگا اور میں جلدی سے مہمان خانے کی طرف بھاگنے لگا مگر جونہی میں نے قدم اٹھائے مجھے احساس ہوا جیسے سارے پودے میرا گھیراؤ کرنے لگے ہیں اور ان کا گھیرا لمحوں میں تنگ سے تنگ تر ہونے لگا۔ مجھے یہ سمجھنے میں اب دیر

نہیں لگی کہ جنہیں میں پودوں کے سائے سمجھ رہا تھا درحقیقت وہ وجود ماورائی تھے جو سیاہ لبادوں میں اپنے وجود پھیلا کر آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ سائے میرے چاروں طرف پھیل گئے اور میں ان کے حصار میں قید ہو کر رہ گیا۔ ابھی تک مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن ان کے تیور بتا رہے تھے کہ اگر یہ یونہی آگے بڑھتے رہے تو مجھے پیس کر رکھ دیں گے۔ میں نے چیخ کر ان سے پوچھا "کون ہو تم" مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا اور سائے میرے بالکل قریب آ گئے اور پھر اس سے قبل کہ میں کچھ کرتا محض ایک کربناک چیخ تھی جو میرے اندر سے بلند ہوئی تھی اور میں اتنے زور سے چلایا تھا کہ میری آواز میلوں تک سنی گئی ہو گی۔ اس لمحے چاروں طرف پھیلے سائے ایک دوسرے میں آ کر ضم ہو گئے تھے اور میں ان کے درمیان پس کر رہ گیا تھا مجھے یوں لگا جیسے میرا وجود بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ میری روئیں روئیں دہکنے لگی اور یوں لگا جیسے سر سے پاؤں تک میرے وجود سے شعلے بلند ہونے لگے ہیں۔ دماغ میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں اور دل کے در و دیوار پر کوئی بڑی سی چھپکلی رینگنے لگی ہے۔ اس کے بعد میرے ساتھ کیا ہوا یہ مجھے اس وقت معلوم ہوا جب مجھے بابا جی شفقت بھرے انداز میں پکار رہے تھے۔ ان کی آواز میرے لئے روشنی کی لہر بن رہی تھی اور میرا ذہن تاریکیوں کی پستیوں سے اجالوں کی بلندی کی طرف پرواز کرنے لگا۔ یہ روشنی اور اجالے مجھے اوپر ہی اوپر اس مقام تک لے گئے تھے جہاں مجھے تین چہرے نظر آنے لگے تھے یہ غازی، شاہ صاحب اور بابا جی تھے۔

بابا جی کے چہرے پر مسرت افروز نور پھیلا ہوا تھا۔ احرام میں ان کا پورا وجود گم تھا' دودھیا رنگت' سفید گیسوان کے شانوں پر لہرا رہے تھے۔ آج ان کا دیدار پہلے دیدار سے مختلف تھا۔ اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا کر بولے "میرا ہاتھ تھام لو میرے بیٹے تم ایک بہادر انسان ہو آگے بڑھو"

جونہی انہوں نے مجھے پکارا مجھے احساس ہوا کہ کوئی ایسی قوت اور بھی وہاں موجود ہے جو مجھے اب اجالوں سے پیچھے کی طرف کھینچ کر تاریکیوں میں گم کرنا چاہتی ہے۔ وہ بار بار میرا دامن پکڑ رہی تھی اور مجھے پیچھے دھکیلنے کے لئے کوشاں تھی۔

"اس کی پرواہ نہیں کرو...... اپنی پرواز بلند رکھو" بابا جی نے مجھے حوصلہ دیا۔ مجھے حوصلہ ہوا اور میں زور شور سے اجالوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہا مگر میرے ساتھ معاملہ اب اس گاڑی کی طرح پیش آ رہا تھا جس کے پچھلے ٹائر کسی نرم زمین میں دھنس جاتے ہیں اور ڈرائیور گاڑی کا زور لگاتا ہے تو ٹائر باہر نکلنے کی بجائے مزید دھنستے چلے جاتے ہیں۔

میں نے بابا جی کو اپنی کیفیت سے آگاہ کرنا چاہا اور لب کھولے تو ایک لفظ بھی زباں سے نہ نکل سکا۔ لگا

جیسے کسی نے میری زبان کو تالو کے ساتھ چپکا دیا ہے اور گلے میں کانٹے چبھو رہا ہے۔ اس شدت زور اور لاچارگی سے میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور میں بہت زور آزمائی اور کوشش کے بعد محض یہ یہ کہنے میں کامیاب ہو گیا۔

"باباجی سرکار...... میں کیا کروں۔ کوشش کے باوجود یہ اندھیرے مجھے نہیں چھوڑ رہے"

"بیٹے! یہی وہ مراحل ہوتے ہیں جب انسان کو اس کے امتحان میں سرخروئی حاصل ہوتی ہے" باباجی نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ "سارے لوگ اندھیروں سے اجالوں میں آنا چاہتے ہیں لیکن قوت موقوف ہونے سے وہ ایسا نہیں کر پاتے اور جانتے ہو تم۔ یہ قوت باطنی، روحانی وجدان اور سرشاری کیا شے ہے۔ یہ روح ہی کی طاقت ہوتی ہے جو انسان کو علم و آگہی سے آراستہ کرتی ہے جو لوگ اپنی روح سے ہم کلامی اور اس کی جبلت کو پا لیتے ہیں ان کے لئے اندھیروں یعنی گمراہی سے نکل آنا مشکل نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ تمہارے ساتھ پیش آ رہا ہے۔ تم اندھیروں اور اجالوں میں معلق ہو۔ تمہیں ابھی ان میں تمیز کرنا نہیں آ رہی۔ جنہیں تم سچائی اور حقیقت سمجھتے ہو حقیقتاً وہ بھی گمراہی کا ایک لبادہ ہیں۔ تمہارا دل ابھی تک پراگندہ ہے۔ دوسروں کے لئے اپنے دل کو کشادہ کر لو اور سچائی کی روشنی کو پکڑ لو۔ تم ان اندھیروں سے باہر آ جاؤ گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم میں یہ خوبیاں ہیں۔ تم اجالوں کے سفر کے مسافر ہو۔ میں نے تمہیں پکارا اور تم لوٹ آئے لیکن اب تم رک گئے ہو میرے بچے آگے بڑھو دیکھو میں ہی نہیں اپنے شاہ صاحب اور تمہارا غازی بھی اپنے ہاتھ تمہاری طرف بڑھا رہے ہیں۔ آؤ اور میرے بچے ہمارا ہاتھ تھام لو اور اجالوں کی دنیا میں آ جاؤ" یہ کہہ کر ان تینوں نے اپنے اپنے ہاتھ میری طرف بڑھا دیئے اور میں جوش کے عالم میں اندھیروں کے ہاتھ اپنے دامن سے ہٹا کر ان کے ہاتھ تھام لینے میں کامیاب ہو گیا۔ تینوں نے مجھے نہایت آہستگی سے اوپر اٹھایا اور مجھے ایک براق بستر پر لٹا دیا جس کے چاروں طرف خوشبوؤں کا راج تھا۔ فضا میں طراوت اور نغمگی کا احساس تھا۔ نہایت پرسکون روشنی تھی جو قلب و نظر کو لطف و کرم کے احساسات سے دوچار کر رہی تھی۔ میں نے ایسا بستر اور ایسا ماحول کبھی نہیں دیکھا تھا جو اجالوں کی دنیا میں وارد ہو کر پایا۔ باباجی شاہ صاحب اور غازی میرے بستر کے گرد کھڑے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ میری آنکھوں میں ابھی تک آنسو اٹکے ہوئے تھے۔ میں نے بولنے کی کوشش کی اور پرجوش انداز میں بولا

"باباجی سرکار مجھے معاف کر دیں۔ میں واقعی شاہ صاحب کے بارے بدگماں تھا مگر اب وعدہ کرتا ہوں کہ یہ میرے بھائی ہیں اور میں ان کی تابعداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا"

باباجی تحسین آمیز انداز میں پیر ریاض شاہ کی طرف دیکھنے لگے تو ان کے لبوں پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایسی مسکراہٹ جو اکثر فاتح بن کر اور احساس تفاخر سے بھرے لوگوں کے چہروں پر کھلتی ہے مگر لوگ اس مسکراہٹ کا مطلب نہیں جان پاتے کہ اس کے کھلنے میں کتنے قہروں نے اپنا وجود غارت کیا ہوگا۔

"اب تم آرام کرو" باباجی نے اپنا نرم ریشمی ہاتھ میرے ماتھے پر رکھا تو ان کے لمس کا احساس میرے رگ و پے میں سکون کی لہریں پیدا کر گیا۔ "جب اٹھو گے تو تمہیں بہت سے کام کرنے ہیں"۔

باباجی کے لمس کا احساس اتنا بھرپور تھا کہ نیند میری آنکھوں میں اتر گئی اور میں سو گیا۔ بہت ہی گہری، پرسکون نیند۔ ایسی نیند کہ جب بیدار ہوا تو لگا جیسے اس دنیا کی آلائشوں اور ذہنی و جسمانی تھکاوٹوں کا کبھی شکار ہی نہیں ہوا تھا میں۔ بڑی راحت ملی تھی اور مجھے اپنے وجود میں نئے سرے سے سرشاری اور گرم جوشی محسوس ہونے لگی تھی۔ گویا اس نیند نے مجھے ری چارج کر دیا تھا۔

شاید میں پہروں سویا ہوں گا۔ جب آنکھ کھلی تو میں مہمان خانے میں شاہ صاحب کے بستر پر سویا پڑا تھا۔ میں آنکھیں ملتا ہوا انگڑائی لے کر اٹھ پڑا۔ کمرے میں ہلکا سا اجالا تھا۔ صبح ہو رہی تھی اور نرم رو روشنی کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔ کمرے کی فضا ابھی تک گماں کی حد تک معطر تھی لیکن جو ماحول اور آسودگی مجھے نیند سے پہلے میسر تھی وہ اب کمرے میں عنقا تھی۔ میں سوچ و بچار میں مبتلا ہو گیا کہ میں تو ایک براق بستر پر سویا ہوا تھا اور اس کمرے کی فضا ایسی تو نہ تھی۔ مجھے خیال آیا کہ غالباً میں نے نیند کی حالت میں یہ لطف و کرم پایا ہے۔ میرا وجود گواہی دے رہا تھا کہ جو آسودگی خواب میں ملی ہے وہ یقیناً اپنی حقیقت رکھتی ہوگی۔ میں ذہنی طور پر الجھنے بھی لگا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پھر مجھے یاد آیا کہ باغیچے میں میرے ساتھ کیا ہوا تھا اور پھر لمحہ لمحہ سرکتی ہوئی یادیں مجھے باباجی کی باتیں یاد دلانے لگیں۔ میں بستر سے اٹھا ہی تھا کہ دروازے پر کھٹکا ہوا اور شاہ صاحب تولئے سے سر کو رگڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ وہ غسل کر کے آئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی بولے

"مزے لوٹ لیئے ہیں، بڑے قسمت والے ہو تم"

میں پرجوش مسکراہٹ لیتے ہوئے بولا "یہ سب آپ کی مہربانی ہے شاہ صاحب ورنہ میں کس کام کا"

"ارے تم بڑے کام کے ہو" ان کی بات سن کر مجھے باباجی کی بات یاد آ گئی

"شاہ صاحب میں تو باہر باغیچے میں تھا اور"

"چھوڑو ان باتوں کو شکر کرو کہ تمہاری چیخ سن کر باباجی نے تمہیں اس عفریت سے جلد بچا لیا ورنہ تمہارا حال بھی وہی ہوتا تو زلیخا کا ہوا تھا"

"وہ کون تھا" میں پریشان ہو کر ان کربناک لمحوں کو یاد کرنے لگا۔

"وہی حرام خور کالی داس تھا جو تمہیں قبرستان میں ملا تھا" شاہ صاحب بید کی کرسی پر بیٹھ گئے اور شیشی سے سرسوں کا تیل نکال کر گیلے بالوں میں لگانے لگے۔

"اصل میں اس میں قصور میرا ہے" وہ بولے "تمہارے جانے کے بعد مجھے تو احساس نہیں ہوا تھا کہ اس خطرناک عملیاتی کام پر تمہیں نہیں بھیجنا چاہئے۔ بس دماغ پر طاقت کا نشہ تھا اس لئے بھیج دیا کہ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اندازے کی غلطی ہو گئی۔ باباجی خلاف توقع عین اس وقت آ گئے تھے جب تم قبرستان کی اس قبر میں گرے تھے اور وہ بدکار تم کو قابو کرنے لگا تھا لیکن باباجی کی حویلی میں آمد نے اس کو یہ جرات نہ ہونے دی۔ تم تو بھاگ کر آ گئے اور ادھر باباجی کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کھینچا تانی شروع کر دی۔ پھر جب تم باغیچے میں تھے تو اس بدکار نے تم پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس نے یہ حملہ حویلی میں موجود کافروں کی پکھی کے ساتھ مل کر کیا تھا۔ اکیلا وہ حویلی میں نہیں آ سکتا تھا۔ وہ میرے دشمنوں کے ساتھ مل گیا تھا"

"وہ کون تھا" میں نے دوبارہ استفسار کیا

"وہ ہمارا دشمن تھا اب تمہارا بھی بن گیا ہے" شاہ صاحب نے کہا "ٹھہرو میں تمہیں بتاتا ہوں اس کا نام کالی داس ہے۔ ہندو ہے اور ہندو عاملوں کے کام کرتا ہے جس طرح ہمارے ہاں یعنی میرے ساتھ بابا جی پیار کرتے ہیں اسی طرح کالی داس بھی جن ہے مگر کافروں میں سے ہے۔ ڈیڑھ سال پہلے میں میانی صاحب لاہور میں چالیس روزہ وظیفہ کر رہا تھا کہ اس سے ٹاکرہ ہو گیا۔ باباجی ابھی میرے پاس نہیں آئے تھے۔ میں حقیقت میں باباجی کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہی یہ چلہ کاٹ رہا تھا۔ باباجی میرے بڑے بھائی کے پاس آتے تھے۔ میری والدہ کی وفات کے بعد باباجی سرکار بھائی سید اقبال حسین شاہ کے پاس حاضری دیتے تھے۔ میری والدہ عبادت گزار خاتون تھیں۔ راتوں کو اٹھ کر عبادت کرتی تھیں۔ باباجی کی ان کے ساتھ عقیدت تھی۔ یہ الگ داستان ہے کہ باباجی میری والدہ کے پاس کیوں آتے تھے اور یہ میں تمہیں ابھی نہیں بتا سکتا۔ بہرحال میں جن دنوں چلا کاٹ رہا تھا میری رہنمائی اور سرپرستی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ چلہ کاٹنے سے پہلے مرشد کی اجازت چاہئے ہوتی ہے۔ چونکہ باباجی بڑے بھائی کے پاس آتے تھے اور مجھے کسی حد تک ان کی آمد اور روانگی کے طریقہ کار سے آگاہی ہونے لگی تھی بلکہ میں نے کچھ کلمات بھی سیکھ لئے تھے لہٰذا میرے دل میں یہ خیال آنے لگا کہ باباجی تو ہماری والدہ کے علم کی وراثت ہیں۔ اسے ہم دونوں بھائیوں میں تقسیم ہونا

چاہئے۔ بڑے بھائی سے تو میں یہ نہ کہہ سکا لیکن یہ خواہش مجھے بے قرار کرنے لگی اور میں باباجی قربت کی خواہش سے تڑپنے لگا۔ ایک روز میں نے موقع پا کر باباجی سے یہ کہہ بھی دیا کہ آپ کبھی مجھے بھی زیارت اور خدمت کا موقع دیں۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہماری زیارت اور خدمت کا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جاؤ۔ اس کے لئے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں اپنا نفس مطیع کرنا پڑتا ہے تم ابھی بچے ہو۔ میں نے مجاہدے سے مراد یہی لی کہ وہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ چلے وغیرہ کرو۔ ایک روز میں نے اخبار میں پڑھا کہ میانی صاحب کے قبرستان میں عاملین چلے کاٹتے ہیں۔ خیر میں نے محلے کے مولوی صاحب سے چلے کے بارے کچھ معلومات حاصل کیں اور کچھ باتیں کتابوں سے پڑھنے کے بعد سمجھنے لگا کہ اب اس قابل ہو گیا ہوں کہ قبرستان میں جا کر چلہ کاٹ سکتا ہوں۔ اصل میں میرے دماغ میں جو بات آ جاتی ہے اور جو خواہش تنگ کرتی ہے میں اس کو پورا کرتا ہوں۔ بڑے بھائی کی عادت مختلف ہے۔ میں نے میانی صاحب میں بیس روپے دے کر گورکن سے پچاس سالہ پرانی قبر پر بیٹھ کر چلہ شروع کیا تھا۔ مجھے چلہ کاٹتے ہوئے تین روز ہی گزرے تھے کہ یہ بدکار کالی داس میرے سامنے حاضر ہو گیا۔ میں سمجھا کہ بابا جی آ گئے ہیں۔ مجھے کیا تمیز تھی۔ میں تو اس وقت یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ جنات اشکال بدلنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ میں نے اسے باباجی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اس نے بھی مجھے باباجی بن کر ہی حوصلہ دیا اور کہا کہ اب مجھے مزید چلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے دل کھول کر بڑے بھائی کے خلاف باتیں کیں اور اس سے اس کی حاضری کے کلمات حاصل کر لئے۔ میں خود کو بڑا خوش قسمت سمجھتا تھا کہ میں دنیا کا واحد عامل ہوں جس نے چالیس روز کی بجائے صرف تین روز میں ایک جن کو قابو کر لیا ہے لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھے پہلے ہی قدم پر گمراہ کر دیا گیا تھا اور میں عامل کی بجائے معمول اور موکل بن کر رہ گیا ہوں۔

میں نے اب گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ کالی داس نے مجھے لاہور کی ایک پرانی بستی کا ایک مکان لے کر دے دیا۔ اس بستی میں ہندو رہتے ہیں۔ میں نے اس بارے کوئی پوچھ تاچھ نہیں کی بلکہ میرے اندر گھمنڈ پیدا ہونے لگا تھا۔ کالی داس روزانہ حاضری دیتا تھا۔ اس نے مجھ پر خود کو آشکار نہیں کیا تھا۔ وہ خود کو مسلمان جن ہی ظاہر کرتا تھا۔ اصل میں وہ باباجی سرکار کو اچھی طرح جانتا تھا اس لئے وہ مجھے استعمال کر رہا تھا۔ کالی داس آہستہ آہستہ کھلنے لگا تھا۔ میں نے اس بستی میں چند آسیب زدہ مریضوں کا علاج کیا تو لوگ میرے پاس آنے لگے۔ پیسہ بھی آنے لگا اور مریدین بھی۔ ایک روز کالی داس نے مجھے کہا کہ اگر تم کچھ کالے عمل وغیرہ سیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں سکھا دوں گا۔ میں اس وقت حیران نہیں ہوا کہ ایک مسلمان جن مجھے شیطانی علم سکھانے کی بات کیوں کر رہا ہے۔ اصل میں جب خواہشات کی تکمیل کا شمار ہو تو انسان کسی ناجائز بات کی

بھی پرواہ نہیں کرتا۔ میں نے حامی بھر لی اور یہ مجھے ہندوؤں کے مندروں اشنان گھاٹ اور مرگھٹ وغیرہ پر لے جانے لگا۔ پھر ایک روز اس نے مجھے ایک ایسا عمل سکھایا جس کو یاد کرتا ہوں تو میری روح کانپ جاتی ہے۔ یہ عمل سکھانے کے بعد اس نے مجھے کہا کہ اب تم اپنے گھر میں اس وقت یہ عمل کرنا جب تمہارا بھائی بابا جی یعنی میری حاضری لگائیں۔ اس طرح میں ان کی قید سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ میں نادان تھا یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ جب وہ خود میرے پاس آ تا جاتا ہے تو پھر کس قید کی بات کر رہا ہے خیر۔ میں وہ سفلی علم سیکھنے کے بعد گھر گیا۔ بھائی عموماً جمعرات کو بابا جی کی حاضری لگاتے تھے لیکن اس روز بابا جی چند مریضوں کے علاج کے لئے حاضری دے رہے تھے۔ بھائی جب آسیب زدہ مریضوں کا علاج کر کے فارغ ہوئے اور بابا جی کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے تو میں نے کالی داس کا سکھایا ہوا عمل کرنا شروع کر دیا۔

خدا کی پناہ۔ ایسا حشر برپا ہو گا کیسا قہر رونما ہو گا۔ میرے تو ہوش اڑ گئے۔ بڑے بھائی کو تو سمجھ ہی نہیں آ سکی تھی کہ یہ کیا ہوا ہے اور میں کیا کھنے جا رہا ہوں۔ اگر چہ وہ مجھ سے شاکی رہتے تھے لیکن وہ یہ بات اپنے ذہن میں نہیں لاتے تھے کہ میں ان سے بدگماں رہتا ہوں۔

میں نے اس عمل کے ابھی دو جاپ ہی کئے ہوں گے کہ کمرے میں بھونچال آ گیا۔ بابا جی اتنے زور سے ڈکرائے تھے کہ گھر کی دیواریں تھرا گئیں۔

"کیا ہوا سرکار" بھائی پریشان ہو گیا تھا

"کون ہے یہ" بابا جی قہر و جلال میں چنگھاڑتے تھے "کس نے لعنتی کوڑا لہرایا ہے" بابا جی نے فضا میں ہاتھ بلند کئے تو ان کے سینکڑوں شاگرد ٹمٹماتے ستاروں کی طرح فضا میں تیرنے لگے اور پھر دوسرے ہی ثانیے آواز گونجی۔ "حضرت...... ریاض شاہ کالا عمل کر رہا ہے"

"ریاض شاہ...... اوئے بدبخت تو کیا کر رہا ہے مجھے جہنمی آگ کے آتش آلود کوڑے مار رہا ہے۔ اوئے بدبخت انسان تو کیسا گناہ کر رہا ہے۔ یہ کالا عمل کر کے مجھے ختم کرنا چاہتا ہے لیکن قسم ہے مجھے خدائے لم یزل کی تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا" یہ کہہ کر بابا جی نے اتنے زور سے مجھے تھپڑ مارا کہ میرا سر دیوار سے جا ٹکرایا اور میں بے ہوش ہو گیا

ہوش تو اس وقت آئے جب بڑے بھائی اور بابا جی آپس میں باتیں کر رہے تھے اور مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ دراصل مجھے کالی داس نے گمراہ کیا تھا۔ وہ بابا جی کے بہروپ میں مجھے چکمہ دیتا رہتا تھا۔ بڑے بھائی میرے فعل پر شرمندہ ہو کر بابا جی سے معافیاں مانگ رہے تھے۔ مجھے ہوش آ گیا تھا لہٰذا میں نے یہی دیکھا

کہ اب میرے لئے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے تو میں بابا جی اور بھائی کے قدموں میں گر گیا اور اپنے گناہ اور غلطی کا اعتراف کیا۔ بابا جی نے معاف کر دیا اور کہا کہ وہ ایسے جن ہیں جو چلوں سے امیر نہیں ہوتے صرف کمزور اور کم علم جنات کو عملیات و وظائف سے قابو کیا جا سکتا ہے۔ کالی داس نے جان بوجھ کر مجھے گمراہ کیا تھا۔ اس کی بابا جی کے ساتھ جنگ رہتی تھی وہ بدی کا محافظ تھا اور بابا جی نیکی کے پرچارک۔ کالی داس اور بابا جی کی لڑائی بھی ایک طویل داستان ہے۔ خیر بابا جی نے مجھے معاف کر دیا اور میں نے بھی انہیں بتا دیا کہ میں ان کی قربت کا متمنی ہوں اور ان کے بغیر جی نہیں سکتا۔ بڑے بھائی تو نہیں چاہتے تھے کہ بابا جی میرے پاس آیا کریں لیکن میں نے کچھ اس انداز میں اپنی محبت کا اظہار کیا اپنی والدہ کا واسطہ دیا اور کہا کہ اگر انہوں نے میرے سر پر دست شفقت نہ رکھا تو میں بہک جاؤں گا۔

پس بابا جی نے مجھے کچھ علوم سکھائے اور میرے پاس بھی آنے لگے لیکن کالی داس کا دیا ہوا علم مجھے تنگ کرنے لگا۔ کالا علم گندگی میں زندہ رہتا ہے اور روحانی نورانی علم پاکیزگی کا تقاضا کرتے ہیں۔ میں کالے علم سے تائب تو ہو گیا ہوں لیکن ابھی تک میری کمر پر اس خبیث کی دستک جاری رہتی ہے۔ کل جب میں نے تمہیں قبرستان بھیجا تھا تو اس کالی داس نے ہی تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اب تم سوچ رہے ہو گے کہ بابا جی مجھ پر ناراض کیوں ہو رہے تھے۔ بابا جی کی ناراضی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے ان سے اس قدر شدید محبت ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی اور رشتہ اس محبت پر غالب آ سکے۔ بابا جی سے عقیدت اور محبت کا ہی نتیجہ ہے کہ مجھ جیسا ضدی اور ہٹ دھرم انسان ان سے معافیاں مانگ لیتا ہے۔ وہ میرے لاڈ اور بے وقوفیاں برداشت کرتے رہتے ہیں لیکن جب کوئی معاملہ بعض حدود کی قید سے باہر ہو جائے تو بابا جی ناراض ہوتے ہیں" شاہ صاحب کہہ رہے تھے

"کیا کالی داس کے سامنے آنے کی وجہ سے بابا جی ناراض ہوئے ہیں" میں نے دریافت کیا۔

"ایک وجہ تو یہ بھی ہے۔ لیکن اصل حقیقت اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے" یہ کہہ کر سید ریاض شاہ نے اپنا تھیلا کھولا اور اس میں سے ایک تھیلی اور لمبی شیشی نکالی اس میں گہری اور سرخی مائل کوئی مائع شے تھی۔ انہوں نے شیشی کھولی اور مائع شے کے چند قطرے ہتھیلی پر ڈالے تو کمرے میں کافور سے ملتی جلتی مگر قدرے تیز مہک آنے لگی۔ شیشی بند کر کے تھیلی میں ڈال دی اور ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑ کر مائع شے اپنے بالوں میں لگانے لگے۔ میری محویت دیکھ کر بولے۔

"یہ تیل مجھے بابا جی نے بنا کر دیا ہے۔ یہ گھنگریالے اور گھنے بال اس تیل کی وجہ سے ہیں۔ بابا جی کا کہنا ہے کہ جس انسان کے پاس جنات قید ہوں یا اس کے پاس آتے ہوں تو وہ خوشبویات لگا کر رکھتا ہے۔ جنات کو خوشبویات بہت پسند ہوتی ہیں بلکہ بعض خوشبوئیں تو انہیں دیوانہ بنا دیتی ہیں جبکہ بہت سی خوشبوئیں تو ایسی بھی ہیں جو جنات اور بدروحوں کو قید کرنے سے قبل استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ تسخیری اور سحری قسم کی خوشبوئیں تیار کرنا دل گردے کا کام ہے۔ بابا جی نے مجھے ایسی ہی خوشبو سے تیل تیار کر کے دیا ہے۔ اس میں کافور بھی ہے اور سانپ کی چربی سے نکلا ہوا جوہر بھی اور بھی بہت سی اشیا اس میں شامل ہیں"

ان دنوں میرے سر کے بال کمزور ہو رہے تھے اور تیزی سے گر رہے تھے۔ میں بے اختیار ہو کر انگلیاں بالوں میں پھیرنے لگا تو شاہ صاحب دھیرے سے مسکرانے لگے۔

"لگاؤ گے"

"کیا ایک ہی بار لگانے سے گرنا بند ہو جائیں گے" میں نے تجسس سے پوچھا

"نہیں چند ہفتے تک لگانا ہی پڑے گا یہ تیل...... ویسے بڑا مہنگا اور نایاب ہے۔ بابا جی نے جن اطبا سے یہ نسخہ حاصل کر کے بنایا ہے بابا جی خود بھی حکمت جانتے ہیں" شاہ صاحب کی باتوں میں میرے لئے دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ جنات کی دنیا کی حکایات ان کے معمولات اور تہذیب وتمدن سے متعلق بہت سی ان کہی باتیں ان کے ذریعے دریافت کی جا سکتی ہیں۔ پس یہ سوچ کر میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک حالات موافق رہیں گے میں ان سے کسی نہ کسی طرح یہ باتیں معلوم کرتا رہوں گا۔

"یہ لو...... تمہارے لئے تو ایک ہی قطرہ کافی ہوگا" شاہ صاحب نے شیشی دوبارہ نکالی اور میری ہتھیلی پر تیل کا ایک قطرہ ٹپکا کر کہا "ہاتھوں کو اچھی طرح رگڑ لو اور پھر ہتھیلیاں بالوں سے صاف کر لو۔ یہ بڑا زوداثر تیل ہے"

تیل کی مہک سے میرے دماغ سے بخارات اٹھنے لگے تھے۔ میرے جیسے بندے سے ایسی خوشبو جس میں ذہنی اشتہا اور مخموری بڑھتی ہے وہ کچھ ایسی ہی خوشبو تھی۔

"دماغ بھی روشن ہو جائے گا۔ نظر بھی تیز ہوگی۔ اس تیل کے بہت فائدے ہیں۔ تم خود جان جاؤ گے۔ اگر کوئی بوڑھا بھی یہ تیل لگائے تو اس کی صحت بہتر ہو جاتی ہے" شاہ

صاحب معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔ میرے لئے ان کی یہ بات بڑی عجیب تھی مگر میری حیرت اس وقت گم ہو گئی جب مجھے اپنی ہتھیلیوں اور سر پر تپش سی محسوس ہونے لگی۔ یوں لگنے لگا جیسے مارفیا کا ٹیکہ مجھے لگا دیا گیا ہے۔ اک نشہ یا خمار تھا یا تازگی جو جیون کو نئی امنگوں سے بھر دیتی ہے۔ طبیعت میں افتادگی اور اضطرابی حساسیت بڑھ جاتی ہے۔ اچھا بھلا انسان بن پئے جھومنے لگتا ہے۔ میری آنکھوں میں بھی خمار بھری غنودگی اور تپش بڑھنے لگی۔ شاہ صاحب میری کیفیت دیکھتے رہے اور دھیرے دھیرے مسکراتے بھی رہے۔

"میں تمہیں یہ تیل دے دوں گا۔ تمہارے بال ہی نہیں تمہاری عمومی صحت بھی زبردست ہو جائے گی" وہ بولے تو مجھے بابا جی کی ناراضی یاد آ گئی اور جہاں سے گفتگو منقطع ہوئی تھی وہاں سے دوبارہ شروع کر دی۔

"شاہ صاحب آپ کچھ بتا رہے تھے کہ بابا جی کس وجہ سے ناراض ہوئے تھے"

"ہاں" وہ یاد کرتے ہوئے بولے "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں کالے علم سے تائب ہو گیا تھا لیکن میری کمر پر اب بھی شیطان تھاپڑا دینے آتا ہے۔ شیطان بڑا ڈھیٹ اور کمینہ ہے اس کی عزت نفس نہیں ہے۔ جتنا دھتکارو گے اتنا ہی قریب آنے کی کوشش کرے گا۔ کبھی اپنی بے عزتی محسوس نہیں کرتا۔ زلیخا پر جب حویلی کی چڑیلوں نے حملہ کیا تو اس وقت میرے ذہن میں غیر ارادی طور پر کالا علم استعمال کرنے کا خیال پیدا ہو گیا۔ اس کی شاید یہ وجہ تھی کہ حملہ بڑا زوردار تھا اور میرے پاس بابا جی بھی نہیں آ سکتے تھے۔ میرے پاس اصل طاقت تو بابا جی ہیں۔ میں نے زلیخا کو موت کے منہ سے بچانے کے لئے صرف یہی طریقہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ پس میں گمراہ ہو گیا اور کالا علم استعمال کر گیا۔ لیکن مجھے اس وقت ہوش آ گیا جب زلیخا ہوش میں آئی۔ میں نے قبرستان میں تمہیں اس لئے بھیجا تھا کیونکہ میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس حملے کی کاٹ کا تقاضا تھا کہ بعض عملیاتی اشیا کو قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ جانا تو مجھے ہی چاہئے تھا لیکن میرے جانے سے یہ ہو سکتا تھا کہ کالی داس اور میرے درمیان معاملات بگڑ جاتے اور میں اس سے اپنا انتقام لینے پر تل جاتا۔ بابا جی کو یہ سب بہت برا لگا تھا۔ اگرچہ میں نے ان سے یہ کہا بھی کہ یہ سب مجبوری کے عالم میں کیا ہے مگر وہ نہیں مانے۔

میں نے بابا جی سرکار سے تقاضا کیا کہ یہ صرف اسی صورت ہو سکتا ہے کہ جب مجھے مزید علوم سکھا دیں۔ کسی ناگہانی کیفیت میں کالے علم سے استفادہ کرنے سے باز نہ آ سکوں گا۔ بابا جی یہ بات سمجھتے ہوئے بھی ناراض تھے۔ ان کا فرمانا تھا کہ تم نے شرک اور گمراہی کا راستہ کیوں اختیار کیا۔ میں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ بابا جی کا اندازہ درست تھا کہ کالی داس تمہاری جان لے سکتا تھا۔ مجھ سے اندازے کی بھول ہو گئی تھی'' میں نے محسوس کیا کہ شاہ صاحب اپنی غلطی تسلیم تو کر رہے تھے مگر ان کی آنکھیں چغلی کھا رہی تھیں۔ اس وقت میں اس قدر بھی قیافہ شناس اور جہاندیدہ نہیں تھا کہ کوئی رائے قائم کر کے اس کی سچائی سامنے آنے کا منتظر رہتا۔ میں تو بابا جی اور شاہ صاحب کے سحر میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا اور مجھے کوئی ایسی بات جو انسانی رویوں کے منفی پہلوؤں کو آشکار کرتی تھی بری نہیں لگتی تھی۔

میں شاہ صاحب کے پاس خاصی دیر تک بیٹھا رہا۔ میری پڑھائی شدید متاثر ہو رہی تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج رات پیپر کی دہرائی کروں گا لہٰذا میں نے شاہ صاحب سے کہہ دیا کہ آج رات میں دل لگا کر پڑھنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے بھی کہا کہ واقعی مجھے پڑھائی پر توجہ دینی چاہئے۔ میں ان سے اجازت لے کر اپنے کمرے میں آیا اور کتابیں لے کر بستر پر بیٹھ گیا اور تکئے سے ٹیک لگا کر کتاب کھول کر ورق گردانی کرنے لگا۔ معاً ایک سفید تہہ شدہ کاغذ کتاب میں سے سرک کر باہر نکل آیا۔ کسی نے نہایت تہذیب کے ساتھ یہ کاغذ تہہ کر کے کتاب میں رکھا تھا۔ مگر کس نے؟ میں نے تو یہ کاغذ نہیں رکھا تھا۔ میں نے کاغذ کھولا تو تحریر پر نظر پڑتے ہی ذہن میں کئی جھماکے ہوئے۔ بدن میں خوشگوار سی سنسنی پھیل گئی۔ یہ زلیخا کی تحریر تھی۔ اس نے پروین شاکر کی ایک نظم ''صرف میں ایک لڑکی ہوں'' تحریر کی تھی۔ نظم کیا تھی زلیخا کے دل کا جوار بھاٹا تھا۔ اس کی بے کسی کا نوحہ اور لاچارگی کا پیرہن تھی۔ میں نظم پڑھنے لگا۔

اپنے سرد کمرے میں
میں اداس بیٹھی ہوں
نیم وا دریچوں سے
نم ہوائیں آتی ہیں
تیرا نام لے لے کر

مجھ کو گدگداتی ہیں
کاش میرے پر ہوتے
ترے پاس اڑ آتی
کاش میں ہوا ہوتی
تجھ کو چھو کے لوٹ آتی
میں نہیں مگر کچھ بھی
سنگ دل رواجوں کے
آہنی حصاروں میں
عمر قید کی ملزم
صرف ایک لڑکی ہوں

میں نے یہ نظم کئی بار پڑھی تھی اور ہر لفظ میں مجھے زلیخا کا مغموم چہرہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کی خاموش نگاہوں سے بہنے والے قطرے حرف حرف ٹپک کر اس کاغذ پر منتقل ہو گئے تھے۔ میں نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔ میرا دل غم سے بھر گیا تھا۔ زلیخا ریاض شاہ سے شادی کی رضامندی ظاہر کر چکی تھی اور اب تو ایک آدھ روز بعد اس کی شادی تھی۔ پھر اس نے مجھے یہ نظم کیوں لکھ کر بھیجی تھی۔ کیا اس کے دل میں میرے لئے کوئی دلگداز جذبہ موجود تھا۔ مگر اس نے تو کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ شاید ہم دونوں خاموش وہاں سے اپنے قلبی معاملات کو ہواؤں پر لکھتے رہے تھے جو آج ایک کاغذ پر منتقل ہو کر میرے پاس اڑ آیا تھا۔

میں بے قراری سے کمرے میں ٹہلنے لگا

''زلیخا...... تم نے بہت دیر کر دی ہے'' میں خود کو کوسنے لگا۔

''مگر احمق آدمی۔ تمہارا اس سے کیسا بندھن اور پھر ہماری عمریں ہی کیا ہیں۔ میں اس کے قابل ہی نہیں ہوں'' مجھے اس خیال سے بھی اب شرم آ رہی تھی کہ میں اپنے دوست کے گھر میں ہوں اور اس کی ہمشیرہ کے ساتھ میرے قلبی معاملات بڑھ رہے تھے۔ اگرچہ اس کے اظہار کا کبھی موقع نہیں ملا تھا مگر اب یہ ایسا بھی نہیں رہا تھا کہ میں یہ نہ جان پاتا کہ زلیخا میرے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہے۔

اس وقت میرے لئے زلیخا کی یہ لکھی ہوئی نظم سوالیہ نشان بن گئی تھی اور ذہن میں بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ زلیخا نے یہ نظم اس وقت کیوں لکھی ہے اور اس کا مطلب کیا ہے۔ میں نے بالآخر فیصلہ کیا کہ مجھے کم از کم ایک بار زلیخا سے مل لینا چاہئے۔ لہٰذا میں اس کی طبیعت معلوم کرنے کے بہانے زنان خانے کی طرف چل دیا۔ میرے لئے اس گھر کے سبھی دروازے مہربان تھے اور مجھے کبھی اجنبی نہیں سمجھا گیا تھا۔ مجھ سے کسی کو پردہ بھی نہیں تھا۔ زلیخا اور چاچی باہر والے کمرے میں بڑے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ سامنے ایک ریشمی جوڑا کھلا پڑا تھا اور چاچی اس کی تہیں بٹھا رہی تھیں۔

''زلیخا۔ یہ تجھ پر بڑا سجے گا۔ میری جان تو پری لگے گی پری۔ بابا جی پریوں کے دیس سے تیرے لئے شادی کا جوڑا لے کر آئے ہیں''

زلیخا اپنی ماں کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ ایک ٹک ریشمی جوڑے کو دیکھے جا رہی تھی۔ میں گلا کھنکار کر اندر داخل ہوا اور سلام لی تو چاچی مجھے دیکھتے ہی بولی۔

''آ جا پتر ...... دیکھ یہ کیسا جوڑا ہے'' چاچی اس کا عروسی جوڑا مجھے دکھاتے ہوئے بولیں۔

''بہت خوبصورت ہے۔ اپنی زلیخا پر خوب سجے گا'' میں نے چاچی کے دل کی بات کہی تو وہ شکوہ کے انداز میں بولی۔

''دیکھ میں نہ کہتی تھی لیکن یہ کچھ بولتی ہی نہیں۔ تو ادھر بیٹھ شاہد پتر ...... میں تمہیں اس کے گہنے دکھاتی ہوں'' یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئیں۔ میں چارپائی کے پاس کھڑا رہا۔

''کب تک اس بیچارے جوڑے کو گھورتی رہو گی'' میں نے زلیخا کو مخاطب کیا

اس نے چہرہ اٹھایا اداس اداس نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔ جس میں شکوے حرف حرف بن کر تیر رہے تھے۔

''نظم میں نے پڑھ لی ہے۔ زلیخا'' میں آہستگی سے رنجیدہ لہجے میں بولا ''یہ نظم مجھے بھیجنے کا مطلب؟''

وہ خاموش رہی۔ اس کے لب بے بس تتلی کی طرح پھڑ پھڑائے مگر کوئی لفظ زبان سے ادا نہ کیا۔

''زلیخا کب تک خاموش رہو گی۔ بتاتی کیوں نہیں۔ کیا تم جانتی ہو اس کا مطلب کیا

ہے۔ زلیخا تم نے مجھے ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے'' یہ بات کہتے کہتے بہت سے آنسو میرے گلے میں اٹک گئے۔ زلیخا مجھے تکے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہزاروں شکوے تھے۔

''میری آنکھوں میں تو آنسو بھی نہیں آتے'' وہ گلوگیر اور شکستہ لہجے میں بولی ''جس لڑکی کے آنسو مر جاتے ہیں اس کی باتیں بھی دفن ہو جاتی ہیں۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میری بربادی کا تماشا نہ دیکھو تم۔ یہ سب لوگ نہیں جانتے مگر میں جانتی ہوں تمہیں اس حویلی سے اتنا پیار کیوں ہے۔ میں شاید تم سے آج کے بعد کچھ نہ کہہ پاؤں گی۔ بس یہی التجا کرتی ہوں کہ واپس چلے جاؤ اور پھر ...... ہو سکے تو مجھے بھول جانا۔ میں ایک مجبور لڑکی ہوں۔ میرا اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے''

''زلیخا کاش ...... تم پہلے بول پڑتی۔ کاش تم نے اپنے جذبوں کو زبان دی ہوتی تو میں ...... میں اور تم آج اس دوراہے پر کھڑے نہ ہوتے'' میں بمشکل بولا اسی لمحہ چاچی اندر آ گئی اس نے ایک سرخ ڈبے میں زلیخا کے گہنے رکھے تھے وہ ایک ایک گہنا چوڑیاں کڑے مجھے دکھانے لگیں۔

''یہ ہمارا خاندانی گہنا ہے پتر ہے میں سارے زیور اپنی بچی کو دے دوں گی میری زلیخا شہزادی لگے۔''

''بدنصیب نصیبوں جلی شہزادی ماں'' زلیخا آہستہ سے بولی اور پھر اٹھ کر اندر چلی گئی۔

چاچی ایک سادہ عورت تھی اسے کیا معلوم تھا کہ زلیخا کے ان لفظوں میں کیا حکایات اور کیسے کیسے آسودہ ارمان چھپے ہوئے تھے

''چاچی وہ زیور کہاں ہے جو بابا جی لائے تھے'' میں نے پوچھا

''وہ تو شاہ صاحب کے پاس ہیں۔ انہوں نے کل مجھ سے لے لئے تھے کہ میں ان کا ڈیزائن تبدیل کرانا چاہتا ہوں''

''کل کس وقت'' میں نے بے اختیار ہو کر پوچھا

''کل صبح'' وہ بولیں

''جب پولیس آئی تھی اندر ...... اس وقت''

''ہاں ہاں ...... اس پانچ دس منٹ پہلے ہی آئے تھے مگر تو کیوں پوچھ رہا ہے''

''بس ویسے ہی...... میں نے سوچا کہ یہ گہنے دیکھے ہیں تو زلیخا کے سسرالی زیور بھی دیکھ لوں'' میں نے بات بدل دی۔ میں کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں چلا گیا مگر اب پڑھائی میں میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ زلیخا کی شکوہ بھری آنکھیں میرے ذہن پر سوار تھیں اور میں خود کو کوس رہا تھا کہ تم نے بہت دیر کر دی ہے۔ بہت دیر اب تم کبھی زلیخا کو حاصل نہیں کر پاؤ گے۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری اس بے قراری کا کوئی اور بھی تماشا دیکھ رہا ہے۔ جب خاصی دیر ہو چکی تو مجھے غازی کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

''بھیا......اب آرام سے بیٹھ بھی جاؤ۔ کس پریشانی میں غرق ہو''

میں چونک پڑا۔ غازی میرے بستر پر دراز تھا

''بھیا تم کیا سمجھتے ہو میں اس بے قراری کو نہیں سمجھتا۔ میں کب سے تمہارے پیچھے جاسوسی کرر ہا ہوں''

''کک کیا مطلب'' میں بڑبڑا گیا۔''تم کیا جانتے ہو''

''بھیا...... میں نہیں جانتا۔ تو پھر لعنت ہے میرے جن ہونے پر'' وہ افسردہ سا ہو کر بولا ''میرا بھائی ارمان مر گیا اور کہتے ہو میں نہیں جانتا۔ میں ابھی بچہ ہوں مگر میری عقل اور نظر بچوں جیسی نہیں ہے''

''میں گھبرا گیا دیکھو غازی تم کسی سے یہ بات نہیں کرو گے'' میں اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''کس سے نہ کروں...... ملک صاحب سے یا باباجی سے...... یا پھر شاہ صاحب سے''

''کسی سے بھی نہیں''

''بھیا......اس بات کا صرف حویلی کے مکینوں کو پتہ نہیں ہے۔ باباجی اور شاہ صاحب تو سب کچھ جانتے ہیں اور یہ جو نظم تم ابھی پڑھ رہے تھے یہ جب لکھی جا رہی تھی اور جب تمہارے کمرے میں پہنچائی گئی تب بھی وہ سب آگاہ تھے''

میں شرم سے پانی پانی ہو گیا اور میری زبان کو تالا لگ گیا

''باباجی کیا سوچیں گے'' غازی استفہامیہ انداز میں بولا۔ یہی سوچ رہے ہو''

میں نے اثبات میں سر ہلایا

''مگر وہ تم سے نہیں پوچھیں گے۔ میں جانتا ہوں سرکار کو......شاہ صاحب بھی اس کا ذکر

نہیں کریں گے۔ وہ سب تم پر مہربان ہیں اور آج تمہیں باباجی اپنے ساتھ کہیں لمبے سفر پر لے جانا چاہتے ہیں۔ میں ان کا پیغام لے کر آیا تھا لیکن تمہیں ہجر و وصل میں گرفتار دیکھ کر میں کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا

''غازی...... یہ بری بات ہے یار۔ دوسروں کے راز نہیں پڑتے'' میں نے شکوہ کیا

''ہم سے کیا راز ...... ہم تو ہوا ہیں۔ ہماری نظریں تو ہر سو ہوتی ہیں۔ ہم سے کیا پردہ بھیا'' وہ بستر پر کھڑا ہو گیا۔'' چلو اب باباجی یاد کر رہے ہیں'' میں غازی کی معیت میں مہمان خانے میں پہنچا تو باباجی سرکار اپنے چند مریدوں کے ساتھ ظاہری خدوخال کے ساتھ موجود تھے۔ شاہ صاحب رنگیلڈی کرسی پر بیٹھے تھے اور وہ سب مجھے اس انداز میں دیکھ رہے تھے جیسے عدالت میں جج اور وکیل کسی ملزم سے جرح کے لئے تیار بیٹھے ہوتے ہیں۔ میں اندر سے بہت شرم اور خوف محسوس کر رہا تھا

''آؤ ادھر میرے پاس آؤ'' باباجی نہایت مشفق انداز میں بولے

''سناؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے''

''آپ کی دعا چاہئے۔ پڑھائی تو بس واجبی سی ہے'' میں نے نظریں جھکا کر کہا مجھ میں تاب نہیں تھی کہ باباجی کی طلسماتی اور گہری سرگیں نظروں سے نظر ملا سکتا۔ ان کی نظریں میرے اندر اتر جاتی تھیں اور ہر شے اتھل پتھل ہو جاتی تھی۔

''فکر نہ کرو...... انشاءاللہ تم پاس ہو جاؤ گے۔ ہم سے قریب اور الفت رکھنے والے کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوتے'' باباجی نے میری کمر پر ہاتھ پھیرا اور بولے'' میں تمہیں آج ٹاہلی والی سرکار کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں گا۔ میں اور غازی تمہارے ساتھ ہوں گے''

''جی سرکار'' میں نے کہا'' کب جانا ہے؟''

''ابھی'' باباجی نے کہا'' ٹاہلی والی سرکار آج اس قبرستان میں چلہ کاٹ رہے ہیں جہاں تم کل گئے تھے اور کالی داس تم پر حملہ آور ہوا تھا۔ آج ہم تمہارے ساتھ ہوں گے اور ہاں'' شاہ صاحب بارہ سیاہ بکروں کا بندوبست بھی ہو گیا ہے۔ چاولوں کی دس دیگیں میٹھی بھی تیار ہیں۔ ٹاہلی والی سرکار کی نذر نیاز کا اہتمام کرنا ضروری ہے پتر۔ تم نہیں جانتے یہ درویش لوگ کیا شے ہوتے ہیں۔ آج ہم تمہیں ایک درویش کی مجلس اور ہم

لوگوں کے معاملات کی ایک جھلک دکھائیں گے‘‘ میں اس رات بابا جی اور غازی کے ساتھ نہر کنارے قبرستان میں چلا گیا۔ بابا جی عام انسانوں کی طرح میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جب ہم گاؤں سے باہر نکل گئے تو آوارہ کتوں کا ایک غول کہیں سے نمودار ہوا اور پھر اچانک انہیں کیا ہوا وہ خوفزدہ ہو کر بھونکنے لگے یہ دیکھتے ہی بابا جی کچھ دیر کے لئے غائب ہو گئے اور کتے بھی خاموش ہو گئے۔

یہ ایک بڑا عجیب منظر تھا۔ کتے ابھی تک بھونک رہے تھے کتوں کے مسلسل بھونکنے سے گاؤں کا چوکیدار بھی ہراساں ہو گیا تھا اور اس نے اونچی اونچی آوازیں دینا شروع کر دیں۔

’’ہوشیار ہو جاؤ بھئی۔ ہوشیار...... جاگتے رہو بھی جاگتے‘‘

میں خود بھی پریشان ہو گیا کہ اگر چوکیدار ادھر آ گیا اور اس نے مجھے رات گئے قبرستان کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اسے کیا کہوں گا۔ بابا جی اور غازی غائب تھے۔ میں اب ایک درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا تھا۔ مجھے خوف تھا کتے اکھٹے ہو کر میری طرف نہ آ جائیں۔ یہ آوارہ کتے تھے جو اجنبی کو دیکھ کر اس کو کاٹنے سے باز نہیں آتے۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لئے فیصلہ کیا کہ اگر کتے میری طرف بڑھے میں تو میں درخت پر چڑھ جاؤں گا۔ اتفاق دیکھئے کہ جب میں نے یہ فیصلہ کیا تو اس وقت تک کم از کم دس بارہ کتے اکٹھے ہو گئے تھے اور گروہ کی صورت میں میری طرف بڑھنے لگے تھے مجھے کبھی درخت پر چڑھنا نہیں آیا۔ اگر کوئی شاخ دار اور ٹنڈ والا درخت ہو اور اس پر اوپر چڑھنے کے لئے کوئی سہارا موجود ہو تو درخت پر چڑھ سکتا تھا۔ میں نے خود کو بچانے کے لئے درخت کی پناہ تو لی تھی مگر جب اس پر چڑھنے کا سوال آیا تو میرے پسینے چھوٹ گئے۔ میں نے اس کے تنے پر ابھرے ہوئے ایک ٹنڈ پر پاؤں رکھا اور اس سے چمٹ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی تو تھوڑا سا اوپر جاتے ہی میری سانس پھول گئی اور میں درخت کے ساتھ پھسلتا ہوا نیچے آ گرا۔

اس وقت تک کتے میرے بہت قریب آ گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ کتے اب خوفزدہ ہو کر نہیں بھونک رہے بلکہ ان کے اندر خوفنا کی اور جارحیت آ چکی تھی اسی لمحہ گاؤں کی ایک گلی سے چوکیدار بھی برآمد ہو گیا۔ وہ اپنی زبان میں کتوں کو پچکارنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ اور

بھی لوگ نظر آ رہے تھے سب کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں۔ میرے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا اور پھر مجھے کچھ نہیں سوجھی تو میں اونچی اونچی آواز میں غازی اور بابا جی کو کوسنے لگا جو مجھے کتوں کے سامنے بے یارومددگار پھینک کر بھاگ گئے تھے۔ میں نے اس لمحہ بھاگنے کا بھی فیصلہ کیا مگر پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ میں اتنی تیز نہیں بھاگ سکوں گا، جتنی تیزی میں یہ کتے مجھ تک پہنچ سکتے تھے۔ مجھے بچاؤ کی کوئی امید نظر نہ آئی تو میں نے اونچی اونچی آواز میں چوکیدار کو پکارنے کا فیصلہ کر لیا لیکن یہی وہ لمحہ تھا جب درخت کے اوپر شور بلند ہوا اور ایسا لگا جیسے درخت کے اوپر عذاب نازل ہو گیا ہے اور کوئی بہت بھاری بھرکم شے درخت پر گری ہے۔ میں بے ساختہ درخت کے نیچے سے ہٹ گیا اور پھر میں نے ایک اور عجیب منظر دیکھا۔

کتے اب درخت کی طرف دیکھ کر بھونکنا شروع ہوئے تھے مگر اب ان کی جارحیت دم توڑ گئی تھی وہ خوفزدہ ہو کر بھونکنے لگے تھے اور الٹے قدموں پیچھے کو ہٹتے جا رہے تھے۔

گاؤں کے چوکیدار کو اللہ نے بڑی خصوصیات سے نوازا ہوتا ہے۔ اس کی حسیات بڑی تیز ہوتی ہیں۔ رات کو اس کے ساتھ گاؤں کے کتے ہی نہیں چوکیداری کر رہے ہوتے بلکہ مرغیاں بکریاں اور دوسرے جانور بھی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ جب بھی گاؤں پر کوئی افتاد نازل ہوتی ہے چور ڈاکو آتے ہیں اجنبی گاؤں میں داخل ہوتا ہے تو سب سے پہلے کتے بھونکنا شروع کرتے ہیں۔ اگر کوئی کسی کے گھر میں داخل ہو جائے تو کتے اس کا تعاقب بھی کرتے ہیں۔ چوکیدار جانوروں کی آوازوں سے اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کس سمت میں کیا ہو رہا ہے لہٰذا وہ آفت کی طرح اس طرف پہنچ جاتا ہے۔ پس اس وقت گاؤں کے چوکیدار نے بھی بھانپ لیا تھا کہ کتے کسی شے سے خوفزدہ ہو گئے ہیں لہٰذا اس نے اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کو خبردار کر دیا ہو گیا............ اس وقت ان میں سے کسی نے بندوق کا فائر کر دیا تھا اور پھر لالٹین کی روشنی میں مدافعت سے نپٹنے کے لئے بکھر گئیں۔ اس کا مطلب تھا لوگ دائرہ بنا کر کسی غیر متوقع صورتحال سے نپٹنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔ مجھے اس وقت شدید خطرہ محسوس ہوا کہ ان لوگوں کے پاس بندوقیں بھی ہیں اور نہ جانے کون بغیر دیکھے مجھ پر گولی چلا دے۔ کتوں کے شور اور درخت کے اوپر برپا ہونے والے عجیب وغریب حالات نے میری قوت گویائی چھین لی تھی اور میں زمین پر بیٹھ گیا۔ اس لمحہ غازی کی آواز بہت قریب سے آئی

''بھیا......ادھر بھاگ آؤ''

''مجھ سے بھاگا نہیں جائے گا'' میں اچانک اٹھ پڑا تو مجھے اپنی ٹانگیں بے جان سی محسوس ہونے لگیں۔ خوف نے میرے اندر سے ساری قوت ختم کر دی تھی چونکہ ایک رات پہلے بھی میں ادھر قبرستان میں آیا تھا تو کالی داس سے خوفزدہ ہو کر میں بہت تیز بھاگا تھا مگر اب مجھ میں اتنی قوت ہی نہیں رہی تھی۔

''غازی...... میرے اندر بھاگنے کی سکت نہیں ہے'' میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا میری بات سن کر غازی بولا

''بھیا کوشش کرو میں تمہارے پاس نہیں آ سکتا تمہارے گرد کالی داس نے سحری دائرہ پھیلا رکھا ہے۔ اس وجہ سے تمہارے اندر ہمت نہیں رہی''

غازی کی بات سن کر میں مزید خوفزدہ ہو گیا اور مجھے حویلی کے باغیچے میں پیش آنے والا واقعہ یاد آ گیا۔

''میں کیسے ہمت کروں غازی'' میں لاچارگی کے مارے بولا ''اگر تم لوگ اس قدر بے بس ہو سکتے ہو تو میں کیا شے ہوں۔ میں کالی داس کا سحری دائرہ کیسے توڑ سکتا ہوں''

''میرے بھائی یہ تم کر سکتے ہو بابا جی سرکار نے درخت کے اوپر اپنی فوج اتاری تو ہے جس سے کتے خوفزدہ ہو کر بھاگنے والے ہیں مگر یہ معاملہ اب اتنا آسان نہیں رہا۔ حرام خور کالی داس نے اپنے ہرکاروں کو کتوں کو ادھر لانے پر مجبور کیا تھا اور اس نے جہاں تم کھڑے ہو وہاں تک سحری دائرہ قائم کر رکھا تھا۔ تمہیں پہلے بھی بتایا تھا بھیا کہ ہمارے اور کافر جنات کے درمیان جنگ چھڑنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا مگر تم لوگوں کی یہ بستیاں اس جنگ کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ اگر ہم نے کالی داس پر حملہ کر دیا تو پورے گاؤں کی چھتیں اڑ جائیں گی۔ گھر تباہ ہو جائیں گے اور پالتو جانور دہشت سے مر جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پورے علاقے میں جہاں اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں وہ جلال میں آ جائیں گے اور بابا جی سرکار کو اپنے جلال کا شکار بنا دیں گے۔ یہ ہستیاں کبھی نہیں چاہتیں کہ جنات چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر انسانی بستیوں میں جنگ و جدل کریں۔ اس لئے ہم مجبور ہیں بابا جی سرکار مصلحت اور حکمت کے تحت کالی داس کے خلاف کارروائی کر رہے ہیں جبکہ کالی داس ان کی مصلحت کو سمجھتے ہوئے اسے اپنے حق میں فائدہ مند بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تمہیں شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ کتے

جنات کو دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے ہیں جنات کو یہ حکم ہے کہ جب کسی انسانی بستی میں جائیں تو کتوں کے سامنے سے نہ گزریں۔ اللہ نے کتوں کو یہ قوت عطا کی ہوئی ہے کہ وہ جنات کی حقیقت بھانپ لیتے ہیں تم نے دیکھا ہے کہ جن گھروں میں کتے رکھے جاتے ہیں اگر وہاں کسی بھی قسم کی غیبی مخلوق جائے گی تو وہ بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔ مسلمان جنات اپنی حدود و قیود کے پابند ہوتے ہیں''۔

مجھے پہلی بار غازی کی باتیں سن کر افسوس ہوا۔ میں انہیں بے حد طاقتور سمجھتا تھا مگر وہ بھی بے بس تھا۔ اگر مجھے اس لمحہ کوئی نقصان پہنچ جاتا تو وہ میری کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتے تھے لہٰذا میں نے کہا۔

''غازی۔ میں تمہاری باتوں کا مطلب کیا سمجھوں۔ تم مجھے کالی داس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر عجیب باتیں سن رہے ہو''۔

''میرے بھائی ناراض کیوں ہوتے ہو''۔ غازی بولا۔ میں تمہیں ایک وظیفہ بتا رہا ہوں۔ اگر تم یہ پڑھ لو تو اس سحری دائرے سے باہر نکل سکتے ہو۔ یہ کہہ کر غازی نے مجھے آیت الکرسی کی چند آیات کو ایک خاص ترتیب اور تعداد کے ساتھ پڑھنے کی ہدایت کی۔ اس وقت بھی میرے ذہن میں کئی سوال اٹھے کہ غازی ان آیات کو خود پڑھ کر مجھے اس آفت سے کیوں نہیں بچا رہا۔ جنات بھی تو قرآن پاک پڑھتے ہیں انہیں بھی ثواب ملتا ہے۔ جنات بھی قرآن سے وظائف لے کر پڑھتے ہیں پھر اس نے مجھے ہی یہ وظیفہ پڑھنے کی ہدایت کیوں کی ہے۔ میں نے سوالات کو مؤخر کیا اور وظیفہ پڑھنے لگا تو کچھ ہی دیر بعد میرے اندر قوت و توانائی پیدا ہونے لگی۔ میں تیزی سے اٹھا اور غازی کی طرف بھاگ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے کچھ دیر پہلے میں نہ مقہور تھا نہ مجبور۔ غازی نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیز تیز قدموں سے قبرستان کی طرف چل دیا۔ میں نے عقب میں دیکھا گاؤں والوں کی آوازیں اس درخت کے گرد محسوس ہو رہی تھیں۔ درخت پر ابھی تک افتاد نازل تھی اور ماحول میں عجیب سی جھنجھناہٹ کا احساس بڑھ رہا تھا۔

غازی بولا۔ ''بھیا اب تو بھاگو''۔

وہ تیز تیز چل رہا تھا اور میں نے باقاعدہ دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا مگر مجھے اس کے قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے پسینہ آ رہا تھا۔ راستے میں ہی میں نے اپنے

سوالات کی پٹاری کھول دی اور شکوہ کے انداز میں کہا۔ ''غازی سچ تو یہ ہے کہ مجھے تمہارے رویہ نے کشمکش میں مبتلا کر دیا تھا''۔

''میں سمجھتا ہوں جو تمہارے دل میں خیال پل رہا ہے''۔ غازی بولا۔

یہ فطری سی بات ہے لیکن ایک بات یاد رکھو شاہد بھیا۔ تم انسان اللہ کی بہترین مخلوق ہو۔ ہم سے بھی افضل اور اعلیٰ۔ قرآن کریم کی آیات کا ورد جب تم مسلمان کرتے ہو تو اس کے اثرات کی قوت ہماری استعداد سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ جنات یعنی ہم لوگ علم میں تم سے کم تر ہیں۔ اللہ کے راز اللہ ہی جانتا ہے بھیا۔ لیکن اللہ کریم نے جو فضیلت تم انسانوں کو دی ہے اور جو قوتیں تمہیں عطا کی ہیں اگر ہم جنات کو بھی حاصل ہو جائیں تو فرشتوں میں شمار ہونے لگیں۔ مگر ہمارے خمیر اور تمہارے خمیر کا امتیاز ہمیں ایک دوسرے کے علم کی فضیلت سے مختلف بنا دیتا ہے۔ تم نے کبھی سنا ہے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں اپنے بھائی ارسان کا قصہ سنایا تھا کہ وہ ایک مولوی صاحب کے پاس جا کر دینی تعلیم حاصل کرتا تھا۔ ہمارے بہت سے جنات علم و فضل حاصل کرنے کے لئے تمہاری دنیا میں آتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس وقت وظیفہ پڑھنے کے لئے کہا تو اس کا مقصد یہی تھا کہ تمہاری بشری اور عقلی طاقتیں تمہیں سحری دائرے سے نکال دیں گے۔ تم نے اس وقت پورے یقین اور یکسوئی کے ساتھ وظیفہ پڑھا تو تم کامیاب ہو گئے۔ بابا جی بخوبی جانتے ہیں کہ تمہارے اندر روحانیت موجود ہے جس انسان کے اندر روحانی وجدان ہو اگر وہ وظائف اور ذکر اذکار کرتا رہے تو اس کا روحانی وجدان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تمہارے انہی اوصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے بابا جی سرکار تم پر مہربان ہیں اور تمہیں ٹاہلی والی سرکار کے پاس بلایا ہے''۔

ہمارے عقب میں اب شور کم ہو رہا تھا۔ ہم قبرستان پہنچ گئے ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ کہیں سے جھینگروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غازی نے میرا ہاتھ نہ تھام رکھا ہوتا تو میں ٹھوکریں کھا رہا ہوتا لیکن وہ میرے لئے ایک مشعل بردار راہبر بن گیا تھا۔ وہ مجھے قبرستان کے اندر لیکر داخل ہو گیا تو معاً قبرستان کے اندر سے آواز بلند ہوئی۔

''حق......حق......اللہ''

''یہ ٹاہلی والی سرکار ہیں''۔ غازی نے مجھے بتایا۔ ''ادھر دائیں جانب ڈیرہ لگا کر بیٹھے ہیں''۔

ہم نے اسی طرف کا رخ کیا تو سامنے جھاڑیوں اور قبروں کے درمیان ایک دیا روشن نظر آیا۔ غازی مجھے ٹاہلی والی سرکار کے پاس لے گیا۔ ملک نصیر کے والد نے مجھے ان کا جو حلیہ بتایا تھا وہ ہو بہو وہی تھے۔ دیئے سے قدرے دور وہ ایک دری بچھا کر قبر کے سرہانے بیٹھے تھے۔

''یہ سرکار کے والد کی قبر ہے۔ وہ بھی بڑے بزرگ تھے''۔ غازی نے مجھے بتایا۔

''سرکار مہینے میں ایک بار یہاں آتے اور دیا روشن کرتے ہیں''۔

بات سن کر ٹاہلی والی سرکار نے نظریں اٹھائیں اور ہمیں دیکھنے لگے۔

''اوئے غازی۔ تم نے کیا بکھیڑا ڈال رکھا ہے''۔ ٹاہلی والی سرکار کی آواز گونجی۔

''سرکار بکھیڑا کیسا۔ ہم تو آپ کی زیارت کے لئے آ رہے تھے اور ادھر کالی داس نے ہمیں پکڑ لیا تھا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں سرکار ہم مجبور ہو جاتے ہیں''۔

''اوئے تمہیں کیسی مجبوری ہے۔ تمہیں کس کا خوف ہے''۔ ٹاہلی والی سرکار سر دھنتے ہوئے وجدان میں بولتے چلے گئے''۔ کس کا خوف کالی داس سے ڈرتے ہو تم۔ ہمارے دوستوں کو ایک کافر جن سے خوف آتا ہے تو لعنت ہے تمہارے پر۔ تم کسی وجہ سے اس سے ڈرتے ہو''۔

''سرکار۔ آپ خود تو کہہ رہے ہیں کہ ہم نے کیسا بکھیڑا ڈال رکھا ہے۔ اگر ہم نے اس پر ہاتھ ڈال دیا تو بات بڑھ جائے گی''۔ غازی بھی بڑا دلیر اور جرات مند تھا۔ اس نے نہایت ادب سے بات کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا۔

''بکھیڑا۔ بکھیڑا ہی تو ہے۔ اتنے دن ہو گئے ہیں۔ وہ تم پر حملے کرتا جا رہا ہے اور تم اس کا منہ تک رہے۔ یہ بکھیڑا نہیں ہے تو کیا ہے۔ جاؤ اور بابا جی سے کہو اس کا کام ختم کر دیں۔ میں سنبھال لوں گا جو ہوگا۔ دیکھا جائے گا''۔

''سرکار۔ بس آپ کے حکم کی دیر تھی''۔ غازی چہکنے لگا۔ ''یہ ہمارا مہمان آپ کے پاس ہے۔ بابا جی سرکار کے پاس جاتا ہوں''۔ یہ کہہ کر غازی غائب ہو گیا اور میں ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھنے لگا۔

''آؤ بیٹھو''۔

میں ایک کچی قبر کے پاس بیٹھنے لگا تو وہ بولے۔ ''ادھر چٹائی پر آ جاؤ''۔ میں نے جوتا اتارا

اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔لیکن میرے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ میں نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور جس قبر کی طرف رخ کر کے وہ بیٹھے تھے میں ان کی مغفرت کے لئے دعا کرنے لگا۔ میری ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ جب بھی میں کسی بھی قبرستان کے پاس سے گزرتا ہوں چاہے میرے راستے میں جتنے بھی قبرستان آئیں ہر بستی ہر شہر کے قبرستانوں میں دفن شدہ لوگوں کے لئے دعا کرنا میری عادت ہے۔ غازی کے ساتھ افراتفری میں قبرستان میں آنے کی وجہ سے میں چوک گیا تھا لیکن اب میں دعا کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا ٹاہلی والی سرکار نے بھی ہاتھ اٹھائے تھے اور وہ بھی میرے ساتھ دعا میں شامل ہو گئے میں نے دعا ختم کی تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

''اچھی عادت ہے تمہاری۔تم اپنا انجام سامنے رکھتے ہو۔ اس لئے قبرستان کے مکینوں کے ایصال ثواب کے لئے دعا کرتے ہو۔کل کو ہم نے اور تم نے بھی یہاں آنا ہے۔ آج اگر تم ان کے ساتھ بھلائی کرو گے تو کل تمہارے ساتھ بھی بھلائی ہو گی۔کل کوئی تم جیسا یہاں سے گزرے گا اور وہ دعا کرے گا تم دیکھو گے۔ اس لمحے میں تم قبر کی دنیا میں زندگی گزار رہے ہو گے تمہیں ان دعاؤں کی بڑی ضرورت ہو گی۔ یہ تو وہی جانتے ہیں جو ان قبروں میں ہیں اور روز محشر کو اٹھائے جائیں گے مگر روز محشر سے پہلے انہیں قبر کی راحتوں اور عذابوں میں سے بھی تو گزرنا ہے۔ پس اے نوجوان ۔تمہارا یہ عمل پسندیدہ عمل ہے''۔

ٹاہلی والی سرکار نے بے حد خوش ہو کر چٹائی کا ایک کونہ اٹھایا اور کوئی شے نکال کر مجھے دی۔

''لو یہ تبرک کھالو''۔

میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو روٹی کا ایک چھوٹا سا سوکھا سا ٹکڑا تھا۔ پھر انہوں نے قبر کے پاس رکھا آب خورہ اٹھایا اور وہ بھی میرے سامنے کر دیا۔

یہ ٹکڑا جنت کا میوہ ہے۔ درویشوں اور ولیوں کی غذا ہے یہ۔کھالو۔نفس پاکیزہ ہو جائے گا۔اس میں بھگو کر اسے نرم کرلو۔ میں نے ان کے کہنے پر عمل کیا اور جب وہ پورے کا پورا ٹکڑا پانی میں بھگو کر منہ میں ڈالا تو مجھے ایک ایسے ذائقہ کا احساس ہوا جس کا یہاں ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے چاچا جی کی وہ بات یاد آ گئی جو انہوں نے بھی سوکھی روٹیاں کھائی تھیں اور اس کے ذائقے کے معترف ہو گئے تھے۔ آج ٹاہلی والی سرکار نے مجھے اس لذت سے آشنا کیا تھا۔ ہم دنیا والے سمجھتے ہیں کہ یہ فقیر درویش بھوکے ننگے لوگ سوکھی روٹیوں جیسی بدمزہ غذائیں کھاتے ہیں تو اس لئے کہ انہیں تازہ

روٹیاں اور انواع واقسام کے کھانے نہیں ملتے۔ یہ ہماری غلط فہمی ہے۔ ان کی یہی روکھی سوکھی روٹیاں جنت کے میوے ہوتی ہیں مگر ہمیں اس کا احساس نہیں۔ ہم درویشوں کی ظاہری غذاؤں کے مغالطے میں رہتے ہیں۔ ویسے بھی ہماری عقلوں کو ان غذاؤں کی روحانی فضیلت کا احساس نہیں ہوتا۔ جو لذت اور قوت ان سوکھے ٹکڑوں میں ہوتی ہے شاید ہی کسی دوسری دنیاوی غذا میں ہو۔ اللہ نے اپنے اولیاء اور درویشوں کی ان غذاؤں میں بہشتی غذاؤں کی لطافت اور قوت پنہاں رکھی ہے۔ اللہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو بھوکا اور ننگا نہیں رکھتا۔ انہیں دنیا کے ذائقوں سے بے نیاز کر کے پنے لطف وکرم کی مٹھاس اور قوت سے فیض یاب کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ کے کامل اولیاء میشہ تزکیہ نفس اور معمولات زندگی نبھاتے ہوئے جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے روکھی سوکھی روٹیاں کھاتے آئے ہیں۔ ٹاہلی والی سرکار کی دی ہوئی وہ روٹی بہشت کے میوے جیسی تھی۔ یں نے اس کھانے کی لطافت محسوس کی اور میرا پیٹ بھر گیا۔ مجھے اپنے اندر روحانی بالیدگی کا حساس ہوا۔

میں نے اس وقت سے فائدہ اٹھانے کا سوچا اور یہ خیال میرے دل میں آنے لگا کہ یہ وقع اچھا ہے۔ مجھے ٹاہلی والی سرکار سے زلیخا کے بارے بات کرنی چاہئے۔ ممکن ہے وہ یری مدد کر دیں۔ میں ان سے یہ بات کہنے ہی والا تھا کہ وہ خود بول پڑے۔

''میاں۔ بعض اوقات انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ وہ جس شے کو اپنے لئے معتبر مجھتا ہے، قدرت اسے اس کیلئے حقیر جانتی ہے اور وہ اس کو عطا نہیں کی جاتی۔ میری بات سمجھ ہے ہو''۔

''جی سرکار''۔ میں نے سر ہلایا۔

''سورج چاند ستارے، دنیا بھر کے پھول، آبشاروں کا پانی، ان کی لطافتیں بھی ہیں اور ن میں قہر بھی ہے، زہر بھی ہے۔ ہر انسان ان کو اپنے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتا ہے یکن انسان اس وقت یہ بھول جاتا ہے کہ ان کی لطافتوں میں چھپے زہر اور قہر کو اپنے اندر تارنے سے وہ خود ہی زہریلا بن جاتا ہے۔ اس کے اندر بھی قہر عود آتا ہے۔ وہ حسن کا رسیا وتا ہے مگر یہی حسن جب مجازی ہوتا ہے تو اس کا سرایہ اسکے نفس کو قہر پر مائل کرتا ہے۔ ہاں۔ یہ قہر گناہ سے جنم لیتا ہے۔ گناہ اور قہر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تمہیں جس حسن نے پنا اسیر بنا رکھا ہے اس میں بڑا قہر ہے۔ مگر تم نے ابھی صرف جمال دیکھا ہے جلال نہیں

دیکھا۔ وہ تمہارے لئے نہیں بنائی گئی۔ وہ جہاں کا خمیر ہے وہیں اچھا رہے گا۔ تمہاری
منزلیں اور ہیں، اسکی منزلیں اور"۔
"مگر سرکار۔ میں اسے زیادتی سمجھتا ہوں"۔ میں ان کی بات سمجھ چکا تھا مگر انسانی ہمدردی
کے ناطے میں پھر بھی کہنے سے نہیں رکا۔
"یہ زیادتی ظاہری ہے۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔ وہ اپنی رضا سے تمہارے شاہ صاحب سے
شادی کر رہی ہے"۔ ٹاہلی والی سرکار نے پوچھا۔ "کیا تم اس صورتحال کو بدلنا چاہتے ہو"۔
میں خاموش ہو گیا اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ ان سے کیا کہوں۔
"دیکھو۔ فطرت کے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے۔ زلیخا جس کی امانت ہے
اسکے پاس جائے گی اور یہ عمل بھی ایک فطری عمل ہے۔ وہ ایک سحر زدہ لڑکی ہے۔ تمہاری
ہو جاتی تو تم سے کبھی سنبھالی نہ جاتی۔ تمہارا اور اس کا جذبہ محض وقتی ہے۔ تم اسے بہت جلد
بھول جاؤ گے اور وہ بھی سب کچھ بھول جائے گی۔ ہاں کچھ لوگوں کو اس کی کھسک رہے گی۔
باقی سب لوگ مطمئن ہیں۔ تم بھی مطمئن ہو جاؤ گے اور تمہارے چاچا جی بھی ایک روز۔
اس روز جب تمہیں میری باتوں کی سمجھ آ جائے گی۔ وہ مجھے اشاروں کنایوں میں سمجھا رہے
تھے کہ معاً قبرستان کے سناٹے میں ایک چیخ ابھری۔

☆☆☆

چیخ سنتے ہی ٹاہلی والی سرکار کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ تیرنے لگی اور وہ مجھے دیکھ کر بولے
"بھاگ گیا ہے"
"کون بھاگ گیا ہے سرکار" میں نے پوچھا
وہ قہقہہ لگا کر بولے "کالی داس بڑا کمینہ ہے وہ۔ شیطان کا پجاری ہے۔ ان کے ہاتھ سے آج
پھر نکل گیا ہے"۔ اس دوران غازی آ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک تھیلا پکڑا ہوا تھا جس میں
کوئی شے بری طرح تڑپ رہی تھی۔ اس نے تھیلا ٹاہلی والی سرکار کے سامنے رکھ دیا تو تھیلا
پھدکنے لگا۔ چیخوں کی آواز اس تھیلے میں سے آ رہی تھیں۔
ٹاہلی والی سرکار نے غازی کی طرف دیکھا اور بولے "تو اسے کیوں پکڑ لایا ہے۔ لے جا اسے
اور کسی قبر میں اسے دفن کر دے"
"سرکار یہ کالی داس کا چیلا ہے کتا بن کر اس نے ہی گاؤں کے سارے کتے اکٹھے کئے تھے۔

آپ کی اجازت ملتے ہی جب ہم نے ان کے گرد گھیرا ڈالا تو یہ کتے کی شکل میں ہی بھاگنے لگا تھا
لیکن بابا جی نے اسے پہچان لیا اور مجھے کہا کہ اسے پکڑ کر آپ کے پاس لے جاؤں۔ وہ خود کالی
داس کے پیچھے گئے تھے لیکن وہ ان کے ہاتھ نہیں آیا"
"وہ بڑی حرامی شے ہے۔ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آنے والا غازی" ٹاہلی والی سرکار نے کہا۔
ان کی بات سن کر مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا "سرکار آپ جیسے اللہ والے درویش اور بابا جی
سرکار کے ہوتے ہوئے وہ کیسے بھاگ سکتا ہے"
ٹاہلی والی سرکار کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی "تم نہیں جانو گے یہ راز کی باتیں" انہوں
نے اپنی کھڑاؤں اتاری اور تھیلے میں بند کالی داس کے چیلے کے سر پر مارنے لگے تو وہ چیخنے
چلانے لگا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا
"سرکار آپ کچھ بتائیں گے تو میں کچھ جان پاؤں گا ناں" میں نے کہا
"دیکھو میاں" انہوں نے کھڑاؤں پاؤں میں پہنیں اور بولے "یہ جو شے ہے ادھر" وہ دل کے
مقام پر انگلی رکھ کر بولے "ایک طاقت ادھر ہے اور ایک طاقت ادھر" انہوں نے دوسرا اشارہ
دماغ کی طرف کیا۔
"ان دو مقامات پر نیکی اور بدی...... حق و باطل کی قوتیں جمع ہوتی ہیں۔ حق پرست کے پاس ان
دل و دماغ کی قوتیں ہوتی ہیں اور اس کا دل نور الٰہی سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ عطا اور قوت صرف اللہ
کے بندوں یعنی صرف انسانوں کے پاس ہے جنات کو بھی علم و حکمت پر قدرت حاصل ہے مگر
جو علم الٰہی انسانوں کو عطا کیا گیا ہے اس نے کائناتوں کی تمام مخلوق کو انسان سے کمتر بنایا ہے۔
یہ جنات...... تمہاری نظریں بہت طاقتور ہیں ان کے پاس بھی علم کی قوت ہے مگر ان کے قلوب
میں وہ گزرگاہ نہیں ہے جو ایک انسان کے دل کو مسخر کئے ہوئے ہے۔ تمہارے بابا جی بلاشبہ
بہت طاقتور ہوں گے مگر ان کی قوتیں بھی محدود ہیں۔ کالی داس کے پاس بھی علم کی قوتیں ہیں۔
وہ برابری کرتا ہے تمہارے بابا جی کی...... مگر اس کا علم باطل ہے، وہ اندھیروں کا مسافر ہے۔
تمہارے بابا جی کا علم حق ہے، وہ روشنی کے سفیر ہیں مگر افسوس...... جنات صاحب علم ہونے کے
باوجود غضب کے ہاتھوں مار کھا جاتے ہیں۔ تمہارے بابا جی بڑی کڑوی اور جلالی طبیعت کے
مالک ہیں۔ وہ جب کالی داس کو مارنے گئے تھے تو کالی داس کو ان کی ذرا فکر نہیں تھی۔ وہ مکر و
فریب سے ان کو جل دے گیا اور تمہارے بابا جی مات کھا گئے۔ مگر اب دیکھو ایک قلندر کیا کرتا

ہے'' یہ کہہ کر ٹاہلی والی سرکار نے اپنی سوکھی استخوانی انگشت شہادت تھیلے میں بند کالی داس کے چیلے کے سر کے اوپر رکھ دیں تو اس کی چیخ و پکار بند ہوگئی۔ انہوں نے تھیلے کا منہ کھول دیا اور اس کے چیلے کو باہر نکالا یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اس کی شکل انتہائی بدہیبت اور کراہیت آمیز تھی۔ اس کا دھڑ کتے کی طرح تھا مگر چہرہ کسی بگڑے ہوئے خدوخال والے انسان جیسا تھا۔ سر سے گنجا' سر زبان باہر کو نکلی ہوئی تھی اور وہ کتے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ منہ میں صرف دو دانت تھے جو باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنکھیں کتوں جیسی تھی مگر پیشانی اندر کو دھنسی ہوئی تھی۔ ناک چپٹی تھی جس کی کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی تھی کہ یہ انسان کی ہے یا کسی جانور کی۔

''سرکار شما کر دیں۔ میں تو ابھی بالکا ہوں۔ آپ مہان ہستی ہیں۔ مجھے شما کر دیں میں آپ کی سیوا کروں گا سرکار...... مجھے پہلے ہی اس نے بہت مارا ہے'' اس نے رونی صورت بنا کر غازی کی طرف دیکھا تو غازی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''سرکار...... یہ بڑا بکواسی اور چاپلوس ہے۔ مجھے راستے بھر کہتا رہا کہ اگر میں اسے معاف کر دوں تو یہ مجھے اپنے قبیلے کی خوبصورت لڑکیاں لا کر دے گا''

ٹاہلی والی سرکار کی بھی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ بولے ''اوئے کم ذات تم کافروں کے پاس خوبصورت لڑکیاں کہاں سے آ گئیں۔ تم پر تو میرے اللہ کی مار ہے۔ تمہاری شکلیں اتنی کریہہ ہوتی ہیں کہ خود جنات تمہارے لوگوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے۔ اوئے یہ جو کتے جیسی شکلیں بھرتے پھرتے ہو اسے تم خوبصورتی کہو گے''

''نہیں...... نہیں سرکار...... میں اپنی مخلوق کی بات نہیں کر رہا۔ اگر آپ مجھے شما کر دیں تو میں غازی کو ان لڑکیوں تک پہنچا دوں گا جو کالی داس مہاراج سے شکتی لینے مندروں میں آتی ہیں''

کالی داس کے چیلے کی بات سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے اور میں ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھنے لگا۔

''حرام خور...... ہم لوگ ان عیاشیوں سے بے نیاز ہوتے ہیں اور پھر یہ غازی تو ابھی بچہ ہے''

''یہ بچہ ہے'' اس کا چیلا رونی صورت بنا کر کہنے لگا ''اس نے مار مار کر میری کھال ادھیڑ دی ہے''

''بکواس کرتا ہے۔ ابھی میں نے اس کو ایک تھپڑ بھی نہیں مارا اور یہ چلانے لگا تھا۔ مکار اور فریبی اسی طرح رو رو کر یوں دہائی دیتے ہیں جیسے انہیں بہت مارا پیٹا گیا ہے۔ میں نے تو اس کو صرف چٹکیاں کاٹی ہیں اور یہ کتے کی طرح بھونکنے لگا تھا''

غازی کی بات سن کر میری بھی ہنسی نکل گئی ''تمہاری چٹکی بھی تو کھال ادھیڑ دیتی ہے غازی''

''حرام خور'' ٹاہلی والی سرکار نے اسے مخاطب کیا ''تم نے جن لڑکیوں کا ذکر کیا ہے وہ مسلمان ہیں یا کافر''

''مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی'' اس نے بتایا

''تمہارا نام کیا ہے'' انہوں نے پوچھا

''مرلی...... مجھے مرلی کہتے ہیں''

''کالی داس نے تجھے کیا کام سونپا ہوا ہے'' ٹاہلی والی سرکار نے پوچھا

''مہاراج نے......''

''لعنت تیرے مہاراج پر...... خبردار میرے سامنے اس کو مہاراج نہ کہنا'' ٹاہلی والی سرکار نے مرلی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اچھا سرکار...... اب کالی داس مہاراج کو مہاراج نہیں کہوں گا'' اس کی بات سن کر میں ہنسنے لگا تو غازی میری طرف دیکھنے لگا

''کیا ہوا بھیا''

''کچھ نہیں'' میں نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا

مرلی دوبارہ بولا ''جی سرکار تو مہاراج۔ نہیں نہیں وہ کالی داس مہاراج'' میں نے ہنسی بمشکل ضبط کرتے ہوئے دوبارہ غازی کی طرف دیکھا تو وہ غصے میں آ گیا اور اس نے ایک زوردار تھپڑ مرلی کے سر پر مارا تو وہ بلبلانے لگا

''خبردار اب کالی داس کو مہاراج کہا ورنہ چٹکیاں کاٹ کاٹ کر تری کھال کاٹ ڈالوں گا''

غازی اب میرے ہنسنے کی وجہ جان گیا تھا

''یہ باز نہیں آئے گا۔ یہ کالی داس ہے۔ اس نے خود اسے تیار کیا ہے''

''سرکار یہ موکل کیا ہوتا ہے'' میں نے یہ لفظ کئی جگہ پڑھا تھا اور اس کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب باتیں بھی سن رکھی تھیں۔

''میاں...... یہ موکل وغیرہ جو ہوتے ہیں ناں...... عامل لوگ تیار کرتے ہیں۔ جادو اور اپنے علم کے زور پر ایک انڈہ تیار کرتے ہیں اور اس سے کام لیتے ہیں۔ یہ علم بڑی ظالم شے ہے میاں۔ حق اللہ جو حق کی طرف گیا اسے موکلوں کی ضرورت نہیں ہوتی اور جو یہ کام کرتے ہیں اللہ کی ان

پر پھنکار رہوتی ہے۔ ہاں تو مرلی۔ تو کیا بتا رہا تھا“
”میں عرض کر رہا تھا کہ ان لڑکیوں میں مسلمان بھی ہیں اور یہ کالا علم سیکھنے کے لئے کالی داس کے پاس آتی ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہیں سرکار کے مندروں میں پوجا کرنے والے پنڈت کالا علم سیکھتے ہیں۔ ادھر اس شہر میں رہنے والے پنڈت جی کے پاس کالی داس اور ہم سب چیلے موجود ہوتے ہیں۔ کالی داس نے ہی پنڈت کو کالا علم سکھایا ہوا ہے“ اس نے شہر کا نام بتایا تو میں چونک گیا اور پھر جب اس نے باقی تفصیلات بھی بتائیں تو میں حیرت و استعجاب کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔ اس نے جس پنڈت کا ذکر کیا تھا وہ بظاہر بڑا پرامن ہندو تھا۔ وہ زیادہ معروف تو نہیں تھا لیکن مٹھی بھر کمیونٹی کا مذہبی رہنما ہونے کی وجہ سے اس کی شخصیت نمایاں تھی۔ مرلی کی زبانی یہ سن کر مجھے بے حد دکھ ہوا کہ بعض مسلمان لڑکیاں اور عمر رسیدہ عورتیں بھی مکروہ علم سیکھنے میں دلچسپی لیتی ہیں اور ان علوم کو سیکھتے ہوئے انہیں اپنی عزت و آبرو سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ کالا علم سیکھنے والے کو شیطانی احکامات پر عمل کرنا ہوتا ہے اور ان احکامات میں سب سے نمایاں حکم یہی ہے کہ وہ جنس و ہوس کا غلام بن کر زندگی گزارے گا۔ اس کی نظر میں خونی اور انسانی رشتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اگر وہ کسی مقام پر ان احکامات سے روگردانی کرے تو اس سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں کف افسوس مل رہا تھا کہ اللہ نے انسانوں کو کیسی کیسی نعمتوں سے سرفراز کیا ہوا ہے مگر وہ شیطانی احکامات پر عمل کر کے غلیظ ترین جانوروں سے بدتر ہو جاتے ہیں۔ کالا علم کرنے والوں کی بھی یہی زندگی ہوتی ہے۔
ٹاہلی والی سرکار نے میرے چہرے کے تغیر و تبدل کو دیکھا تو بولے ”تو ٹھیک سوچ رہا ہے۔ ہم انسانوں کی بستیوں میں جانوروں جیسے کام ہی کرتے ہیں۔ میں تو جدھر دیکھتا ہوں مجھے انسان کم کم نظر آتے ہیں اور چاروں طرف خونی بھیڑیئے، کتے، بندر، لومڑ، گیدڑ اور سور نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں ٹانگیں انسانوں جیسی ہیں مگر چہرے جانوروں جیسے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ ان کا کوئی فعل انسانوں جیسا نہیں ہے اور پھر ان کافروں کو تو ویسے ہی اللہ کی مار ہے یہ اپنے بھگوان پوجتے ہیں۔ ان کے بھگوان اوتار تو شیطان کے تراشے ہوئے خدا ہیں ظاہر ہے یہ شیطان پوجیں گے تو گندے کام ہی کریں گے۔ مگر دکھ ہوتا ہے بہت دکھ ہوتا ہے جب کسی مسلمان کو کافروں سے بدتر دیکھتا ہوں۔ اللہ نے مسلمانوں کو کتنی محبوب امت بنایا ہے لیکن یہ مسلمان اللہ سے طلب کرنے کی بجائے ان شیطانوں کے در پر جا کر غلامی اختیار کرتے ہیں۔

کوئی جنات سے مانگتا ہے اور کوئی شیطان سے۔ کوئی درویشوں کے در پر آتا ہے تو کوئی پنڈتوں کی سیوا کر کے اپنی مرادیں پانے کی کوشش کرتا ہے۔ ہائے یہ مسلمان کتنے کمزور ہو چکے ہیں۔ ان کے پاس اللہ کا کلام ہے۔ اس سے بڑی طاقت دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ یہی علم کی وہ کتاب ہے جس نے دین و دنیا میں کامیابی اور خوشیوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ مگر کوئی اسے کھول کر تو دیکھے“ میں تو ٹاہلی والی سرکار کو ایک ملنگ اور درویش سمجھتا تھا ایک ایسا ملنگ جس کی زندگی قرآنی تعلیمات سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ اس کی اپنی دنیا اور اپنا فلسفہ ہوتا ہے۔ اس کا علم رمز و کنایہ میں پوشیدہ ہوتا ہے مگر اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہماری جیتی جاگتی دنیا کا ہی فرد ہے۔ ”میں بڑا گنہگار ہوں میاں“ وہ مجھے گم صم دیکھ کر بولے ”میں واقعی تمہاری دنیا کا آدمی تھا۔ میں نے چار ایم اے کئے تھے لیکن کیا ہے کہ جب میں نے اللہ کی کتاب سے لو لگائی تو میں دنیا کے قابل نہیں رہا تھا۔ میں نے قرآن کو سمجھ کر حفظ کیا تھا لیکن میں پھر بھی دنیا سے کنارہ کر گیا۔ یہ میرے والد صاحب کی محبت کا اثر تھا یا درویش ہستیوں کا قرب کہ اللہ کی راہ پر چلتے چلتے میں شہروں سے نکل کر ان قبرستانوں میں پہنچ گیا۔ مجھے ان منزلوں اور راستوں کی تلاش تھی جو جاگتی آنکھوں سے نظر نہیں آتے اور اندھیرے جن کی آنکھوں میں روشنیاں کر دیتے ہیں۔ پس میں ان راستوں پر چلتا رہا اور ان ہستیوں نے میرا سینہ قرب الٰہی کی مٹھاس سے بھر دیا جو اس شہر کی حفاظت پر مامور ہیں۔ میاں تمہاری اس دنیا کے اوپر بھی ایک غلاف ہے اور اس غلاف کے پیچھے اللہ کی محبوب ہستیاں پہرے دیتی ہیں۔ اچھائی کا پرچار کرتی ہیں۔ میں تو بہت معمولی انسان ہوں۔ ابھی تک قبرستانوں میں بھٹکتا رہتا ہوں۔ تمہارے جیسے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ ہمارے جیسے مجذوب لوگ قبرستانوں میں ڈیرے کیوں لگاتے ہیں۔ تو سنو میاں یہاں انہیں پہچان ملتی ہے۔ دنیا کی حیثیت یہ جاہ و حشمت اور دولت کی ہوس کا اندازہ انہیں یہاں آ کر ہوتا ہے جب گوشت اور ہڈیاں مٹی میں خاک ہو جاتی ہیں تو تب احساس جاگتا ہے کہ ہم جس دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اس کا انجام تو یہ مٹی کی ڈھیری ہے۔ پس یہ اللہ والے ان قبرستانوں میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں“
باتیں کرتے ہوئے ٹاہلی والی سرکار کے چہرے پر عجیب طرح کا تناؤ تھا۔ وہ کہہ رہے تھے ”اگر یہ اللہ کے بندے ان قبرستانوں اور غلاف کی دنیا میں مامور نہ ہوں تو یہ شیطان ان بستیوں کو تاراج کر دیں۔ تمہارے باباجی جیسے نیک جنات ان بدکاروں کا قلع قمع کرتے رہتے ہیں مگر

جب کالی داس جیسے حرام خور حد سے بڑھتے ہیں تو ہمیں بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ پس آج اس کا یوم آخرت آ پہنچا ہے''
یہ کہہ کر ٹاہلی والی سرکار نے مرلی کے سر کے اوپر اپنی انگشت شہادت رکھی تو اس کا بدن شاخ بید کی طرح لرزنے لگا ''اے کالی داس میں ترے داس کے ذریعے تجھ تک پہنچوں گا'' یہ کہہ کر انہوں نے غازی کی طرف دیکھا اور کہا ''جاؤ اپنے بابا جی کو بلا کر لاؤ اور ہاں اپنے شاہ صاحب کو بھی لیتے آؤ اور نذر نیاز کا سامان جلدی سے لے آؤ۔ ہمارے بہت سے مہمان آنے والے ہیں'' یہ سنتے ہیں غازی غائب ہو گیا۔ میرے احساسات پر ایک طرح سے نشہ سا طاری تھا۔ میں اللہ کی بنائی ہوئی اس مخلوق کو جو اسرار کے پردوں میں پوشیدہ ہے اسے بہت قریب سے دیکھ رہا تھا۔ میں اس عطا پر مسرور تھا کہ دنیا میں میرے جیسے کتنے لوگ ہیں جو ایسے لوگوں کو بہت قریب سے دیکھتے ہوں گے جن کے سامنے کائنات اپنے حجاب اٹھا لیتی ہے۔
ٹاہلی والی سرکار نے مرلی کے سر پر ہنوز انگلی رکھی تھی اور وہ تڑپتا جا رہا تھا۔ وہ زیر لب بھی کچھ پڑھ رہے تھے۔ چند ثانیے بعد انہوں نے کچھ پڑھا اور مرلی کے سر پر پھونک ماری تو اس کی اذیت ناک کراہ نکل گئی۔ ٹاہلی والی سرکار کی آنکھوں کا رنگ سرخ ہوتا جا رہا تھا اور پورے بدن میں اکڑاؤ سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ تن کر بیٹھ گئے تھے انہوں نے ایک بار پھر مرلی پر پھونک ماری تو اس بار اس کی کراہ آخری ثابت ہوئی۔ وہ تڑپنے لگا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے وجود سے دھواں اٹھنے لگا۔ مرلی بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میں خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا تو ٹاہلی والی سرکار نے غضب ناک نظروں سے میری طرف دیکھا اور اسی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میری نظریں مرلی پر جمی ہوئی تھیں جس کی شکل تیزی سے بدل رہی تھی۔ اس کا چہرہ اب کتے جیسا ہو گیا تھا مگر اس کا بدن پگھل کر دھوئیں میں تحلیل ہو رہا تھا۔ چند لمحوں میں ہی جہاں کچھ دیر پہلے مرلی بیٹھا تھا وہاں دھوئیں کا ایک غبار بیٹھتا ہوا نظر آیا اور جب یہ غبار بھی چھٹ گیا تو وہاں تھوڑی سی راکھ نظر آئی۔ ٹاہلی والی سرکار نے راکھ اپنی ہتھیلی پر رکھی اور پھر دری کے نیچے سے ایک پرانے کپڑے کا ٹکڑا نکالا اور راکھ اس میں باندھ کر کپڑے کو مٹھی میں دبا کر بولے ''اب دیکھتا ہوں کالی داس ......تو کہاں تک بھاگے گا''
اس دوران غازی شاہ صاحب اور بابا جی کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ بابا جی اور شاہ صاحب ٹاہلی والی سرکار کے ساتھ ایک مختلف زبان میں باتیں کرنے لگے۔ میں حیران ہو رہا تھا کہ یہ کون سی

زبان بول رہے ہیں۔ نہ عربی، نہ فارسی، نہ سنسکرت، نہ اردو نہ جانے کون سی زبان تھی مگر مجھے احساس ہو رہا تھا کہ وہ جو بھی زبان بول رہے تھے اس میں عربی فارسی جیسی نرمی اور فصاحت و بلاغت بھی تھی اور کسی قبائلی علاقے کی زبان جیسی کرختگی بھی تھی۔ گفتگو کے دوران وہ زلیخا کا نام بھی لیتے تھے۔ ان کے چہروں کے تاثرات سے لگتا تھا کہ وہ کسی بات پر پریشان بھی ہیں اور ان کے اندر تناؤ پایا جاتا ہے مگر میں نہیں سمجھ سکا کہ انہیں یہ تشویش کس بات کی ہو سکتی تھی۔ خاصی دیر بعد وہ میری مانوس زبان میں بولنے لگے تھے۔ شاہ صاحب نے نذرانے کی تمام اشیا ٹاہلی والی سرکار کے سامنے رکھوا دی تھیں جنہیں دیکھ کر وہ بولے
''ہمارے مہمان بہت زیادہ آنے والے ہیں ان سے کیا بنے گا''
شاہ صاحب بولے ''سرکار فی الحال تو اتنا ہی بندوبست ہو سکا ہے''
''خیر...... آئندہ خیال رکھا کرو ہمارے مہمانوں کے لئے تمہارا ہاتھ تنگ نہیں ہونا چاہئے'' ٹاہلی والی سرکار کے چہرے پر قدرے خفگی نظر آ رہی تھی۔ ''میں نے مرلی کا مسان پکڑ لیا ہے اور اب کالی داس کو حاضر کرنے لگا ہوں۔ تم لوگ اپنے اپنے حصاروں میں چلے جاؤ نہ جانے وہ غیرت مرتے مرتے کس کو مار ڈالے۔ شاہ صاحب اس کو اپنے ساتھ ہی بٹھائیں'' انہوں نے میری طرف اشارہ کیا تو شاہ صاحب نے کچھ پڑھ کر میرے اور اپنے گرد ایک دائرہ کھینچ دیا اور ہم حصار میں بیٹھ کر ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے ہتھیلی کھولی اور راکھ کپڑے سے نکال کر خالی آب خورے میں ڈال دی اور پھر زیر لب ایک غیر مانوس سی زبان میں کچھ پڑھنے لگے۔ معاً مجھے یاد آیا کہ یہ تو وہی زبان ہے جو شاہ صاحب بھی کبھار بابا جی سرکار کی حاضری کے لئے بولتے تھے۔ ٹاہلی والی سرکار بھی اسی زبان میں بڑی تیزی سے مگر جلالت آمیز انداز میں بلند آواز میں پڑھنے لگے اور پھر کچھ دیر بعد انہوں نے آب خورے کے اوپر اپنی ہتھیلی رکھی اور دوسرا ہاتھ شاہ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ شاہ صاحب نے اپنی جیب سے ایک چھری نکال کر انہیں پکڑا دی۔ ٹاہلی والی سرکار نے چھری کی نوک آب خورے پر ہتھیلی میں چبھوئی تو خون کی چند بوندیں ٹپک کر اس میں گرنے لگیں اور اسی لمحہ پورے قبرستان میں شدید زلزلے کا احساس پیدا ہوا۔ یوں لگتا جیسے قبروں میں دفن سارے مردے جیسے یکدم قبریں پھاڑ کر باہر نکل پڑے ہوں۔ ہر طرف مکروہ خوفناک اور لرزہ خیز قہقہے سنائی دینے لگے۔ خون کی بوندوں سے آب خورے میں نارنجی رنگ کا شعلہ سا بلند ہونے لگا تھا اس لمحے میرے کانوں کی

لوئیں جھلنے لگی تھیں۔ میں نے عجیب نظروں سے اپنی اس کلائی کی طرف دیکھا جس کو کاٹ کر شاہ صاحب نے خون نکالا تھا اور ایک کالا علم پڑھ کر زلیخا کو چڑیلوں کے حملہ سے بچایا تھا۔ میں نے شاہ صاحب کی طرف دیکھا تو مجھے ان کا چہرہ دھندلا دھندلا سا نظر آنے لگا۔ ان کے چہرے پر مجھے کسی انسان کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ان کا دھڑ تو انسان کا تھا مگر چہرہ ایک ہیبت ناک درندے کا تھا۔

☆☆☆

شاہ صاحب کے چہرے کو دیکھ کر مجھے ٹاہلی والی سرکار کی باتیں یاد آنے لگی تھیں اور میرا ذہن بڑے ملک صاحب کی دور اندیشی کو داد دینے لگا تھا۔ مگر یہ سے داد وادینے کا نہیں تھا۔ میں تو ایسے لوگوں میں گھر چکا تھا جو اپنی ہی دنیا کے باشندے تھے۔ ہیں کواکب کچھ...... نظر آتے ہیں کچھ کے مصداق صورتحال تھی۔ میں حیران تھا کہ ٹاہلی والی سرکار کے بقول اگر اس دنیا میں انسانوں کا قحط الرجال تھا تو وہ اپنے شاہ صاحب بھی ان میں شامل تھے اور پھر یہ ٹاہلی والی سرکار جنہیں میں ایک بہت ہی بزرگ ہستی سمجھنے لگا تھا وہ خود بھی تو اسی صف میں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی اللہ والے کو دنیاوی اور سفلی علوم کی ضرورت نہیں ہوتی مگر یہ ٹاہلی والی سرکار بھی تو میرے نزدیک ایک پارسا ہستی تھی لیکن وہ بھی سفلی علم کی طاقت سے مرلی کی راکھ پر کوئی عمل کر رہے تھے۔ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور میرا ایمان ڈگمگانے لگا تھا۔

دراصل جب آپ کسی معتبر اور پارسا ہستی کی باتوں سے گھائل ہو جاتے ہیں لیکن جب اس کے قول فعل میں تضاد پاتے ہیں تو آپ کے ذہن میں بارود پھٹنے لگتا ہے۔ قلب ونظر میں کہرام مچ جاتا ہے اور آپ سوچنے لگ جاتے ہیں کہ یاالٰہی یہ کیسا اسرار ہے۔ اس جیسے یہ تیرے بندے جو سب کے سامنے نیکی و پارسائی اور تیری طاقتوں کی تبلیغ کرتے ہیں مگر جب ان کو عملی زندگی میں دیکھتے ہیں تو ان کا کردار بہت ہی پست نظر آتا ہے۔ ایک بے عمل عالم اور مبلغ یقیناً بہت سے لوگوں کے عقائد اور ایمان کو متاثر کر دیتا ہے۔ قول وفعل کا تضاد میرے جیسے کچے ذہنوں کو بے رحمی سے کچل دیتا ہے۔ میری یہ کیفیت ان بہت سے نوجوانوں سے مختلف نہیں تھی جو سچائی کی تلاش میں نکلتے ہیں تو گمراہی کے گڑھوں میں گرا

دیئے جاتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ جنہیں معتبر سمجھ کر ان کی تقلید میں لگ جاتا ہے وہ کس قدر حقیر ہوتے ہیں۔ میں اگر صحافی نہ ہوتا تو شاید میرے ذہن پر ٹاہلی والی سرکار اور شاہ صاحب کے متعلق بدگمانی اور شکوک وشبہات پیدا نہ ہوتے۔ میں شاہ صاحب اور ٹاہلی والی سرکار کی حقیقتوں کو پاچکا تھا مگر پھر بھی ایک لمحہ کے لئے میرے دل میں خیال آیا کہ کہیں میں مسمریز تو نہیں ہو چکا۔ میں نے اپنے بدن پر زوردار چٹکیاں کاٹ کر اپنے ہوش وحواس کو چیک کیا اور ایک بار پھر ماحول کا اندازہ کرنے لگا تو میرا گماں ایک تلخ حقیقت اور پختہ یقین کی طرح سچ ثابت ہوا۔ شاہ صاحب کا چہرہ کسی ہیبت ناک اور سفاک بن مانس جیسا تھا۔ میں نے ٹاہلی والی سرکار کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی تو اس لمحے ان کے گرد گھرے دھوئیں کا غبار سا پیدا ہو چکا تھا اور دھوئیں کی ایک گہری چادر نے ان کا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

خوف سے میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور کن پٹیوں پر سنسنی رینگتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اس وقت خود کو بہت تنہا محسوس کیا اور دل میں آیت الکرسی پڑھنے لگا۔ دل ہی دل میں اللہ سے دعا کرنے لگا یا اللہ یہ تیری دنیا کے کیسے اسرار ہیں اور یہ لوگ کون ہیں۔ یا اللہ میں تجھ سے رہنمائی چاہتا ہوں اگر یہ لوگ واقعی میرے یقین کے مطابق برے ہیں تو مجھے ان سے تو ہی بچا سکتا ہے۔ مجھے ان کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دینا۔ میں جوں جوں آیت الکرسی پڑھ رہا تھا میرے اندر ایک قوت سی بیدار ہو رہی تھی۔ رگ و پے میں جیسے اطمینان عود آیا تھا اور نظروں کے سامنے بے نقاب ہونے والے حجاب اور گہرے ہوتے چلے گئے۔ اب مجھے ٹاہلی والی سرکار کا چہرہ بھی دکھائی دینے لگا تھا۔ ان کے چہرے پر اب تازگی اور نورانیت سی نظر آنے لگی تھی۔ دھواں غائب ہو چکا تھا اور ان کے سامنے اس کے پیالے میں نارنجی شعلے اب بلند ہو رہے تھے۔ میں قدرے حیران ہوا کہ ٹاہلی والی سرکار کا چہرہ ہنوز ایک مطمئن بزرگ کا تھا مگر جب ریاض شاہ کی طرف دیکھا تو انکے چہرے پر ابھی تک بن مانس کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ میرے دل سے اب ٹاہلی والی سرکار کے بارے پیدا ہونے والے شکوک شبہات ختم ہونے لگے تھے اور میں یہ سوچنے لگا تھا کہ نہ جانے انہوں نے کس ضرورت کے تحت یہ عمل کیا تھا اور انہیں کیا مجبوری تھی۔ اور پھر میرے ذہن میں یہ بھی خیال آیا کہ میں جس عمل کو ایک کالا علم سمجھ رہا تھا نہ جانے وہ عمل واقعی سفلی علم میں سے تھا یا کوئی اور تھا۔ اس تاویل کے باوجود میرے ذہن میں یہ تکرار بار بار پیدا ہو رہی تھی کہ کسی اللہ والے کو

روحانیت کے ماہر کو ہرگز ہرگز کالا علم نہیں کرنا چاہئے نہ ہی اس کا سہارا لینا چاہئے خواہ اسے کیسی ہی مجبوری کیوں نہ ہو۔ میں اپنے اندر اٹھنے والے ہیجان وتذبذب میں مبتلا تھا کہ ٹاہلی والی سرکار کے آب خورے میں پیدا ہونے والی آگ کے شعلے بلند ہوکر گہرے دھوئیں میں تبدیل ہونے لگے اور قبرستان میں شدید قسم کی آندھیاں چلنے لگیں۔ میرے بہت ہی قریب بہت سی قبریں ایک دھماکے سے شق ہوگئیں اور ان میں سے گہرا دھواں نکلنے لگا۔ میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ قبروں سے نکلنے والا دھواں بلند ہوتا چلا گیا اور پھر اس نے ہماری طرف رخ کرلیا۔ دھوئیں کی شکل کسی بے ڈھنگے اور ڈیل ڈول والے انسان جیسی تھی۔ جوں جوں وہ دھواں پوش عفریت قریب آرہے تھے ان کے چہرے نمایاں ہو رہے تھے جب وہ ہمارے حصار کے قریب پہنچے تو ٹاہلی والی سرکار کی آواز بلند ہوئی۔

''ریاض شاہ دیگیں ان کے سامنے پہنچا دو غازی بکرے بھی لے آؤ''

شاہ صاحب اٹھے اور دائرے سے باہر قدم رکھنے ہی لگے تھے کہ ٹاہلی والی سرکار کی دھاڑ سنائی دی'' ریاض شاہ یہ حماقت نہ کرنا اپنے حصار میں بیٹھ کر یہ کام کرو''

''جی سرکار'' شاہ صاحب بولے'' لیکن کیسے؟''

ٹاہلی والی سرکار نے میری طرف گہری نظروں سے دیکھا تو شاہ صاحب کی بھنویں تن گئیں۔ ان کا چہرہ اب عام انسانوں جیسا ہی تھا

شاہ صاحب تو ٹاہلی والی سرکار کی بات سمجھ گئے تھے لیکن مجھے اس وقت سمجھ آئی جب شاہ صاحب نے مجھے مخاطب کیا۔

''شاہد میاں اٹھو اور دیگیں ان کے سامنے رکھ دو''

''مم...... میں'' میں گھبرا کر بولا اور ان دھواں پوش عفریتوں کو دیکھنے لگا جن کے چہرے گز گز لمبے ہوگئے تھے اور جن کی سیاہ رنگ کی زبانیں ہانپتے کتوں کی طرح باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ ان کی زبانوں سے بچھوؤں جیسے کیڑے ٹپک ٹپک کر نیچے گر رہے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو کرجھرجھری لے کر رہ گیا۔

''ہاں تم'' یہ کہہ کر شاہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑا اور کچھ پڑھنے کے بعد مجھ پر پھونک ماردی اور ایک کندسی چھری میرے ہاتھ میں پکڑا دی۔'' جاؤ اور دیگیں ان کے سامنے رکھ دو'' میرے ذہن میں سوالوں کا طوفان اٹھا کہ دیگیں جب ان کے سامنے پڑی ہیں تو یہ عفریت

خود آگے بڑھ کر دیگیں چاٹ کیوں نہیں لیتے۔ اسی اثنا میں ٹاہلی والی سرکار کی سنسناتی آواز سنائی دی۔

''دیر نہ کرو میرے بیٹے۔ جلدی سے یہ دیگیں ان کے سامنے رکھ دو''

''مگر سرکار میں دیگ کیسے اٹھا سکتا ہوں'' میں نے اپنی کمزوری کو بہانہ بناتے ہوئے کہا

''تمہارے اندر اتنی قوت ہے۔ ایک ایک دیگ اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دو وقت ضائع نہ کرو'' ٹاہلی والی سرکار کا لہجہ تیز مگر گھمبیر ہوگیا تھا۔

میں نے دوبارہ دھواں پوش عفریتوں کی طرف دیکھا تو وہ اب کی بار اپنے بازو اوپر اٹھا کر چیخنے لگے تھے۔ ان کے بدن سے بھی بچھو نما کیڑے گرنے لگے تھے۔ میں نے ان کے پیروں کی طرف دیکھا جہاں ان کیڑوں کا ایک ہجوم ہوتا جارہا تھا

''اگر تم نے دیر کردی تو یہ زہریلے کیڑے ہمیں کھا جائیں گے'' شاہ صاحب نے میرے بہت قریب آکر کہا'' یہ ماس خورے ہیں انہیں انسانوں کا گوشت بہت پسند ہے۔ یہ ہڈیاں بھی چبا ڈالتے ہیں۔ اب جلدی سے اٹھو'' میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی اور پھر جونہی میں نے حصار سے باہر پاؤں رکھے ماس خورے میری طرف بھاگے اور میں ان سے بچنے کے لئے دیگوں کے پاس جا پہنچا۔

دیگیں چند قدم پر اونچی قبر کے پاس رکھی تھیں۔ وہاں ایک بڑا سا کپڑے کا ڈھیر بھی پڑا تھا جس میں ہلچل سی ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئی شے موجود ہے۔ میں نے ایک دیگ کو پکڑا اور اسے اٹھانے لگا تو وہ میرے حساب سے خاصی وزنی ثابت ہوئی۔ میں نے اس کو اوپر سے پکڑا اور دیگ کو پہیئے کی طرح گھما کر دھواں پوش عفریتوں کے پاس لے گیا۔ ایک آدھ ماس خورہ دیگ کے نیچے آگیا اور اس کی کربناک چیخ بھی سنائی دی۔ میں نے جلدی سے دیگ چھوڑ دی اور بھاگ کر دوسری دیگ بھی دھکیلتا ہوا لے گیا۔ دیکھا تو سارے ماس خورے پہلی دیگ پر چڑھ گئے تھے اور جب تک میں دوسری دیگ لے کر پہنچا وہ ساری دیگ چٹ کرچکے تھے وہ دیگ پر جس دھینگا مشتی کے ساتھ یلغار کرتے تھے اس سے عجیب سا شور بلند ہو رہا تھا۔ میں نے جب تک دس دیگیں ان تک پہنچا دیں اس وقت تک غازی بھی بکروں کو لے کر آگیا تھا۔ سارے بکرے سیاہ رنگ کے تھے۔ وہ خوف سے ممنا رہے تھے۔ ایک طرف ماس خور کیڑوں کا شور اور دوسری جانب بکروں کی ممناہٹ

سے قبرستان میں ایک طلسم کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

میں جب آخری دیگ دھکیل کر واپس حصار میں جانے لگا کسی نے پیچھے سے میری قمیض کا کونہ کھینچ لیا اور میری قمیض پھٹ گئی۔ اسی لمحہ ایک زوردار تھپڑ کی آواز گونجی اور ساتھ ہی کوئی خوفزدہ بچے کی طرح چلایا تھا۔ میں جلدی سے حصار میں بیٹھ گیا۔ میری سانس پھول گئی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کسی پہاڑ کو سر کر کے میں آیا ہوں۔ میں نے اس طرف جدھر دیکھا میری قمیض کھینچی گئی تھی وہاں اب غازی کھڑا تھا۔ پاس ہی کپڑوں کی وہ ڈھیری پڑی تھی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میری قمیض کس نے کھینچی تھی۔ شاہ صاحب نے میرا یہ مسئلہ حل کر دیا بولے

"اس حرام خور نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی" انہوں نے کپڑوں کی ڈھیری کی طرف اشارہ کیا" غازی اور بابا جی سرکار نے کالی داس کے بہت سے چیلوں کو پکڑ کر بوری میں بند کیا ہے۔ اس میں سے ایک نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ غازی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا"

اس دوران غازی نے سارے بکرے دھواں پوش عفریتوں کے سامنے کھڑے کر دیئے تو وہ ندیدوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ بکرے ممناتے ہی رہ گئے۔ عفریتوں نے درندوں کی طرح بکروں کو چیڑ پھاڑ کھایا اور ان کی کھینچا تانی میں بہت سے بکروں کے لوتھڑے دور دور تک جا گرے تھے۔ ماس خورے ان لوتھڑوں کی طرف بھاگ گئے۔

اس لمحہ غازی کی حسرتناک آواز بلند ہوئی۔

"آہ...... ہم سے تو یہ بھوت اچھے ہیں"

"منہ بند کر کے بیٹھ غازی" بابا جی سرکار کی آواز سنائی دی

"جی بابا جی" یہ کہہ کر غازی میرے حصار میں آ بیٹھا اور منہ میرے کان کے قریب لا کر بولا

"ایک آدھ بکرا مجھے دے دیتے تو میں ان کے سارے کام کر دیتا"

"غازی...... غازی" بابا جی کی آواز اب بہت قریب سے آئی تھی۔ میں نے اس جانب دیکھا تو وہ ٹاہلی والی سرکار کے عقب میں کھڑے تھے۔ غازی نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس قدر خوف و ہراس کے باوجود میں مسکرا دیا اور اس ایک لمحے کی مسکراہٹ نے مجھے بے حد تقویت دی۔ غازی دوبارہ سرگوشی کرنے سے باز نہیں آیا "بھیا اب تو طبیعت ٹھیک ہو گئی ہے

ناں...... میں تو آپ کو نارمل کرنے کے لئے بول رہا تھا" غازی کا نسخہ واقعی میرے لئے جانفزا ثابت ہوا تھا۔

دھواں پوش عفریت بکرے اور دیگیں چٹ کر چکے تھے اور دوبارہ اپنے ماس خور کیڑوں سمیت قبروں میں چلے گئے تھے۔ قبرستان پر اب خاموشی طاری ہو رہی تھی۔ قرب و جوار میں صرف جھینگروں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یا پھر غازی کی بھاری بھرکم سانسوں کا زیر و بم محسوس ہو رہا تھا۔ جنات کی خاصیت ہے کہ جب یہ انسانی وجود میں متشکل ہوتے ہیں تو ان کی سانسیں بھاری اور گرم ہو جاتی ہیں اگر آپ نے کسی ہائی بلڈ پریشر کے مریض کی بگڑتی ہوئی حالت کو قریب سے دیکھا ہے تو یہ جان جایئے کہ جنات کا یہ روپ اس سے سوگنا زیادہ بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر وہ قریب نہ بھی بیٹھے ہوں تو ان کی بھاری اور گرم سانسوں کی حدت یوں محسوس ہوتی ہے جیسے کوئی انسان تندور کے قریب بیٹھا ہوا اس کی تپش کو محسوس کرتا ہے۔ غازی جب بھی میرے قریب آتا تھا تو مجھے پسینہ آ جاتا تھا۔

"یار غازی مجھے گرمی لگ رہی ہے" میں نے اسے ذرا پرے ہٹاتے ہوئے کہا "اگر میرے پاس بیٹھے رہے تو میں جل جاؤں گا" وہ میری بات سمجھ گیا اور بولا

"تو پھر آپ شاہ صاحب کی حالت کا اندازہ لگا لیں۔ بیچارے ایک نہیں سینکڑوں جنات کی قربت برداشت کرتے ہیں۔ اب تو وہ بھی کندن بن گئے ہیں۔ اس تندور کی طرح جو روٹیاں سینکتا ہے اور خود بھی جل رہا ہوتا ہے لیکن اپنا روپ کبھی نہیں کھوتا" غازی ایک عجیب ماہر نفسیات ثابت ہوا تھا۔ اس نے مجھے یہ ایک بات سمجھانے کے لئے بہت ہی پرلطف طریقہ اختیار کیا تھا اور میں واقعی اس بات کو سمجھ گیا کہ عملیات کی پراسرار دنیا میں رہنے والے اتنے جلالی کیوں ہوتے ہیں۔ دراصل ان کا اندر بھی تپ چکا ہوتا ہے۔ آگ سے کھیل کھیل کر ان کے پورے بدن کا لہو آتش نوا ہو چکا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا نفس اسی آگ سے بھڑکتا رہتا ہے۔ روحانیت آگ نہیں ہوتی ایک نور کی ٹھنڈی کرنوں جیسی قوت ہوتی ہے۔ اس میں جلال ہوتا ہے لیکن یہ جلال قہر کی صورت میں متشکل نہیں ہوتا۔ نفس اس ٹھنڈی آگ کے ہاتھوں بے موت مر جاتا ہے۔

جب غازی مجھے یہ سمجھا رہا تھا تو اس لمحہ ٹاہلی والی سرکار کی مسرت آمیز آواز سنائی دی "لو بھئی ہم کامیاب ہو گئے"

آب خورے پر بلند دھواں اب سمٹنا شروع ہو گیا تھا اور اس کے اندر ایک کوتاہ قامت انسان مینڈک کی طرح پھدکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ دھوئیں سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کی تمام کوششیں بے سود تھیں۔

''تو اب بھاگ نہیں سکے گا کالی داس'' ٹاہلی والی سرکار نے چھری کی نوک دھوئیں میں گھسیڑ دی تو کالی داس نے پھدکنا بند کر دیا۔ اس کی باریک لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''سرکار...... میں وچن دیتا ہوں آج کے بعد میں کبھی غلط کام نہیں کروں گا مجھے شما کر دیں''

''سرکار...... اس کو معاف نہیں کرنا'' باباجی کی غصہ میں بھری ہوئی آواز سنائی دی۔

''سنو ذرقان شاہ مجھے مروا کر تمہیں کچھ نہیں ملے گا اگر تم بھی مجھے شما کر دو تو میں کبھی تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا'' میری بات یاد رکھنا ذرقان شاہ۔ ابلیس کی نسل سے ہوں اور تم بھی اسی میں سے ہو۔ میں تم نے جو بہروپ بھرا ہے یہ کھل کر رہے گا''۔

اس لمحے میں نے ریاض شاہ کے چہرے پر خوفزدگی کے سائے محسوس کئے اور وہ تیزی سے بولے ''سرکار اس کو جلدی سے جہنم واصل کر دیں یہ بکواس کر رہا ہے''

''ریاض شاہ خاموش بیٹھو۔ میں سمجھتا ہوں تمہیں کس بات کا خوف ہے تم بھی ایک عامل ہو اپنے اندر صبر کرنا سیکھو۔ اس نے اگر تمہارے باباجی کو ان کے اصلی نام سے پکار لیا ہے تو تمہیں کیا پریشانی ہے۔ زیادہ پریشان ہونے سے اب کچھ نہیں ہوگا''

ریاض شاہ خاموش تو ہو گئے مگر ان کی ہیجانی کیفیت ختم نہ ہوئی انہوں نے کن اکھیوں سے میری طرف بھی دیکھا تھا مگر میں یوں صم بکم ہو گیا تھا جیسے مجھے گردوپیش کی خبر ہی نہیں تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ کالی داس کے الفاظ میرے ذہن میں گھوم رہے تھے اور باباجی کا تقدس سے بھرا نورانی چہرہ میری نظروں کے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔

''کالی داس میں دشمنوں اور برے لوگوں کو مارنے کے آداب بھی جانتا ہوں لیکن افسوس میں گندگی کو پاکیزگی کی جگہ پر نہیں رکھ سکتا۔ میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا'' یہ کہہ کر ٹاہلی والی سرکار نے چھری کالی داس میں گھسیڑ دی تو آناً فاناً قبرستان کے اوپر بجلیاں سی کڑکنے لگیں۔ درخت طوفانی انداز میں ہلنے لگے اور ہر سو بین کرتی آوازیں سنائی دیں۔

''او بابا...... تم نے کیا کر دیا۔ ہمارے پربھو کو مار دیا۔ ہم کو بھی مار دے'' بین کرتی آوازیں کبھی درختوں سے آ رہی تھیں اور کبھی قبروں سے۔ اب میں خاموش تماشائی کی طرح بیٹھا تھا

جنات کا غلام

مجھے اس صورتحال کی خاصی سمجھ آ چکی تھی اور مجھے تحفظ کا بھی احساس تھا کہ یہ طاقتیں میری حفاظت کریں گی۔ یہ شور خاصی دیر تک برپا رہا۔ کالی داس اب دھوئیں میں تحلیل ہو گیا تھا اور جوں جوں دھواں سکڑتا ہوا آب خورے میں واپس جا رہا تھا بین کرتی بدروحوں کی آوازیں بھی کم ہو رہی تھیں۔ کچھ ثانیے بعد دھواں آب خورے میں بیٹھ گیا اور وہاں چٹکی بھر خاک نظر آ رہی تھی۔ ٹاہلی والی سرکار نے وہ راکھ پوٹلی میں باندھ لی تو اس کے ساتھ ہی قبرستان میں سکون لوٹ آیا۔ سب کے چہرے مسرور تھے۔ شاہ صاحب نے کالی داس کی راکھ لینے کے لئے ٹاہلی والی سرکار کے آگے ہاتھ بڑھا دیا تو باباجی (ذرقان شاہ) کی آواز سنائی دی۔

''ریاض شاہ ندیدے نہ بنو جو کچھ تمہارے پاس ہے اگر اسے ہی سنبھال کر رکھ لو تو بہت بڑی بات ہے''

''یہ ٹھیک کہتا ہے'' ٹاہلی والی سرکار نے کہا ''ریاض شاہ تم پر کچھ قوتیں مہربان ہیں تو اس کی لاج رکھو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تمہارے باطن میں کیا ہے ہم ان قوتوں کی لاج رکھے بیٹھے ہیں کہ تمہیں کچھ نہیں کہتے۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس راکھ سے تم کیا کچھ کر سکتے ہو لیکن ہمارا مشورہ ہے کہ صرف اس پر اکتفا کرو جو تمہیں دے دیا گیا ہے۔ اگر زیادہ چاہئے تو پھر ریاضت کرو اور چلے کاٹو'' مگر افسوس کہ تم اب اس کی ہمت نہیں رکھتے'' ریاض شاہ کے چہرے پر شرمندگی سے پسینہ آ گیا۔

☆☆☆

وہ رات میرے لئے جتنی خوفناک اور دہشت زدہ تھی اب اتنی ہی میرے لئے اس میں دلچسپیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ قبرستان پر چھائے ہوئے اسرار کے بادل برس چکے تھے اور اب روحانیت کے اسرار ہر سو چھا رہے تھے۔ بھید کی باتیں کھل رہی تھیں۔ شاہ صاحب پر خجالت اور ندامت کا سودا سوار تھا وہ ٹاہلی والی سرکار کے قدموں میں گر گئے اور ان کے پاؤں پکڑ کر کہنے لگے۔

''سرکار آپ کے ہوتے ہوئے مجھے اتنی ریاضتوں اور چلوں کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو آپ کا بالکا ہوں۔ آپ نظر عنایت کریں گے تو میں کچھ بن جاؤں گا......''

''ریاض شاہ......'' ٹاہلی والی سرکار کی آواز گونجی۔ ''تم جانتے ہو ساری عمر جنات کے ساتھ

نہیں گزر سکتی۔ان کی طاقت سے کب تک اپنی چودھراہٹ قائم رکھو گے۔لہٰذا تم اپنے اندر باطنی روشنیاں پیدا کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

"سرکار میں تو اناڑی ہوں۔یہ روشنیاں کیسے پیدا کر سکتا ہوں۔آپ ہی میرے اندر چراغاں کریں گے تو بات بنے گی......"

یہ سن کر ٹاہلی والی سرکار نے فلک شگاف قہقہہ لگایا اور بولے

"بد بخت تم مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔تمہاری ماں کے پاس بزرگوں کا فیض تھا۔تم نے اس میں سے رتی بھر چرا لیا اور اب خوشامد کرتے ہوئے مجھ سے بھی روشنیاں لینا چاہتے ہو۔" ٹاہلی والی سرکار خاموش ہوئے تو بابا جی بولے

"محترم اسے روشنی سے زیادہ آگ سے پیار ہو چکا ہے۔میں اسے بہت سمجھا چکا ہوں۔لیکن یہ سمجھتا نہیں ہے۔اب دیکھئے۔کالی داس کی راکھ مانگ رہا ہے۔آپ سمجھتے ہیں کہ یہ راکھ کیوں مانگ رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں ذرقان شاہ۔سب جانتا ہوں۔یہ بندہ اپنی اوقات سے باہر ہو رہا ہے۔اگر ہمیں اسکے بزرگوں کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم اسے عبرتناک سبق سکھاتے......"

"سرکار......ایسی باتیں نہ کریں......میرا دل گھبراتا ہے......" شاہ صاحب ہنوز ان کے قدموں میں جھکے ہوئے تھے۔

"سیدھا ہو کر بیٹھ جا ریاض شاہ۔کان کھول کر میری بات سن لے۔تو کالے علم کی کشتی میں سوار ہونا چھوڑ ناں دے۔اور نیک علوم سیکھنا شروع کر دے۔"

"تو سرکار سکھا دیں ناں میں بھی تو کالا علم نہیں کرنا چاہتا۔"

شاہ صاحب کی اصلیت جان کر مجھے دھچکا لگا۔ایک ایسا شخص جسے روحانی پیر جیسا عزت و احترام دیا جا رہا تھا اس کا یہ بھیانک روپ میرے سامنے آ گیا۔اسی وجہ سے تو مجھے ان کا چہرہ انسانوں جیسا نہیں لگا تھا۔

"تمہارے اندر عصبیت کا زہر بھرا ہوا ہے ریاض شاہ۔اپنا کرودھ بھی ختم کر دے۔کوئی بھی روحانی عامل کرودھ کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا۔" ٹاہلی والی سرکار شاہ صاحب کو کافی دیر تک سرزنش بھی کرتے رہے اور پھر انہیں ہدایات بھی دیتے رہے۔میں خاموش نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔یونہی خاصا وقت بیت گیا تو مجھے احساس ہوا جیسے میں ان لوگوں کے درمیان ہی نہیں

بیٹھا ہوا۔انہوں نے مجھے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔لیکن یہ میرا وہم تھا۔خاصی دیر بعد جب ٹاہلی والی سرکار نے مجھے مخاطب کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میری موجودگی سے لاتعلق نہیں تھے۔کہنے لگے۔

"میاں! یہ اپنے شاہ صاحب کے بارے تمہارے جو خیالات ہیں غلط نہیں ہیں۔"

میں نے شاہ صاحب کی طرف دیکھا جو مجھ سے نظریں ملانے کی بجائے بابا جی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"سرکار تو پھر یہ سب کیا ہے۔" میں نے ٹاہلی والی سرکار سے پوچھا "اگر شاہ صاحب جیسے لوگ معصوم لوگوں کو گمراہ کرتے پھریں تو پھر کس کا اعتبار کیا جائے۔نیکی اور بدی میں تمیز کیسے کی جائے۔معاف کیجئے سرکار...... یہ تو سراسر گمراہی ہے۔ہم جیسے لوگ جو روحانیت کے پرستار ہیں انہیں کیا معلوم کہ وہ جنہیں روحانیت کے ایک بہت بڑے درجے پر فائز شخصیت سمجھ رہے ہیں درحقیقت وہ شیطان کا پیروکار ہوتا ہے۔جناب یہ تو گمراہی ہے گمراہی۔اس کا اللہ کے دیئے ہوئے علوم سے کیا تعلق۔اور پھر......سرکار......" میں نے اپنا سر تھام لیا......اور میرا لہجہ بدل گیا۔میرے اندر کوئی شے کرچی کرچی ہو کر بکھر گئی......"سرکار...... آپ جیسے لوگ...... بابا جی جیسی ہستیاں جب ایسے لوگوں کے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہوں تو انہیں کیا سمجھنا چاہئے......"

"تم ٹھیک کہتے ہو میاں...... ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ بہت سے لوگ نیکی اور پارسائی کے خرقہ میں گمراہی اور گندگی کا لبادہ پہنے ہوئے ہوتے ہیں......" ٹاہلی والی سرکار کہنے لگی۔" دیکھا تم نے ریاض شاہ۔کتنا دکھ پہنچا ہے اس کو...... تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ گمراہی کے راستے سے واپس لوٹ آؤ...... آدھا تیتر آدھا بٹیر بننے والے سلوک کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے......"

ریاض شاہ دوبارہ انکے قدموں میں گر گئے اور بولے" مجھے معاف کر دیں سرکار۔آئندہ آپ کا شکایت نہیں ہوگی۔"

اس وقت سحری کا وقت ہو رہا تھا۔ٹاہلی والی سرکار نے ہمیں واپس جانے کے لئے کہا۔میں جب اٹھنے لگا تو وہ بولے......"افسوس میاں ہم تمہیں وہ تحفہ نہیں دے سکے جس کی تمنا تم کرنا چاہتے ہو۔افسوس صد افسوس۔ہم امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہتے...... پرسوں زلیخا کی شادی ہے اور ہم بھی اس میں شرکت کریں گے......"

زلیخا کا نام سن کر میرے اندر ٹوٹی ہوئی کرچیاں اکٹھی ہوکر میرے دل کے راستوں پر قابض ہوگئیں۔ میرے ماتھے پر پسینہ آ گیا اور پورے بدن پر رعشہ سا طاری ہوگیا۔

''حوصلہ رکھو...... اللہ تمہیں اس سے بہت بہتر تحفہ عطا فرمائیں گے۔ تمہیں ایک محبت کرنے والی بیوی ملے گی میاں...... اور تمہیں یہ سب بھول جائے گا...... جب تمہاری شادی ہو جائے گی اور اللہ تمہیں بچے عطا کرے گا تو تمہیں ہماری یاد ستانے لگے گی۔'' ٹاہلی والی سرکار نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو رعشہ زدہ بدن میں سکون سا آ گیا۔

''ہم تمہیں ایک بہت ہی عمدہ وظیفہ دیں گے۔ تم اسے پڑھتے رہنا۔ تمہاری ساری مرادیں پوری ہوں گی اور تم ہر آزمائش میں سے سرخرو ہوکر نکلو گے۔'' ٹاہلی والی سرکار نے مجھے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھنے کی ہدایت کی اور مجھے اسم اعظم عطا کیا۔ ''یہ پڑھتے رہنا۔ اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے' چلتے پھرتے۔ کہیں بھی...... سفر میں خضر میں۔ اگر تم اپنا اسم اعظم پڑھتے رہو گے تو کبھی مار نہیں کھاؤ گے۔ تمہارے اوپر مامور بیس فرشتے تمہاری حفاظت کریں گے۔ تم ان کی روحانی چادر میں محفوظ رہو گے...... اور پھر کبھی اگر تمہارے دل میں آئے تو یہ وظیفہ پڑھ لینا......'' ٹاہلی والی سرکار نے مجھے دوسرا وظیفہ دیا اور اسکو پڑھنے کی ہدایات دیکر بولے۔ ''دیکھو...... یہ بابا جی اوپر...... ہماری زمین سے دو سو کلومیٹر اوپر ان کی بستیاں ہیں۔ یہ زمینوں پر بھی آباد ہیں۔ یہ وظیفہ پڑھنے سے تمہاری بلند پروازی میں اضافہ ہوگا اور جب تم چاہو گے تمہیں نیک جنات کا تعاون حاصل ہوگا...... مگر میرے بچے...... پاکیزگی اور پارسائی کا ہمیشہ خیال رکھنا...... شہوانی خیالات کے زیر اثر آ کر کبھی ان وظائف کا ورد نہ کرنا۔ ورنہ بدکار جنات تمہاری قربت میں آ جائیں گے اور تم ساری عمر ان کے ہاتھوں ذلت اٹھاتے رہو گے...... اور ہاں...... کل رات میرے پاس آنا۔ مجھے تمہارے ساتھ بہت سی باتیں کرنی ہیں اور تمہیں تمہارے بہت سے سوالوں کے جواب بھی دینے ہیں......'' ان کے چہرے پر دبیز مسکراہٹ تھی۔ ایک ایسی فرحت آمیز مسکراہٹ جو دوسروں کے دلوں میں اثر کر کے انہیں اپنا اسیر بناتی ہے۔

''اللہ حافظ......'' ٹاہلی والی سرکار نے ہمیں قبرستان سے الوداع کیا۔ اور ہم سحری کے تارے کے ساتھ چلتے چلتے ملکوال واپس پہنچ گئے۔ راستے میں ایک بھی کتا نظر نہیں آیا۔ شاہ صاحب نے بے تکلف دوستوں کی طرح میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور آہستہ آہستہ کبھی سہلاتے اور کبھی

گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے رہے۔ میں ان کی کیفیات سمجھ رہا تھا۔ ان کا رویہ بالکل اس شخص کی طرح تھا جو اپنے افسر کے کمرے میں جا کر جھڑکیاں کھاتا ہے مگر باہر آتے ہی ایسا ظاہر کرتا ہے جیسے اسکے افسر نے اسکو بہت زیادہ شاباش دی ہے۔ لیکن جب اس شخص کی درگت کوئی دوسرا شخص دیکھ لیتا ہے تو اسکے سامنے بے چارہ بن جاتا ہے۔ مگر دوسروں پر پھر بھی اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

میرا اگلے روز پیپر تھا۔ حویلی پہنچ کر میں نے سونے کی بہت کوشش کی مگر سو نہ سکا۔ میں فجر کی نماز پڑھنے کے لئے وضو کرنے کے لئے باہر باغیچے کے پاس بنے ہوئے غسل خانے میں جانے لگا تو مجھ سے پہلے شاہ صاحب وہاں موجود تھے۔ وہ وضو بنا کر نماز پڑھنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میں نے بھی وضو کرلیا تو انہیں کہا کہ ہم دونوں باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ ہم دونوں باغیچے میں جائے نماز بچھا کر کھڑے ہونے لگے تو معاً مجھے خیال آیا تو میں نے کہا۔ ''شاہ صاحب۔ بابا جی کہاں ہیں......''

''وہ اندر ہیں......''

''سرکار سے کہیں ناں کہ ہماری امامت کرادیں......'' میں نے کہا۔ ''وہ نیک اور پارسا جنات میں سے ہیں اور پھر سرکار کی عمر بھی تو 14 سو سال ہے۔''

''شاہد میاں...... ایسا نہیں ہوسکتا۔ جنات مسلمان اور عبادت گزار بھی ہوں تو پھر بھی ہم ان کی امامت میں نماز ادا نہیں کر سکتے۔ البتہ جنات انسانوں کی امامت میں نماز پڑھ سکتے ہیں......''

''تو پھر انہیں کہیں کہ ہمارے ساتھ آ کر نماز پڑھ لیں......'' میں نے پراشتیاق لہجے میں کہا

''آؤ...... ہم اور تم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ وہ اپنی عبادت کر چکے ہیں۔ اس وقت وہ استراحت فرما رہے ہیں......'' شاہ صاحب نے کہا اور ہم دونوں نے باغیچے میں نماز فجر ادا کی۔

''آج صبح مجھے پرچہ دینے جانا ہے......'' میں نے نماز کے بعد انہیں بتایا

''اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے......'' شاہ صاحب نے پرخلوص انداز میں دعا فرمائی۔ ان کا رویہ اب تبدیل ہوگیا تھا۔ ٹاہلی والی سرکار کی سرزنش نے انہیں صراط مستقیم کی راہ پر ڈال دیا تھا اور لگتا تھا کہ اب وہ کبھی سفلی علم کو استعمال نہیں کریں گے۔ انہوں نے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کی اور پھر مجھے اپنے ساتھ مہمان خانے میں لے گئے۔ کمرے میں گہرے سبز رنگ کا

زیرو کا بلب روشن تھا۔ ان کے بستر پر بابا جی سرکار دراز تھے۔ باہر کی نسبت اندر خاصی گرماہٹ تھی۔

مجھے اندر آتے ہوئے دیکھ کر بابا جی سرکار کے بدن میں جنبش ہوئی۔ انہوں نے اپنے سر سے کپڑا سرکایا تو ان کی روشن روشن آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ شاہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بابا جی کے بستر کی پائنتی جانب لے گئے۔ وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئے اور ان کے پاؤں دبانے لگے۔ بابا جی کی آنکھوں میں طلسمات کے سارے چراغ روشن تھے۔ ان کی نظریں مجھے اپنے اندر اترتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور میرے دل کے راستوں پر جمی کرچیاں پگھلنے سی لگیں۔ میری آنکھیں ان کی عقیدت کے خیال سے جھک گئیں اور میں بھی شاہ صاحب کی تقلید کرتے ہوئے ان کے پاؤں دبانے لگا۔

بابا جی کے پاؤں انتہائی نفیس تھے۔ پاؤں کی انگلیاں برابر تھیں۔ پیر آئینے کی طرح شفاف نظر آتے تھے۔ رگوں میں دوڑتا ہوا گرم گرم لہو پارے کی طرح رواں دکھائی دیتا تھا۔ ان کے پیروں پر جب میں نے ہاتھ رکھا تو یوں لگا جیسے کسی تپے ہوئے فولاد پر انسانی گوشت کی کھال چڑھا دی گئی ہے۔ ان کے پیر دباتے ہوئے بڑا عجیب سا سکون محسوس کر رہا تھا۔

''آج چائے نہیں پلاؤ گے ہمیں......'' بابا جی نے مجھے مخاطب کیا۔

''جی سرکار...... میں ابھی لاتا ہوں......'' یہ کہہ کر میں اندر گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ چاچی اس وقت اٹھ پڑتی ہیں اور دودھ بلو رہی ہوتی ہیں۔ وہ باورچی خانے میں ہی تھیں۔ حویلی کی بوڑھی نوکرانی اوپلوں کو انگیٹھی میں ڈال کر پھونکنی سے آگ دہکا رہی تھی چاچی رنگیلی چوکی پر بیٹھی دودھ بلو رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی چاچی بولیں۔ ''بسم اللہ۔ پتر خیر ہے آج سویرے سویرے۔ بھوک لگ گئی ہے......''

''نہیں چاچی...... وہ بابا جی چائے مانگ رہے ہیں......''

''میں صدقے جاؤں۔ سرکار نے چائے مانگی ہے۔ لیکن پتر۔ ابھی تو بھینسوں کا تازہ دودھ بھی نہیں آیا۔ رات کے دودھ کو میں نے جاگ لگا دی تھی۔ اب کیا کروں...... حمیداں دیکھ ادھر کٹورے میں دودھ رکھا ہوا ہے کہ نہیں......'' بوڑھی نوکرانی کی آنکھیں آگ سلگاتے ہوئے اوپلوں کے دھوئیں سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''اچھا ملکانی جی دیکھتی ہوں......'' وہ اٹھی اور کٹورے کو دیکھ کر بولی۔ ''دودھ کا ایک گھونٹ بھی

نہیں ہے۔''

''اچھا تو پھر...... حمیدے کو ڈیرے پر بھیج اور اسے کہو کہ بھوری بھینس کا دودھ دھو کر لائے۔ جلدی کرو......''

حمیداں باہر کو لپکی اور میں بھی واپس ہونے لگا تو چاچی کہنے لگی۔

''پتر بابا جی کو لسی میں مکھن ڈال کر کیوں نہیں دیتے...... یہ لو اور سرکار سے کہو کہ تازہ لسی پی لیں......'' چاچی نے بڑے سے پیالے میں تازہ بنی ہوئی لسی میں تازہ مکھن کا پیڑہ ڈال کر مجھے دیا۔ میں نے مہمان خانے میں پہنچ کر بابا جی کو صورتحال بتائی تو وہ مسکرانے لگے۔

''میاں۔ ہم ٹھنڈی اور بادی اشیا کھا ہی نہیں سکتے...... چائے بن جائے تو لے آنا......''

یہ سن کر غازی بھی اسرار کے پردوں سے باہر نکل آیا اور بولا۔ ''سرکار اگر اجازت ہو تو میں پی لوں......''

''تو کبھی سدھر نہیں سکے گا غازی......'' بابا جی ہنس دیئے۔ ''کبھی تو جلیبیاں کھاتا ہے اور کبھی آئس کریم...... جس دن تو پکڑا گیا اس دن پتہ چلے گا......''

''بابا جی سرکار...... آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔'' غازی نے میرے ہاتھ سے لسی کا پیالا لیا اور گھونٹ بھر کر بولا۔ ''سواد آ گیا سرکار......''

''شاہد میاں......'' بابا جی نے مجھے مخاطب کیا۔ ''ہم جیسے جنات یہ چھوٹی چھوٹی عیاشیاں کرتے رہتے ہیں لیکن ہمیں اسکی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ ہمارے لئے تمہاری دنیا کی غذائیں جنت کی غذاؤں جیسا درجہ رکھتی ہیں۔ ہمیں ان کی اشتہا بہت تنگ کرتی ہے۔ ہائے۔ تمہیں کیا بتاؤں میاں...... اللہ نے جب بنو اسرائیل کو من وسلویٰ عطا کیا تھا تو اسکی لذت کس درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ مگر افسوس اس بدبخت قوم نے اس جنتی غذا کو ٹھکرا دیا۔ ہمارے بزرگ بتاتے ہیں کہ جنات بھی من وسلویٰ کھاتے تھے۔ وہ بڑے فخر سے ہمیں بتاتے تھے کہ من وسلویٰ حاصل کرنے کے لئے وہ کیا کیا طریقے اختیار کرتے تھے۔ میں تمہیں ایک راز کی بات بتا دوں۔ اس من وسلویٰ کی ایک جھلک عربوں کے کھانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر رسول اکرمؐ کی امت اور سرزمین کو من وسلویٰ کی لذت سے بھی آشنا کیا تھا۔ کیا تم نے کبھی عربوں کے روایتی کھانے کھائے ہیں......''

میں نے انکار میں سر ہلایا۔

''نہیں کھائے ہوں گے۔ اگر تم کھا بھی لو تو ہضم نہ کر سکو گے۔ تم آج کل کے ان انسانوں میں سے ہو جو خالص غذا نہیں کھا سکتے ......'' باباجی کہہ رہے تھے۔ ''یہ چائے جو تم یہاں پیتے ہو اس میں کسی قسم کی لذت نہیں ہے۔ ...... تمہیں کیا بتاؤں ...... بڑی سرکار ...... میرے پیرو مرشد بتایا کرتے تھے کہ فرعونوں کے محلات میں جو قہوہ پکتا تھا آج کی دنیا اس کی لذت سے محروم ہے۔ یہ قہوہ جڑی بوٹیوں کو شہد میں گھول کر پکایا جاتا اور پھر یہ مہمانوں کو پینے کے لئے دیا جاتا تھا۔ فرعون جس پر مہربان ہوتے یہ قہوہ اسکو پلاتے تھے۔ میری بڑی سرکار صاحب ایمان ہونے سے پہلے مشرک تھے اور وہ ایک فرعون زادی کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے محل میں رہتے تھے۔ یہ داستان بڑی رنگین اور دلچسپ ہے میاں ...... کبھی وقت ملا تو ہم تمہیں سنائیں گے۔ تم داستان گو ہو۔ تمہارے لئے یہ داستان بڑی اہم ہو گی۔ زلیخا کی شادی ہو لینے دو ...... اگر تم نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائی تو ہم تمہیں یہ داستان ضرور سنائیں گے ......''

باباجی کی باتوں میں اس قدر سحر اور اثر تھا کہ میں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''سرکار ...... مجھے آپ پر اعتماد ہے اور میں آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا ......''

''ٹھیک ہے۔ پرسوں رات کے بعد ہم تمہیں اپنے پیرو مرشد کی یہ داستان سنائیں گے۔ اب تم جاؤ اور چائے لے آؤ ...... حمیدا دودھ لے آیا ہے ......'' میں باورچی خانے میں گیا تو واقعی حمیدا واپس آ چکا تھا۔ چاچی نے مجھے چائے بنا کر دی میں نے باباجی کو اپنے ہاتھوں سے چائے پلائی۔ یہ بڑا دلچسپ تجربہ تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی چسکیاں بھرنے لگے۔

''تمہاری چاچی اس میں الائچی ڈال دیتی تو زیادہ لطف آتا ......'' باباجی کہنے لگے ''بہرحال تازہ اور خالص دودھ میں بنی چائے کا بھی اپنا ہی لطف ہے۔''

باباجی چائے پی چکے تو میں ان سے اجازت لیکر شہر جانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ رات تیزی سے گزر گئی تھی۔ مجھ پر جگ رتے کا ذرا بھی اثر نہیں تھا۔ اس روز میرا پرچہ بہت اچھا ہوا۔ میں اس روز بہت زیادہ مضطرب تھا۔ رات کو مجھے ٹاہلی والی سرکار سے بھی ملنا تھا اور اگلے روز زلیخا کی شادی کا بھی بندوبست کرنا تھا۔ شادی میں صرف گھر کے ہی لوگوں نے شریک ہونا تھا۔ میں جب واپس آیا تو بڑے ملک صاحب کو بہت زیادہ غمگین پایا۔ ان کے کاندھے جھکے ہوئے تھے اور وہ ایک دو راتوں میں ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔

''پتر تم بھی میری مدد نہیں کر سکے۔ میں تو تمہیں اپنا ہمدرد سمجھتا تھا ......''

چاچاجی کی بات سن کر میں مجرموں کی طرح سر جھکا کر خاموش کھڑا رہا۔ میرا دل چاہا کہ یہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں غرق ہو جاؤں۔ بے کسی سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں منہ موڑ کر بھاگ گیا۔

''پتر کب تک یونہی بھاگتے رہو گے ......'' مجھے چاچاجی کی آواز سنائی دی ...... میرے پاس ان کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔ میں انہیں کیا بتاتا کہ میں خود کن حالات سے گزر رہا ہوں۔ اور میرے بس میں اب کچھ نہیں رہا۔

میں ڈیوڑھی سے گزر رہا تھا کہ مجھے عقب سے زلیخا کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس نے سرخ رنگ کا جوڑا پہنا تھا اور زنان خانے کی دہلیز پر کھڑی تھی۔

''شاہد۔ میرے لئے شہر سے گلاب کے پھول منگوا دینا ......''

میں کسی ساکت شے کی طرح اسکو دیکھتا رہ گیا۔ ''اور یہ پھول کل میری تربت پر ڈال دینا ...... اپنے ہاتھوں سے ......''

''زلیخا ......'' میرے اندر رواں کرچیاں دوبارہ اکٹھی ہو کر میرے حلق میں پھنس گئیں اور میری رگ دپے زخم زخم ہو گئی ...... کوئی بہت ہی اذیت سے میرے اندر چیخا تھا ......

میں نے اسکی طرف سے رخ موڑ لیا اور ڈیوڑھی میں بھاگتا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا۔ عقب سے زلیخا کی آواز میرا تعاقب کرتی رہی۔ ''شاہد یہ پھول تم میری تربت پر ڈال دینا ......''

میں حویلی سے بھاگتا ہوا ہانپتا کانپتا ہوا قبرستان کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ میرا پورا وجود زخموں سے چور چور تھا۔ میری سانسیں بھی اکھڑ چکی تھیں۔ میں سیدھا ٹاہلی والی سرکار کے والد گرامی کی قبر کے پاس جا گرا۔ میرا دل چاہا کہ یہ قبر شق ہو جائے اور میں اسکے اندر دفن ہو جاؤں۔ ابھی تک چاچاجی اور زلیخا کی آوازیں میرا تعاقب کر رہی تھیں۔ میں نے شدت سے مغلوب ہو کر اپنے کان بند کر لئے اور زور زور سے چیخنے لگا۔

''خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو ...... میں بے بس ہوں۔ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے ...... کچھ نہیں ہے میرے اختیار میں ......''

میں روتا جا رہا تھا اور میری چیخوں سے قبرستان کے مردے بھی عاجز آ گئے تھے۔ معاً کسی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور دہشت زدہ ہو کر نم آنکھوں سے پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ٹاہلی والی

سرکار کھڑی تھی۔ انکے ہاتھ میں دانوں کی ایک بڑی سی مالا تھی۔
''پتر۔ تم بھول گئے۔ ہم نے کہا تھا جب دکھ بڑھ جائیں تو اللہ کو یاد کرنا۔ تمہاری ساری آزمائشیں وہی ذات کامل آسان کرسکتی ہے۔ آؤ۔ میرے پاس بیٹھ جاؤ اور اپنے اسم اعظم کو پڑھو۔ خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے قلب کے اندر عشق حقیقی کا چراغ روشن کرواور اپنی ساری ذہنی قوتیں اس چراغ کی لو پر مرکوز کردو...... اور دل وجان سے یکتا ہو کر پڑھو۔ پھر دیکھنا عبادت وریاضت کا اثر...... آؤ...... اچھے مرد روتے نہیں ہیں......''
''مرد کیوں نہیں روتے۔ مرد تو بہت روتے ہیں سرکار......'' میں گلوگیر لہجے کے ساتھ بولا۔
''سرکار جب مرد آہ وزاری کرتے ہیں تو سمندروں اور پہاڑوں میں جوار بھاٹا اٹھتے ہیں۔ زمین کا کلیجہ پھٹ جاتا ہے۔ سرکار جب مرد روتا ہے تو آسمان بھی اسکے ساتھ روتا ہے۔ اس وقت مرد بڑا بے بس ہوتا ہے سرکار۔ بڑا دکھی ہوتا ہے......''
''ہاں...... مگر یہی دکھ اور بے کسی اسے اپنے کمزور ہونے اور اس ذات کامل کی طرف راغب کرتا ہے۔ مرد ہمیشہ اپنی طاقت کے زعم میں رہتا ہے مگر جب اس کا زعم ختم ہوتا ہے تو وہ عشق حقیقی کی آغوش میں پناہ لیتا ہے۔''
ٹاہلی والی سرکار کی باتیں میرے دل پر اثر کرنے لگیں اور میں نے انکی ہدایت پر اپنے دل کو ذکر الٰہی سے معمور کرنا شروع کردیا۔ میں اپنے دل میں عشق حقیقی کا چراغ روشن کرنے لگا۔ میری باطنی دنیا کے گہرے اندھیروں میں ذکر الٰہی کے نور سے سیاہی چھٹنے لگی۔

☆☆

میں نور کی کرنوں میں کھڑا تھا اور سرتاپا ایک دبیز اور انتہائی کیف آور روشنی میرے پورے بدن سے پھوٹ رہی تھی۔ میری آنکھیں ہنوز بند تھیں مگر قلب وذہن کی راہداریوں میں سرگرداں روح اپنی بصیرت کے جلوے دکھا رہی تھی۔ میرے اندر حقیقی انسان گوشت پوست سے مبرا ہو کر ایک لطیف وجود کی شکل میں اس نظارے سے لطف اٹھا رہا تھا۔ میرے اختیار میں ہوتا تو اپنی روح کے دیدار اور لطف وکرم کی سنہری بارش سے ملاقات کا ناطہ کبھی نہ توڑتا۔ مگر یہ ابتدا کے دن تھے۔ ارتکاز ابھی پختہ نہیں ہوا تھا۔ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گیا تھا اور میں بیدار ہوگیا۔ میری آنکھیں بوجھل اور کن پٹیاں بھاری ہورہی تھیں۔ دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی اور سانس میں گرماہٹ اور اکتاہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔

ٹاہلی والی سرکار نے میری حالت دیکھی تو اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پھر پہلے دائیں اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ پھیرنے لگے۔
''میاں...... دیکھا یہ لطف وکرم۔ وجدان کی یہ دنیا بڑی نرالی ہے۔ سچ بتاؤ۔ اگر تمہارے اختیار میں ہوتا تو کیا تم اس دنیا سے واپس آنا پسند کرتے۔ اپنی آنکھیں کھول کر اس عارضی دنیا کی کراہتوں کو سہنا پسند کرتے''
''سرکار...... آپ صحیح فرماتے ہیں سرکار۔ میں نے چند گھڑیوں میں جو لطف اٹھایا ہے روح کی سرشاری اور اس کے نور کی لطافت میں جو راحت پائی ہے خود کو ایک جیتا جاگتا اور محسوسات سے بھرا ہوا انسان پایا ہے میں اس دنیا سے بالکل واپس آنا پسند نہ کرتا''
''حق اللہ...... حق اللہ''
ٹاہلی والی سرکار نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور سر دھنتے ہوئے کہنے لگے ''یہ راز حقیقت کی ایک بہت ہی چھوٹی سی جھلک تھی میاں...... اب کہو تمہاری دنیا اور ہماری دنیا میں کتنا فرق ہے۔ میرے مرشد نے جب مجھے یہ منظر دکھایا تھا تو میں نے دنیا تیاگ دی تھی۔ اپنے سکول کالج اور یونیورسٹی کی ساری ڈگریاں جلادی تھیں۔ میں اپنے رب سے شرمندہ تھا۔ اتنے برسوں ایسی تعلیم اور علم حاصل کرتا رہا جو مجھے اس ذات کبریا سے دور لے گیا تھا۔ بابا...... یہ دنیاوی علم اپنے رب کی پہچان کسی کسی کو ہی دیتا ہے۔ یہ بڑا سطحی علم ہے۔ ہم جیسے ملنگ اور مجذوب لوگ اپنی روح کی دنیا میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اپنے ظاہری بدن کے قید خانے میں عمریں کاٹ رہے ہوتے ہیں مگر بدن کے اس پنجرے میں طائر روح کہیں اور پرواز کررہا ہوتا ہے۔ ہم اپنی پروازوں اور لطافتوں کی دنیا سے ہرگز واپس نہیں آنا چاہتے۔ تم جیسے لوگ ان ملنگوں درویشوں مجذوبوں اور بابوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہو۔ ان کے بدن پر لٹکتے غلیظ چیتھڑے نما ملبوسات کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہو۔ ہائے تم کیا جانو۔ ان کے قلب وذہن کس بیداری میں رہتے ہیں''
ٹاہلی والی سرکار کی باتیں میرے دل پر نقش ہو رہی تھیں اور میرا دل بار بار اسی دنیا کی لطافتوں کی طرف کھنچا چلا جارہا تھا۔ میرے دل میں آیا کہ ان کے ہاتھوں بیعت ہو جاؤں مناسب الفاظ تلاش کرکے اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش میں تھا کہ وہ بولے
''تم جس کشش وپیچ میں مبتلا ہو یہ تمہیں کوئی بہتر حل نہیں بتا سکے گا۔ تم ہماری دنیا کے آدمی ہو مگر

تمہیں ہماری دنیا سے فی الحال دور ہی رہنا ہے۔تم پر بھی بزرگوں کا سایہ ہے۔تم کسی کی دعا کی لاج ہو۔جاؤ پہلے اپنا کھوج لگاؤ۔تمہاری کمر پر کسی ہستی نے مہر لگائی تھی اسکے سلسلہ میں بیعت ہونا ہے تجھے“میں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا

”میں کچھ سمجھا نہیں سرکار“

”اپنے گھر جاؤ......اور اپنے والدین سے پوچھنا۔تم بڑی دعاؤں اور منتوں کے بعد اس دنیا میں آئے ہو۔اللہ ذوالجلال نے اپنے کسی ولی کی دعا کو قبول فرمایا اور تمہارے والدین کے حق میں دعا فرمائی تھی۔جاؤ اور اپنی شناخت تلاش کرو“میں ان کی باتیں سن کر سوچنے لگا کہ نہ جانے وہ کس وہم وگماں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔میں نے اپنے والدین سے ایسی کوئی بات نہیں سنی تھی کہ میری پیدائش سے پہلے انہوں نے کسی بزرگ سے دعا کرائی تھی۔ٹاہلی والی سرکار نے میرے ماتھے پر نظریں جمائیں جیسے کسی دستاویز کو پڑھ رہے تھے۔ان کے لبوں پر مسکان تھی۔

”میاں ...... میں نے شریعت کے خلاف کوئی بات نہیں کی ......تم کس گماں میں ہو۔یہ طریقت کا سلیقہ ہے۔طریقت شریعت پر رہے تو کسی بدگمانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اور تم تو ویسے بھی بڑے خوش بخت ہو،تمہارے لئے ایک صاحب طریقت نے دعا کی تھی۔جاؤ اور اب ان کی دعاؤں کا حق ادا کرو اور ان کے لئے بھی دعا کرو۔میاں ...... دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔بس دعا کا سلیقہ سیکھ لو۔اپنے اللہ سے محبت کرو۔اس قدر محبت سے اس کو چاہو کہ وہ تمہیں چاہنے لگے۔رب ذوالجلال سے اس کا فضل مانگ کر اپنے حق میں دعا کرو گے تو فیض پاؤ گے ......جاؤ اور اپنی منزل کے نشان تلاش کرو“

ٹاہلی والی سرکار کی باتوں سے میرے اندر کشمکش جاری ہو گئی تھی کہ وہ کون سی ہستی ہے جس کی دعاؤں کا میں ثمر ہوں۔مجھے اپنے متعلق جاننے کی کھد بد ہونے لگی تھی اور یہ رات میرے لئے کاٹنا بڑی مشکل ہو رہی تھی۔میں واپس حویلی چلا گیا تو شاہ صاحب نے مجھے دیکھتے ہی بتایا کہ شادی کچھ دنوں کے لئے موخر کر دی گئی ہے۔ان کا چہرہ ستا ہوا تھا مگر مجھے اس خبر سے آگاہ کرتے ہوئے وہ خاصے ہیجان میں تھے۔

”کیا ہوا“میں نے دریافت کیا

”زلیخا کی طبیعت خراب ہے۔چاچی نے باباجی سے بات کی ہے کہ شادی کچھ دنوں کے لئے موخر کر دی جائے“

یہ پہلا موقع تھا جب یہ خبر سن کر مجھے کچھ عجیب نہیں لگا نہ ہی اس شادی کے موخر ہونے کی خبر سن کر میرے اندر لڈو پھوٹے تھے اور نہ ہی میں نے زیادہ استفسار کیا۔میں تو اپنی کھوج کے بھنوروں میں غرقاب ہو رہا تھا۔میں نے چاچی سے بھی یہ پوچھنا گوارا نہ کیا اور کمرے میں پہنچ کر کتابیں کھول کر بیٹھ گیا۔کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نصیر کمرے میں آ گیا اور اس نے اطلاع دی کہ باباجی سرکار نے مجھے یاد کیا ہے۔

یہ وہی رات تھی جب باباجی سرکار نے مجھے افیون لانے کے لئے کہا تھا اور اگلے روز میں دو رتی افیون کے لئے دیہاتوں کی خاک چھانتا پھرا تھا۔اس سے اگلے روز میرا پرچہ تھا۔میں نے جس ذہنی الجھن اور غیر متوقع حالات میں انگریزی کا پرچہ دیا تھا اس کا ذکر آغاز میں کر چکا ہوں اور یہ بھی بتا چکا ہوں کہ اس روز سبزی منڈی میں غازی کی حماقتوں اور شرارتوں کے نتیجہ میں ایک درویش ـــــ بابا تیلے شاہ کی کٹیا میں پہنچ گیا تھا۔بابا تیلے شاہ میرے لئے ایک معمہ سے کم نہیں تھا۔اس کا یہ کہنا کہ وہ مجھے خود اپنے پاس کھینچ کر لایا ہے ایک عجیب سی بات تھی۔میں تو ایک غیر اہم اور عام سا نوجوان تھا۔میرے اندر ایسے کون سے لعل جڑے ہوئے تھے کہ یہ بابے اور ملنگ مجھے اہمیت دے رہے تھے۔ایک طرف ٹاہلی والی سرکار اور دوسری طرف بابا تیلے شاہ......تیسری جانب شاہ جی اور باباجی سرکار تھے۔میں تو ایک ہجوم اسرار میں گھر چکا تھا۔میں نے غازی کو بابا تیلے شاہ سے بڑی مشکل سے بچایا تھا مگر اب ہم دونوں اپنی اصلیت بھی ظاہر کر چکے تھے۔بابا تیلے شاہ نے بتایا تھا کہ جنات کی پکھیوں کی سرگرمیوں نے پورے علاقے کے بزرگوں کو بے زار کر دیا ہے اور اس سے دوسری ہوائی اور کافر مخلوق میں بھی ہلچل مچی ہوئی ہے۔ان کے استفسار پر میں نے اپنے گزشتہ چار دنوں کی پوری داستان سنا دی تھی کہ میں باباجی سرکار سے کیسے ملا۔غازی سے میرا تعلق کیا تھا۔اب تک ہونے والے تمام حالات کی پٹاری کھول کر رکھ دی۔

”پھر تم کہتے ہو کہ میں اتنا غیر اہم کیسے ہو گیا“بابا تیلے شاہ نے معنی خیز انداز میں میری طرف دیکھا”جو بھی انسان اس آتشی مخلوق سے تعلق واسطہ رکھے گا وہ خود بخود اہم ہو جاتا ہے۔میری ایک بات یاد رکھو۔مقناطیس ہی مقناطیس کو کھینچتا ہے اور یہ لوہے کا برادہ ......اس مقناطیسی ڈنڈے کے ساتھ کھنچا چلا آتا ہے۔کبھی تم نے دیکھا ہے ان ملنگوں کو۔وہ مزدوری بھی کرتے ہیں اور لوہے کا برادہ بھی اکٹھا کرتے ہیں۔وہ خاک اور گندگی میں بھی مقناطیسی ڈنڈا پھیرتے

رہتے ہیں۔ جہاں جہاں لوہا چھپا ہوگا ڈنڈے کے ساتھ کھنچا چلا آئے گا۔ تمہیں بھی اس روحانی
ڈنڈے نے کھینچ نکالا۔ چاہے تم پاتال میں ہوتے۔ تمہاری باری آنی تھی اور تمہیں ظاہر ہونا
تھا‘‘ میں انہماک سے بابا تیلے شاہ کی باتیں سن رہا تھا مگر میں پھر بھی اس نکتہ کو نہ جان سکا جو وہ
مجھے سمجھانا چاہتے تھے۔

’’تم میرے ساتھ چلو گے‘‘ انہوں نے رمز و کنایہ کی گفتگو سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا

’’کہاں‘‘ میں نے استفسار کیا

’’ادھر سیداں والی...... پیر کاکے شاہ کے مزار پر جانا ہے چلو گے‘‘ انہوں نے کہا میں نے
سیداں والی کا نام تو سنا ہوا تھا مگر آج تک وہاں جانا نہیں ہوا تھا۔ میرے والدین بہت سال
پہلے وہاں کچھ عرصہ گزار کر آئے تھے۔ سیداں والی سیالکوٹ شہر سے چار پانچ کلومیٹر کے فاصلہ
پر ’’نالہ ایک‘‘ کے کنارے ایک قدیمی قصبہ تھا۔ وہاں بزرگوں کی قبور تھیں اور ان کے اعلیٰ
حضرت پیر جماعت علی شاہ کے ساتھ خاندانی مراسم بھی تھے۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا تھا۔
اگلے روز بھی میرا پرچہ تھا اس لئے میں وہ دن کسی اور مصروفیت میں نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ میں
نے اپنے امتحان کا عذر پیش کیا اور کہا

’’سرکار اگر اجازت دیں تو دو چار روز بعد میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میں ان دنوں امتحان میں
مصروف ہوں‘‘

وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھنے لگے ’’تجھے اس امتحان کی پڑی ہے اور اس امتحان کی تجھے کوئی
فکر نہیں ہے جو تیرے سر پر کھڑا ہے‘‘ میں خاموش ہو کر انہیں دیکھتا رہا اور زبان سے کچھ نہیں
بولا۔ ’’میری خاموشی دیکھ کر وہ دوبارہ بولے

’’ٹھیک ہے تم دوبارہ آنا۔ ہم تمہارا سیداں والی میں انتظار کریں گے‘‘

میں نے موقع غنیمت جانا اور جلدی سے وعدہ کر کے اپنے گھر چلا گیا۔ میں نے اپنی والدہ کو بھی
خود پر گزرنے والے حالات سے آگاہ کیا تو وہ پریشان ہو گئیں۔ انہوں نے مجھے منع کر دیا کہ اب
میں ملکوال ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں نے جب ٹاہلی والی سرکار کی رمزیہ گفتگو سے انہیں آگاہ کیا تو
وہ سوچ بچار میں پڑ گئیں۔ پھر بتانے لگیں ممکن ہے وہ درست ہی کہہ رہے ہوں۔ ہم نے بیٹیوں
کی پیدائش کے بعد اولاد نرینہ کے لئے سیداں والی کے بزرگ پیر کاکے شاہ کے مزار پر جا کر دعا
کرائی تھی اور منت مانگی تھی کہ اگر اللہ ہمیں اس بار بیٹا عطا کرے گا تو ہم پاکپتن شریف جا کر

دیگیں چڑھائیں گے۔ تمہاری پیدائش کے بعد ہم نے اپنی منتیں پوری کی تھیں۔ ممکن ہے ٹاہلی
والے بزرگ کا یہی منشا ہو۔ تم کبھی سیداں والی گئے بھی نہیں ہو گے اور نہ ہی پاکپتن شریف جا کر
خواجہ فریدالدین گنج شکر کے مزار پر تم نے حاضری دی ہے۔ والدہ کی باتیں سن کر مجھے بابا تیلے شاہ
کی باتیں یاد آ گئیں۔ وہ مجھے سیداں والی لے کر جانا چاہتے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ٹاہلی والی
سرکار اور بابا تیلے شاہ دونوں مجھے ایک نئے راستے اور منزل کی تلاش میں ڈال رہے تھے۔

میں نے والدہ سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں اب ملکوال نہیں جاؤں گا مگر جب شام ہونے لگی تو
میرے اندر بے تابیوں کے الاؤ بھڑکنے لگے اور میں خود پر قابو نہ رکھ سکا۔ میرے ذہن پر ان
ہستیوں کی عقیدت کا اس قدر تسلط ہو چکا تھا کہ مجھے اب امتحان کی فکر ہی نہیں رہی تھی۔ اللہ نے
مجھے اپنی پراسرار دنیاؤں کے مکینوں سے ملا دیا تھا اور میں اس موقع کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا
تھا۔ اس وقت میرے اندر عقیدت کا سمندر موجزن ہو چکا تھا۔ ایک صحافی کا فطری تجسس بھی
مجھے اس بات پر آمادہ کر رہا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے دور نہیں رہنا چاہئے۔ پس میں والدہ کو
بمشکل قائل کر کے ملکوال چلا گیا۔

وہ رات میرے لئے بڑی اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ باباجی سرکار مہمان خانے میں ہی تشریف
فرما تھے اور خاصے مسرور تھے۔ میں جب پہنچا تو دیکھتے ہی فرمائش کی ’’شاہد میاں...... غازی کو
آئس کریم اور جلیبیاں کھلاتے رہتے ہو مگر ہمارے لئے آم نہیں لے کر آ سکے‘‘

میں شرمندہ ہو گیا۔ شہر سے خالی ہاتھ ہی گاؤں پہنچا تھا۔ ذہن میں ایک لحظہ کے لئے بھی خیال
نہیں آیا تھا کہ ان کے لئے کوئی شے ہی لے جاؤں ’’میں کل شہر سے آم لے کر آؤں گا سرکار‘‘
باباجی کو جلدی تھی اس لئے وہ چلے گئے اس روز شاہ صاحب بھی بڑے مسرور تھے۔

’’تم نے خاصی دیر لگا دی واپس آنے میں‘‘

میں نے انہیں دن بھر کی ساری تفصیلات سے آگاہ کیا مگر یہ نہیں بتایا کہ بابا تیلے شاہ سے کیا
بات چیت ہوئی۔

’’اگر تم وقت پر آ جاتے تو تمہیں ایک کیس میں اپنے ساتھ لے جاتا‘‘

’’کیسا کیس‘‘ میں نے استفسار کیا ’’پولیس پھر آ گئی تھی‘‘

’’نہیں یار‘‘ وہ ہنس دیئے ’’ہم لوگ جب کسی کا کوئی مسئلہ حل کرنے جاتے ہیں تو اسے کیس
بولتے ہیں‘‘ وہ بتانے لگے ’’ادھر ساتھ ایک بڑے قصبہ میں ملک صاحب کے ایک دوست کی

بیٹی پر جن قابض ہوگیا تھا لڑکی بھی اس کی گرفت میں آ چکی تھی اور وہ اس جن کو چھوڑنے پر راضی نہیں تھی۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے بابا جی کی موجودگی کے بغیر اس لڑکی کو جن سے آزاد کرادیا ہے“

یہ سن کر مجھے اس کہانی میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ شاہ صاحب کہنے لگے ”یہ بڑی عجیب اور متنازعہ سی بات ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑتے اور اس کو کسی اور وقت پر اٹھا دیتے ہیں کہ جنات اور انسانوں میں شادیاں ہوسکتی ہیں کہ نہیں...... فی الحال اس لڑکی اور جن کی داستان سن لو جو شادی پر آمادہ تھے...... مگر میں نے یہ خلاف فطرت اور خلاف شریعت حرکت سرزد نہیں ہونے دی۔

اس لڑکی کی منگنی ہوچکی تھی لیکن جب سے وہ جن اس پر عاشق ہوا تھا اس نے منگنی توڑنے کا اعلان کر دیا۔ پہلے پہل تو اس کے گھر والوں کو کچھ سمجھ نہیں آیا کہ ان کی لڑکی یکا یک باغی کیوں ہوگئی ہے۔ حالانکہ یہ شادی اس کی پسند کے لڑکے سے ہورہی تھی۔ لڑکی کا چہرہ روز بروز پیلا ہوتا جارہا تھا اور اس کے خوبصورت چہرے پر جھریاں پڑنے لگی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے اور وہ کھوئی کھوئی سی مدہوش سی نظر آتی۔ ماں کو شک ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ اس نے بیٹی سے بہت پوچھا مگر اس نے کچھ نہیں بتایا۔ ماں اس کی ٹوہ میں لگ گئی۔ اس نے بیٹی کے معمولات پر نظر رکھی۔ اس نے غور کیا کہ وہ رات ہونے کا بے چینی سے انتظار کرتی ہے اور اس کے سونے کے معمولات وعادات بدل رہی ہے۔ لڑکی پہلے کمرے سے باہر گھر کے باقی افراد کے ساتھ صحن میں سوتی تھی۔ اسے اندر سوتے ہوئے ڈر لگتا تھا لیکن اب وہ باہر سونے سے گھبراتی اور کمرے کے اندر اکیلی سوتی تھی۔ اس کمرے کے پیچھے ایک پرانی طرز کا سٹور نما بڑا کمرہ تھا۔ ایک روز اس کی ماں اس کے پہرے پر بیٹھ گئی گھر کے لوگ جونہی سوئے وہ کمرے کے دروازے کے ساتھ بیٹھ گئی اور اندر کی سن گن لینے لگی۔ رات آدھی سے زیادہ بیتی تو اسے محسوس ہوا کہ اندر کوئی نہایت بھاری بھرکم آواز والا شخص دبی زبان میں بول رہا ہے۔ صبح ہوئی تو وہ عورت اندر داخل ہوئی۔ اس نے پورا کمرہ اور سٹور چھان مارا مگر اندر کوئی مرد دکھائی نہیں دیا۔ اس نے ایک نظر بیٹی پر ڈالی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر اذیت کے آثار تھے۔ اس نے بیٹی کو ہلا جلا کر اٹھایا تو اس نے خوابیدہ حالت میں نظریں کھولیں۔ ماں اس کی سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر ڈر گئی۔ بیٹی بھرائی آواز میں بولی۔

”جاماں سو جا مجھے بھی سونے دے“۔

ماں اس کی حالت دیکھ کر کچھ سمجھی کچھ نہ سمجھی۔ دوپہر کے وقت وہ اٹھی تو اس کی حالت اب نارمل تھی۔ ماں نے بڑی رازداری سے اس سے پوچھا کہ اس کی یہ حالت ایسی کیوں ہورہی ہے۔ لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔ عورت نے محسوس کیا اس کی بیٹی نہایت لاغر ہوگئی ہے۔ اس نے کئی راتیں لگاتار بیٹی کی جاسوسی کی۔ اس روز اس نے بیٹی کو بڑی واضح آواز میں کسی سے شکایت کے لہجے میں بات کرتے سنا تھا وہ کہہ رہی تھی

”تم دو دنوں سے کہاں تھے؟“

کسی نے بھاری بھرکم مردانہ آواز میں کہا ”میں بہت دور اپنے گھر والوں سے ملنے چلا گیا تھا“۔

”تجھے میری کوئی فکر نہیں ہے میری نظروں سے دور ہوجاؤ۔ میں تم سے نہیں بولوں گی“۔

جواباً وہ بڑے پیار بھرے انداز میں بولا ”میں تم سے دور کہاں جاسکتا ہوں۔ دیکھو میں تمہارے لئے یہ انگوٹھی لے کر آیا ہوں۔ یہ ہیرے کی انگوٹھی پہن کر دیکھو۔ تمہیں کتنی جچتی ہے“۔

اس کی بیٹی انگوٹھی پکڑ کر بولی ”واقعی بہت خوبصورت ہے۔ تمہاری آنکھوں کی طرح چمک ہے اس میں“

”نہیں یہ چمک تمہارے چہرے کی چاندنی کے آگے ماند پڑ جاتی ہے۔ تم وہ ہیرا ہو جس کی تلاش میں میں برسوں بھٹکتا رہا ہوں“۔

”چل جھوٹے! تم جن لوگ بڑے ہی جھوٹے دغاباز اور باتونی ہوتے ہو۔ بالکل ہمارے مردوں کی طرح عورتوں کو جھانسہ دیتے ہو“۔

اس کے بعد اس کی بیٹی اور اس شخص نے کیا کہا تھا‘ وہ عورت سننے کی تاب نہ لاسکی۔ اس پر یہ عقدہ کھل گیا تھا کہ وہ مرد...... دراصل ایک جن ہے جو اس کی بیٹی کی زندگی برباد کررہا تھا۔ وہ خوف زدہ ہوگئی۔ پاکباز عورت تھی۔ اللہ اور قرآن پاک پر پورا پورا یقین رکھتی تھی۔ اس نے جلدی سے چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھی اور کمرے پر پھونک ماردی۔ جواب میں اندر سے وہ جن اس قدر اذیت ناک انداز میں چیخا کہ پورا کمرہ اس کی دہشت سے تھرا گیا اور صحن میں سوئے مرد عورتیں بھی جاگ پڑے۔ جن نے بڑی غلیظ گالی دی اور چیخ کر لڑکی سے بولا!

”تیری ماں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ میں اسے مار ڈالوں گا“ یہ کہہ کر وہ غائب ہوگیا اور اسی لمحہ

لڑکی دندناتی باہر آئی اور ماں کا گریبان پکڑ کر چلائی۔ ”تو نے کیا کیا ہے۔ وہ کیوں تڑپا ہے‘ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گی“۔

گھر کے مردوں نے فوراً لڑکی کو قابو کیا...... مگر اس میں جناتی قوت داخل ہو چکی تھی۔ عورت بدحواس اور خوفزدہ ہو کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ اسے قطعی توقع نہیں تھی کہ اس کے دم کرنے کا نتیجہ اتنا خوفناک ہو سکتا ہے۔

ساری صورتحال گھر والوں پر کھل گئی تھی۔ عورت نے جن اور بیٹی کے دوستانہ تعلق کا عقدہ تو نہ کھولا۔ البتہ یہ کہا وہ اسے گمراہ کر رہا ہے۔ پورا گھر محلے کے مولوی صاحب اور پیروں فقیروں کی طرف بھاگا۔ اس دوران روزانہ گھر میں آیت الکریمہ پڑھایا جانے لگا۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ جتنے روز آیت کریمہ پڑھایا جاتا رہا وہ عفریت نما جن دوبارہ نہیں آیا۔ مگر ان کی بیٹی کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی، دنوں میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ چہرہ سیاہ پڑ گیا اور اس سے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا‘ اوپر سے مختلف عاملوں اور پیروں فقیروں نے اسے تعویذ پلا پلا کر پاگل کر دیا تھا۔ پھر آج اسکا باپ حویلی آ گیا۔ میں نے اس کی داستان سنی۔ میں اسکے ساتھ اسکے گھر گیا۔ وہ ساڑھے پانچ فٹ کی اچھے نین نقش والی لڑکی تھی لیکن اس کی حالت اب انتہائی بدتر ہو چکی تھی۔ میں نے لڑکی سے سوال جواب کیے تو وہ کہنے لگی۔

”شاہ صاحب! آپ جو مرضی کر لیں‘ مگر یہ بات طے ہے کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی“ وہ بے قراری سے اٹھ پڑی تھی۔ ”میں اس سے شادی کروں گی“

اس کی ماں پریشان ہو کر میرا منہ تکنے لگی۔ میں نے اسے سمجھایا ”تم ایک پڑھی لکھی لڑکی ہو اس لئے میری بات جلد سمجھ جاؤ گی۔ ادھر آرام سے بیٹھ جاؤ اور غور سے میری بات سنو......“ وہ بے دلی سے بیٹھ گئی تو میں نے اس دوران ایک عمل پڑھا اور اس کے گرد حصار قائم کر دیا اور کہا ”تم اس دائرے سے باہر نہیں نکلو گی“۔

پھر میں نے اسے سمجھایا ”تم کہتی ہو کہ اس بدذات جن سے تم شادی کرنا چاہتی ہو۔۔۔۔ میرے بات یاد رکھو لڑکی۔ اسلام میں کسی عورت کو جن کے ساتھ شادی کی اجازت نہیں ہے۔ وہ تمہیں گمراہ کر رہا ہے۔ تمہارا خون چوس رہا ہے‘ وہ شیطان ہے شیطان وہ آگ سے بنا ہے اور تم مٹی سے۔ تم کبھی گرم کوئلے کو کاغذ پر رکھ کر دیکھو‘ جہاں رکھو گی وہ اسے دھیرے دھیرے جلا ڈالے گا۔ یہی تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔ وہ جن زادہ آگ ہے۔ آگ انسان کی

دشمن ہے۔ یہ جنات ہوں یا شیاطین ان کی انسان سے ازل سے دشمنی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس بات سے سختی سے منع فرماتے ہیں۔“

میں نے پہلے اسے واعظ کیا تو وہ تپٹا کر بولی ”وہ آگ نہیں ہے“

”میری بہن وہ آگ ہی ہے مگر تمہیں اس کا شعور نہیں ہے“

”وہ راحت اور سرور ہے‘ ٹھنڈک اور پیار کا سمندر ہے“ لڑکی مخمور لہجے میں بولی اور انگلی میں پہنی انگوٹھی کو سہلانے لگی۔ انگوٹھی پر نظر پڑتے ہی میں چونکا اور اس کی ماں سے پوچھا ”یہ انگوٹھی اس کے منگیتر نے دی ہے“

ماں کے بولنے سے پہلے لڑکی بولی ”وہ مسکین مجھے چاندی کی انگوٹھی لے کر نہیں دے سکا تو ہیرے کی یہ انگوٹھی کہاں سے خرید پاتا“ اس کے لہجے میں تفاخر تھا ”یہ تو میرے جن زادے نے دی ہے“

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس جن نے لڑکی کو پوری طرح اپنے قابو میں کیا ہوا ہے۔ میں نے لڑکی سے کہا ”کیا میں یہ انگوٹھی دیکھ سکتا ہوں“ مجھے لگتا ہے یہ اصلی ہیرے کی نہیں ہے“

اس کی بھنوئیں تن گئیں سخت لہجے میں بولی ”تمہیں ہیرے کی پہچان کیا ہو گی“

”مجھے پتھروں کی پہچان ہے“ میں نے اسے سمجھایا کیونکہ میں اس انگوٹھی کو اپنی دسترس میں کر کے اس جن تک پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ جنات کی کمزوری ہوتی ہے۔ جب وہ کوئی شے تحفہ میں کسی انسان کو دیتے ہیں تو اس میں ان کی مانوس خوشبو شامل ہو جاتی ہے۔ اس طرح انہیں یہ احساس رہتا ہے کہ وہ اپنے معمول کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے اس سے انگوٹھی حاصل کی اور پھر اس پر دم کر کے اپنے پاس رکھ لی۔

☆☆

لڑکی تپٹائی اور حصار سے نکل کر انگوٹھی لینے کے لئے مجھ پر جھپٹی مگر میں نے اسے حصار میں ہی بند کر دیا اور پھر دھونی سلگا کر اور پانی دم کر کے اس کے اوپر چھینٹے مارے اس کے بعد میں نے اسے زیادہ مہلت نہیں دی۔ میں نے انگوٹھی کو سلگتی دھونی کے اندر پھینک دیا تو کچھ ہی دیر بعد وہ جن آگ بگولا ہو کر حاضر ہو گیا۔ لڑکی کی حالت بگڑ گئی اس کا پیلا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں خون اگلنے لگیں اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں مجھے اس جن کا اصلی چہرہ نظر آنے لگا۔ پھر مجھے یہ معلوم کرنے میں دیر نہ لگی کہ اس جن کی حقیقت کیا ہے۔ میں

نے حسب روایت اس سے مکالمہ شروع کیا۔ کوئی بھی اچھا عامل سب سے پہلے جنات کا حدود اربعہ اور ان کے مقاصد معلوم کرتا ہے پھر اسے موقع دیتا ہے کہ وہ مغلوب کی جان چھوڑ کر چلا جائے۔ اگر وہ سرکش اور ہٹ دھرم ہو تو پھر عامل اس سے مقابلہ کرتا ہے اور اسے اپنے قابو میں کر لیتا ہے۔ اس موقع پر اگر وہ جن عامل سے طاقتور ہو تو پھر عامل کی خیر نہیں ہوتی۔ نہ صرف عامل بلکہ مغلوب کے گھر والوں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

میں نے اس سے اس کا نام پوچھنا چاہا تو وہ زخمی درندے کی طرح ڈکرایا اور بولا ’’میں نام نہیں بتاؤں گا‘‘۔

’’تم کہاں کے رہنے والے ہو‘‘؟

اس پر وہ مجھے دھمکی دے کر بولا ’’میں جہاں بھی رہتا ہوں تمہیں اس سے کیا؟ یاد رکھو اگر تم نے کوئی عمل پڑھا تو میں اس لڑکی کو بھی مار ڈالوں گا اور تمہیں بھی اور اس بڈھی کو بھی‘‘

لڑکی کی ماں سہم کر دیوار سے لگ گئی۔ میں نے دم شدہ پانی اس پر چھڑکا اور جن سے مخاطب ہوا۔

’’بس ایک موقع تمہیں دے رہا ہوں۔ لڑکی کی جان چھوڑ دو اور چلے جاؤ میں جان گیا ہوں کہ تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو‘‘۔

’’تمہیں کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ میں یہاں کا رہنے والا نہیں ہوں‘‘۔ وہ خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

’’یہاں رہنے والے جنات میرے نام سے آگاہ ہیں۔ تمہارا رنگ اور بو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ تمہارا پنجاب سے تعلق نہیں ہے۔ میں پنجاب کے جنات کی بو پہچان لیتا ہوں ......کیا میں غلط کہہ رہا ہوں‘‘۔

جواب میں وہ مجھے گھور کر رہ گیا۔

میں نے اسے زیادہ موقع نہیں دیا اور اس پر گھیرا تنگ کرنے کے لئے وظیفہ پڑھنے لگا اور جنات کو تسخیر کرنے والا عمل پڑھ کر اسے حصار کے اندر ہی قید کر لیا۔ وہ بہت جھنجھنایا، چلایا، دھمکیاں دیتا رہا، اکڑ دکھاتا رہا لیکن میں نے اسے بے بس کر دیا۔ وہ سرکش جن تھا جو اس کے باوجود جلدی قابو میں آ گیا۔ اس کی عمر ابھی 70 سال تھی اور تازہ تازہ بالغ ہوا تھا اس لئے میرے علوم کے آگے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ میں نے اسے لڑکی کے اندر سے باہر نکالا

اور دھونی تیز کر کے اسے دھوئیں کے اندر قید کر دیا۔ اب وہ اپنی اصلی شکل میں مردہ چھپکلی کی طرح دھوئیں میں بیٹھا تھا۔ عورت صرف اس کی آواز سن سکتی تھی۔ وہ اسے دیکھتی تو غش کھا کر گر جاتی۔ لڑکی بے ہوش ہو کر حصار میں گر گئی تھی۔ عورت اس کی طرف بڑھی تو میں نے اسے روک دیا۔

’’ہاں اب بتاؤ کہ تم کون ہو‘‘ میں نے پورے جلال کے ساتھ اس سے پوچھا

وہ گھگھیا کر ہاتھ جوڑنے لگا بولا ’’آپ کو یسوع مسیح کا واسطہ آپ کو اپنے رسول ﷺ کا واسطہ مجھے چھوڑ دیں‘‘

’’میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا تم بدکردار اور کافر ہو تم نے ایک مسلمان لڑکی کو تباہ کیا ہے میں تمہیں مار ڈالوں گا‘‘۔

وہ کہنے لگا ’’میں عیسائی ہوں اور سکھر سے آیا ہوں میں لاہور کے گورا قبرستان میں اپنے عزیزوں سے ملنے آیا تھا۔ ان کی پوری پکھی یہاں کئی سالوں سے رہ رہی ہے۔ ایک روز میں نے اس لڑکی کو اس کے منگیتر کے ساتھ لاہور کے باغ جناح میں دیکھا۔ میں تب اس پر ریجھ گیا مجھے اس لڑکی کی خوشبو بڑی اچھی لگتی تھی میرے دوست نے مجھے سمجھایا بھی کہ اسے خراب نہ کروں لیکن میں بہک گیا تھا‘‘۔

میں نے اس کافر جن کو گدی سے پکڑا اور ایک دم شدہ کیل اس کی پیٹھ میں ٹھونک دی۔ وہ دہشت ناک چیخ مار کر بولا ’’ہائے میں مر گیا۔ تم نے مجھے اپاہج کر دیا ہے‘‘ پھر میں نے دھونی کو تیز کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد بہت سے وظائف پڑھے، کمرے کو پاکیزہ کیا اور صدقہ خیرات کیا۔ کسی جن چاہے وہ کافر ہی ہو۔ اسے مارنے کے بعد عامل کو بہت سے حفاظتی وظائف پڑھنے پڑھتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ تک میں اپنے وظائف میں مصروف رہنے کے بعد لڑکی کو ہوش میں لایا۔ اسے دم شدہ پانی اور تعویذ دیا۔ جن کے اثرات نے اسے کئی بیماریوں میں مبتلا کر دیا تھا میں نے اس کی ماں کو سمجھایا کہ اسے ٹھیک ہونے میں کم از کم تین ماہ لگیں گے۔

’’میں اس لڑکی سے مل سکتا ہوں‘‘ شاہ صاحب خاموش ہوئے تو میں نے تجسس کے مارے سوال کیا۔

’’میں پرسوں دوبارہ وہاں جاؤں گا۔ یا ہو سکتا ہے وہ لوگ خود ہی کل ادھر حویلی میں آ جائیں۔‘‘ شاہ صاحب کے چہرے پر بڑی جاندار اور معنی خیز مسکراہٹ بار بار نمودار ہو رہی تھی۔

''آپ بہت خوش ہیں۔'' میں نے ان کی اندرونی کیفیت کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔
''خوش تو ہوں۔'' وہ مسکرائے بنا نہ رہ سکے۔ ''تمہارے چاچا جی بھی اب نرم ہو گئے ہیں۔۔
''کیا مطلب......'' میں نے کہا۔ ''پتھر میں گلاب کیسے کھل سکتا ہے......''
''یہ لڑکی انکے دوست کی بیٹی تھی......اس نے انہیں میرے متعلق بتایا ہے۔ میرا شکریہ ادا کرنے آئے تھے......''
''چلیں یہ تو بہت اچھا ہوا۔'' میرے ذہن سے جیسے منوں بوجھ اتر گیا۔

اور میں سوچنے لگا کہ زلیخا بھی تو ایک سحر زدہ لڑکی ہے۔ اگر کسی پہنچے ہوئے بزرگ سے مشورہ کر کے اسکو بھی سحری اثرات سے آزاد کرا لیا جائے تو ممکن ہے اسکی شخصیت بحال ہو جائے۔ اس وقت بھی میرے دل میں شاہ صاحب کے بارے میں بدگمانی بھری ہوئی تھی۔ یہ بات اپنی جگہ درست تھی کہ میں ان کی پراسرار قوتوں سے متاثر تھا بلکہ یہ سمجھئے کہ خائف تھا اور اس وجہ سے انکی عزت کرتا تھا۔ لیکن زلیخا کا معاملہ جب بھی سامنے آتا میری روح کی بے کلی بڑھ جاتی تھی اور مجھے چاچا جی کی طرح ایک خلش اور بے سکونی کا احساس ہوتا تھا۔ میرا دل بار بار یہ کہتا تھا کہ کہیں نہ کہیں اس سچائی میں کھوٹ ہے۔ مگر یہ کھوٹ کس نے ملائی تھی۔ میرے لئے یہ پہچاننا بہت مشکل تھا۔ اس وقت میں نے دل میں طے کر لیا کہ ٹاہلی والی سرکار کی بجائے بابا تیلے شاہ کے سامنے یہ معاملہ رکھوں گا اور ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر التجا کروں گا کہ مجھے میری زلیخا واپس لوٹا دیں۔ اسے طاغوتی قوتوں سے آزاد کرا دیں۔ میرے ذہن سے بوجھ کی بھاری چادر تو سرک گئی تھی مگر دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں بند کر لیا تھا۔

رات ہو چکی تھی۔ نماز مغرب پڑھنے کے بعد زنان خانے میں چلا گیا۔ چاچی نماز پڑھنے کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھا تو اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔ میں انکے پاس جا بیٹھ گیا۔ تسبیح کے دانے ان کی انگلی کی گردش سے آگے آگے سرک رہے تھے' زیر لب وہ پڑھ رہی تھیں' مگر انکی آنکھوں میں سرخ ڈورے بہت نمایاں تھے۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے غم اور نمکین پانی پتلیوں کے گرد منڈلا رہا ہے۔ چہرے سے رنجیدگی مترشح تھی۔ بوڑھے عارض تھرتھرا رہے تھے۔
میں خاموش نظروں سے انہیں دیکھتا رہا۔ تسبیح مکمل کر چکیں تو میرے اوپر پھونک ماری۔

ہیں۔
''شاہد پتر تو بھی میرے لئے نصیر جیسا ہے۔ میں نے تجھ میں اور اس میں کبھی کوئی فرق نہیں کیا۔'' ان کی آواز میں ارتعاش تھا۔
''چاچی۔ خیریت تو ہے۔ کیا بات ہوئی ہے......'' میں نے چاچی کو کبھی اس قدر دل گرفتہ اور بجھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔
''پتر میں تمہیں کیا بتاؤں۔ کس مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ میں تو دو کشتیوں کی سوار ہوں۔ ایک طرف تمہارے چاچا جی اور دوسری طرف شاہ جی۔ ایک کی بات مانتی ہوں تو دوسرا ناراض ہوتا ہے۔ ایک طرف سہاگ ہے تو دوسری جانب میرا ایمان...... اور''
''چاچی......'' میں نے بے اختیار ہو کر انکے لبوں پر انگلی رکھ دی۔ ''نہیں چاچی...... بالکل نہیں۔ یہ آپ کا ایمان نہیں ہے۔ یہ دین بھی نہیں مذہب بھی...... نہیں چاچی...... ایسا بالکل نہیں سوچنا...... وہ جو دوسری طرف ہے ناں...... تمہارا سہاگ وہ سب سے مقدم ہے۔ یہ جسے آپ دین سمجھتی ہو۔ یہ شیطانی چرخہ ہے جو دکھوں کو کات رہا ہے۔ سچائی کو ادھیڑ رہا ہے چاچی۔ تو مصلے پر بیٹھی ہے۔ ترے ہاتھ میں تسبیح ہے۔ چاچی۔ مانگ۔ اس ذات کبریا سے مانگ چاچی جو ادھر...... تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ ایسا نہیں کرتا اس کا دین یہ نہیں کہتا جو شاہ صاحب کرتے اور دکھاتے ہیں۔'' نہ جانے مجھے کیا ہوا تھا۔ یہ چاچی کی لاعلمی' معصومیت اور اندھی عقیدت کا دباؤ تھا کہ میرے اندر کا طوفان اسکی ایک ضرب سے پھٹ پڑا...... اور پھر میں اپنی زبان کو نہ روک سکا۔ چاچی کے لب کھلے رہ گئے۔ آنکھوں کا پانی خشک ہو گیا اور اسکے بوڑھے عارضوں کا ارتعاش تھم گیا۔
''پتر...... تو کیا کہہ رہا ہے...... یہ شیطانی چرخہ...... اور پھر یہ بابا جی......''
''چاچی...... میں بابا جی کی بات نہیں کر رہا۔ وہ اللہ اور اسکے رسول کا نام لیتے اور ساری ساری رات عبادت کرتے رہتے ہیں۔ میں انہیں نہیں سمجھ سکا چاچی...... مگر یہ جو ہیں اپنے شاہ صاحب۔ ان کے اندر مجھے کھوٹ نظر آتی ہے۔ چاچی وہ جو کہتے ہیں سچ نہیں دکھتا۔ انہوں نے ملک صاحب کی بیٹی کو جن سے آزاد کرا دیا ہے لیکن چاچی ہماری زلیخا کو نارمل کیوں نہیں کر سکے۔ اس لئے...... اس لئے کہ انکے اندر ہوس ہے۔ وہ زلیخا کو اپنی دلہن بنانا چاہتے ہیں اور ہم لوگوں کو اسکی صحت سے ڈرا دھمکا کر خوفزدہ رکھنا چاہتے ہیں ...... چاچی

پ سمجھتی ہیں کہ زلیخا کے دکھوں کا مداوا صرف شاہ صاحب کر سکتے ہیں......نہیں چاچی!
قل نہیں......خدا کے لئے چاچی کچھ کرو......اور اس مکار شخص کو گھر سے نکال دو......ورنہ
میں برباد کردے گا......اور تو اپنی جس زلیخا کے سکھ کے لئے یہ سب کر رہی ہے ناں......
رساری عمر روگ میں گزار دے گی۔" جذبات سے میری آواز کانپ رہی تھی اور میرا لہجہ
بہت تیز ہو گیا تھا۔ چاچی میری حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔

"پتر ہوش کر......" وہ میرا ہاتھ تھام کر سہلانے لگیں۔ اسی لمحہ بڑے ملک صاحب کی آواز
سنائی دی۔

"اسکو ہوش نہ دلا رضیہ۔ یہ ٹھیک کہتا ہے۔ ہوش دلانا ہے تو اپنے آپ کو دلا۔ تیرا ضمیر منوں
مٹی تلے دبا ہوا ہے۔ شاہد پتر اسے کھود کر باہر نکال رہا ہے......رضیہ ابھی بھی وقت ہے۔
اپنے آپ کو عقیدتوں کے سراب سے باہر نکال لا......"

پھر تو جیسے برسوں کا پانی چاچی کی آنکھوں سے سیل رواں کی طرح رواں ہو گیا۔ وہ
تڑپ تڑپ کر رونے لگیں۔ ملک صاحب اور میرا دل بھی بھر آیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ہی اندھی ہوں۔ بے رحم اور کم عقل ہوں۔ اپنی بیٹی کی دشمن بن گئی تھی۔
مگر اب میں اسکو جوتے مار کر گھر سے نکال دوں گی......"

"نہیں بالکل نہیں چاچی......" میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو اب خاموش ہو جا پتر...... میں نے ہی آگ لگائی تھی میں ہی اسے بجھاؤں گی۔"
چاچی نے اپنے آنسو صاف کئے اور مصلیٰ لپیٹ کر اضطراری حالت میں جوتی پہننے لگیں۔

"چاچی...... اس طرح معاملہ بگڑ جائے گا۔ ہم اس وقت آتش فشاں کے منہ پر بیٹھے
ہیں۔" میں نے سمجھایا۔ "شاہ صاحب کے پاس پراسرار قوتیں ہیں۔ وہ ہمیں پریشان کر سکتے
ہیں۔ زلیخا کو مار ڈالیں گے......"

"یہ ٹھیک کہتا ہے۔ رضیہ سمجھداری سے کام لو......" ملک صاحب بھی انہیں سمجھانے لگے۔

"چاچی۔ اللہ نے ہماری مدد کی ہے۔ یہ شادی کچھ دنوں کے لئے ملتوی ہو چکی ہے لہٰذا اس
التوا کو مزید آگے کر دیں۔ ہمیں اللہ سے دعا کرنی چاہئے۔ وہ ہی ہمیں اس مشکل سے نکال
سکتا ہے۔ ہم خود بھی اس ذات کریم کے سہارے سے کچھ کرتے ہیں۔" میں نے چاچی کو
مزید مشورے دیئے اور انہیں سمجھا دیا کہ اگر اب باباجی سرکار بھی کہیں تو زلیخا کی بیماری کو آڑ

بنا کر اس معاملے کو مزید آگے لے جایا جائے۔

ہم اپنے طور پر بہت مطمئن ہو گئے تھے مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہماری آزمائشوں کے ابھی
اور بھی امتحان تھے۔ میں کمرے میں سونے چلا گیا تھا۔ ابھی میری آنکھ لگی تھی کہ باہر گولی کی
آواز سنائی دی۔ میں دہشت زدہ ہو کر اٹھ پڑا۔ باہر شور برپا تھا۔ میں جھٹ سے باہر نکلا......
راہداری میں نوکر نصیر کو قابو کر رہے تھے۔ اسکے ہاتھ میں بارہ بور کی بندوق تھی اور وہ اس سے
چھیننے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں انکی طرف بھاگا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ......"

"شاہد پتر یہ پاگل ہو گیا ہے......" چاچی دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔ "اپنے باپ کو
قتل کرنا چاہتا ہے یہ......"

"ک۔ک۔کیا......"

"ہاں میں قتل کر دوں گا اسے۔ تم سب کو مار ڈالوں گا میں۔ سب کچھ ختم کر دوں گا......"
نصیر بپھرا ہوا تھا، تین نوکروں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اسی چھینا جھپٹی میں گولی چل گئی تھی۔
یہ تو خدا کا شکر تھا کہ نالی کا رخ باہر باغیچے کی طرف ہو گیا تھا ورنہ اب تک کسی ایک کا خون ہو
چکا ہوتا۔

"نصیر میرے بھائی......ہوش میں آؤ......" میں نے آگے بڑھ کر اسکے ہاتھ سے بندوق
چھین لی۔ سنگل نالی کی بندوق تھی۔ اس میں ایک ہی کارتوس استعمال ہوتا تھا اور اب یہ خالی
ہو چکی تھی۔

"تم بھی انکے ساتھ ملے ہوئے ہو۔ میں تمہیں بھی مار ڈالوں گا......" نصیر مجھے گالیاں
بکتے ہوئے چلانے لگا۔ "تم سب نے میرے باباجی سرکار سے کیا ہوا وعدہ توڑا ہے۔ تم
سب نے دھوکا کیا ہے۔ میرے شاہ صاحب کو ٹھیس پہنچائی ہے تم لوگوں نے......" اسکے
منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی اور آنکھیں کسی طاغوتی انسان کی طرح سرخ ہو کر الٹ رہی
تھیں۔ اسکے پورے بدن پر رعشہ طاری تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوا نصیر......ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے نوکروں سے کہا۔ "پیچھے ہٹو
تم......چھوڑ دو اسے......جاؤ اور پانی لیکر آؤ......" میں نے اس دوران راہداری میں دور
تک دیکھا۔ شاہ صاحب دکھائی نہیں دیئے۔ میرے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے کہ نصیر کو

یکا یک کیا ہو گیا ہے۔ ہم نے تو اسے اپنے منصوبے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ ممکن ہے شاہ صاحب کو اس منصوبے کی خبر ہو گئی ہو اور انہوں نے اپنے اندھے عقیدت مند نصیر کو ورغلا لیا ہو۔

میرا شک صحیح ثابت ہوا۔ نوکروں نے نصیر کو چھوڑا تو وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے کے بعد بے ہوش کر گر پڑا۔ مجھے میرے وجدان نے احساس دلایا کہ شاہ صاحب نے لازماً اپنے کسی عمل کے ذریعے نصیر کو قابو کر کے اپنے والد کے قتل پر اکسایا ہو گا۔ اگر واقعی ایسی بات تھی اور نصیر انکے کسی ''عمل'' کا شکار ہوا تھا تو اسے ہوش میں لانا بہت مشکل تھا۔ اگر اسے کوئی ہوش میں لاسکتا تھا تو یہ صرف شاہ صاحب ہی تھے...... یا پھر بابا جی سرکار یا ٹاہلی والی سرکار...... مگر اس وقت بابا جی اور ٹاہلی والی سرکار ہمیں میسر نہیں ہو سکتے تھے میں نے سوچا کہ اگر وہ میسر ہوتے بھی تو لازماً وہ شاہ صاحب کی ہی طرف داری کرتے۔

پتر شاہ صاحب کو بلاؤ۔ اس کو ہوش میں لائیں......'' چاچی نے اپنے لخت جگر کو تڑپ تڑپ کر بے ہوش ہوتے دیکھا تو ان کی ممتا ایک بار پھر ہارنے لگیں۔

''چاچی۔ انہیں نہیں بلانا۔'' میں نے انکے کان میں سرگوشی کی۔ ''وہ یہی تو چاہتے ہیں۔ انہوں نے نصیر پر جادو کر کے اسکی عقل باندھ دی ہے۔ اس لئے تو یہ اپنے باپ کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔''

''کچھ کرو...... میں مر جاؤں گی۔ میرا پتر تڑپ رہا ہے۔ اس کو ہوش میں لاؤ......''

چاچی اس وقت کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھیں۔ بڑے ملک صاحب بھی اندر سے باہر آ گئے تھے۔ وہ نصیر کو ہوش میں لانے لگے۔ نصیر کی آنکھیں کھلی پڑی تھیں اور پتھرانے لگی تھیں...... میرا دماغ بڑی تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔ معاً میرے ذہن میں جھماکا ہوا ٹاہلی والی سرکار کی بہت سی باتیں میرے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔ انہوں نے مجھے کچھ وظائف عطا کئے تھے۔ میں کوئی عامل کامل تو تھا نہیں۔ لیکن میرا اسلامی علوم پر پختہ یقین تھا۔ یہ آیات ربانی پر مشتمل چند آیات اور اسمائے ربی تھے۔ میں نے فوراً وضو کیا اور پانی لیکر ان وظائف کو پڑھ کر پانی پر دم کیا اور پھر دم شدہ پانی نصیر کے پورے بدن پر چھڑک دیا۔ اللہ کا ہم پر کرم ہوا اور کچھ ہی دیر بعد نصیر کی حالت بہتر ہونے لگی اور کچھ ہی دیر بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ وہ خالی خالی نظروں سے سب کو دیکھنے لگا...... لیکن ابھی اس کی حالت سنبھلی

نہیں تھی۔ اس کا پورا بدن لرز رہا تھا اور آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''مجھے کیا ہوا ہے......'' وہ سب کے چہرے دیکھنے لگا۔

چاچی اس کا منہ چومنے لگی۔ ''میرے لال۔ ماں تجھ پرواری...... کچھ نہیں ہوا تجھے۔''

''نہیں ماں......'' وہ کچھ کہتے کہتے رکا اور اسکی نظریں راہداری میں گری پڑی بندوق پر پڑیں۔ ''یہ بندوق یہاں کیوں پڑی ہے ماں......''

''میں بتاتا ہوں تجھے......'' میں نے کہا ''لیکن ابھی تیری حالت ٹھیک ہے۔'' میں نوکروں کی مدد سے اسے اٹھا کر کمرے میں لے آیا اور بستر پر لٹا دیا۔

''تم بتاتے کیوں نہیں...... مجھے کیا ہوا ہے......'' وہ بار بار مجھے پوچھ رہا تھا اسکے بدن پر ابھی تک لرزہ طاری تھا۔ اور پھر جیسے اسے کچھ یاد آ گیا......

''اوہ میرے خدایا...... میں کیا کرنے جا رہا تھا......'' اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا اور پھر اسکی نظریں ندامت سے جھک گئیں۔

''شاہ صاحب۔ آپ نے اچھا نہیں کیا......'' وہ نظریں گرا کر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا......'' وہ سر تھام کر رونے لگا۔

''کیا ہوا تھا...... مجھے بتاؤ......'' میں نے اسے سہارا دیا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ تم بہت بڑے گناہ اور جرم سے بچ گئے ہو...... مجھے بتاؤ شاہ صاحب نے کیا کیا تھا......''

''وہ......'' نصیر کچھ کہتے کہتے رک گیا اور نوکروں کا منہ تکنے لگا۔

''تم باہر جاؤ......'' نوکر باہر چلے گئے...... تو وہ بولا۔ ''مجھے شاہ صاحب نے کہا تھا کہ تم لوگوں نے بابا جی اور شاہ صاحب کی توہین کی ہے اور انکے خلاف بڑی گندی باتیں کی ہیں۔ شاہ صاحب نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے بابا جی جیسے بزرگ جنات کو قابو کرنے کے لئے علوم سکھانا چاہتے تھے۔ رشتہ داری کے بعد وہ مجھ پر ہی انحصار کرتے لیکن میرے والد ایسا نہیں چاہتے...... انہوں نے مجھے اور بھی بہت کچھ کہا تھا...... جس سے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اپنے والد کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا'' اس سے آگے وہ نہ بول سکا۔

میں سناٹے میں آ گیا

''شاہ صاحب نے قتل عمد کی کوشش کی ہے نصیر۔ انہوں نے قتل پر اکسایا ہے۔ اف میرے خدایا۔ یہ کیسا پیر عامل ہے جو اولاد کو اپنے باپ کے قتل پر اکساتا ہے۔'' میں نے سر تھام لیا۔

میرے ذہن میں شاہ صاحب کی عبادتیں ریاضتیں اور نمازیں تازہ ہو گئیں۔ رات کے آخری پہر خدا کے حضور سر جھکا کر ان کی گڑگڑاتی صدائیں گونجنے لگیں۔ مجھے ان کا وہ روپ بھی یاد آ گیا جب قبرستان میں ان کے دھڑ پر کسی انسان کی بجائے درندے کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

"میں تو کہتا ہوں پولیس کو اطلاع کر دیتے ہیں" ملک صاحب کہنے لگے "مجھے شک ہے چودھری کے گھر میں چوری بھی اسی نے کرائی ہے"

"مگر چاچا جی اس طرح تو آگ بھڑک اٹھے گی" مجھے ریاض شاہ کی شیطانی قوتوں کا بھی خوف تھا۔ اگرچہ اس وقت میرے دل کو اتنی تقویت پہنچ چکی تھی اور میرا ایمان بھی تازہ ہو چکا تھا کہ اگر میں بھی وظائف پڑھتا رہوں تو اس کے سحری اثرات سے محفوظ رہ سکتا ہوں لیکن میں کوئی عامل نہیں تھا اور نہ ہی عامل بننا چاہتا تھا۔ مجھے ان کی روحانی قوتوں کو پڑھتے ہوئے ایک انجانا سا خوف بھی لاحق ہو رہا تھا۔

"ہمیں کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج کا دن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اور کیا کچھ کر سکتا ہے۔ میں شہر جا رہا ہوں۔ وہاں مجھے ایک بزرگ ملے تھے ممکن ہے وہ ہماری کچھ مدد کر دیں" میں نے جان کر بوجھ کر بابا تیلے شاہ کے بارے زیادہ باتیں نہیں بتائی تھیں۔

ملک صاحب سوچ میں پڑ گئے پھر بولے "ایسا نہ ہو کہ ہم ایک اور مصیبت میں پڑ جائیں"

"اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں" میں نے نصیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں اسے ابتدائی مدد دے کر ہوش میں لے آیا ہوں مگر یہ اس کا علاج نہیں ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ رہ کر میں نے یہ بات جان لی ہے کہ وظائف اور عملیات پر قدرت حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے تب کہیں جا کر ان سے حسب توقع نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ نصیر کا علاج نہ کیا گیا تو یہ بھی زلیخا کی طرح بیمار ہو جائے گا"

چاچی نے سنا تو تڑپ اٹھی "اللہ نہ کرے پتر" ممتا کی ماری اپنے بیٹے سے لپٹ گئی "سوہنے پروردگار میرے لعل کی حفاظت فرما"

"تو نے یہ عمل کس سے سیکھا ہے پتر" ملک صاحب نے مجھ سے سوال کیا

میں نے انہیں مختصر بتایا کہ کسی بزرگ نے پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ میں نے انہیں ٹاہلی والی سرکار کے بارے اس لئے نہیں بتایا کیونکہ وہ انہیں جانتے تھے۔ اگر میں انہیں یہ وظیفہ حاصل کرنے کی داستان سناتا تو ان کے ذہن میں بہت سے سوالات پیدا ہو جاتے جن کے جواب

دینا میرے لئے مشکل ہو جاتا۔

"پتر جی اس وظیفے میں اتنی طاقت ہے تو یہ نصیر ہوش میں آ گیا ہے ناں۔۔۔۔۔تو کسی اور کے پاس جانے کی بجائے خود اس کا علاج کیوں نہیں کرتے"

"نہیں چاچا جی۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ میری مثال تو اس شخص جیسی ہے جو چند دواؤں کے نام جانتا ہے اور کسی عام مرض کے لئے دوا تجویز کر سکتا ہے لیکن مکمل علاج نہیں کر سکتا۔ علاج کے لئے کسی ماہر معالج سے ہی رابطہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ عامل کامل وغیرہ ڈاکٹر ہیں جس طرح ایک ڈاکٹر کئی سال تک شب و روز پڑھائی اور تربیت کے بعد علاج معالجہ پر دسترس حاصل کرتا ہے اسی طرح روحانی معالج بننے کے لئے مجاہدے اور چلے کاٹنے پڑتے ہیں۔ میں تو اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا"

"تم ٹھیک کہتے ہو پتر جی......لیکن میرا ایمان کہتا ہے کہ اگر ہمارا ایمان پختہ ہے اور کتاب الٰہی سے ہماری محبت بے پناہ ہے تو پھر کوئی بھی شیطانی قوت ہم پر غالب نہیں آ سکتی" چاچا جی نے میرے دل کی بات چھین لی تھی۔

"آپ صحیح کہتے ہیں" میں نے ان کی بات کی تائید کی "ہمارا ایمان مضبوط اور اللہ کا ذکر ہمارے لبوں اور قلبوں پر بہتے پانیوں کی طرح رواں دواں رہے تو یہ جادو ٹونے کی کثافتیں ہمیں کبھی آلودہ نہیں کر سکتیں۔ لیکن چاچا جی یہاں ایک لطیف پردے نے معاملات کو مختلف بنا دیا ہوا ہے۔ یہی معاملہ ہماری عقلوں سے ماورا ہے۔ ایمان کمزور پڑ جائے تو انسان ڈھے جاتا ہے لیکن اگر ایمان کی پختگی برقرار رہے تو انسان گرتا نہیں ہے۔ ہمیں اپنے ایمان کی مضبوطی کے ساتھ اپنے معاملات کو چلانا ہے۔ کمزور نہیں ہونا ہمیں"

میں نے ان سب سے اجازت لی اور اسی وقت شہر کے لئے حویلی سے نکلنے لگا۔ میں شاہ صاحب سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ان سے نظریں بچا کر میں جا رہا تھا کہ معاً ان کی آواز نے میرے قدم روک لئے۔ میں نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا

"ادھر آؤ" ان کے لہجے میں سختی تھی۔ میں اسی جگہ ٹھہرا رہا۔

"میں کہتا ہوں ادھر آؤ" وہ جلال میں بولے

اس بار میں ان کے پاس چلا گیا

"تم کیا سمجھتے ہو میں کچھ نہیں جانتا" وہ غصے میں کھولتے ہوئے مجھے دھمکی دینے لگے "تم نے

دیکھ لیا نصیر کو کس طرح بے بس کر دیا تھا میں نے ...... تم کیا چیز ہو۔ ایک دو لفظ سیکھ لئے خود کو طرم خاں سمجھنے لگے ہو۔ یاد رکھو میں اگر چاہوں تو تمہارے سینے میں انگلی ڈال کر تمہارا دل نکال دوں" وہ انگشت شہادت میرے دل کے مقام پر چبھونے لگے "تمہیں بڑا مان ہے ناں خود پر" میں ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خاموش کھڑا رہا۔

"تمہاری ساری ہوا نکال دوں گا" ان کے اندر کا درندہ میرے سامنے عریاں ہو رہا تھا۔ "میں اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں ہوں"

"میں آپ کی شکایت باباجی سے کروں گا" میں نے کہا

وہ قہقہے لگانے لگے "باباجی سے کہوں گا...... ارے جاؤ اور انہیں تلاش کر کے بتاؤ کہ ریاض شاہ نے تم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے" انہوں نے انگلی میری ناک پر رکھی اور زور سے دبا کر بولے "میرے لعل ـــــ۔ باباجی میری بات مانتے ہیں...... تم لاکھ ان کی منتیں کرو۔ جب تک میں نہیں چاہوں گا وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر نہیں یقین تو اب باباجی سے ملاقات ہو تو آزما کر دیکھ لینا"

"اچھا دیکھ لوں گا" میں نے اکھڑے لہجے میں جواب دیا۔ میں ان سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے خدشہ تھا اگر میں الجھ پڑا تو وہ کوئی شیطانی حرکت کر سکتے تھے۔

"اب جاؤں میں" میں نے کہا

"جاؤ...... لیکن اپنے کمرے میں" وہ مجھے تنبیہ کرتے ہوئے بولے "اگر تم نے اپنے کمرے سے نکلنے کی کوشش کی تو اس کے بعد جو ہو گا اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے...... جاؤ اور اپنے یار کی تیمارداری کرو"

میں جان گیا تھا کہ انہوں نے لازماً کوئی ایسی پیش بندی کر دی ہو گی کہ میں اب حویلی سے باہر نہ جا سکوں۔ میں واپس اپنے کمرے میں گیا تو نصیر چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔ چاچی، زلیخا اور ملک صاحب اس کے پاس غمزدہ سے بیٹھے تھے مجھے دیکھا تو ان کے چہروں پر سراسیمگی سی پیدا ہو گئی۔

"تم گئے نہیں" چاچی بولیں

"میں جانا چاہتا تھا لیکن شاہ صاحب نے روک دیا ہے" میں نے لاچارگی سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے جواب دیا "اسے کیا ہوا ہے؟" میں نصیر کے پاس پہنچا

"تمہارے جاتے ہی اس کی حالت خراب ہو گئی تھی" ملک صاحب پریشانی کے عالم میں بولے

"اب کیا ہو گا بیٹا"

میں نصیر کے سرہانے بیٹھ گیا

"اللہ ہمارے ساتھ ہے"

"کہاں ہے اللہ......" زلیخا آہستگی سے بولی۔ اس کا لہجہ شکووں شکایتوں سے بھرا ہوا تھا۔

"وہ بے کسوں سے دور کیوں ہے" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے

"اللہ ہمارے ساتھ ہے زلیخا" میں اس کے قریب گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے سمجھایا "زلیخا...... دل چھوٹا نہ کرو...... مایوسی کفر ہے"

وہ خاموش ہو گئی ہمیشہ کی طرح ـــ۔ گو اس کی آنکھوں میں شکوے شکایات حزن و ملال تیرتے رہے۔

میں نصیر کے سرہانے بیٹھ گیا۔ پاس ہی پانی سے بھرا گلاس رکھا تھا۔ میں نے ان تین آیات

☆وَاللّٰہُ خَیْر" حٰفِظًا وَ ھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

☆وَاتَّبَعُوْ مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ ... لَوْ کَانُوْ یَعْلَمُوْنَ .

☆حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل

کو ایک خاص طریقہ سے پڑھا اور پانی پر پھونک کر نصیر پر چھڑک دیا تو کچھ ہی دیر بعد اس کی حالت سنبھلنے لگی۔ ایک گھنٹے تک میں اس کے سرہانے بیٹھا وظائف پڑھتا رہا۔ اس کی طبیعت کچھ بحال ہو گئی تھی مگر لگتا تھا اس کا خون کسی نے چوس لیا ہے۔ سرخ و سپید رنگت زرد اور مٹیالی ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہی مائل حلقے نمایاں ہو رہے تھے۔ یہی حالت میں نے زلیخا کی بھی دیکھی تھی۔ اس کی حالت قدرے سنبھلی تو میں نے ایک بار پھر حویلی سے نکلنے کی کوشش کی اس بار میں پچھواڑے سے باہر جانا چاہتا تھا۔ میں نے جونہی کمرے سے باہر پاؤں رکھے نصیر کی کربناک آواز سنائی دی اور جلدی سے واپس لوٹ آیا۔

"او مائی گاڈ" میں سمجھ گیا تھا۔ شاہ صاحب نے ہمیں اپنے شیطانی جال میں بری طرح پھنسا دیا تھا انہوں نے نصیر کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ جونہی میں اس سے پرے ہٹتا تھا تو اس کی حالت بگڑ جاتی تھی۔ میں جان گیا تھا کہ انہوں نے ایک تیر سے کئی شکار کئے ہیں۔ میں بے بسی سے

کمرے میں چکر لگانے لگا۔ سوائے اللہ کے ہمارا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ ہم سب ایک دوسرے کے منہ تکتے اور دلاسے دیتے رہتے تھے۔ یونہی شام ڈھل گئی۔ اس رات ہم سب ایک ہی کمرے میں بند ہو کر رہ گئے تھے۔ نہ چولہا گرم ہوا نہ کوئی برتن کھنکا۔ میں کمرے میں نصیر کے پاس ایک چوکیدار کی طرح بیٹھ کر رہ گیا۔

یہ عشا کے قریب کا وقت تھا جب غازی ہمارے کمرے میں آ گیا۔ وہ انسانی روپ میں ہی تھا۔ اور اس کا لہجہ بھی بگڑا ہوا تھا کہنے لگا ”تمہیں شاہ صاحب نے بلایا ہے“

میں نے غازی کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی مگر تاب نظر برداشت نہ کر سکا۔ اس سے قبل اس نے مجھے کبھی تو اور تم کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جنات کی روایتی وحشت اور غضب تھا۔ وہ غائب ہو گیا اور میں شاہ صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ کمرہ گھپ اندھیرے میں غرق تھا میں چوکھٹ کے پاس ہی کھڑا ہو گیا

”اندر آ جاؤ“ باباجی کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

”میں اندھیرے میں داخل ہو گیا اور چند قدم چلنے کے بعد رک گیا۔

”تمہارا خون بڑا گرم ہو رہا ہے“ باباجی میرے سامنے کھڑے تھے اور ان کی تیز گرم سانسیں میرے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اس وقت وہ اپنے جناتی روپ میں ہی تھے۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں مگر میری ساری حسیات چوکس ہو گئی تھیں۔ دل بھی بے اختیار ہو کر دھڑکنے لگا تھا لیکن اس لمحے بھی میں اپنے اللہ کو نہیں بھولا۔ متلاطم دل کے ساتھ درود شریف پڑھنے لگا۔ اپنے اندر کے جوار بھاٹا کو اس سے قرار آ سکتا تھا۔ باباجی جب جناتی روپ میں آتے تھے تو اسی طرح گھپ اندھیرا کیا جاتا تھا تا کہ ان کے اصلی خدوخال نظر نہ آ سکیں۔

”تم نے ہمارے بیٹے ریاض شاہ کے خلاف بدگمانیاں پیدا کر کے سب کو ان کے خلاف کر دیا ہے“ باباجی غضب ناک لہجے میں بول رہے تھے

”سرکار...... میں نے کچھ نہیں کیا“ میں نے جرات کر کے لب کھولے۔

”بکواس کرتے ہو۔ ہم سب جانتے ہیں“ وہ دھاڑے تو میرا دل سینے کی دیواریں توڑ کر باہر پھدک جانے لگا۔ کمرے کے در و دیوار تھرا اٹھے۔ انہوں نے اپنے لطیف روئی جیسے ہاتھ سے میرے بازو پر تھپڑ مارا اور میں کانپ کر رہ گیا۔

”سرکار! آپ سب کچھ جانتے ہیں اور پھر بھی خاموش ہیں“ میں بولنے سے باز نہیں آیا۔

”آپ کو ہر بات کی خبر ہے مگر آپ یہ نہیں جان سکے کہ یہ شاہ صاحب اندر سے کتنے گھناؤنے ہیں۔ یہ پاپی ہیں سرکار۔ انہوں نے آج ایک معصوم اور آپ کے عقیدت مند نوجوان کو اس کے باپ کے قتل پر اکسایا۔ سرکار آپ اگر یہ سب جانتے ہیں تو مجھے بتائیں کیا ہمارا مذہب ہمیں یہ آداب سکھاتا ہے“ میں روہانسا ہو گیا ”اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ شاہ صاحب سیاہ کریں یا سفید ان کا ہر فعل درست ہے تو پھر مجھے یہ کہنے دیجئے کہ آپ کا اسلام اور سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہے“ میری بات سن کر باباجی کی سانسیں تیز ہو گئیں۔ میں اب ہر طرح کے عذاب کو سینے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ ہر طرح کی فکر اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر میں بولتا رہا ”سرکار! ہم تو آپ جیسی ہستیوں کے عقیدت مند تھے لیکن آپ نے...... ہماری ساری عقیدت کو پشیمانی میں بدل دیا ہے۔ یہ انتقام لے رہے ہیں ہم سب سے۔ مجبور اور بے بس لوگوں کا ایمان خراب کر کے انہیں کمزور بنا کر اپنی اطاعت کراتا کہاں کا اسلام ہے۔ میں نے دیکھا ہے اور سنا ہے آپ اور آپ کے جنات پیروکار پہروں قرآن پاک پڑھتے رہتے ہیں۔ میرے پیارے رسولﷺ کی ثنا بیان کرتے ہیں۔ سرکار............ ایک طرف آپ کا یہ مقام ہے اور دوسری طرف آپ ایک ایسے شخص کے ہاتھوں مجبور نظر آ رہے ہیں جو ایمان فروش ہے“

”شاہد...... خاموش ہو جاؤ“ باباجی دھاڑے ”خاموش ہو جاؤ تم............“

”ریاض شاہ...... تم نے سنا یہ کیا کہہ رہا ہے“ باباجی گھمبیر آواز میں بولے

”سنا ہے سرکار...... یہ بکواس کرتا ہے صحافی ہے ناں...... زبان بہت چلاتا ہے“ ریاض شاہ باباجی کا نبض شناس تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ میری حقیقت کشائی نے باباجی کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے تو اسے صورتحال بدلتی ہوئی محسوس ہوئی۔“

”بکواس نہیں کر رہا یہ“ باباجی نے تیز لہجے میں کہا ”تم اپنے ساتھ ہمیں بھی ذلیل کراتے ہو میں نے تم سے کہا تھا کہ ہم تمہاری والدہ کی وجہ سے تمہیں رعایت دیتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم لوگوں کا ایمان بیچتے پھرو اور ہم تمہیں معاف کر دیں۔ میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا“

”سرکار...... میری بات تو سنیں“

”اب سننے کو رہ ہی کیا گیا ہے“ باباجی بولے ”روشنی جلا دو تم نے معاملات کو جس حد تک خراب کیا ہے اسے اب درست کرنا ہو گا۔ تمہیں میں شروع دن سے یہ بات سمجھا رہا ہوں کہ اگر ایک عامل منتقم مزاج ہو جائے تو اس سے بڑا ظالم انسان کوئی نہیں ہوتا۔ تم نے اپنی ہوس اور انتقام کی

خاطر یہ گھناؤنا کھیل کھیلا ہے"

"میں معافی چاہتا ہوں سرکار" ریاض شاہ نے لائٹ جلادی تھی اور پھر میں نے اسے باباجی کے قدموں میں جھکے دیکھا۔ باباجی انسانی روپ میں آچکے تھے۔

"آؤ میرے بچو...... ادھر میرے پاس آؤ" باباجی نے ہاتھ آگے بڑھا کر میرا ہاتھ تھام لیا اور ریاض شاہ کو پیروں سے ہٹادیا تھا

"میرے پاس بیٹھو" وہ پلنگ پر بیٹھ گئے "غازی...... تم جاؤ اور باقی سب لوگوں کو بھی بلا لاؤ"

غازی چلا گیا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئے "شاہد میاں یہ شاہ صاحب ابھی نادان ہیں۔ جوانی کا عالم ہے۔ میاں تم جانتے ہو۔ ندی، دریا کے کنارے کمزور ہوں تو پانی میں ذرا سی تیزی آ جانے سے کنارے ٹوٹ جاتے اور پانی بہہ نکلتا ہے۔ یہ ریاض شاہ کے اندر علوم کی طغیانی برپا رہتی ہے لیکن اس کا ظرف کمزور ہے۔ اس میں برداشت بہت کم ہے۔ کینہ بھرا ہوا ہے اس میں۔ حالانکہ یہ بات معروف ہے کہ جنات میں کینہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ ان میں غضب کی شرح انسانوں کی نسبت زیادہ ہے لیکن ہم بھی اس وقت دنگ رہ جاتے ہیں جب کسی انسان کو کینہ اور غضب کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ معاف کرنا، یہ جنات کا روایتی غضب ہی تھا کہ میں ریاض شاہ کی باتوں میں آ گیا" ان کے لہجے سے شرمندگی جھلک رہی تھی "میں اب اسے سمجھادوں گا تو بھی ملک صاحب اور دوسرے لوگوں کے دلوں سے اس کے لئے نفرت کم کر دو۔ اب تم لوگوں کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہو گی"

"جی سرکار...... جیسے آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا" میں اب بے حد خوش تھا۔ ریاض شاہ پر میری یہ فتح تھی۔ میں نے باطل کو حق سے تہ تیغ کر دیا تھا۔ میرا انگ انگ مسرور تھا۔

کچھ دیر بعد ملک صاحب نصیر کو سہارا دیتے ہوئے اندر لے آئے۔ چاچی اور زلیخا بھی ساتھ تھے۔ باباجی نے ان کے شکوے شکایات بھی سنیں اور ریاض شاہ کی طرف سے معافی مانگ لی اور وعدہ کیا کہ وہ چند روز تک یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ نصیر اسی رات بھلا چنگا ہو گیا تھا اور زلیخا کی حالت بھی سنبھل گئی تھی۔

لیکن یہ اطمینان تو ایک طفل تسلی تھی۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ طوفان گزر چکا ہے منافقت اور مکرو فریب نے سچائی کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ روشنی کو اندھیروں کے اژدھے نے ڈس لیا تھا۔ اگلے روز میں شہر امتحان دینے چلا گیا۔ میرے دل میں آیا کہ بابا تیلے شاہ سے مل آؤں۔ لیکن میں نے

ارادہ بدل دیا کیونکہ اب حویلی کے حالات تبدیل ہو گئے تھے۔ میں شام کے قریب حویلی پہنچا تو اس کا جہازی دروازہ خلاف توقع کھلا ہوا تھا۔ ہر طرف ویرانی اور وحشت کا راج تھا۔ میں اندر گیا تو ملک صاحب چاچی اور نصیر نڈھال سے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی دہائی دینے لگیں۔

"ہم لٹ گئے برباد ہو گئے شاہد پتر"

میں پریشان ہو گیا "کیا ہوا ہے"

ملک صاحب نے سوجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"وہ لے گیا ہے زلیخا"

"کون لے گیا ہے"

"ریاض شاہ...... اسے اپنے ساتھ لے گیا ہے" وہ سر جھکا کر رونے لگے۔

میری ٹانگوں سے جیسے کسی نے جان نکال لی تھی۔ میں نیچے بیٹھ گیا۔

"کک...... کب کیسے...... وہ تو" میں ہکلا کر رہ گیا۔

"بیٹے یہ سب جھوٹ تھا' فریب تھا۔ انہوں نے ہمیں پھر دھوکا دیا ہے" چاچی چلانے لگیں "رات کو رام رام کہہ رہے تھے۔ ہم ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئے۔ باباجی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اب کسی سے زیادتی نہیں کرے گا...... لیکن آج وہ باباجی کے کہنے پر اسے لے گیا ہے۔ ہم تو برباد ہو گئے پتر جی ہم برباد ہو گئے" وہ اپنا سر پیٹنے لگیں

"میں اس بے غیرت کو قتل کر دوں گا خدا کی قسم ایک بار مجھے اس کا پتہ مل جائے" نصیر کی حالت پھر بگڑی ہوئی تھی لیکن وہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے بول رہا تھا۔

"باباجی نے کہا تھا کہ زلیخا ہماری امانت ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے اسے اپنی بہو بنا کر لے جائیں" چاچی کہہ رہی تھیں "اسے کہیں سے ڈھونڈو پتر جی...... ہم تو بہت کوشش کر چکے ہیں"

"میں کہاں تلاش کروں انہیں" میں سوچنے لگا۔ "باباجی آپ نے اچھا نہیں کیا۔ آپ مجھے کس امتحان میں مبتلا کر گئے ہیں۔ ان کی رات کو کی ہوئی ساری باتیں میرے ذہن میں گونجنے لگیں۔ میرے لبوں پر اب ایک ہی سوال بار بار آ رہا تھا

"باباجی...... وہ سب کیا تھا۔ کیا آپ بھی جھوٹ اور مکاری اور ہوس کے غلام تھے۔ ایک اسلام پرست جن ایسی گھناؤنی حرکت کیسے کر سکتا ہے۔ کیا آپ ریاض شاہ کے ہاتھوں اتنے مجبور ہو

چکے ہیں کہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکے" مگر کوئی میرے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ میں نڈھال سے بدن کے ساتھ اٹھا معاً میرے ذہن میں ایک خیال آیا میں نے موٹر سائیکل نکالی اور قبرستان کی طرف چلا گیا۔

موٹر سائیکل قبرستان کے پاس روکی اور بھاگ کر اس قبر کے پاس چلا گیا جہاں ٹاہلی والی سرکار رونق افروز ہوتی تھی۔ ان کے والد گرامی کی قبر پر وہی بوسیدہ بوری کا ٹکڑا پڑا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے۔ وہ پیالا بھی رکھا ہوا تھا جس میں خون ٹپکا کر کالی داس کو پکڑا تھا۔ ٹاہلی والی سرکار وہاں موجود نہیں تھی۔ انہیں ارد گرد تلاش کرنے لگا۔ پھر اونچی اونچی آواز میں انہیں پکارنے لگا۔ آواز سن کر درختوں پر پرندے پھڑ پھڑا کر اڑ گئے مگر ٹاہلی والی سرکار کی موجودگی کے آثار نہیں ملے۔ میں نیم دلبرداشتہ ہو کر واپس ہونے لگا تو معاً مجھے بہت قریب کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی مصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے اسے نظر انداز کیا اور قبرستان سے نکلنے لگا تھا کہ کتا دردناک آواز میں بھونکنے لگا۔ اس کے فوراً بعد کسی عورت کی ہذیانی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا۔

آوازیں شیشم کے ایک بوڑھے درخت کی طرف سے آ رہی تھیں۔ میں ادھر پہنچا تو یہ دیکھ کر لرز کر رہ گیا۔ ایک عورت کا درخت کی کھو میں سر پھنسا ہوا تھا اور اس کا پورا بدن باہر لٹکا ہوا تھا۔ بازو کمر کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ چیخیں اس عورت کی تھیں

"کک کون ہو تم" میں اس کے قریب پہنچا تو معاً درخت کی کھو سے کتے کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں گھبرا گیا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ معاملہ کیا ہے۔

میں نے بسم اللہ پڑھ کر عورت کے بازوؤں کی رسیاں کھول لیں اور اس کا سر کھو کے شکنجے سے بمشکل نکالا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میں دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ زبان کتے کی طرح باہر لٹکی ہوئی تھی اور ابرو کمان کی طرح تنے ہوئے تھے۔ وہ سانسیں یوں لے رہی تھی جیسے کتا ہانپتا ہے۔ اس کی عمر چالیس برس ہو گی، رنگت سانولی اور چہرے پر کرختگی نمایاں تھی۔ ہاتھوں کے ناخن گندے اور بڑھے ہوئے تھے۔ کپڑے قدرے صاف ستھرے تھے۔

"کک کون ہو تم" میں نے بمشکل پوچھا

"تم نے میری مدد کی ہے۔ بولو میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں" اس کے چہرے سے اب تناؤ کم

ہو رہا تھا مجھے اس سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا اس سے قبل کہ میں کچھ بولتا، ٹاہلی والی سرکار کی آواز فضاؤں کا سینہ چیرتے ہوئے میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"یہ تم نے کیا کر دیا۔ اس خرافہ جادوگرنی کو آزاد کرا دیا ہے تو نے...... غضب کر دیا"

اس سے پہلے کہ میں صورتحال کو سمجھتا۔ وہ عورت کسی عقاب کی طرح اڑتی ہوئی میرے پاس آئی اور اپنے آہن نما ہاتھوں میں میری گردن دبوچ لی۔

"خبردار...... اب جو مجھے ہاتھ لگایا ورنہ میں اسے مار ڈالوں گی" وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

اس کی آواز سنتے ہی ٹاہلی والی سرکار شیشم کی کھوہ سے باہر نکلنے لگے۔ میں حیران و پریشان تھا اور اس ناقابل بیاں منظر کو دیکھنے لگا۔ وہ کھوہ جس میں اس عورت کا سر پھنسا ہوا تھا اس سے ٹاہلی والی سرکار اپنے پورے وجود اور جاہ و جلال کے ساتھ باہر آ رہے تھے۔

☆☆☆☆

میں اسے کیا لکھوں۔ پاگل پن، وہم، خلجان، جہالت ـــــ لیکن میرے سامنے قفس کے پردوں میں تہہ جما کر ایک وجود کھوہ سے نمودار ہو رہا تھا۔ میں اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ میرے دیدے پھٹ چکے تھے اور پلکوں کے غلاف کو پھاڑ کر نکل جانا چاہتے تھے۔ وہ خرافہ تھی، چڑیل تھی ـــــ یا کوئی جادوگرنی...... اسکے نوکیلے اور زہریلے ناخن میری گردن میں دھنسے ہوئے تھے۔ میری شاہ رگ پر اس کا استخوانی ہاتھ جما ہوا تھا، نتھنوں سے اٹکتی ہوئی گہری گرم سانسیں کسی نیم مردہ انسان کی طرح نکل رہی تھیں۔ پیشانی کی رگیں کانوں کی لوؤں تک تن گئی تھیں۔ مگر اس عذاب کنی اور جان کنی سے بے پرواہ ہو کر اس حیران کن منظر کو دیکھ رہا تھا جس کی لطافت نے مجھے ہر اس درد سے بیگانہ کر دیا تھا جو میرے رگ و ریشہ میں سما کر بے کار ہو گیا تھا۔

"ٹھہر وائے بدذات...... چڑیل۔ اسے آنچ بھی نہ آنے پائے۔ خدائے لم یزل کی قسم۔ جس کے قبضہ قدرت میں اس مریل انسان کی جان ہے۔ جو اس کی متاع کل کا مالک ہے۔ اے ناس ٹھہر جا۔ افسوس کہ میں تجھے ایک عورت نہیں کہہ سکتا۔ تو نے ایک نرم و لطیف وجود زن میں اپنی شیطانی جبلت کا ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ پس میں تجھے چڑیل ہی کہوں گا۔ میری بات سن لے۔ اگر تو زندہ رہنے کی تمنا رکھتی ہے تو اسکی شہ رگ سے شیطانی انگلیاں ہٹا لے۔ ورنہ ترے بدن کے ایک ایک ریشہ میں موت کا بارود بھر دوں گا......"

شیشم کی کھوہ سے نکلتے ایک وجود نے اسے تنبیہ کی۔ میں قدرت کی اس کرامت کی ایک جھلک سے مخمور ہو چکا تھا۔ میری پلکوں پر صرف ایک ہی چہرہ محو خواب تھا۔ ٹاہلی والی سرکار...... ان کی آواز میری سماعتوں سے مسلسل ٹکرا رہی تھی اور وہ جسے میں نے کچھ لمحے پہلے اسی کھوہ کے عذاب سے نکالا تھا اس بھونکتی عورت نے مجھے موت کے شکنجوں میں جکڑ دیا تھا۔

''بابا مجھ سے پکا وعدہ کر۔ کچھ نہیں کہے گا تو میں چلی جاؤں گی...... میں اسے کچھ نہیں کہوں گی۔ اس نے تو میرا بھونکنا بند کرایا۔ میں اسے نہیں مارنا چاہتی...... لیکن تو نے کچھ کہا تو میں اسے مار ڈالوں گی۔ میں تو مروں گی یہ بھی نہیں بچے گا......''

''ٹھہرو...... ٹھہرو......'' ٹاہلی والی سرکار کا غضب کے چولے سے جلالی چہرہ نمودار ہو رہا تھا۔ ''نہ میں تجھے چھوڑوں گا اور نہ تو اسے کچھ کہے گی...... میں نے اسے تمناؤں کی پوشاک میں چھپا کر رکھا ہے تو میری پوشاک کو کیسے پھاڑ سکتی ہے۔ تو علم کی صداقتوں اور اسکی پنہائیوں سے غافل ہے۔ تو کیا سمجھتی ہے۔ شیطانی علم تجھے اللہ کی مار سے بچالے گا...... یہ علم میرا محافظ ہے اور اس کا بھی محافظ ہے تو اسے مار نہیں سکے گی......'' ٹاہلی والی سرکار اس جگہ جم کر کھڑے ہو گئے اور...... پھر انہوں نے دائیں ہاتھ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور زیر لب کچھ پڑھ کر اسکی طرف جھٹک دی...... ایک لمحہ کے نہ جانے کس ثانیے میں یہ ہوا تھا۔ ایک برق سی کوندتی محسوس ہوئی تھی۔ کوئی تیز شے میری گردن میں چبھی تھی اور ساتھ ہی اس خرافہ عورت کی دلدوز چیخ ابھری۔

''سرکار......'' میرے حلقوم سے آہ نکلی اور میں گردن پر ہاتھ رکھ کر نیچے بیٹھ گیا۔

''میرے بچے تجھے کچھ نہیں ہوگا......'' ٹاہلی والی سرکار نے میرے سر پر اپنا مہربان ہاتھ رکھا۔ میری گردن سے ٹیس اٹھ رہی تھی۔ اس جگہ سے بوند برابر لہو نکلا تھا۔ ٹاہلی والی سرکار نے میرا ہاتھ گردن سے ہٹایا اور زیر لب کچھ پڑھنے لگے۔ پھر اپنا لعاب دہن انگلی پر لگا کر ٹیس والی جگہ پر لگایا تو ایک تیز مگر کیف آور ٹھنڈی سی لہر میرے ریشے ریشے میں رینگ گئی۔ کچھ لمحے بعد درد کافور ہو گیا۔

''میرے بچے۔ اس خرافہ نے ترے اندر اپنا زہر اتار دیا تھا۔ لیکن شافی مطلق کے فضل سے اب اسکا یہ سحری زہر تجھ پر اثر نہیں کرے گا......'' وہ میرے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے۔ ''جو مبارک کلمات تجھے سکھائے تھے اسے پڑھتے ہو ناں......'' ان کی آنکھوں میں ایک مخصوص قسم کا

مسرت آمیز استفسار تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اگر تو چاہے تو اپنی روح کی بیٹری کو چارج کر سکتا ہے......''

میں نے غور سے ان کی نظروں میں دیکھا۔

''یہ مبارک کلمات پڑھتے رہا کرو۔ میرا رب ہے ناں جو...... ادھر...... تیری شہ رگ کے قریب رہتا ہے۔ اگر تو اپنے قلب کے محراب میں سربسجود ہو کر ذکر الٰہی کرتے رہو گے تو رب کریم تری دعاؤں کو سنے لگا۔ لیکن میرے بچے...... لیکن میرے بچے...... یہ سب تمہیں پاکیزہ دامنی سے نصیب ہوگا۔ تری پاکیزہ روح ترے بدن کو مطہر دیکھنا چاہتی ہے۔ میرے بچے...... جس گھر کے مکیں خوش ذوق ہوں اس کے در و بام بھی صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ اس گوشت پوست کی عمارت کو آلودگی سے بچائے رکھو گے تو روحانی بالیدگی حاصل کر جاؤ گے۔'' جب ٹاہلی والی سرکار فلسفہ روحانیت پر بول رہے تھے اس خرافہ عورت کی کراہ سنائی دی تھی۔

''میں جانتا ہوں تو ابھی زندہ ہے......'' ٹاہلی والی سرکار کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔

''تو جانتا ہے یہ کوئی ہے......''

میں نے نفی میں سر ہلایا

''یہ ان کم ذات اور مرتد عورتوں میں سے ہے جو نام کی مسلمان ہیں۔ مگر شیطان کی آلہ کار بن کر اپنی عزت آبرو اور ایمان بیچ دیتیں اور اپنی غلاظتیں کوچے کوچے میں لے جا کر بکھیرتی ہیں......''

''میں سمجھا نہیں سرکار......'' میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''وہ کالی داس...... کا چیلہ۔ یاد ہے۔ جب اسکی حاضری لگائی تھی تو اس نے بتایا کہ ادھر تمہارے شہر میں کچھ مسلمان عورتیں ایک ہندو پنڈت کے پاس جاتی ہیں۔ اور اس سے شیطانی علم سیکھتی ہیں۔ یہ خرافہ ان میں سے ایک ہے۔ دیکھو تو...... اسکی شکل...... لگتا ہے یہ انسانوں کی نسل میں سے ہے۔''

میں نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ اسکی حالت کسی باؤلے کتے جیسی تھی۔

''اسکا باطن ظاہر ہو رہا ہے...... میرے بچے......'' ٹاہلی والی سرکار نے نفرت سے اس پر تھوک دیا تو لعاب جونہی اسکے سر پر گرا اسکے بالوں میں آگ لگ گئی...... وہ باؤلے کتے کی طرح

ادھر ادھر سر مارنے لگی۔ وہ اپنے طور پر چیخ رہی تھی مگر اسکے حلق سے کتے جیسی آواز نکل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نادیدہ قوت نے اسکے سر کے سوا پورا بدن جکڑ رکھا ہے۔

''یہ شیطانی علم ہے۔ اس نے جو گند کھا کر اور کھلا کر یہ علم سیکھا ہے اب وہ نکل رہا ہے۔ تم نے سنا ہے۔ کتے کو گھی ہضم نہیں ہوتا۔ سو یہ گھی کھانے آئی تھی...... مگر اب اسے اگلا نہیں جا رہا۔ یہ یہاں ادھر...... میرے والد گرامی کی قبر پر آ کر شیطانی عمل کرنے آئی تھی۔ بدبخت کو اسکے جلے نصیب یہاں کھینچ لائے...... اس کا وقت پورا ہو گیا ہوگا۔ تبھی تو یہ یہاں آ گئی......''

میں نے سن رکھا تھا کہ میرے شہر سیالکوٹ میں بعض پیشہ ور کالا جادو کرنے والوں نے ایسی عورتیں پال رکھی تھیں جو ان کے لئے کام کرتی تھیں۔ مکھن سائیں کے بارے میں بھی یہی مشہور تھا۔ اسکے نشئی پیروکار گلی کوچوں میں جا کر اسکے شعبدوں کو کرامات بیان کر کے ڈراتے تھے۔ مگر یہ عورت ایک دوسرے قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ مجھے صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ بہت سی اوہام پرست عورتیں تعویذ دھاگے اور باقاعدہ کالا جادو سیکھنے کے لئے ایک ہندو پنڈت کے پاس جاتی تھیں۔ ٹاہلی والی سرکار نے اس عورت کو اسکی شیطانی طاقتوں سمیت بے بس کر کے رکھ دیا تھا اور اب وہ اپنی بے بسی پر چلا رہی تھی۔ مجھ سے اسکی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

''سرکار یہ بھونک کیوں رہی ہے......'' میں نے اسکے کراہت آمیز چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے سوال کیا۔

''بھونکنا تو اس کا کام ہے۔ بھونکتے بھونکتے مر جائے گی یہ۔'' ٹاہلی والی سرکار نے نفرت سے منہ موڑ لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی چلہ گاہ کی طرف جاتے ہوئے گویا ہوئے۔ ''میرے بچے...... جو مسلمان عورت یا مرد کالا جادو سیکھتا ہے اور پھر اس گندگی میں پورے کا پورا داخل ہو جاتا ہے اپنے آخری ایام میں باؤلا ہو جاتا ہے۔ کتوں کی طرح بھونکنے لگتا ہے۔ پانی میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو اسے اپنے اندر جانور نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کی روح مردہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ کہوں گا کہ شیطان لعین اس کے اندر ڈیرہ ڈال لیتا ہے۔ اس عورت کی عقل پر اب شیطان سوار ہے تم جانتے ہی ہو شیطان اور جنات کو کتوں کے روپ میں متشکل ہونے کی بھی قدرت حاصل ہے۔ اس لئے تو یہ عام کتے بھی ان کو پہچان لیتے ہیں۔ اس عورت کو اب باؤلے کتوں کی طرح تڑپ تڑپ کر مر جانا ہے......''

''یہ ہے کون......'' یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کس ماحول میں سانس لے رہا ہوں میرے

اندر کے صحافی کا تجسس انگڑائیاں لینے لگا۔

''تمہیں بتایا تو ہے۔ یہ کون ہے کہاں سے آئی ہے اس کو چھوڑو۔ صرف یہ جان لو کہ یہ خرافہ اور بدذات اپنے اصل کو پہنچ رہی ہے......''

''سرکار......'' میں دبے لفظوں میں بولا۔ ''میری خواہش ہے کہ میں اسکے بارے میں جانکاری کروں کہ یہ کون تھی اور پنڈت تک کیسے پہنچی...... میں دراصل......''

''جانتا ہوں میں۔ جانتا ہوں کہ تمہیں کون سی شے تنگ کر رہی ہے......'' ٹاہلی والی سرکار کے لبوں پر مسکان ابھری......'' میں نے حیرت سے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دریافت کیا۔ ٹاہلی والی سرکار نے پہلے میری طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں وہی مسرت آمیز مسکراہٹ تھی جو نہ جانے کس خوشی یا اطمینان کو ظاہر کرتی تھی پھر انہوں نے سر آسمان کی طرف اٹھایا اور نعرہ مستانہ بلند کرنے لگے......

''حق اللہ...... حق اللہ...... وہ ذات ـــ۔ خالق دو جہاں...... اگر چاہے تو اپنے لطف و کرم سے اس گناہگار کو یہ توفیق دے سکتی ہے میرے بچے...... مگر بہت سے حجابات مانع ہیں۔ ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ ہم کیا جانتے ہیں۔ کتنے جہانوں کے اسرار ہویدا ہیں ہم پر۔ تم ایسا کرو کہ اس خرافہ سے خود پوچھ لو...... وہ اپنی موت مر رہی ہے۔ کالے جادو کا ناسور اسکے پورے جسم میں پھیل چکا ہے......''

''سرکار......'' میرے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔ اور میں ان کا چہرہ تکنے لگا۔

''کیا ہوا ہے......''

''وہ ریاض شاہ...... سرکار وہ بھی تو کالا جادو کرتے تھے......'' میں اٹک اٹک کر بولنے لگا۔

''مجھے یقین تھا کہ تم یہ بات کرو گے۔ ہاں۔ وہ بھی کرتا تھا۔ لیکن اس نے توبہ کر لی تھی۔ اگرچہ مجھے یہ یقین ہے کہ وہ مکمل طور پر تائب نہیں ہوا تھا...... لیکن اس نے میرے سامنے توبہ کی تھی۔ اور یہ جو توبہ ہے ناں...... یہ اللہ اور بندے کے مابین ایک معاہدہ ہے۔ ہم اس کے درمیان نہیں آ سکتے۔ اگر میں اسکی ''توبہ'' کو منافقت کہتا تو میری سرکار سردار الانبیاءؐ ناراض ہو جاتے۔ دلوں کے حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اگرچہ ہم انسان اپنی دور اندیشی سے کسی انسان کے حالات سمجھ لیتے ہیں مگر اللہ عزوجل کے معاملات میں اس دور اندیشی کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہم اس خالق دو جہاں کی حکمت و اسرار پر بحث اور حجت نہ کریں...... اور اسکے درمیان توبہ کے معاہدہ پر

خاموش ہو جائیں...... میرے بچے...... میں نے کہا تھا کہ بہت سے حجابات مانع ہیں۔ ہم بے لاگ نہیں بول سکتے۔ اشاروں کنائیوں میں کچھ کہہ گزرتے ہیں۔ جو سمجھ لیتے ہیں ان کا بھلا اور جو نہ سمجھیں ان کا بھی بھلا۔ ہر پیٹ کا اپنا اپنا ہضم ہوتا ہے میرے بچے۔ میں جانتا تھا تو ریاض شاہ کے بارے میں دریافت کرے گا......"

"سرکار......وہ زلیخا کو لے گیا ہے......"

"لے گیا ہے۔" ٹاہلی والی سرکار نے ٹھنڈے لہجے میں کہا" وہ اس کی امانت تھی۔ سو وہ لے گیا۔"

"نہیں سرکار...... وہ اسے نکال کر لے گیا ہے۔ اس نے اسے مجبور کیا ہوگا۔ اس نے نکاح نہیں کیا زلیخا سے......" میں تڑپ اٹھا۔ میرے اندر حد سے بڑھی بے بسی پیچ و تاب کھانے لگی تھی اور پھر میں نے گزشتہ روز کے واقعات ٹاہلی والی سرکار کو بیان کر دیئے کہ کس طرح اس نے نصیر کو بے بس کر کے اپنے باپ کے قتل پر اکسایا تھا۔ میرا خیال تھا ٹاہلی والی سرکار یہ سنتے ہی غضب ناک ہو جائیں گے اور وہ کسی طور یہ پسند نہیں کریں گے کہ ریاض شاہ اپنی پراسرار طاقتوں کو اپنے نفس کی تسکین کے لئے استعمال کرتا پھرے۔ مگر وہ یخ ہواؤں کی طرح سرد تھے۔ کرب و پشیمانی یا قہر و جلال کی ایک پرچھائی بھی ان کے چہرے پر نظر نہیں آئی تھی۔

"یا الٰہی یہ تیرے کیسے بھید ہیں۔ یہ ترے نیکوکار بندے بھی نیکی اور بدی میں تمیز نہیں کر سکتے......اور کیا...... یہ کسی بدکار کو روک نہیں سکتے......ادھر...... یہ خرافہ...... چڑیل' بھونکتی عورت تو ان کے غضب سے ہلاکت تک پہنچ رہی ہے مگر جب معاملہ ریاض شاہ کی شیطانیت کا آتا ہے تو یہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ میرے مولاؐ...... یہ سب کیا ہے۔ یہ کون سے بھید اور کونسی حکمت ہے۔ یہ کیسی مصلحت ہے جو کسی معصوم لڑکی کو بے آبرو ہوتے دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ ماں باپ اور ایک بھائی لاچارگی سے شیطان صفت کو ان کی عزت کے ساتھ کھیلتے ہوئے خاموش ہے......" میرے اندر کوئی چیخ چیخ کر اپنے رب کریم سے سوالات کر رہا تھا' التجائیں پیش کر رہا تھا...... مجھے یاد ہے...... جب شہ رگ سے بھی بہت زیادہ قریب میرے اللہ کریم نے میرے سسکتے ہوئے سوالات سنے تو ادھر......اس لمحے کرب نادیدہ کی چوٹ دار لہر ٹاہلی والی سرکار کے چہرے پر نظر آئی اور وہ ایک فلک شگاف کرب و ابتلا میں ڈوبی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے تھے......

......میرے اندر سوالات کا تلاطم تھم گیا اور ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھنے لگا۔ ان کی پلکوں میں چند آنسو دبے ہوئے تھے اور سانسیں تیز سے تیز ہو رہی تھیں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں انہیں ہوش میں کیسے لاؤں...... میرا دل اپنے دکھوں اور پھر ٹاہلی والی سرکار کی حالت غیر دیکھ کر رونے لگا تھا۔

"سرکار......اٹھیں...... آپ تو سو گئے۔ سرکار......" میں ان کے سر کو اپنی گود میں رکھ کر اس ماں کی طرح سہلانے لگا جو بھوک سے نڈھال ہو کر اپنے روتے پیٹتے بچے کو نیند میں دلاسوں سے تھپکیاں دیتی ہے۔ یونہی جب خاصی دیر ہو گئی تو ٹاہلی والی سرکار کے لبوں کے تالے کھلنے لگے۔

"حق اللہ...... حق اللہ......اللہ......اللہ......" وہ زیر لب رب ذوالجلال کو پکار رہے تھے......

اس اثنا میں مجھے محسوس ہوا کہ ہم سے کچھ دور بیٹھی بھونکتی عورت خاموش ہو چکی ہے۔ میں نے سوچا کہ وہ مر گئی ہو گی اسی لئے اسکی آواز دم توڑ گئی ہے۔ میں پورے انہماک سے ٹاہلی والی سرکار کی طرف متوجہ تھا۔ جب انہوں نے بولنا شروع کیا اور پھر ان کے لبوں سے ذکر الٰہی کے کلمات ادا ہونے لگے تو مجھے قرار آ گیا۔

"میرے مولا...... تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے......" مجھے اب پورا یقین تھا کہ ٹاہلی والی سرکار کے قلب و نظر پر جو بھی حجابات مانع تھے انہیں میری التجاؤں نے پاش پاش کر دیا تھا اور میرے رب ذوالجلال نے انہیں آگہی بخش دی تھی۔

"تو نے...... کیا کر دیا ہے۔" ٹاہلی والی سرکار جاگ اٹھے اور پھر میرے سامنے بیٹھ گئے...... میرے بچے۔ تو نے میرے مولا کو مجھ سے ناراض کر دیا ہے......" ان کی پلکوں پر ٹھہرے آنسو اب ساون بھادوں کی طرح برسنے لگے تھے۔

"تو نے میری عمر بھر کی کمائی لٹا دی...... مجھے معاف کر دینا میرے بچے...... نہ جانے تو نے کیا کیا ہے۔ کہ مجھ پر کوڑے برسنے لگے......"

میں نے انہیں بتا دیا کہ میں اپنے رب کریم سے کیا کہہ رہا تھا۔

"سرکار ہم جیسے انسان تو بے بس ہوتے ہیں...... وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اللہ ان کی شہہ رگ سے بھی قریب ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ آپ جیسے لوگ جو اس ذات اعلیٰ و برتر کے ولی ہیں وہ ان کی مناجات' حاجات کو بہتر طریقے سے طلب کرنے کا سلیقہ سکھا دیں گے...... انہیں

اندھیروں سے اجالوں کی طرف لے آئیں گے۔ ان کی آشاؤں اور محرومیوں کے دلدر دور کر دیں گے۔ آپ لوگ اللہ کے ولی جو ٹھہرے اُسکے قرب کی نگری میں جو بستے رہتے ہیں۔ آپ کو ہم جیسے انسانوں سے زیادہ سلیقہ آتا ہے مانگنے کا...... آپ اپنے کام کے ماہر ہیں۔ مگر سرکار جب یہ بھرم ٹوٹتا ہے۔ جیسا کہ میرا ٹوٹا...... میرے جیسے انسان اتنے بھی اندھے نہیں ہوتے کہ اچھائی اور برائی کو نہ سمجھ سکتے ہوں۔ مگر اختیار و کاملیت سے تہی ہوتے ہیں۔ ہم تو شعور کی دنیا میں رہتے ہوئے بھی لاشعور کے وجود سے غافل نہیں ہوتے۔ اسی لئے تو سرکار ہمارے اندر تجسس' استغفار اور اظہار کے الاؤ بھڑکتے ہیں۔ کبھی آپ کو اچھے لگتے ہیں کبھی برے' سرکار...... یہی الاؤ مجھے جلا رہا تھا......'' میری بات ابھی جاری تھی کہ ٹاہلی والی سرکار کے چہرے پر ناگواری ابھر آئی۔

''دفع ہو جاؤ......'' میں ان کی طبیعت کے اس میلان پر حیران رہ گیا۔ اسی اثناء میں مجھے اپنے عقب میں کتے کے بھونکنے کی آواز آئی تو میں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہی عورت اپنی بدہیتی کے سارے لوازمات کے ساتھ خود کو گھسیٹتی ہوئی ہماری طرف آ رہی تھی۔ اس کی زبان کتے کی طرح باہر لٹک رہی تھی اور سیاہ رنگ کا لعاب اس کے دہن سے نیچے ٹپک رہا تھا۔

''تو پھر آ گئی......''

بابا...... اس کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔ مجھے معاف کر دے میں...... اپنے گناہوں کو جھیل رہی ہوں۔ میں سچی توبہ کرنا چاہتی ہوں...... مجھے ایک موقع لے دے بابا'' وہ ہانپتی کانپتی ہوئی قریب سے قریب ہو رہی تھی۔ وہ سانس لیتی تو ایسے لگتا جیسے کتا ہانپتا ہے۔

ٹاہلی والی سرکار کے چہرے پر سے تناؤ کافور ہونے لگا۔

''توبہ...... اے میرے مولا...... ایک شیطان تجھ سے توبہ طلب کر رہا ہے...... میرے مولا...... یہ تیرے اختیار میں ہے جسے تو چاہے معاف کر دے''۔ ٹاہلی والی سرکار زیرلب کہنے لگی ''میں کون ہوتا ہوں۔ تیرے اور اس کے بیچ میں آنے والا...... تو چاہے تو اس کی توبہ قبول کر لے...... آخر یہ تیری ہی بندی ہے' ٹاہلی والی سرکار نے اس کی طرف اب کی بار دیکھا تو ان کی آنکھوں میں ایک بار پھر مسکان اپنے دیئے جلانے لگی تھی۔

''تو ادھر ہی ٹھہر جا...... میں تجھے اپنی بندشوں سے آزاد کرتا ہوں...... اور ادھر...... جا...... ادھر جو نلکا ہے ناں...... وہاں جا کر اپنی غلاظتوں کو دھو اور پاکیزگی اختیار کر۔ وضو قائم کر اور

اپنے اللہ کے حضور سجدے میں گر کر روتی جا...... اپنی آنکھوں کے سارے آنسو اس کے در کی چوکھٹ پر گرا دے............ وہ ذات اپنے بندے کے آنسوؤں سے اس کی خطاؤں کے داغ دھو دیتی ہے......'' یہ کہتے ہوئے ٹاہلی والی سرکار کی آواز رندھ گئی اور پھر انہوں نے کچھ پڑھ کر اس عورت کی طرف ہاتھ جھٹکا تو اس کے بدن کے گرد قائم گرفتیں ڈھیلی پڑ گئیں۔ آہستہ آہستہ پہلے اس کی سانس نارمل انسانوں جیسی ہو گئی اور پھر اس کے چہرے کے خدوخال معمول پر آنے لگے۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے ہماری طرف دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پانی کے نلکے کے پاس چلی گئی۔ مگر کچھ لمحے بعد ہی اس کے بھونکنے کی آواز آنے لگی۔

میں نے ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھا تو انہوں نے اپنے والد کی قبر پر رکھے آب خورے کو پکڑا۔ اس میں دو گھونٹ پانی تھا۔ انہوں نے کچھ پڑھا اور پھر پانی پر دم کر کے مجھے دیا اور کہا: جاؤ...... اور اسے کہو یہ پانی پی لے...... ابھی اس کا باؤلا پن نہیں گیا۔ وہ عذاب سہہ رہی ہے۔ اسی لئے جب اس نے پانی میں ہاتھ ڈالا ہو گا تو اس کی جان نکلنے لگی ہو گی......''۔

میں خاموشی سے اس کے پاس چلا گیا۔ وہ نلکے کے پاس لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے بسی اور بے کسی کا احساس نمایاں نظر آنے لگا۔

''یہ پانی پی لو...... سرکار نے دیا ہے......'' اس نے لرزتے ہاتھوں سے آب خورہ پکڑنے کی کوشش کی تو میں نے اندازہ لگایا کہ اپنے مرتعش ہاتھوں سے پانی نہیں پی سکے گی۔ مجھے اس سے ابھی بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ اس سے بدبو دار اور جلے ہوئے گوشت کی سرانڈ آ رہی تھی۔ ایسا ناقابل برداشت تعفن جیسے شہروں میں سڑکوں کے کنارے رکھے غلیظ ڈپوؤں سے آتا ہے۔ مگر...... میں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے یا پھر جذبہ انسانیت کے تحت اس کو اپنے ہاتھوں سے پانی پلانا چاہا تو اس کے جبڑے کسی لقوہ زدہ انسان کی طرح بے حس ہو گئے اور پانی بوند بوند نیچے گرنے لگا۔ یہ دیکھ کر میں نے اس کو زمین پر لٹا دیا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر ایک ہاتھ سے جبڑے پکڑ کر منہ کھولا تو کسی مرتے ہوئے کتے کی طرح اس کے گلے سے غرغراہٹ پیدا ہونے لگی۔ بدبو سے میری سانسیں بند ہونے لگیں مگر میں نے اللہ کا نام لے کر اس کے حلق میں پانی ٹپکا دیا۔

اللہ کا کرم ہوا۔ جونہی دم شدہ پانی اس کے اندر گیا اس کی غرغراہٹ بند ہو گئی اور حالت سنبھلنے لگی۔ میں اسے چھوڑ کر واپس ٹاہلی والی سرکار کے پاس چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اب اس کی

حالت سنبھل جائے گی اور میں اس کی کہانی سننے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

"سرکار...... میرے لئے کیا حکم ہے......" میں نے واپس پہنچ کر ان سے دریافت کیا۔ وہ سر جھکائے کچھ سوچ رہے تھے۔ میری آواز سن کر سر اٹھایا اور کہنے لگا" میں نے ذرقان شاہ یعنی تمہارے باباجی کو بلایا ہے۔ وہ آنے والے ہیں۔ تو ادھر بیٹھ جا۔ ان سے ہمارے گہرے مراسم ہیں۔ میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ ریاض شاہ کی اس کمینی حرکت میں اس کے ساتھ ہیں...... اور ان کے کیا ارادے ہیں......"

میں ان کے پاس بیٹھ گیا تو وہ بولے" آج یہ حاضری خاصی سخت ہوگی۔ میرے بچے یہ جنات بے شک عبادت گزار ہوں...... مگر دن کے وقت ان کو حاضر کرنا گویا ان کی تمام خصلتوں کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ تم اس حصار میں بیٹھ جاؤ۔ تمہیں آیت الکرسی آتی ہے......" وہ مجھ سے دریافت کرنے لگے تو میں نے اثبات میں سر ہلایا...... "ٹھیک ہے جب تک ذرقان شاہ نہیں آتا۔ تم گیارہ مرتبہ درود ابراہیمی پڑھو اور پھر آیت الکرسی پڑھو۔ اس کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ کے اسمائے نامی یا حفیظ بحق یا سلام پڑھو اور اس کے بعد گیارہ مرتبہ تعوذ شریف پڑھنے کے بعد گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے سینے پر پھونک مار لو...... یہ ردسحر اور مخلوق مخفی سے حفاظت کے لئے بہترین وظیفہ ہے......" ٹاہلی والی سرکار نے مجھے اس وظیفہ کو بالحاظ تعداد پڑھنے کا طریقہ سکھایا اور پھر وہ خود بھی زیر لب کچھ پڑھنے لگے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ٹاہلی والی سرکار آج کسی بہت بڑی جنگ کی تیاری کر کے بیٹھے ہیں۔ میں نے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا۔ نہایت ارتکاز اور خلوص کے ساتھ...... اپنے قلب ونظر کے زاویے درست کر کے پڑھنے لگا...... میں نے جب وظیفہ پڑھ لیا تو اسی لمحہ ٹاہلی والی سرکار نے آنکھیں کھول کر مشرق کی طرف رخ کر کے کچھ ایسی زبان میں الفاظ ادا کئے جو میرے لئے قطعی اجنبی تھی...... ان کے الفاظ کی بازگشت قبرستان میں دور دور تک پہنچی ہی تھی کہ یکا یک پورا قبرستان گہرے سایے میں ڈھک گیا اور آسمان سے بہت ہی تیز قسم کا بگولا قبرستان میں اترنے لگا۔

بگولا میرے حصار کے گرد چکر لگانے لگا تھا۔ اگر میں نے وظائف نہ پڑھے ہوتے تو یقیناً اس بگولے کی لپیٹ میں آ جاتا۔ بگولے کی شدت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اگر یہ کسی گاؤں کے اوپر آیا ہوتا تو گھروں کی دیواریں گرا دیتا اور ان کی چھتیں اڑا دیتا۔ لیکن یہ ٹاہلی والی سرکار کی کرامت ہی تھی کہ غیض وغضب کے طوفان کی شدت لئے ہوا یہ بگولا کسی

کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ ہاں...... البتہ یہ ضرور ہوا...... ہم سے دس بیس گز دور بیری کا ایک خستہ حال درخت بگولے کی تیز اور طوفانی ہواؤں کی تاب نہ لا سکا اور جڑ سے اکھڑ گیا۔ میں نے سوچا۔ اگر میں اس حصار سے باہر ہوتا تو زمین میرے قدموں سے نکل جاتی۔ ٹاہلی والی سرکار کی بات سچ ثابت ہوئی تھی۔ میں تو حیرت سے پاش پاش ہو رہا تھا کہ باباجی پہلے بھی تو حویلی میں حاضری دیتے تھے مگر ان کی آمد اتنی طوفانی اور قہر وغضب سے نہیں بھری ہوتی تھی۔ صبح اور دوپہر کے وقت بھی میں ان کی انسانی اور جناتی روپ میں حاضریوں سے مستفید ہو چکا تھا مگر نہ جانے آج ان کی حاضری میں کیا حکمت تھی کیسا راز تھا، کیسی ناراضگی تھی......

پانچ دس منٹ لگ گئے ہوں گے بگولے کو اعتدال پر آتے آتے...... بگولا اب فضا میں بکھر گیا تھا...... ہر طرح بظاہر سکون آ گیا تھا۔ درختوں کی شاخیں جن پر لرزہ طاری تھا اب ناموس وجود کے خوف سے ساکت ہو چکے تھے۔ میرے سامنے کوئی بھی شے ظاہر نہیں ہوئی تھی...... صرف ہوا اور فضا میرے اور ٹاہلی والی سرکار کے درمیان حائل تھے۔ کسی نادیدہ وجود کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ فضا میں قدرے گرمی اور حبس کا احساس بھر گیا تھا۔ کچھ دیر ہی بعد مجھے فضا میں بھاری بھاری سانسیں لینے کی آواز سنائی دینے لگی اور اسکے ساتھ ہی ٹاہلی والی سرکار بولی۔

"ذرقان شاہ۔ ہم نے تمہارا اتارا دیکھ لیا۔ سجنوں کے پاس اس طرح آتے ہو......"

"اپنے مطلب کی بات کرو بابا......" باباجی خشک لہجے میں بولے۔ ٹاہلی والی سرکار خفیف انداز میں مسکرائی۔ "ذرقان شاہ۔ ہم اپنے سجنوں کا لحاظ کرتے ہیں۔ یہی تم اور ہم میں فرق ہے۔ تم جنات کو وضعداری رکھ رکھاؤ اور حسن سلوک نہیں آتا۔ افسوس کہ تم ہم سے ان اخلاقی اصولوں کی تربیت لیکر بھی اجڈ کے اجڈ ہی رہے۔ تم نے علوم حاصل کئے مگر یہ علم تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ افسوس ذرقان شاہ۔ خدائے لم یزل نے تم جنات پر یہ احسان کیا کہ تمہیں تمہارے جد امجد ابلیس کی صف میں کھڑا نہیں کیا۔ اسکے گناہ کی سزا تمہیں نہیں دی۔ مگر تم جنات اپنی فطرت سے باز نہیں آتے۔ علم کا تکبر تمہیں بھی تنگ کرتا......"

"بابا...... فلسفہ نہ سناؤ...... میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے اس وقت کیوں بلایا ہے تم نے...... شاید تم نہیں جانتے کہ یہ پہر جب سورج سوا نیزے پر ہوتا ہے۔ جب بیابانوں

اور صحراؤں میں سنسانی پھیلی ہوتی ہے، قبرستانوں میں مردے بھی آرام کر رہے ہوتے ہیں، ہم جنات اپنے اس وقت خاص میں آدم زاد حاکمین کی مجلس میں نہیں آتے۔ تم نے اس وقت طلب کر کے مجھے بہت رنج پہنچایا ہے......"

"میں جانتا ہوں ذرقان شاہ...... مگر تمہارے رنج کی فکر کر کے ہم اس انسانی مسئلہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے...... دیکھو ادھر...... یہ نوجوان کتنا دکھی اور رنجیدہ ہے۔ تم نے اس کے محسنوں کے گھر میں ڈاکہ ڈالا ہے۔ ان کی عزت خاک میں ملا دی...... کیا ایسے میں تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ تم اپنے راحت کدوں میں سکون کی نیند کے مزلے لے رہے ہو......"

"اچھا تو تم نے مجھے اس بدبخت کی خاطر تکلیف دی ہے۔"

بابا جی تلخی سے بولے۔ "اگر تم نے اسے یہاں محفوظ نہ کیا ہوتا تو میں اسکی کھال ادھیڑ دیتا...... یہ لڑکا اپنی اوقات سے باہر نکل گیا ہے۔ ہم نے اسے عزت دی۔ اسے علوم کے رازوں سے آگاہ کیا...... مگر یہ ہمیں تنگ کرنے پر اتر آیا ہے......"

"ذرقان شاہ...... تمہاری عقل کو غضب کی چادر نے ڈھانپ رکھا ہے۔ یہ لو...... پانی پیو۔ پھر آرام سے بات کریں گے......"

"تم بات کرو...... مجھے واپس جانا ہے......" بابا جی نے ٹاہلی والی سرکار کو سخت لہجے میں مخاطب کیا۔ "تمہیں یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ تم اس کی خاطر ہم کو ناراض کرتے......"

"۔۔۔تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ذرقان شاہ...... میں آرام اور ٹھنڈے حوصلے سے تم سے بات کر رہا ہوں مگر تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر عزت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو ذرقان شاہ...... تم نے ایک معصوم لڑکی کو بے عزت کرنے میں اپنے عامل کا ساتھ دیا ہے۔ لعنت ہے تمہاری علمیت اور بزرگی پر...... کیا بزرگوں کی تعلیمات نے تمہیں یہی سکھایا ہے۔ تم میں اور ایک جاہل جن میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ ان جنات اور تم میں کیسی تمیز کی جا سکتی ہے جو آدم زاد عورتوں کو تنگ کرتے ہیں...... تم نے اپنے آپ کو ان جنات میں سے ممتاز بنانے کی خاطر صدیوں تک علوم حاصل کئے...... محض اس لئے کہ تم ایک عامل کے ہاتھ جب لگ جاؤ تو کتے کی طرح دم ہلاتے رہو......" ٹاہلی والی سرکار جلالی انداز میں کھڑے ہو کر اس ماورائی وجود سے مخاطب

تھے جو ہوا کے پردوں میں ملفوف تھا۔

"بابا......" تم کہنا کیا چاہتے ہو...... یہ کہ ریاض شاہ زلیخا کو اپنے ساتھ کیوں لے گیا ہے۔ تم بھول گئے بابا کہ یہاں اسی جگہ...... یہ بھی وہاں موجود تھا یہ بھی گواہ ہے۔ تم نے خود اسے بھی یہی کہا تھا کہ زلیخا ریاض شاہ کی امانت ہے...... بھول گئے کیا۔ اس نے مجھ سے اجازت طلب کی تھی۔ کیونکہ زلیخا کے وارث ہم ہیں۔ وہ ہمارے بزرگوں کی دعاؤں سے پیدا ہوئی تھی۔ کیا تم بھول گئے ہو کہ روحانی اولاد پر کس کس کا حق ہوتا ہے...... ہاں...... یہ وعدہ ہے ہمارا...... زلیخا کی عصمت پر آنچ بھی نہیں آنے دوں گا۔ ریاض شاہ آج اس سے نکاح کرے گا۔ اگر ہو سکے تو تم بھی آجانا...... تمہیں ہماری طرف سے دعوت ہے......"

"ذرقان شاہ میں تمہیں یہ ظلم نہیں کرنے دوں گا...... میں یہ شادی ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے جو کہا تھا وہ بھی درست تھا۔ لیکن اب یہ معاملہ بگڑ چکا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم لوگ زلیخا کے گھر والوں کی رضامندی سے باعزت طریقے سے شادی کرو...... مگر ریاض شاہ نے اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اسے گھر سے بھگایا......"

"بابا...... ہم اسے بھگا کر نہیں لے گئے...... اسکی رضامندی سے لیکر گئے ہیں......" بابا جی اس بار نرمی سے بولے۔

"ہمارے معاشرے میں اسے گھر سے بھگانا ہی کہتے ہیں۔ ریاض شاہ نے ایک شیطانی سوچ کے تحت یہ قدم اٹھایا ہے جو شریعت کی رو سے ناجائز ہے...... تم لوگوں نے خوف و ہراس پھیلا کر اپنی سفلی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس نے یہ سب تمہارے بل بوتے پر کیا ہے ذرقان شاہ...... تم جانتے ہو اگر یہ معاملہ اوپر چلا گیا تو بزرگوں کی پھٹکار تم پر پڑے گی۔ میں تمہاری شکایت کروں گا ذرقان شاہ۔۔۔۔ تو تمہیں عقل آجائے گی...... تم نے ایک ہوس پرست شخص سے مغلوب ہو کر اسکی مدد کیوں کی......"

میرا خیال تھا کہ بابا جی بھڑک اٹھیں گے...... مگر اب کی بار وہ خاموش ہو گئے تھے۔ ان کی بھاری سانسیں اب بوجھل ہو گئی تھیں۔ پھر جب وہ بولے تو اسی غیر مانوس زبان میں...... جو ریاض شاہ یا بابا جی آپس میں بات چیت کے دوران استعمال کرتے تھے۔ ٹاہلی والی سرکار بھی ان سے اسی زبان میں گفتگو کرنے لگے تھے۔ ان کے لہجوں سے لگتا تھا کہ آپس میں

بحث کر رہے ہیں۔ یونہی خاصی دیر گذر گئی...... بالآخر ٹاہلی والی سرکار اپنی مادری زبان میں بولے۔ ''ٹھیک ہے میں اسے سمجھا دوں گا۔ مگر اب معاملہ کسی سطح پر خراب نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے شکوک تم بھی رفع کرو...... اور شاہد میاں کے لئے اپنے دل میں محبت پیدا کرو...... یہ سمجھدار نوجوان ہے۔ تمہیں تنگ نہیں کرے گا......''

''ٹھیک ہے۔ اچھا تو اب اجازت...... خدا حافظ......'' بابا جی نے اجازت لی اور چلے گئے۔ ٹاہلی والی سرکار نے مجھے مخاطب کیا۔ ''شاہد میاں...... اب تم حویلی چلے جاؤ...... لیکن ٹھہرو...... تم شام کو جانا۔ ابھی کچھ دیر ادھر ہی رہو۔ میں نے ذرقان شاہ کو سمجھا دیا ہے۔ اسکے کچھ تقاضے تھے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ انہیں پورا کر دوں گا...... میرے بچے...... اصل بات یہ ہے کہ جنات میں کچھ ایسے گروہ ہیں جو ہم جیسے ملنگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ درباروں اور مزاروں پر بسیرا کرتے ہیں۔ ذرقان شاہ ہمارے ملک کے سبھی درباروں پر حاضری دیتا ہے...... اس پر کچھ پابندیاں لگ گئی تھیں۔ ہم نے وعدہ کیا ہے کہ ہم اس کی سفارش کر کے اسکی حاضریوں کو مقبول بنانے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ریاض شاہ زلیخا کو آج رات ہی واپس لے آئے گا...... تم ان کے گھر والوں کو سمجھا دینا اور انہیں یہ یقین دلا دینا کہ زلیخا باعصمت ہے۔ تم ان لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں ختم کرا دو...... ریاض شاہ اور تمہارے بابا جی کو ابھی اس علاقہ میں تین ہفتے مزید رہنا ہے۔ مناسب ہوا تو تمہیں بتا دوں گا کہ اسکی کیا مجبوریاں ہیں...... بہرحال تم اپنے دل کو اب آلودہ نہ کرنا...... اور حالات کو سمجھ کر چلتے رہنا...... اب مجھے کچھ دنوں کے لئے یہاں سے جانا ہے۔ اللہ تمہاری اور حویلی والوں کی حفاظت فرمائے...... فقیر کی دعا ہے کہ تم لوگوں پر کسی قسم کی شیطانی آفت نہ آئے...... (آمین)......'' ٹاہلی والی سرکار نے میرے قریب آ کر میرے سینے پر پھونک ماری اور مجھے سمجھایا۔

''غصہ نہ کیا کرو.......... غصہ جو ہے ناں...... بصیرت کو کھا جاتا ہے۔ اگر تمہاری بصیرت روشن رہے گی تو پراسرار جہانوں اور مخلوقات کو نہایت قریب سے دیکھ سکو گے۔''

''انشاءاللہ...... میں کوشش کروں گا۔'' میں نے خلوص دل سے کہا

اس دوران وہ عورت نہا دھو کر آ گئی تھی۔ اسکے چہرے سے برسوں کی غلاظت دور ہو گئی تھی۔ سر پر چادر اوڑھ لی تھی اور خود کو اس چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔

''بابا...... میں آ گئی......''

ٹاہلی والی سرکار نے اسکی طرف دیکھا اور اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور پھر اسے نیچے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ سر جھکا کر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ ٹاہلی والی سرکار نے ایک ہاتھ اسکے سر پر رکھا اور آیات مبارکہ کی تلاوت کرنے لگے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے انہوں نے الحمد شریف کم از کم چالیس بار پڑھی ہو گی۔ وہ ہر بار ایک آیت پر زور دے کر پڑھتے تھے۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ ''اے اللہ مجھے صراط مستقیم پر چلاتا......'' اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بھی متعدد بار پڑھی تھی۔ آدھ پون گھنٹہ تک وہ اسکے سر کے اوپر دست مبارک رکھ کر آیات پڑھتے رہے۔ آخر میں انہوں نے مجھ سے آب خورے میں پانی منگوایا اور اس پر کچھ پڑھنے کے بعد پھونک ماری اور پانی دم کر کے اس عورت کو دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس عورت کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں مگر پپوٹوں سے آنسوؤں کا سیلاب ابل ابل کر باہر آ رہا تھا۔ اس نے ہچکیوں میں ہی پانی پیا...... اور روتے ہوئے بولی۔

''بابا...... برسوں بعد سکون ملا ہے مجھے........ میں برسوں بھٹکتی رہی ہوں۔ میں اپنے خالق سے دور ہو گئی تھی بابا...... اور میں نے ایک شیطان کو اپنا معبود بنا لیا تھا...... ہائے میں کتنی بدقسمت تھی بابا...... بڑی ہی نامراد تھی میں...... میں سوچا کرتی تھی کہ اگر میں کالا علم سیکھ لوں گی تو بڑی واہ واہ ہو گی میری۔ دنیا مجھ سے ڈرا کرے گی بابا...... میں دنیا کو اپنی شیطانی حرکتوں سے ڈراتی رہوں گی...... اور میں ڈراتی بھی رہی...... معصوم لوگوں کو گمراہ کرتی رہی بابا...... میں بہت گناہگار ہوں۔ میں نے اپنے مسلمان بہن بھائیوں کا خون پیا ہے۔ میں تو معافی کے لائق بھی نہیں رہی بابا...... بابا...... میری سفارش کر دو...... مجھے سکون دے دو بابا...... مجھے واپس بلا لو...... مجھے میری دنیا لا دو بابا...... میں......'' وہ بلک بلک کر روتی رہی تھی۔ ''ایسے لگ رہا ہے بابا۔ جیسے دل اور دماغ سے منوں بوجھ اتر گیا ہے۔ یہ کلمہ جو بابا تم نے سنایا ہے۔ بخدا...... اگر میں اسکو پکڑ لیتی۔ اپنے رب کو پہچان لیتی اور اسکے حضور روتی بلکتی رہتی، عبادتوں کے نذرانے دیتی...... اسے مناتی اسکے آگے جھکتی بابا...... تو مجھے ان ہزاروں سجدوں سے نجات مل جاتی جو میں نے کالا علم سیکھنے کے لئے کئے ہیں...... میں بہت گناہگار ہوں بابا...... مجھے اب خود سے گھن آ رہی ہے۔ ہر منظر میرے سامنے کھل رہا ہے۔ وہ زبیدہ...... ہاں۔ اس پاک باز اور شریف عورت زبیدہ کا چہرہ میرے سامنے آ

رہا ہے۔ فلم سی چل رہی ہے بابا...... یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ......'' اس عورت کی آنکھیں کسی خوف سے یکدم کھل گئیں اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر وہ ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھنے لگی۔ ''بابا...... زبیدہ...... آ گئی......'' وہ خوف سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ''ہاں آ جا...... زبیدہ آ جا...... میں ہی تیری مجرم ہوں۔ میں ہی تیری قاتل ہوں۔ میں نے ہی تیرے بچے کھائے ہیں میری بہن آ...... اور میرا کلیجہ نکال کر کھا لے تو...... دیکھ آج تمہاری منداں بی بی خود یہ بتا رہی ہے۔ لے...... میرا...... نہیں تو اپنا جوتا اتار کر میرے سر پر مار......'' وہ ادھر ادھر دیکھ کر ہذیان بکنے لگی تھی۔ غالباً اس کا نام منداں بی بی تھا۔ خوف اور ذہنی انتشار سے اسکی آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور سر سے چادر بھی سرک گئی تھی۔

''ہوش میں آ میری بچی......'' بابا ٹاہلی والی سرکار نے دوبارہ اسکے سر پر دست شفقت رکھا اور اسکے سر پر پھونک مار کر بولے ''سب ٹھیک ہو جائے گا......''

''بابا...... اسے کہو ناں مجھے جوتے مارے۔ میرا کلیجہ نکال دے بابا...... میں بہت بری عورت ہوں بابا......'' منداں زار و قطار روتی جا رہی تھی...... ''بابا...... میں اکبر علی کے پیار کی ٹھکرائی ہوئی عورت تھی۔ اس سے سچا عشق کرتی تھی بابا...... مگر وہ مجھے نہیں چاہتا تھا...... میں دیوانگی کی حدیں پار کر گئی تھی اور اسکو حاصل کرنے کے لئے مجھے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی میں...... اچھی بھلی شکل و صورت تھی میری...... زمین جائیداد...... سب کچھ تھا۔ مگر اکبر کو میری پروا نہیں تھی۔ میرا پھوپھی زاد تھا وہ...... بڑا ہی شریف اور نمازی...... میری دیوانگی دیکھ کر وہ مجھے سمجھاتا تھا۔ کہتا تھا ''منداں۔ شریفوں کی بیٹیاں آوارہ نہیں پھرتیں۔ اپنے گھر میں رہتی ہیں...... مگر تو دیواریں پھاند کر باہر نکل جاتی ہے۔ تمہیں کوئی شرم و حیا نہیں ہے۔ میں تجھ سے شادی نہیں کر سکتا......''

میں کہتی ''اکبرے۔ اللہ سوہنے کی قسم۔ اگر تو نہ ملا تو میں زہر کھا لوں گی۔''

بابا...... وہ تو نہ ملا...... اور نہ ہی میں نے زہر کھایا۔ ہاں میں زہریلی ہو گئی۔ پھوپھی نے اکبر کی شادی دور پار کے گاؤں میں کر دی۔ زبیدہ جب بیاہ کر اسکے گھر آئی تو میں اسے دیکھنے گئی۔ بڑی پیاری لڑکی تھی زبیدہ...... حوروں جیسا تقدس۔ آنکھوں میں حیا...... وہ عورت کی حقیقی تصویر تھی...... میں گھر واپس آئی، بناؤ سنگھار کر کے شیشے میں دیکھتی رہی...... مجھے احساس ہوا کہ میں تو زبیدہ سے زیادہ حسین ہوں۔ اس سے زیادہ حیادار ہوں۔ میں

سولہ سنگھار کر کے اکبرے کے گھر چلی گئی...... وہ سمجھ گیا کہ میں کیوں آئی ہوں۔ اس نے مجھے بہت برا بھلا کہا اور کہا ''منداں تو چڑیل ہے۔ چلی جا یہاں سے۔ تیری نحوست سے آج کی رات کی پاکیزگی ختم نہیں کرنا چاہتا...... دفع ہو جا...... چڑیل کہیں کی......''

میں چڑیل تو نہیں تھی بابا...... ایک عورت تھی...... اکبرے کی دھتکار اور پھر اس حور پری کے تقدس نے مجھے چڑیل بنا دیا...... میرے گاؤں میں ایک سوامی آیا کرتا تھا۔ شکل و صورت سے ملنگ تھا۔ ایک روز میں جب گھر میں اکیلی تھی اس نے صدا لگائی۔ ''بھوکے کو کھلا، اپنے من کی پا......''

میں باہر دوڑی گئی...... اور اسے بلا کر کہا۔ ''بابا۔ گھی شکر والی روٹی دوں گی۔ چاٹی کی ٹھنڈی لسی اور اگر کہے تو دودھ کا بڑا پیالہ بھی تری نذر کر دوں گی۔ اگر کہے گا تو...... یہ سونے کی چوڑیاں بھی تجھے دے دوں گی...... مگر سچ بتا میرے من کی مراد پوری ہو جائے گی......'' اس نے میری دیوانگی دیکھی تو مسکرا دیا۔

کہنے لگا ''پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا......''

میں نے اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ پھر بولا ''اب کہو...... کیا مسئلہ ہے......'' میں تو اسے محض ملنگ ہی سمجھی تھی۔ میں نے جب اپنی دکھ لیلیٰ سنائی تو بولا......

''انتقام والوں کا کوئی دین دھرم نہیں ہوتا...... ترے انتقام کی آگ میں بجھا دوں گا......''

میں نے پوچھا ''تو کون ہے؟''

بولا ''سادھو...... سوامی...... ادھر...... مندر کے پجاری پنڈت کا سیوکار...... کسی روز مندر میں آ جا...... ترے سارے دکھ دور ہو جائیں گے......'' اس نے مجھے شہر میں مندر کا پتہ دیا...... اور میں اگلے روز شہر چلی گئی۔ سوامی نے مجھے پنڈت سے ملایا۔ کالے سانڈ جیسا پنڈت...... شیطان کا باپ تھا وہ...... میں نے وہاں دیکھا...... بہت سی عورتیں وہاں جمع تھیں۔ کہنے لگا

''یہ سب اپنی اپنی اچھا کے لئے آتی ہیں......''

میں نہ سمجھی...... اس نے مجھے سمجھایا ''اگر تو چاہتی ہے کہ ہر کوئی تری بات مانے تو ایک بات مانو......''

"تمہاری ہر بات مانوں گی میں......" نہ جانے اس وقت کون ساجذبہ تھا کہ میں بے خوفی سے کہہ گئی...... اور پھر میں نے اسکی ہر بات مان لی۔ اس نے مجھے ایک سفوف دیا اور کہا۔ "یہ مسان ہے۔ اپنی پھوپھی کو کھلا دے۔ اسکو چیچک نکل آئے گی۔ پھر تمہیں ہماری شکتی پر اعتبار آ جائے گا......"

بابا میں اندھی ہوگئی تھی میں نے پھوپھی کو مسان کھلا دیا تو وہ اسی روز چیچک میں مبتلا ہوگئی۔ میں بڑی خوش تھی۔ اکبرے کی دوڑیں لگ گئیں۔ دربار، مزار، ہسپتال...... کچھ بھی تو نہ چھوڑا تھا اس نے۔ ہر جگہ وہ گیا کہ اسکی ماں کو صحت مل جائے مگر اسے آرام نہ آیا...... اور وہ مرگئی...... میں پنڈت کے پاس جانے لگی۔ اور اسکی داسی بن گئی۔ اس نے مجھے کالا علم سکھانا شروع کر دیا۔ پھوپھی مرگئی تو ان دنوں زبیدہ امید سے تھی...... میں نے اس کو تعویذ پلا دیا...... اور امیدیں ختم ہوگئیں۔ اکبرا۔۔۔۔۔ اور پریشان ہوا۔۔۔۔۔ تو مجھے بڑی خوشی ملی تھی بابا...... میں نے اس روز سات شیطانوں کا بھوجن تیار کر کے پنڈت کے ساتھ مل کر رقص ابلیس کیا تھا...... بابا۔ تمہیں کیا بتاؤں...... شیطان کے آلہ کار کی شیطانیت دیکھ کر تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ میں پنڈت کی سب سے زیادہ ہونہار داسی بن گئی...... میرا کیا ہوا عمل ایسا ٹانکا لگا کر بندھا ہوتا تھا کہ کسی سے نہ نکلتا تھا۔ میں قبرستانوں میں جاتی اور قبروں کے درمیان بیٹھ کر عمل کرتی...... میں نے زبیدہ اور اکبر کو سسک سسک کر مارا...... وہ جب بھی امید سے ہوتی میں اسکو خراب کر دیتی...... اور پھر وہ بانجھ ہوگئی...... گاؤں میں میری مشہوری ہوگئی تھی کہ میں ملنگنی ہوگئی ہوں۔ لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ اکبرے کے عشق نے مجھے ملنگنی بنا دیا ہے۔ مجھے پنڈت کی طرف سے بھی یہی ہدایت تھی کہ میں ملنگنی بن کر رہوں۔ میں نے بہروپ بدل لیا تھا۔ میرا انتقام پورا ہو رہا تھا...... میں جہاں خوشیاں دیکھتی دکھوں کی کھیتیاں پیدا کرتی...... اچھے بھلے گھروں کو برباد کر دیا...... کسی کے چولہے میں تعویذ دبا دیتی...... کسی کے گھر خون کے چھینٹے پھنکوا دیتی...... اور کسی کنواری لڑکی کے کپڑے کتر ڈالتی۔ میں نے کالا عمل کر کے گاؤں کے گاؤں برباد کر دیئے بابا...... پھر ایک روز اکبرا روتا ہوا میرے در پر آ گیا۔ میرے پاؤں پڑ گیا۔ معافیاں مانگنے لگا۔ کہنے لگا "میں نے ترا دل دکھایا تھا منداں...... مجھے معاف کر

دے...... اللہ بھی مجھے معاف کر دے گا......"

میں اندر ہی اندر قہقہے لگانے لگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میں اسکے اللہ سے کتنی دور ہوگئی ہوں۔ اور اللہ کیوں میری وجہ سے اس سے ناراض ہوتا...... بابا...... اس وقت میں اپنی فتح کے نشہ میں چور چور ہوگئی...... مگر دن رات کی تپسیا نے مجھے اتنا پکا کر دیا تھا اور یہ سکھا دیا کہ مجھے کسی پر کھلنا نہیں ہے...... سو میں اس سے بے نیاز ہوگئی...... وہ مجھے اپنے گھر لے گیا...... زبیدہ چارپائی پر پڑی تھی۔ اسکا رنگ روپ سب ختم ہو گیا تھا...... اکبرا کہنے لگا۔ "منداں...... سنا ہے اللہ تری سنتا ہے تو...... میری زبیدہ کے لئے دعا کر...... یہ ٹھیک ہو جائے اور اللہ اسکی گود ہری کر دے......" میں نے اسکی طرف دیکھا...... اور سوچا...... واہ اکبرے...... تو بھی میرے بہروپ میں آ گیا۔ میں تیری گود اجاڑنے والی...... تری گود کیسے ہری ہونے دوں گی......"

اکبرے نے اس رات مجھے اپنے گھر ٹھہرایا اور میری منتیں کرتا رہا...... میں نے ایک منصوبہ بنایا اور اپنے کالے عمل کی کاٹ کرنے لگی۔ زبیدہ کے گرد سحری تاریں اور دھاگے کاٹنے لگی۔ اسکی بندھنوں کی گرہیں کھولتی رہی رات بھر...... اور پھر چند روز بعد پورے گاؤں میں مشہور ہو گیا۔ "ملنگنی منداں کی دعا سے زبیدہ صحت یاب ہوگئی۔ اسکی گود ہری ہو گئی......" لیکن وہ سب میرے انتقام سے غافل تھے۔ اکبرے کی بیوی کا آخری مہینہ چل رہا تھا کہ اسے برے برے خواب آنے لگے۔ راتوں کو اٹھ کر چیختی چلاتی، چارپائی سے نیچے اتر جاتی اور چادر دوپٹہ اتار کر پھینک دیتی۔ پھر صحن میں آ کر آسمان کی طرف رخ کر کے خاموش ہو کر اسکی تاریک بلندیوں کو دیکھتی رہتی۔ یہ سیاہ راتوں کے دن تھے۔ اکبر بڑا پریشان ہو گیا کہ زبیدہ کو کیا ہو گیا ہے۔ ایک آدھ روز بعد جب یہی واقعہ دوبارہ ہوا تو وہ میرے پاس بھاگا بھاگا آیا۔ میں قبرستان میں ہی تھی۔ اپنی کٹیا سے باہر کچی قبر کے پاس۔۔۔۔۔ اس کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ مجھے یقین تھا وہ آئے گا۔ وہ آیا۔ بھاگتا ہوا ہانپتا ہوا...... روتا ہوا بلکتا ہوا...... میرے پاس پہنچا تو قبر کے سرہانے گر گیا۔

"بی بی......" عقیدت کا مارا اب مجھے منداں کی بجائے بی بی کہتا تھا۔ "بی بی میں مر گیا۔ لٹ گیا...... چل میرے ساتھ...... زبیدہ کی حالت بڑی خراب ہے......"

میں آنکھوں میں دیئے جلائے جلائے بیٹھی تھی۔ پتلیوں پر دیئے کی لو ایک بھڑکتے ہوئے شعلے کی مانند

جل رہی تھی اس شعلے کی آخری نوک پر میرا دل ٹھہرا رہا تھا۔ دھیرے دھیرے سے سلگ رہا تھا۔
پگھلتا جا رہا تھا۔ میرا دل موم نہیں تھا۔ فولاد تھا فولاد...... جو پگھل کر میرے پورے بدن میں
پھیل رہا تھا۔ میں اسکی طرف تکتی رہی۔ میری آنکھوں سے بلند ہوتی ہوئی حسد کینے اور انتقام کی
آگ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''بی بی...... سنتی ہے کیا۔ میری زبیدہ مر جائے گی...... میرا بچہ مر جائے گا......''

''مر جانے دو اسے......'' میں جب بولی تو قبرستان کے سناٹے میں ایک اسکی ہچکیاں تھیں اور
ایک میرا جذبات سے خالی لہجہ گونج رہا تھا۔

''کک...... کیا کہتی ہو...... منداں......'' آنسو اسکی پلکوں پر ٹھہر گئے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ ''تو
کہتی ہے زبیدہ مر جائے...... میرا بچہ مر جائے......''

''ہاں...... وہ مر جائے گی اکبرے۔ اس نے تجھے برباد کر دیا۔ نصیبوں جلی تری ماں کو کھا گئی......
ترے بچے کھا گئی...... اور آج پھر......'' میں اسے بدگماں کرنے لگی۔

''نہیں...... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا......'' اکبر چلایا۔ ''میری زبیدہ بڑے بختوں والی تھی۔ دیکھا
نہیں...... اس کا چہرہ۔ معصوم اور پاکیزہ عورت ہے......''

''...... بڑی پاکیزہ اور معصوم ہے...... اور میں بدمعاش تھی' آوارہ تھی' گندی اور بدصورت
عورت تھی اکبرے...... تو نے...... تو نے...... میری موت کا جشن منایا...... تو نے میری روح مار
دی۔ میرا سب کچھ برباد کر دیا...... اس وقت تجھے رحم نہیں آیا تھا مجھ پر......''

''تت تو...... کیا کہہ رہی ہے منداں......'' وہ بے یقینی کے عالم میں میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہ ہی کہہ رہی ہوں اکبرے...... جو میرے ساتھ تو نے کیا...... میں بھی گری تھی ترے قدموں
میں...... مگر تو نے مجھے دھتکار دیا۔ جب تو میرے قدموں میں گرا تو میں نے تجھے اٹھا لیا۔ یہی
ایک عشق کی ماری عورت اور حالات کے ستائے ہوئے مرد کا حال ہوتا ہے اکبرے...... آج تو
اس عورت کے پاس آیا ہے جو اب تجھے کچھ نہیں دے سکتی...... تری نفرت نے مجھے یہاں تک
پہنچایا ہے اکبرے۔ میں ترے عشق میں فنا ہو گئی۔ دنیا کہتی ہے منداں اکبرے کے عشق میں
ملنگنی ہو گئی...... مگر تو نہیں جانتا۔ لوگوں کے دلوں میں میرے لئے رحم تھا مگر تو نے مجھے کبھی
اپنے گھر نہیں رکنے دیا تھا اکبرے...... جا چلا جا...... اب میں ترے لئے کچھ نہیں کر سکتی......''

میری باتیں سن کر وہ پریشان ہو گیا۔ بولا۔ ''بی بی...... میں جانتا ہوں میں نے تری قدر نہیں کی

تھی...... لیکن یہ تو دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ کوئی کسی کو پسند کرتا ہے تو اسکا مطلب تھوڑی ہے کہ وہ
اسے حاصل بھی ہو جائے......''

''یہی بات تو اب کے سوچ...... جو تو چاہتا ہے ضروری نہیں ہے کہ تو وہ پا بھی لے......'' میں
چراغ پا ہو کر بولی اور غصے سے کھڑی ہو گئی...... میرے کرتے کے گھنگھرو چھنکنے لگے۔ دور کہیں
ناقوس بجنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے آج کی رات سادھو کو بلایا تھا۔ ناقوس کی آواز اس
بات کی غمازی تھی کہ میں نے اس سے جو منگوایا تھا وہ لے کر آ رہا تھا...... میں نے بڑا بھرپور
اہتمام کیا ہوا تھا۔ آج کی رات...... ایک طرف زبیدہ کا جنازہ اٹھتا اور دوسری طرف اکبرا سدا
میرا داس بن کر قبروں کی مجاوری کرتا...... آج کی رات...... کہ جب ابھی وہ اپنے ہوش میں
تھا۔ میں اپنی نفرت کا ابال اس پر ظاہر کر رہی تھی۔ اس رات اسے سب کچھ کہہ جانا چاہتی تھی۔

''اکبرے۔ تم مرد...... بڑے کمینے ہوتے ہو۔ تم عشق کرتے ہو تو ہر صورت میں اپنے محبوب کو
حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ اپنے ماں باپ کو مجبور کر کے اپنے ساتھ ملا لیتے ہو۔ محبوب کو
گھر سے بھی نکال لاتے ہو۔ عورت ٹھکرائے تو ہزاروں جتن کر کے اس تک پہنچ جاتے ہو...... یہ
سماج بھی تمہارا ساتھ دیتا ہے۔ ایک کمزور عورت کو کمزور بنا کر اسے حاصل کر لیتے ہو...... مگر
جب کوئی عورت عشق میں فنا ہوتی ہے تو اسکو جوتے مارتے ہو۔ اسے بے غیرت کہتے ہو۔
تم...... تم کیا جانو...... یہ عشق کیا ہوتا ہے اکبرے۔ تم تو عورت کو صرف ایک جنس کے طور پر
خریدنے والے بیوپاری ہو۔

''تم تم...... اتنی نفرت کرنے لگی ہو منداں......'' اکبرا بمشکل بولا۔

''نفرت...... یہ تو بڑا چھوٹا لفظ ہے اکبرے۔ میں تو اب اس سماج کے سارے مردوں سے
نفرت کرتی ہوں۔ میں نے اپنے اندر کی عورت کو مار دیا ہے...... میں تو اب بھڑکتی ہوئی آگ
ہوں۔ نفرت اور تکبر نے مجھے مدہوش کر دیا ہے...... یہ سب تری وجہ سے ہوا ہے اور تو چاہتا ہے
میں تجھے سکھ شانتی دوں......''

''تو کیا چاہتی ہے......'' اکبرا گھبرا کر بولا ''تو کیا کرنا چاہتی ہے......''

''میں کیا کرنا چاہتی ہوں...... ہاہا'' میں قہقہے برسانے لگی۔ مجھ پر دیوانگی طاری تھی۔ ''میں نے
تجھے کہا ناں...... میں آگ ہوں۔ تجھے اور تری خوشیوں کو جلا کر راکھ کر دوں گی...... تجھ میں
ہمت ہے تو آ اور مجھے بجھا دے...... اس آگ کو ٹھنڈا کر دے۔ مگر اب نہیں...... ترے

پاس علم کی وہ طاقت نہیں ہے جو منداں ملنگنی کو جلا سکے......"
"منداں...... دیکھ تو ایسا کچھ نہیں کرے گی۔ بہت ہو گیا......اب تو میرے پاس رہے گی۔ چل میرے گھر۔ میں نے تجھ سے معافیاں مانگ لی تھیں اور تو نے معاف کر دیا تھا......"
"چل...... دفع ہو جا کتے......" میں چلائی۔ "تو مجھے اسوقت گھر لیکر جانے کے لئے آیا ہے جب یہ قبرستان میرا گھر بن چکا ہے۔ میری بارات کب کی یہاں آ چکی ہے۔ میں نے ان مردوں سے شادی رچالی ہے اکبرے...... میں زندہ تھوڑی ہوں اب...... جا دفع ہو جا...... میری نظروں سے...... میں تری شکل نہیں دیکھنا چاہتی......اب ایک منٹ بھی تو یہاں رکا تو میں تجھے مار ڈالوں گی...... یہاں...... کسی قبر میں تجھے گاڑ دوں گی......"
وہ ایسا گھبرایا کہ بھاگ اٹھا...... اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا ہوگا......سادھو ناقوس بجاتا ہوا قبرستان میں آ گیا۔ اس نے بھی اکبرے کو بدحواس ہو کر بھاگتے دیکھا تھا۔
"کیا ہوا تھا اسے......" سادھو نے پوچھا۔ "کہیں اس نے ترے چمتکار تو نہیں دیکھ لئے۔"
"نہیں...... آج اس نے منداں ملنگنی کے اندر کی عورت کو دیکھ لیا ہے...... اس عورت کو جو مر گئی تھی"...... میں نے سادھو سے کہا۔ "چھوڑ...... تو لے آیا ہے میری چیزیں...... اور ہاں پنڈت جی نے کچھ بولا ہے......"
"ہاں مہاراج نے کہا ہے کہ منداں سے کہنا کہ جو بھی کام کرے احتیاط سے کرے۔ بہت سے اللہ والے بستیوں اور قبرستانوں میں ڈیرے ڈال رہے ہیں۔ اس لئے تو...... کبھی ایسی حرکت نہ کرنا کہ سب کچھ ظاہر ہو جائے...... وہ کہتے ہیں کہ اپنا حلیہ بھی تبدیل کر لے تو......اور آج کے بعد تو کسی پر اپنے اندر کی مری ہوئی عورت کو ظاہر نہیں کرے گی...... دیکھ منداں...... جو مر گیا وہ مردہ ہو گیا۔ وہ ہمارے کس کام کا......"
"کیا بولتا ہے تو سادھو......" میں نے اسے کہا تھا...... بابا۔۔۔۔۔۔ ہاں میں نے اسے کہا تھا کہ "سادھو...... تو جانتا ہے جب کوئی مرتا ہے تو اس کا مردہ ہمارے کام آتا ہے۔ ہم اس پر عمل پھونکتے ہیں۔ اسکی ہڈیوں کا چورہ اکٹھا کرتے اور اس پر عمل کر کے جیتے جاگتے انسانوں کے اندر موت اتارتے رہتے ہیں...... بابا۔ میں اپنے کام میں بڑی پکی ہو گئی تھی۔ اگر عورت ہٹ دھرم ہو اور انتقام لینے پر اتر آئے...... تو وہ کبھی ٹھہرتی نہیں ہے۔ وہ آگے ہی آگے بڑھتی ہے...... بابا تو جانتا ہے۔ اس دنیا کو مردوں نے نہیں عورتوں نے فتح کیا ہے۔ ہر فاتح عورت

کے سامنے مفتوح ہوتا ہے بابا...... تو جانتا ہے۔ فقیر ہو یا شہنشاہ...... جب عورت اسکا امتحان لیتی ہے تو وہ فیل ہو جاتا ہے۔ پس میں نے سادھو سے کہا تھا۔ کہ تو بھول جا...... منداں کے جال کوئی نہیں توڑ سکتا...... میں نے اسے کہا تھا...... کہ میں نے لوگوں کی آنکھیں بند کر دی ہیں۔ وہ میرے چمتکار دیکھ کر اندھے ہو گئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں میں اللہ والی ہوں۔ وہ نہیں جان سکتے کہ میں درحقیقت شیطان کی داسی ہوں...... سادھو میری باتیں سن کر بڑا خوش ہوا تھا...... کہتا تھا...... منداں...... تو بڑے کام کی ہے۔ پنڈت مہاراج ترے سے بڑے خوش ہیں۔ تو ہمارے دھرم کی رکھشا کر رہی ہے۔ گھر گھر...... میں شیطان کے استھان بنا رہی ہے......"
وہ نہ جانے کیا کچھ کہتا رہا...... میں تو اپنے دھرم میں مگن تھی۔ جس کا صرف ایک ایمان تھا...... انتقام' انتقام۔ انتقام...... اس رات سادھو...... سات مردوں کی راکھ لے کر آیا تھا۔ اونٹ کے کوہے کی ہڈی پر جاپ منتر لکھے تھے...... اور ایک جانور کی چربی...... بابا میں اسکا نام نہیں لے سکتی...... اسکی چربی سے دیا جلانا تھا...... بڑا مکروہ عمل تھا...... مجھے چالیس الوؤں کے خون سے اشنان کرنا تھا...... یہ بڑا مکروہ اور سخت کالا عمل تھا...... جو زبیدہ اسکے بچے کی موت...... اور پھر اکبرے کی بربادی کے عوض مجھے کرنا تھا۔ میں نے اس رات...... وہ عمل کیا...... خود سے بے نیاز ہو کر...... تن من سے آزاد ہو کر...... بے حجاب ہو کر...... بابا...... یہ حجاب اور شرم و پردہ کالا علم کرنے والوں کے ہاں نہیں ہوتا...... وہ کہتے ہیں اگر روح بے پردہ ہے تو یہ بدن بھی بے پردہ ہونا چاہئے...... اسی لئے تو بابا...... بابا...... وہ لوگ جو کالا علم کرتے ہیں...... عورتوں کو بے پردہ اور بے شرم کر دیتے ہیں جو ان کے آستانے پر آتی ہیں...... ان غرض مند اور اندھی عقیدت کے گندے نالوں میں غوطے کھانے والی عورتوں کے جسموں پر کالے تعویذ لکھتے ہیں۔ بابا...... یہ کالی دنیا بڑی ہی بے شرم ہے۔ میں نے اس رات عمل کیا...... اور طے کر لیا کہ اکبرا بھی زندہ نہیں رہنا چاہئے...... میں نے اس پر خود کو کھول دیا تھا اور اب وہ دوسرے لوگوں کو میرے بارے بتا سکتا تھا...... پس...... صبح سویرے مجھے معلوم ہو گیا کہ زبیدہ رات بھر تڑپتی رہی ہے مگر اسکے بچے کو گاؤں کی دائی نے بچا لیا...... اسکا بچہ زندہ رہ گیا تھا...... اکبرا تو نیم بے ہوش تھا۔ اس پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ میں اسکے گھر گئی...... اور میں نے اکبرے کو وہ پانی پلا دیا جس میں سات مردوں کی راکھ ملائی تھی...... وہ ہوش میں آ گیا مگر اب اسکی دنیا بدل گئی تھی۔ آنکھیں تاثرات اور جذبات سے خالی ہو گئی تھیں...... میں نے سوچا...... ٹھیک رہے گا یہ دیوانگی میں......

یہ جیتا جاگتا میرا انتقام ہوگا۔ اسے دیکھوں گی تو مجھے شانتی ملے گی۔ میں نے اسکے بچے کو دیکھا۔ گول مٹول چاند کا ٹکڑا......

''اللہ نے کاکا دیا ہے منداں ملنگنی ...... یہ سب تری دعاؤں سے ہوا ہے...... زبیدہ بے چاری رات بھر تڑپ تڑپ کر مر گئی...... اکبرا تو اسے دیکھ کر پاگل سا ہوگیا۔'' دائی مجھے بتا رہی تھی......'' میں نے زبیدہ کی چیخیں سنیں تو بھاگتی ہوئی آ گئی۔ اس کھلے آسمان کے نیچے وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی...... یہ رات بڑی خوفناک تھی...... میں اللہ رسولؐ کی مالا جپتی رہی...... اور اس کالی کملی والی سرکارؐ نے مجھے ہمت دی اور میں نے زبیدہ کے بچے کو بچا لیا...... تو جانتی ہے منداں سرکار...... میرے پاس بزرگوں کا دیا ہوا ایک تعویذ ہے۔ جو ماں بچے کو لاکھ بلاؤں سے بچاتی ہے۔ افسوس مجھے اس وقت خیال آیا جب زبیدہ مر گئی...... ورنہ میں اسکے گلے میں وہ تعویذ ڈال دیتی تو وہ منحوس رات میں یوں تڑپ تڑپ کر نہ مرتی۔ میں نے تعویذ منگوایا اور بچے کے گلے میں ڈال دیا...... یہ جب پیدا ہوا تو بہت زیادہ رو رہا تھا...... لیکن اب خاموش ہے...... دیکھ تو۔ کتنا پیارا ہے بچہ...... ہائے بابا......'' ملنگنی منداں...... کربناک انداز میں چلائی تھی۔'' بابا...... میرے اندر نفرت کا لاوا ابل پڑا تھا۔ میں نے بچے کو زندہ دیکھا تو مجھے آگ لگ گئی......''

دائی نے دیکھا تو وہ میرے اندرونی کرب کو کچھ اور ہی سمجھی تھی۔ کہنے لگی۔

''ملنگنی...... اب تو ہی اسکی وارث ہے۔ یہ تیرا بھتیجا ہے۔ لے اسے سنبھال......''

وہ سمجھی تھی زبیدہ کی موت نے مجھے غم زدہ کر دیا ہے اور رنج وملول سے جذباتی ہوگئی ہوں...... اس نے بچہ میری گود میں دے دیا...... میں نے جونہی بچے کو ہاتھ لگایا وہ بلکنے لگا...... بہت تڑپ تڑپ کر رویا...... میں تو سمجھتی تھی وہ کیا رو رہا ہے۔ اسکی زباں ہوتی تو وہ کہتا کہ مجھے اس کتیا سے بچاؤ...... یہ میری پھوپھی نہیں ڈائن ہے...... دائی نے بچہ میرے ہاتھ سے لے لیا تو وہ خاموش ہوگیا...... مجھے اب دائی پر بھی غصہ تھا۔ اس نے برکت والا تعویذ اسکے گلے میں ڈال رکھا تھا۔ اس نے بچے کو میرے قہر سے بچایا تھا۔ میں رات بھر وہاں رہی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ بچے کے گلے سے تعویذ اتار دوں۔ لیکن میں کامیاب نہ ہوسکی۔ کوئی طاقت اسکی حفاظت کر رہی تھی۔ مجھے بڑا غصہ بھی آ رہا تھا اور خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا۔ سادھو کی بات درست ہوتی نظر آ رہی تھی کہ اللہ کے سچے بندے ان بستیوں کی طرف آ رہے ہیں۔ اللہ ان بچوں اور لوگوں کو شیطان سے بچا رہا ہے۔ میں اللہ سے تو نہیں لڑ سکتی تھی۔ مجھے اللہ سے شکوہ بھی تھا۔ لیکن آج میں جان گئی

ہوں...... اسنے انسان مختار بنایا ہے۔ اسکی قسمت کو اسکی محنت اور دعاؤں سے بدلتی ہے...... لیکن میں تو صرف دنیاوی طاقت کے لئے اللہ سے غافل ہوگئی تھی۔ بابا...... میں نے ایک کافر کے کہنے پر جتنی محنت کر کے کالا علم حاصل کیا...... اگر اس سے کم محنت کر کے اپنے اللہ سے لو لگاتی تو میں یوں نہ بھونکتی پھرتی......''

''تو پھر اس بچے کا کیا بنا......'' میں نے ایک طویل توقف کے بعد ملنگنی سے سوال کیا...... اس نے پرآشوب نظروں سے میری طرف دیکھا......

''وہ بچہ زندہ ہے۔ نہ جانے کس کی دعا سے...... میں نے ہزاروں عمل کئے...... لیکن اس بچے کا ایک بال بھی بیکا نہ کر سکی۔ ہاں میں نے...... اس دائی کو بھی مار ڈالا...... اب وہ بچہ ایک سال کا ہوگیا ہے...... زبیدہ کی ماں اسے لے گئی ہے...... اکبرا سارا سارا دن قبرستان کے باہر خارش زدہ کتے کی طرح چلتا پھرتا اور گرتا پڑتا نظر آتا ہے...... اسے دیکھتی تھی تو ٹھنڈک ملتی تھی میرے کو...... اور جب اسکے بچے کا سوچتی...... ہاں کیا نام تھا اس کا...... محمد علی...... بابا...... تم ہی بتاؤ...... ایک بچہ جس کا یہ نام ہو...... اس پر جادو کا وار کیسے چل سکتا ہے۔ اس نام میں بڑی روحانی قوت جمع ہے بابا...... بچے کو ہلاک کرنے کے لئے ہی میں اس قبرستان میں آئی تھی...... اور پکڑی گئی...... بابا سرکار کی پکڑ بڑی سخت نکلی اور پھر میں نے بھید پا لیا...... کہ سچائی میں کتنی طاقت ہے۔ سچائی ہر طرح کی بناوٹ سے پاک ہے۔ اس میں کوئی کمزوری نہیں ہے......''

''اب تم کیا کرو گی......'' میں نے اس سے دریافت کیا......

''جو بابا سرکار کہیں گے......'' اس نے ٹاہلی والی سرکار کی طرف دیکھا...... تو وہ خاموش ہو کر دور خلاؤں میں کچھ کھوجتے ہوئے نظر آئے...... خاصی دیر خاموشی رہی...... پھر بولے۔

''تو واپس اپنی بستی میں چلی جا...... اسی بھیس میں...... مگر اب تو پاکیزہ رہے گی۔ اس سادھو اور پنڈت کے شیطانی اعمال کو ختم کرنا ترے ذمہ ہے...... پھر میرے اللہ اور سوہنے کالی کملی والےؐ نے چاہا تو تجھے پھر سے فیض ملے گا...... مگر یہ فیض۔۔۔۔ چشمہ نور ہدایت سے حاصل ہوگا...... یہ لے...... اور اب اسے اپنے اوپر اوڑھ لے۔ پہلے تو صرف داسی تھی...... ملنگنی اب ہوگئی ہے۔'' ٹاہلی والی سرکار نے اپنی سیاہ چادر اتار کر اسے اوڑھا دی۔

''تو اکبرے کو بھی معاف کر دے اور اس سے بھی معافی مانگ لے...... اللہ معاف کرنے والوں کا دوست ہے۔۔۔ بیشک یا ولی یا ممیت بحق یا عزیز۔۔ وہی ذات کریم شرم و گناہ کی لاج

رکھتی ہے“......ٹاہلی والی سرکار نے اسے اپنی خلعت سے نوازا اور پھر......وہ چلی گئی......میں شام ہونے تک وہیں ٹھہرا رہا......خاموش، اسرار قدرت پر غور کرتا ہوا۔ نہ جانے کن جہانوں کی تلاش ہوگئی تھی مجھے......ٹاہلی والی سرکار نے بھی مجھ سے کوئی کلام نہیں کیا۔ شام کی اذان کی ہلکی سی آواز آرہی تھی......ٹاہلی والی سرکار نے اذان سنی تو کچھ دیر بعد بولے۔”تو نماز پڑھتا ہے“۔
میں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔”باقاعدہ نہیں پڑھتا......“

”باقاعدہ پڑھا کر......اور تہجد بھی پڑھا کر......یہ جو وظائف تجھے بتائے ہیں۔ اگر تو تہجد کے وقت پڑھا کرے تو تری کائنات ہی بدل جائے گی۔ پھر تجھے معلوم ہوگا کہ سچائی کیا ہے۔ علم کی صداقت اور طاقت کا کیا عالم ہے......اللہ والے اس پہر سجدے سے سر نہیں اٹھاتے۔ جو لطف رات کے اس پہر آتا ہے......شاید دن بھر میں وہ میسر نہیں آتا......“

”جی سرکار......ایک وقت تھا۔ جب میں آٹھ نمازیں باقاعدگی سے پڑھتا تھا۔ تہجد، اشراق، نماز تو ابین......کوئی نفلی نماز بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ ان دنوں میں غرض مند تھا......میں میٹرک کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا......اور اپنے آپ کو ہار کر اللہ کے سپرد کر دیا تھا......دن رات عبادت کرتا تھا......لیکن جب نے میں میٹرک میں فرسٹ ڈویژن لی، سکول میں ٹاپ کیا......تو پھر عبادتیں ختم ہوگئیں......میں نے سوچا یہ تو سب میری محنت کا نتیجہ تھا......لیکن اب سوچتا ہوں کہ یہ تو فیض الٰہی تھا۔ اس نے مجھے اپنی عطا سے میرے علم کو مہمیز دی اور دنیاوی تعلیم میں مجھے درجات عطا کئے......ہم بڑے کمینے لوگ ہیں۔ جب مشکل پڑتی ہے تو اسکے سامنے جھکتے ہیں۔ کاش میرے جیسے بدبخت سکھ میں بھی اسکے سامنے ہی جھکا کریں......اور اس مغالطے میں نہ رہا کریں کہ یہ سب تو میں نے اپنی محنت سے پایا......“

”بچے......محنت سے سب کچھ ملتا تو آج سارے مزدور دولت مند ہو جاتے۔ رازق تو اللہ کی ذات ہے۔ وہ جب تک خود عطا نہ کرے انسان کی محنت اور لیاقت کو پھل نہیں لگتا۔“

”بابا......کیا بات ہے ہمارا رب کافروں پر کچھ زیادہ ہی مہربان نہیں ہے......“ میں اپنی زبان پر رکا ہوا ایک سوال کئے بغیر نہ رہ سکا۔

”تو بڑا حجتی ہے شاہد......قرآن پاک پڑھے گا تو تجھے سمجھ آجائے گا......اللہ فرماتے ہیں۔ وہ سارے جہانوں کا خالق ہے۔ اللہ اسکو بھی دیتا ہے جو اسکی عبادت نہیں کرتا......جو کافر ہے اسے بھی ملتا ہے شداد اور فرعون کو بھی اس نے دیا......اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا

ہے۔ اسے بہت سے اختیارات دیئے ہیں۔ اس لئے تو وہ اللہ کا خلیفہ کہلاتا ہے......انسان تو روح اللہ کا ایک پرتو ہے جسے اس ذات نے بنایا اسے بہت سی چیزوں پر مختار بھی تو بنایا ہے۔ اس نے اپنے قواعد سے انسانوں کو آگاہ کر دیا ہے۔ جس طرح ایک مشین بنائی جاتی ہے تو کارخانے والے اس مشین کے منفی و مثبت استعمالات و اثرات کا ایک پرچہ بھی ساتھ دیتے ہیں۔ جس طرح ہر کام کو انجام دینے کے قواعد ہیں اسی طرح یہ کائنات بھی ایک قاعدے کی پابند ہے۔ ہر مخلوق اپنے اپنے قاعدے اور نظام میں چل رہی ہے۔ تو یہ انسان خود کو اس قاعدے قانون سے خود کو ماورا کیوں سمجھتا ہے؟ قواعد یعنی اس خاکی مشین کے افعال کے ضوابط یہ بتاتے ہیں کہ اسے مسیحائی کا ساتھ دینا ہے، اللہ کی راہ پر چلنا ہے، مخلوق خدا کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ اسکا کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا......مساوات اور عدل سے کام لینا ہے......رزاق اس ذات الٰہی کو ہی تسلیم کرنا ہے۔ ہاں......رزق کے لئے وسیلہ تو یہ انسان ہی بنتے ہیں......اس طرح تو یہ جانور......یہ زمین......یہ ہوا......سب ہمارے وسیلے ہیں۔ زندگی، بھوک، دولت، ثروت، اولاد......سب کچھ اسی نظام کے قواعد میں دستیاب ہے۔ اس لئے......کبھی تو نے اللہ والوں سے یہ سنا ہے۔ کہ تم کافر ہو اس لئے تمہارے لئے دعا نہیں کروں گا......اللہ کا نظام یہ نہیں کہتا اور نہ ہی تعصب کا شکار ہے۔ وہ ذات کریم سارے جہانوں کی خالق ہے اور اس نے سب کو عطا کرتا ہے۔ ہاں جو شیطان کی تعلیمات پر چلتے ہیں وہ اللہ کی عطا اور امانت میں خیانت کرتے ہیں......“ ٹاہلی والی سرکار کی گفتگو نے میرے دل و دماغ میں اٹھنے والے سوالوں کا رخ موڑ دیا......اور مجھے بہت کچھ سمجھا دیا تھا......کہنے لگے۔”اگر تو کچھ پانا چاہتا ہے تو خاموش ہو جا......حجت کرنا چھوڑ دے۔ صرف دیکھتا جا۔ ایک روز کیمیا گر بن جائے گا......اپنی آنکھیں بند کر لے......مگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا......اس کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکنا“۔۔۔ لیکن اس کے دوستوں کی تعظیم سے بھی غافل نہ رہنا“ میں جب واپس حویلی آنے کے لئے اٹھا تو وہ کہنے لگے۔”ریاض شاہ حویلی واپس آچکا ہے......اب تو معاملات کو احسن طریقے سے چلنے دو گے......تمہارے باباجی بھی آئیں گے......تم کوئی حجت نہ کرنا......صرف دیکھتے جاؤ......میں نے انہیں سمجھا دیا ہے......“۔

میں واپس حویلی پہنچا تو واقعی ریاض شاہ زلیخا کو لیکر واپس آچکا تھا۔ زلیخا کی حالت معمول پر تھی۔ میں نے محسوس کیا۔ اسکے چہرے پر کسی قسم کی ندامت نہیں تھی۔ میں نے چاچا جی اور

چاچی کو سمجھا دیا تھا...... اور ان سے عہد لیا تھا کہ فی الحال وہ ریاض شاہ کے ساتھ کسی فساد میں نہ پڑیں۔ ریاض شاہ مجھ سے بڑی بے تکلفی سے ملا تھا۔ ایسا لگا جیسے ہمارا برسوں کا یارانہ ہے...... میں نے زلیخا کے بارے میں اس سے کوئی گفتگو نہ کی تھی۔

عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے نماز ادا کی...... اور واپس ریاض شاہ کے پاس کے پاس چلا گیا۔ وہ مراقبہ کی حالت میں چادر بچھا کر بیٹھا ہوا تھا...... مجھے بابا جی سرکار کی حاضری کا انتظار تھا...... ریاض شاہ نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا...... ''بابا جی سرکار نے تجھے بلایا ہے......''

''کہاں ہیں وہ......'' میں نے پوچھا۔

''تم...... گاؤں کے چوراہے پر چلے جاؤ...... وہ تمہیں ادھر ہی ملیں گے......''

''میں وہاں کیوں جاؤں......'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''میں نہیں جانتا...... انہوں نے ہی بلایا ہے۔ کہتے ہیں شاہد میاں جب تک خود مجھے لیکر حویلی نہیں آئیں گے میں حاضری نہیں دوں گا......'' ریاض شاہ کے لبوں پر عجیب سی استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ میرے دل میں آیا کہ نہ جانے اب یہ کونسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں...... مجھے وہاں نہیں جانا چاہئے...... لیکن پھر مجھے ٹاہلی والی سرکار کی باتیں یاد آ گئیں...... اور جب رات کے گیارہ بارہ بجے ہوں گے۔ میں گاؤں کے چوراہے پر چلا گیا......

☆☆

ہر سو اندھیرے کا راج اور سناٹا تھا۔ یوں لگتا جیسے آج رات کے دھڑکتے دل کو کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔ جھینگروں کا شور تھا نہ کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ چوکیدار بھی ایک بار ''جاگتے رہو'' کی صدا بلند کر کے طویل خاموشی اختیار کر گیا تھا۔ سیاہ رات میں ایسی سنسانی اور لرزہ طاری کر دینے والی سرد مہر خاموشی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میں راستوں کو ٹٹولتا ہوا چوراہے تک پہنچ گیا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ لالٹین اپنے ساتھ رکھ لوں...... مگر ریاض شاہ نے منع کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

''رات کی سیاہی تمہارے راستوں کو روشن کر دے گی۔'' میں حیران تھا کہ کبھی اندھیرا بھی روشنی بن سکتا ہے۔ شاید میرے اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ ''تم نے کبھی غور کیا ہے اندھے انسانوں کے لئے دن اور رات ایک جیسی ہے۔ تم یہ احساس قائم کر کے آج اس سیاہ رات میں اپنی اس منزل کی طرف قدم بڑھاتے چلے جاؤ جو پھر تمہیں روشنی کا محتاج نہیں

بنائے گی۔''

میں دل سے ریاض شاہ کی کسی روحانی کرامت کا معترف نہیں رہا تھا۔ میں نے چپ کی چادر اوڑھ لی تھی اب خاموش رہ کر مجھے ان لوگوں کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے کا عہد کر چکا تھا۔ میں ٹھوکریں کھاتا ہوا چوراہے تک پہنچا تھا۔ میرے لئے یہ اندھیرے روشنی ثابت نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی چوراہے تک پہنچنے کے لئے مجھ پر کسی کرامت کا ظہور ہوا تھا۔ چوراہے میں کھڑا ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا تھا۔ مجھے اپنے سوا کسی وجود کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ میری نظر تھک کر واپس اپنے مدار میں آ گئی۔ روشنی کی ایک کرن بھی آسمان کے کسی پہلو سے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ یونہی مجھے دس بیس منٹ گذر گئے...... اور پھر مجھے محسوس ہونے لگا کہ مجھ جیسا بے وقوف انسان شاید ہی اس دنیا میں ہو گا جس نے آنکھیں بند کر کے اس سیاہ اور ظلمی رات میں یہاں آنے کا فیصلہ کیا تھا...... مجھے لگا جیسے کسی نے میری نظر بندی کر کے مجھے یہاں بھیج دیا تھا...... بابا جی کا سواگت کرنے کے لئے...... مگر بابا جی کا نام و نشاں تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مجھے اب خوف محسوس ہو رہا تھا۔ میرا وہم بھرے ہوئے گٹر کی طرح شعور کے کناروں سے ابلنے لگا تھا...... میں گھبرا گیا اور پسینے پسینے ہو گیا۔ میں درود ابراہیمیؑ پڑھنے لگا۔ اسکے سوا میرا کوئی محافظ نہیں تھا۔ کوئی سہارا نہ تھا کہ میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ میں اپنا اسم اعظم پڑھنے لگا اور پھر چند منٹ بعد واپس حویلی کی طرف چل دیا۔ ابھی میں کچھ دور ہی گیا ہوں گا کہ مجھے...... گاؤں کے اندر سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور پھر مجھے احساس ہوا کہ آسمان سے سیاہی کی چادر سے کرنیں پھوٹنے لگی ہیں۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ آخری راتوں کے چاند کے مکھڑے سے سیاہ بادلوں کا ایک غول پیچھے ہٹ رہا تھا۔ مجھے لگا جیسے منظر بدل رہا تھا۔

''چل دیئے کیا......'' مجھے اپنے عقب سے غازی کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''غازی تم......'' میں نے پلٹ کر دیکھا...... وہ سفید لباس میں ملبوس میرے بہت قریب کھڑا تھا۔ اس کے پاس سے ''اگر'' اور کافور کی ملی جلی مہک آ رہی تھی۔

''ہاں...... بھیا میں...... یہ لو۔ آج تمہارے لئے آئس کریم لیکر آیا ہوں۔ یہ لو کھا لو......''

اس نے ایک مشہور زمانہ برانڈ آئس کریم کا بڑا کپ مجھے تھمایا...... میں اس وقت غازی کا روکھا رویہ بھی بھول گیا تھا جب اس نے ریاض شاہ کی وجہ سے بیگانگی اختیار کی تھی۔ میں نے آئس

کریم پکڑلی...... یہ چاکلیٹ تھی۔

''غازی......یار میں چاکلیٹ نہیں کھاتا......''

''واہ......کوئی بات نہیں...... یہ مجھے دے دو...... میں آپ کے لئے مینگوفلیور لے آتا ہوں۔''

اس نے آئس کریم واپس لی اور ایک سٹک منہ میں ڈال کر غائب ہوگیا......

''غازی سنو تو......''

''وہ جاچکا ہے......'' غازی کے جاتے ہی باباجی کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس سمت دیکھا وہ میرے عقب میں کھڑے تھے۔

''تم سے بہت پیار کرتا ہے غازی......'' باباجی سفید احرام جیسا لباس پہنے ہوئے تھے۔ پاؤں میں نیلے رنگ کی چپل تھی۔ دراز قامت، سڈول، دہکتا ہوا بدن...... چہرے پر وہی سفید گھنی داڑھی...... موٹی موٹی آنکھیں ابرو بھی سفید تھے۔ پلکیں بھاری۔ بولے تو لہجے میں ایسا جمال اور دبدبہ تھا جو سمندر کے سینے میں دھڑکتی اور رواں موجوں میں تلاطم برپا کردیتا ہے۔ انہوں نے ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا تھا...... اور میں نے اپنا بازو ان کی کمر کے گرد حمائل کردیا۔ گویا ان سے لپٹ جانا چاہتا تھا...... اس وقت میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ کئی دنوں کی کدورتیں، رنجشیں، شکوک سب کچھ ہی تو بھول گیا تھا۔ ان کا وجود میرے احساس کو یقین میں بدل رہا تھا۔

-------آج پہلی بار ایسا ہوا تھا...... باباجی گاؤں کے چوراہے میں میرے پاس تنہا کھڑے تھے۔ ریاض شاہ بھی وہاں نہیں تھا۔ ایک طاقت...... میرے بدن کو چھو رہی تھی۔ میں بےساختہ سسکیاں لینے لگا۔ باباجی نے میرے سر پر دست شفقت رکھا۔ بولے

''میرے بچے...... تم جن راستوں پر چل رہے ہو، قسمت والے ہی اس بھیدوں سے بھری منزلوں کے راہی ہوتے ہیں۔ تم پر بہت کچھ آشکار ہورہا ہے۔ یہ بات ایسے ہی ہے۔ جیسے مہینوں کے بھوکے انسان کو ایک دم لذیذ کھانے دے دیئے جائیں تو وہ جانوروں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ آنتیں جو بھوک سے سکڑ رہی ہوتی ہیں ایکا ا کی اتنا زیادہ کھانا برداشت نہیں کرسکتیں...... میرے دوست...... یہ سلوک اور تصوف کی راہیں بھی ایسی ہیں۔ جن لوگوں نے کبھی ایسے حالات نہ دیکھے ہوں اس مخلوق خدا کو نہ دیکھا ہو جو دنیا میں محض ایک فرضی اور پراسرار مخلوق سمجھی جاتی ہے، جب وہ اسکی زندگی میں شامل ہوتی ہے تو اسے سمجھنا، دیکھنا اور ہضم کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اور پھر...... اس مخلوق کا رویہ بھی تو عجیب تر ہوتا ہے۔ اب تم اپنے

آپ کو ہی دیکھو...... کبھی تم ہمیں شیطان کے آلہ کار سمجھتے ہو اور کبھی بہت بڑا پارسا بزرگ...... دراصل ابھی تک روحانیت کے پہاڑ کی اس ہموار چوٹی پر پہنچنے سے پہلے پتھریلے، کانٹوں اور سانپوں سے بھری پگڈنڈیوں پر چل رہے ہو۔ تم اس کوہ پیما کی طرح ہو جو پہلی بار پہاڑ پر چڑھنا شروع کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے اسکی چوٹی بہت قریب اور اسے فتح کرنا آسان ہے۔ وہ ہر پگڈنڈی عبور کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اب چوٹی تک پہنچنے کا راستہ ہموار ہوگا...... مگر راستے کے پتھر کانٹے اور زہریلے کیڑے اسکے اور چوٹی کے درمیان حائل ہوجاتے ہیں...... اگر تو اسکے ارادے پختہ ہوں...... یقین ثابت ہو تو...... وہ آہستہ آہستہ دم لیتا ہوا...... الجھتا ہوا، لڑتا ہوا، صبر واستقامت کے ساتھ سلوک کی پگڈنڈیاں چڑھتا رہتا ہے اور بالآخر روحانیت کی اس چوٹی پر پہنچ جاتا ہے......''

میں باباجی کے سینے کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ ان کی باتیں ان کے بدن کی حرارت جیسی تھیں۔ ایسی ٹھنڈک اور راحت آمیز آغوش اس ماں جیسی تھی جو بچے کو اس سے جدا نہیں ہونے دیتی......

''باباجی......'' میں بولا تو میرا لہجہ بڑے مان سے بھرا ہوا تھا......

''باباجی...... کیا پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر روحانی خلعت مل جاتی ہے۔''

''آہ...... میرے بچے......'' انہوں نے مجھے اپنے سے جدا کیا اور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگے...... ''چلو...... ہمیں حویلی لے چلو...... راستے میں ہی باتیں ہوں گی......'' میں نے ایک بازو ان کی کمر کے گرد لپیٹا اور انہیں اپنے ساتھ لیکر حویلی کی طرف چل دیا...... چند قدم چلنے کے بعد باباجی بولے۔

''پہاڑ کی وہ چوٹی...... جسے روحانیت کی چوٹی سمجھتے ہیں...... وہ سات آسمانوں سے اوپر جلوہ افروز شہنشاہ کائنات، خالق الملائکہ، خالق الاجنا اور خالق الانسان...... تک پہنچ جائیں گے۔ اسکی قربت، اسکے احساس کو چھولیں گے، اس کی تجلیوں سے خیرہ ہوں گے...... اور وہ بڑی رغبت سے ہماری طرف متوجہ ہوجائے گا...... یہ بلندیاں جو بہت ہی مصائب وآلام جھیلنے کے بعد حاصل ہوتی ہیں...... انکی ہر منزل کے اپنے قواعد ہوتے ہیں...... تم نے دیکھا پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے بہت سی تکالیف اٹھانا پڑتی ہیں لیکن پھر اس چوٹی سے آگے کا سفر شروع ہوتا ہے...... شہہ رگ کے مکیں سے سرگوشیاں کرنے کا یقین پختہ ہوتا ہے...... اس منزل کی اپنی

راہیں اور پگڈنڈیاں شروع ہوتی ہیں۔ہم نیچے کھڑے ہوکر جب دیکھتے ہیں......تو پہاڑ کی چوٹی بادلوں اور آسمان سے باتیں کرتی دکھائی دیتی ہے......لیکن جب ہم اس چوٹی پر پہنچتے ہیں تو احساس ہوتا ہے ہماری منزل تو اب اس سے آگے ہے۔ کچھ لوگ اس چوٹی پر ٹھہر جاتے ہیں......وہ زمین سے بلند ہو جاتے ہیں۔انہیں پہاڑوں،گلزاروں اور آبشاروں کے درمیان بسنے والے بہت چھوٹے کیڑوں جیسے نظر آنے لگتے ہیں۔ان کی نظریں وسعتوں کو ماپنے لگتی ہیں......اے میرے دوست میرے ہمدم...... یہ روحانی درجات پر ٹھہرے بزرگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو پہاڑ کو سر کر کے اسکی چوٹی پر ٹھہر جاتے اور دوبارہ سے خود کو نئے سفر کے لئے تیار کرنے لگتے ہیں۔

"بابا جی...... یہ اپنے ریاض شاہ صاحب...... کس مقام پر کھڑے ہیں......" میں پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس نے تو ابھی پہاڑ کی پہلی پگڈنڈی کو عبور کیا ہے ابھی اسکا نفس اسکو لتاڑ دیتا ہے......" بابا جی دھیرے سے بولے

"......تم نے دیکھا......ابھی تو اس نے علوم کی سیڑھی پر قدم رکھا ہے اور اسکے پاس طاقتیں آ گئی ہیں......ابھی اسے بہت سی مشقتیں جھیلنی ہیں اسے خود کو مارنا ہوگا......وہ ایک جگہ ٹھہر گیا ہے،اسنے اس مقام کو منزل جان لیا ہے،وہ ابھی گمراہی کے نشان پر رک گیا ہے۔ پھر کہیں وہ آگے بڑھنے کے قابل ہوگا...... میں تمہیں ایک بات کہہ دوں۔ روحانی علوم کی سربلندی کا یہ عالم ہے کہ جو بھی اس پہاڑ پر قدم رکھتا ہے وہ زمین پر بسنے والوں سے بلند ہو جاتا ہے۔وہ اپنے اس مقام کے مطابق ہر طرح کی مخفی مخلوق سے بھی کام لے لیتا ہے......"

"آہ......" میرے سینے سے سرد آہ نکلی......"انسان واقعی عظیم تر مخلوق ہے مگر......اسے اپنے اس مقام کا صحیح ادراک نہیں ہے......"

"تم نے صحیح سمجھا......کاش انسان خود کو پہچان لے......تو اسے زمین پر چلنے اور فضاؤں میں اڑنے کے لئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہ رہے۔ وہ اپنے علم کے بل بوتے پر مسافتیں طے کر سکتا ہے،وقت کو مٹھی میں تھام سکتا ہے۔ جہاں چاہے خود کو متشکل کر سکتا ہے۔تم نے بزرگوں کی کرامات سنی ہوں گی۔تم نے ڈھیروں ایسے واقعات سنے ہوں گے کہ ایک انسان جو آپ کو ابھی یہاں ملا ہے آپ جہاز پر بیٹھ کر جب بہت دور چلے جاتے ہیں تو وہ شخص وہاں بھی نظر آتا

ہے۔"اس دوران غازی بھی آ گیا۔اس نے مجھے آئس کریم دے دی۔ کچھ دیر بعد جب حویلی میں پہنچے تو دروازہ پر ریاض شاہ کھڑا تھا...... اس نے بھی آگے بڑھ کر بابا جی کو سہارا دیا اور عقیدت واحترام کے ساتھ مہمان خانے میں لے گیا۔

اس رات ہم نے حویلی کے کسی دوسرے فرد کو اس محفل میں نہیں بلایا تھا...... بابا جی مجھے روحانی اسرار و رموز سمجھاتے رہے۔غازی کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں......سحری کے قریب بابا جی چلے گئے تھے......مگر جاتے جاتے......وہ مجھے دو تحفے دیکر گئے...... آب زم زم اور سنہری تاروں والی ٹوپی......وقت رخصت انہوں نے غلام محمد کو بھی بلا لیا تھا......خوش الحان نعت گو جن تھا۔ حافظ قرآن تھا۔نہایت دلسوز انداز میں نعت رسول مقبولؐ پڑھتا اور جذب و کیف سے تلاوت آیات کرتا تو ماحول بندھ جاتا تھا......اس نے ایک نعت پڑھی تھی جس کے بول آج بھی مجھے یاد ہیں۔یہ نعت میں برسوں سے پڑھ رہا ہوں۔ مجھے پوری یاد نہیں ہے۔ پنجابی میں یہ نعتیہ کلام کس نے تحریر کیا تھا...... آج تک مجھے کوئی نہیں بتا سکا۔نعت رسولؐ کے یہ اشعار آج بھی پڑھتا ہوں تو پورے بدن میں عجیب سی سنسنی پھیل جاتی ہے۔ ویرانوں، بیابانوں، قبرستانوں اور رات کے اکلاپے میں جب مجھے بابا جی کی یاد شدت سے آتی ہے تو اس نعت رسولؐ کا یہ شعر میرے لبوں پر آ جاتا ہے۔اور میں فضاؤں میں اس وجود کے احساس کو چھونے کی کوشش کرتا ہوں جس نے مجھے کئی روز تک اپنے پاس رکھا......

کعبے دا غلاف کالا، دوروں لہرائے نیں

منگوں نیں دعا، مولا سب نوں بلائے نیں

یعنی......کعبے کا کالا غلاف دور سے لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔اے سکھیو۔ دعا کرو کہ اللہ ہم سب کو وہاں بلائے۔ میں غلام محمد کے ساتھ مل کر یہ نعتؐ پڑھتا تھا......مگر آج جب وقت بہت تیزی سے گذر چکا ہے،اور میں دانستہ طور پر بہت کچھ بھلا چکا ہوں...... مجھے یہ نعت بھول چکی ہے......

مگر اسکا یہ پہلا شعر کبھی نہیں بھول سکا......

☆☆☆

اس سے اگلی شام بھی میرے لئے بڑی مصروف اور عجیب تر تھی۔ شام کو ہی شاہ صاحب نے مجھے کہہ دیا تھا کہ آج وہ مجھے اپنے ساتھ سمبڑیال لیکر جائیں گے...... یہ قصبہ وزیرآباد سیالکوٹ روڈ پر ہے۔ نہر کے کنارے آباد اس قصبہ کو چند ماہ پہلے ہی تحصیل کا درجہ دیا گیا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل یہاں سکھ اور ہندو رہتے تھے۔ یہاں سیالکوٹ کا ڈرائی پورٹ بھی ہے جولب نہر ہے۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ انہیں ایک ستم گزیدہ گھرانے کی مدد کرنی ہے۔ اس گھر میں آنے والی ہر بہو پر جن عاشق ہو جاتا تھا۔ جس سے گھبرا کر اس گھر کے نوجوان قصبہ چھوڑ جاتے تھے۔ اب وہاں صرف چھوٹا بیٹا، ایک بیٹی، ان کی والدہ اور والد رہ رہے تھے۔ چھوٹی بہو کو بھی دورے پڑتے تھے...... لیکن انکا بیٹا عمران اپنے عقیدے پر سختی سے کاربند تھا...... وہ کہتا تھا کہ ہمارے گھر میں جن بھوت کا سایہ نہیں ہے۔ یہ صرف وہم پرستی ہے۔ گھر کا سربراہ سنیارا تھا۔ پیسے کی کمی نہیں تھی۔ خوشحالی تھی...... ہم ان کے گھر مغرب کے وقت ہی پہنچ گئے تھے۔ پرشکوہ عمارت تھی۔ لیکن ایک صدی پرانی۔ گھر میں انجیر کا پچاس سال پرانا درخت تھا۔ اس کے سامنے لان تھا جس میں گھاس اور پودے تھے...... لان سے آگے رہائشی کمرے تھے...... گھر میں ایک شیفرڈ نسل کا کتا تھا۔ بہت خوفناک شکل تھی اس کی۔

سنیارے کا نام بھٹی فرض کر لیتے ہیں۔ اصل نام لکھنے کی ہمیں اجازت نہیں ہے۔ سنیارے بھٹی نے ہمارے لئے بہت ہی پرتکلف کھانا تیار کیا تھا۔ ہیڈ مرالہ کی تازہ مچھلی پکوائی تھی......

عشاء پڑھنے تک ہم گھر والوں کے ساتھ بات چیت کرتے رہے۔ سنیارا بھٹی بار بار شاہ صاحب اور مجھ سے باباجی کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ وہ بڑا مشتاق تھا۔ اسے وہم بھی تھا کہ کہیں اسے بیوقوف تو نہیں بنایا جارہا۔ عشاء کے بعد شاہ صاحب نے گھر کے سبھی افراد کو بڑے کمرے میں بلا لیا اور دروازہ بند کر کے لائٹ بجھادی...... انہوں نے محفل کے آداب سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ سب نے درود ابراہیمؑ شروع کر دیا۔ شاہ صاحب بجلی کے سوئچ بورڈ کے پاس کھڑے تھے۔ وہ زیرلب غیر مانوس زبان میں کچھ پڑھنے لگے اور ساتھ ساتھ بجلی کو آن آف کرتے

رہے۔ چند منٹ بعد وہ وہاں سے ہٹ گئے...... کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا اور ساتھ ہی ''اسلام علیکم'' کی بھاری بھرکم آواز آئی...... باباجی اپنی اصلی شکل میں آ گئے تھے...... یہ بجلی کا بار بار بجھانا اور وظائف پڑھ کر انہیں طلب کرنا دراصل انہیں اصلی جناتی شکل میں ہی متشکل کرنے کا باعث تھا...... گھر کے سبھی افراد نے فوراً وعلیکم اسلام کہہ کر ان کا استقبال کیا۔ باباجی کی آمد سے سنیارے بھٹی کی سانسیں جوش سے تیز ہوگئی تھیں۔ باباجی کی آمد کے ساتھ ہی شیفرڈ کتے نے بھونکنا شروع کر دیا تھا......

''اسے تو دفع کرنا تھا...... ریاض شاہ......'' بابا کی گھمبیر آواز سنائی دی......

''اوہ...... مجھے یاد نہیں آیا......'' ریاض شاہ جلدی سے بولے ''عمران......'' انہوں نے سنیارے بھٹی کے بیٹے کو مخاطب کیا......'' کتے کو کسی دوسرے گھر میں چھوڑ آؤ......'' عمران کمرے سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ کتا دردناک آواز میں چیخنے لگا......

''ٹھہرو...... تم اب باہر نہ جانا......'' غازی کی چہکتی آواز سنائی دی......'' میں نے اسے سلا دیا ہے......''

''سلا دیا...... ماردیا...... کیا...... میرا کتا تو بہت قیمتی تھا......'' عمران کہنے لگا۔

''تم سے زیادہ قیمتی نہیں تھا وہ......'' غازی اس کے پاس پہنچ کر بولا...... اور پھر اس نے اسے چٹکی کاٹ کھائی تھی کہ عمران بلبلانے لگا۔

''کک...... کون ہو تم...... یہ کیا کرتے ہو...... پیچھے ہٹو ناں......'' وہ بری طرح گھبرا گیا تھا۔

''غازی ادھر آرام سے بیٹھو......'' باباجی نے اسے ڈانٹ کر کہا تو وہ میرے پاس آ گیا...... اور میرے کان میں سرگوشی کر کے بولا۔

''بھیا...... یہاں تو پورا قبیلہ آباد ہے...... سارے ہندو ہیں...... برسوں سے ان کی پکھی یہاں آباد ہے...... ان میں چڑیلیں بھی ہیں''۔

چڑیلیں جنات اور شیاطین (بھوت) کے درمیان میں ایک بگڑی ہوئی شیطانی مخلوق ہے۔ جس طرح گھوڑے اور گدھے کے مابین...... ایک مخلوق خچر کہلاتی ہے۔ اسی طرح جنات اور بھوتوں کے درمیان مونث النسل مخلوق چڑیل کہلاتی ہے۔ یہ کافر ہوتی ہیں...... ان کا کام انسانوں کو گمراہ کرنا اور انہیں گندگی پر مائل رکھنا ہوتا ہے۔

''کام بہت بھاری ہے......'' باباجی نے سب کا حال احوال جاننے کے بعد کہا...... اور پھر شاہ

صاحب کے ساتھ اسی غیر مانوس آواز میں بولنے لگے...... بات مکمل کرنے کے بعد شاہ صاحب میرے پاس آئے اور ایک کند سی چھری میرے ہاتھ میں پکڑا دی اور کہا۔''ہوشیار رہنا......آنکھیں نہ کھولنا...... باباجی چڑیلوں کو پکڑنے لگے ہیں......''ابھی انہوں نے یہ کہا ہی تھا کہ کمرے میں جیسے بھونچال سا آ گیا تھا......ایک عورت کی دہشت ناک آوازیں آنے لگیں......باریک اور بہت ہی تیز آواز تھی یہ......

''اوئی میں مرگئی...... ہائے میں مرگئی......'' وہ روتے روتے چلانے لگی......''بابا اس کو باز کرو...... مجھے چٹکیاں کاٹ رہا ہے......'' میں نے جان بوجھ کر آنکھیں کھول دی تھیں۔ اندھیرے میرے لئے روشنی بن گئے تھے اور رات کی سیاہی میں چھپے وجود مجھ پر بے نقاب ہو گئے تھے...... چڑیل ایک بہت بڑی پرچھائیں کی طرح پورے کمرے میں بھاگ رہی تھی۔گھر کے سبھی افراد کے پیچھے سفید لبادہ اوڑھے جنات کھڑے تھے جو پرچھائیں نما چڑیلوں سے انہیں محفوظ کئے ہوئے تھے۔غازی اسکے پیچھے بھاگ کر اسے چٹکیاں کاٹ رہا تھا......اور پھر اس نے اسے پکڑ کر دروازے کے پاس کھڑا کر دیا تھا......

''آپ جانتے ہیں میری پکھی بڑی طاقت والی ہے۔اگر تم نے ان انسانوں کی وجہ سے تنگ کیا تو ہم اس گھر کو جلا کر راکھ کر دیں گے......''

''بکواس بند کرتی ہے کہ نہیں......'' غازی نے ایک زوردار تھپڑ اسکے منہ پر مارا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔

''جو سرکار نے پوچھا ہے اس کا جواب دو......''

''ہم ستر سال سے یہاں آباد ہیں......انجیر کے پودے پر ہماری پوری ''پکھی'' (خاندان) آباد ہے......''

''ان بھلے انسانوں کو تنگ کیوں کرتی ہو......'' باباجی نے درشت انداز میں پوچھا۔

پہلے تو اس نے ایک بار پھر جواب دینے سے گریز کیا لیکن جب غازی نے اسکی گردن ناپی تو وہ بولی۔''ہماری ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے...... لیکن اس سنیارے کا باپ جب اس کوٹھی میں آباد ہوا تو اس نے ہمارے استھان پائمال کر دیئے تھے۔اس کا باپ تہجد گزار تھا۔بڑی عبادت کرتا تھا۔ہم اسکو تنگ نہ کر سکیں۔اسکے مرنے کے بعد اس موئے بھٹی کی اولاد کو ہم نے نشانہ بنایا......اسے کہو یہ گھر چھوڑ کر چلا جائے...... ہمیں سکھ سے رہنے دے......''

''مم...... میں کیسے گھر چھوڑ کر جا سکتا ہوں...... یہ کوٹھی...... بڑی مہنگی ہے......'' سنیارا بھٹی چڑیل کی بات سن کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔''باباجی...... آپ انہیں نکال دیں یہاں سے......''

چڑیل یہ سن کر بولی......''تم ہماری قیمت ادا نہیں کر سکتے ہم یہاں سے نہیں جائیں گے......''

''جانا تو تمہیں پڑے گا......'' باباجی سخت انداز میں بولے اور پھر غیر مانوس زبان میں شاہ صاحب کے ساتھ باتیں کرنے لگے......غازی نے چڑیل کا منہ بند کر رکھا تھا......

''بھٹی صاحب......انہیں مارنا اتنا آسان نہیں ہے اور انہیں یہاں سے رخصت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو اسکی قیمت ادا کر دی جائے......''

''کتنی رقم چاہئے......'' سنیارا بھٹی بولا......''میرے بس میں ہوئی تو دے دوں گا......''

''پچاس تولے سونا مانگتے ہیں یہ......'' ریاض شاہ بولے......

''پپ...... پچاس...... تولے...... جناب میں اتنا سونا کہاں سے لاؤں۔ پانچ دس تولے......تو دے سکتا ہوں میں......اور پھر سونا انکے کس کام کا''

''نہیں......سونا تو پچاس تولے ہی دینا ہوگا......اور ابھی......انہیں ادا کر کے رخصت کرنا ہو گا......انہیں مہلت نہیں دے سکتے......'' ریاض شاہ نے کہا......تو سنیارا بھٹی بوکھلا گیا

''یہ ممکن نہیں ہے......میں کیسے......''

''ارے چپ کرو جی......'' اسکی بیوی تڑخ کر بولی۔''کیا یہ سونا ہمارے سونے جیسے بچوں سے زیادہ قیمتی ہے......''ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا کہ دوسرے کمرے سے کسی بچے کے رونے کی آواز آنے لگی۔یہ سنتے ہی سنیارے کی بہو چلائی۔اسکا بچہ دوسرے کمرے میں تھا۔باباجی سمجھ گئے کہ کیا ہونے والا ہے۔انہوں نے مجھے حکم دیا کہ دوسرے کمرے میں جاؤ اور بچہ اٹھا کر لے آؤ......

میرے لئے ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک جانا کوئی بہت لمبی مسافت نہیں تھی۔لیکن جب کارگہ فطرت کی ایک ایسی سچائی آپ کے سامنے کھڑی ہو جسے جھٹلانا ناممکن ہو آپ کے لئے پل صراط بن جاتی ہے' انگار وادی بن جاتی ہے' خارزار بن جاتی ہے۔اندر بچہ بلک رہا تھا......ادھر اس کی ماں تڑپ رہی تھی......اسے خدشہ تھا کہ یہ بلائیں اسکے بچے کو نہ مار ڈالیں۔مجھے حکم ہو چکا تھا کہ میں اندر جاؤں اور بچے کو اٹھا کر لاؤں...... بظاہر معمولی سی بات

تھی ...... کمرے کا دروازہ چار قدموں پر تھا ...... میں جب اسکے دروازے تک پہنچا تو غازی کے ہاتھوں میں ماہی بے آب کی طرح مچلتی پرچھائیں نے چنگاڑ ماری اور مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے نکل گئی ......۔

لمحے ساکت ہو گئے' کمرہ خوف کے سمندر میں ڈوب گیا۔ صرف اس ایک لحظہ میں انسانوں کے دل دھڑکتے سنائی دینے لگے ...... پرچھائیں مجھ پر جھپٹی تھی ...... اور اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب باباجی سرکار اس سے بھی زیادہ تیزی کیساتھ میرے اور اسکے درمیان دیوار بن گئے تھے اور پھر انہوں نے الٹے ہاتھ کا ایسا تھپڑ اسکے منہ پر مارا کہ وہ بلبلاتی اور اچھلتی ہوئی اسی کونے میں دوبارہ مقید ہو کر رہ گئی جہاں غازی کھڑا تھا ......۔ میرا پورا بدن جھرجھری لیکر رہ گیا ۔دماغ میں عجیب سنساہٹ تیرنے لگی۔ باجی نے میرے کاندھوں پر اپنا روئی کے گالوں جیسا ہاتھ رکھا تو میرے اعصاب پر طاری لرزے کی چادر سرک گئی ......۔

''جاؤ بچے کو اٹھالاؤ ......'' باباجی نے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

دوسرا کمرہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا ......۔ کچھ سجائی نہ دیا تو میں دائیں بائیں دیکھنے لگا تو معاً مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر دائیں جانب شعلہ سا بلند ہوا اور کسی نادیدہ ہاتھ نے موم بتی روشن کردی ......۔ ادھر ایک تخت پوش بچھا ہوا تھا۔ جس پر کوئی شخص سفید چادر لیئے دو زانو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ہی ایک بڑی سی گٹھڑی رکھی ہوئی تھی جس میں خاصی اچھل کود ہو رہی تھی۔ وہ شخص تھوڑے تھوڑے وقفہ سے کوئی شے اٹھاتا اور گٹھڑی پر مارنے لگتا تو اس کے اندر مچلنے والی چیزوں کی تیز سیٹی جیسی چیخیں سنائی دینے لگتیں۔ بچہ بستر پر لیٹا ہوا ٹانگیں مار مار کر رو رہا تھا۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھایا اور واپس کمرے میں پہنچا تو میری سانس پھول گئی۔ مجھے یوں لگا میں بہت دور سے بھاگ کر آیا ہوں۔

''بھیا ڈر گئے ......'' غازی نے کہا میرے ہانپتے کانپتے اور دھڑکتے دل کی چاپ سنی تو مجھ سے اٹھکیلیاں کرنے لگا

''یار ...... میں نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ ڈر تو لگنا ہی تھا ......'' میں نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان جواب دیا۔

''کمال ہے ...... آپ تو بہت کچھ دیکھ چکے ہیں۔ ٹاہلی والی سرکار کے پاس بھی تو کالی داس کے چیلوں کی ٹھکائی ہوئی تھی ...... وہاں بھی انہیں بوریوں میں بند کیا گیا تھا ......۔ یاد ہے ادھر

جب کتا بھونکنے لگا تھا تو پکھی کی چڑیلوں نے اودھم مچادی تھی۔ اس لیے انہیں پکڑ کر باندھنا پڑا۔ اندر غلام محمد اور ہمارے دوسرے ساتھی جنات ان پر پہرہ دے رہے تھے۔ ویسے بھیا آپ کو ڈرنا نہیں چاہیے تھا۔ آپ کے پاس وظائف کا خزانہ اور ہاتھ میں چھری تھی۔ آپ پھر بھی گھبرا گئے ......'' غازی میرا مذاق اڑانے لگا۔

''یار میں کوئی عامل کامل تو ہوں نہیں ......'' میں نے کہا ''ہر آدمی اپنے کام میں ہی اچھا لگتا ہے۔ ابھی میرے لئے یہ تجربات حیرت ناک اور ہولناک ہیں دل آہستہ آہستہ مضبوط ہوگا ......''

ہم دونوں کو یوں باتیں کرتے دیکھ کر اہل خانہ کے دلوں سے خوف اترنا شروع ہو گیا۔ سنیارا بھٹی تو باباجی کی شخصیت اور ان کی قوت سے اسقدر متاثر ہو گیا تھا کہ اب وہ انہیں اسی تولے سونا دینے پر بھی تیار ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

''سرکار ...... میں آپ کو اسی تولے سونا دے دیتا ہوں لیکن اس بات کی ضمانت کیا ہے کہ میرے بچے ان شیطانوں سے محفوظ رہیں گے ......''

''کیا ہمارا یہاں موجود ہونا اس بات کی ضمانت نہیں ہے ......'' باباجی سرکار نے کہا ''ہمارا یہ بیٹا تمھارے پاس ہے۔ جب تمھیں کبھی ایسی شکایت ہو اسے کہہ دینا ......'' انہوں نے ریاض شاہ کی طرف اشارہ کیا۔ مجھے اس سودے بازی سے بڑی کھد بد ہو رہی تھی کہ باباجی نے بھٹی سنیارے کے گھر سے چڑیلوں کی پکھی ختم کرنے کیلئے یہ سودا بازی کیوں کی ہے۔ وہ اتنا سونا لیکر کیا کریں گے۔ مجھے یہ سب بڑا معیوب لگ رہا تھا۔ چونکہ اب مجھے کسی بھی قسم کی صحبت سے منع کیا گیا تھا اس لیے میں ان سے دریافت تو نہ کر سکا مگر میرے اندر کا تجسس اس تشویش میں ضرور مبتلا رہا کہ آخر انہوں نے سنیارے سے اسقدر سونا طلب کیوں کیا ہے؟

''سنیارے پتر ......'' جب معاملات طے ہو چکے تو باباجی ایک طویل توقف کے بعد اس سے مخاطب ہوئے ''تو دل سے راضی ہے ناں ......''

سنیارے بھٹی نے جواب دینے میں تامل سے کام لیا اور پھر جب بولا تو لگا جیسے اس کی شہ رگ پر کسی نے چھری رکھ کر اسے بلوایا ہو۔ ''جی ...... جان ہے تو جہان ہے ......''

''اپنی جان تو سبھی کو پیاری ہوتی ہے۔ تو نے سچ کہا ہے۔'' باباجی ہنس کر بولے ''یہ گندی مخلوق ہم نے پکڑی ہے اس کی بھی جان ہے ...... ہم مسلمانوں کو ہر ایک جان کا حساب دینا ہے۔ ہم

اگر کسی کو قتل کر دیں گے تو اس کی کوئی معقول وجہ ہمارے پیش نظر ہو گی۔ بے وجہ قتل کرنا اللہ کے ہاں ناپسندیدہ عمل ہوتا ہے۔ کسی کافر کو بھی بے وجہ قتل کرنا حتیٰ کہ کیڑے مکوڑوں جانوروں کا قتال بے وجہ کرنا ایک مسلمان کے تقویٰ اور ایمان کا امتحان بن جاتا ہے۔ البتہ موذی جنس اور اللہ کے شریک کا قتل واجب ہو جاتا ہے جب وہ آپ کی جان لینے پر تل جائے یا وہ اللہ کی ربوبیت کو ٹھکرا دے۔...... لیکن یہ معاملہ بھی بہت حساس ہے اس پر بات فی الحال مؤخر کرتے ہیں۔ میں تمھیں ان چڑیلوں کے قتل کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ انہیں مار دینا ہمارے لئے مشکل کام نہیں ہے۔ ہم جہاد سمجھتے ہوئے ان کا قتل کر دیں گے ...... اور یہ ہم کرتے رہتے ہیں۔ مشرک جنات اور گہرے دھوئیں کی شیطانی مخلوق کے خلاف جہاد اس وقت سے جاری ہے۔ جب یہ تمھاری دنیا ...... اور اس زمین پر انسان آباد نہیں کیا گیا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وہ شیطانی اعظم یعنی ابلیس جسے تمام جنات سے مختلف مخلوق سمجھتے ہو۔ درحقیقت ایک جن ہی تھا اس کی اطاعت خداوندی بے مثال تھی۔ اس نے نہ جانے کتنے زمانوں تک کافر جنات کے خلاف جہاد کیا اور اپنی عبادت و ریاضت کے درجات طے کرتا ہوا سلطان الملائکہ بن گیا تھا۔ یعنی فرشتوں کو بھی درس و ہدایت کے درس دیتا تھا۔ لیکن جب وہ تکبر کے غضب میں مبتلا ہوا اور اس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو وہ شیطان ملعون کہلایا ...... یہ چڑیلیں بھوت جنات سے قدرے مختلف مخلوق ہیں جو صرف دین ابلیس پر عمل پیرا ہیں۔ تم مسلمان اپنی عبادات اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے اس مخلوق پر بھاری ہو اور اس حجاب قدرت اور نظام مخلوقات کی وجہ سے ان سے محفوظ رہتے ہو جو اس مخلوق کو تو نظر آتا ہے تمھیں نہیں۔ ہاں تم ریاضت عبادت کے بل بوتے پر دیکھ لو تو دیکھ لو...... اس کے علاوہ یہ مخلوق تمھیں اپنا احساس دلائے تو تمھیں پہلے گماں اور پھر یقین ہوتا ہے کہ تمھارے آس پاس تمھاری زندگیوں میں اس مخلوق کا دخل ہے۔ تم براہ راست متاثر ہوئے تھے۔ جبکہ یہ گھر جہاں کبھی ہندوؤں کا مرگھٹ تھا اس آبادی میں سکھوں اور ہندوؤں کی افراط رہی ہے' یہ یہاں کے قیامتی ہیں۔ یہ یہاں کے قابض ہیں۔ اولاً تو انہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ یہ حکم خداوندی ہے۔ اس مخلوق کو انسانی بستیوں میں قیام کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن جو جنات و بھوت چڑیلیں اپنے پرکھوں کی روایات اور اپنے خاندانوں کی عصبیت کا شکار ہوتے ہیں وہ اپنی جگہیں بڑی مشکل سے چھوڑ آتے ہیں۔ سیانے لوگ جب نیا گھر بناتے ہیں تو اسکی بنیاد

رکھتے ہوئے نذر نیاز کرتے اور آیت الکریمہ پڑھاتے ہیں۔ جس گھر کی بنیاد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر رکھ دی جائے اس مقام پر ٹھہری مخلوق نار کو چلے جانے کا حکم ہوتا ہے۔ اگر وہاں مسلمان جنات مقیم ہوں تو وہ اطاعت خداوندی کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں اور شیطانی مخلوق بھی وہاں نہیں ٹھہرتی کیونکہ آیات قرآن کے اثرات ان کے اجسام کو وہاں ٹھہرنے نہیں دیتے ۔تم نے دیکھا ہو گا انسانوں میں سے ایسے کافر انسان بھی گھروں میں آباد ہونے سے پہلے اور بعد میں وہاں ایسی رسومات ادا کرتے ہیں جو بظاہر انکی مذہبی روایات کا اظہار ہوتی ہیں مگر ان کا مقصد اس مقام پر مقیم ناری مخلوق کو رخصت کرنا ہوتا ہے۔ انکے کلمات شیطانی ہوتے ہیں۔ ابلیس کا علم شیطانی علم کہلاتا ہے جو کافروں کے ہاں مروج ہے۔ اس کی سب سے بدترین مثال ہندوؤں کی ہے ...... جب یہ لوگ گھروں میں آباد ہوتے ہیں تو یہ ایسی جڑی بوٹیاں جلاتے ہیں جن کے اندر قدرت نے ایسے اثرات رکھے ہیں کہ یہ مخلوق دو طرح سے وہاں سے رخصت ہوتی ہے ...... اول تو وہ مخلوق ان جڑی بوٹیوں کے جلنے سے پیدا ہونے والی مہک کو برداشت نہیں کر سکتی دوئم یہ کہ ...... اس مخلوق میں ایسے بھی خناس ہوتے ہیں جو اس مہک کو اپنے لئے نعمت سمجھتے ہیں اور وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ تمھیں سمجھانے کے لیے مجھے یہ وضاحت اس لیے کرنی پڑ رہی ہے کہ تو سوچ رہا ہے کہ ہم نے اسی تولے سونا کیوں مانگا ...... ان شریر اجسام نے تو تمھاری جان بھی طلب کی تھی۔ کہتی تھیں کہ ہم کو سنیارے بھٹی کا خون پلا دیں ہم یہاں سے چلی جائیں گی۔ اب تم کہو کیا میں ان کی یہ بات مان لیتا۔ میں نے کہا کہ میں ان کو زائل کر دیتا۔ لیکن یہ ہمارے اور اس مخلوق کے درمیان لڑائی کا آغاز ہوتا۔ ہم مسلمان اجناء کافر اجناء اور شیطانی مخلوق میں حق و باطل کی لڑائی ہوتی ہے تو وہ تمھیں نظر نہیں آتی۔ ہم دنیا پر ظاہر نہیں ہوتے۔ اگر ہم اس حجاب فطرت کی خلاف ورزی کریں گے تو انسانی بستیاں تباہ ہو جائیں گی۔ گھر بنیادوں سے اور چھتوں سے اڑ جائیں گے۔ ہر سو تمھیں مٹی اور ہوا کے بگولے نظر آئیں گے۔ تو اس کا اثر کیا ہوگا۔ یہ کہ انسان دہشت زدہ ہو جائیں گے اور پھر اس پر ہماری پکڑ ہو گی۔ میرے بچے۔ ہم اس پکڑ سے ڈرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ نار جہنم لیا ہے ہاں ...... ہم تم سے تعاون کرتے ہوئے انہیں یہاں سے ہجرت کر جانے پر آمادہ کریں گے۔ اس کے لئے ہمیں انہیں قیمت چکانی ہوگی۔ ہمیں بہت سارے ان جانوروں کی قربانی بھی کرنی ہوگی جو تمھیں اور ہمیں پسند نہیں ہیں ...... ہم اس اہتمام کا بھی خطرہ مول لے

نہیں سکتے ...... ہم یہ سونا انہیں دیں گے یا پھر ان مظلوم غلاموں کو یہ سونا دیں گے جو اسکے بدلے میں انہیں ایسی غذائیں مہیا کر دیں گے جو انہیں پسند ہیں۔ ہم اپنے ہاتھوں کو غلیظ نہیں کریں گے۔اور ہاں...... ہمارے ہوتے ہوئے۔اگر ان میں سے کسی نے کسی انسان کو جانی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو رب ذوالجلال کی قسم ہم انہیں قتل کر دیں گے......اور یہ ہم نے ان سے کہہ دیا ہے۔ اس مخلوق کو راضی کر کے' وعدہ لے کر انسانی بستیوں سے بھیج دینا تمھاری اپنی روایات میں بھی ملتا ہے۔

اس روز میں نے محسوس کیا کہ بابا جی سرکار بہت کھل کر بول رہے تھے۔ان کی عمر رفتہ کے راز اور مخلوق نار کی پر اسرار روایات سے بھی آگاہی ہو رہی تھی۔گویا بابا جی سرکار پر وجد طاری تھا۔ میں نے اس مرحلہ پر غفلت اختیار نہ کی اور اپنی معلومات اجناء کے لیے سوال داغ دیا۔میرا یہ سوال بہتے پانیوں میں ایک دم سے تلاطم برپا کر دینے کے مترادف تھا۔لیکن اب مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ بابا جی سرکار مجھ سے ناراض نہیں ہوں گے۔

''سرکار یہ مخلوق ابلیس جو اس گھر کے سکون کو غارت کر رہی تھی۔محض اسی وجہ سے ان سے دشمنی لے رہی تھی کہ انہوں نے ان کی بستی پر قبضہ کر لیا تھا۔سرکار یہ گھر تو بہت چھوٹا ہے۔انکی بستی اس گھر کے اندر کیسے سما سکتی ہے۔''

میری بات سن کر سنیارے بھٹی کے منہ سے ''ہوں'' نکل گیا۔جس کا مطلب تھا کہ وہ ابھی تک شک وشبہ میں مبتلا تھا اور گویا اس کا ''ہوں'' کہنے کا مطلب تھا کہ یہ ہوا ناں سوال......

بابا جی نے قدرے خاموشی کے بعد میرے سوال کا جواب دیا۔اسی دوران ان کی بھرائی ہوئی سانسوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کمرے میں چہل قدمی کر رہے ہیں۔ کہنے لگے'' تمھیں نہیں معلوم...... کہ یہ مخلوق مخفی ...... کی اصل جسامت کیا ہے اور ان کے معمولات کیا ہیں۔اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ انجیر کے اس درخت کی ایک شاخ پر ہزاروں جنات اور ابلیسی مخلوق قیام کر لیتی ہے تو تم ہنس دو گے۔لیکن یہ حقیقت ہے میرے بچے جسے تمھاری سائنس بھی تسلیم کرتی ہے ذرا غور سے سنو......اگر تم ایک چھوٹا سا قطرہ خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھو گے تو اس میں تمھیں ہزاروں جراثیم نظر آئیں گے۔ان جراثیموں کی تعداد تمھیں اس وقت معلوم ہوگی جب تم انہیں دیکھنے کے لئے خوردبین کا سہارا لو گے۔ میں حیران ہوں تم انسانوں نے اپنی اس ایجاد سے یہ نظریہ کیوں نہیں تسلیم کر لیا کہ ہوا میں یہ مخفی مخلوق ان

جراثیموں کی طرح ہو سکتی ہے جو نظر نہیں آتے اور ہر انسان انکا شکار بھی نہیں ہوتا۔لیکن جب کوئی انسان کسی ایسے جراثیم کا شکار ہوتا ہے جو جان لیوا ہو' کسی بیماری کو پھیلانے کا موجب بنتا ہو تو تم اس مخصوص بیماری سے نجات کے لئے معالج سے رابطہ کرتے ہوں' ادویات استعمال کرتے ہو' عمل جراحی سے گزرتے ہو...... پس یہ جان لو...... کہ یہ شیطانی مخلوق ان جراثیم سے زیادہ مہلک ہے جو تمھارے خون میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ایک انسان کے اندر اسقدر جراثیم ہوتے ہیں کہ تم ان کا شمار نہ کر سکو گے۔ان جراثیم کا باہر کے جراثیموں کے ساتھ جب ملاپ ہوتا ہے تو اندر شرارے پھوٹتے ہیں۔مگر یہ تمھیں معلوم نہیں ہوتا......مگر جب طبیعت خراب ہوتی ہے ٹیسٹ کراتے ہو' علاج شروع تو تب معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کیا تھی اور اس کا علاج کیسے کیا گیا۔

میں چونکہ خود اجناء کی دنیا میں ایک طبیب بھی ہوں۔اس لیے میں طب کی رو سے یہ سمجھا رہا ہوں تا کہ تمھیں معلوم ہو سکے۔تم جانتے ہو کہ یرقان کے مریض مرگی کو کوئی دوا دیکر ٹھیک نہیں کیا جاتا۔غور کرو تو تمھیں معلوم ہو جائے گا۔کہ یہ علاج معالجے دراصل نظام قدرت کو سمجھنے کے اشارے ہیں۔بالکل اس طرح ہماری مخلوق کے معاملات کو بھی سمجھا جا سکتا ہے''

مگر سرکار جب چڑیلوں کی یہ پکھی انجیر کے اس درخت کی ایک شاخ پر آزادی سے رہ سکتی ہے تو پھر اسے کیا تکلیف ہے۔اس گھر کے افراد کو کیوں تنگ کرتی ہے۔''

''شاہد پتر......افسوس کہ میں اس وقت سے تم لوگوں کو یہی بات سمجھا رہا ہوں جو تم سمجھ نہیں پائے۔کہ یہ مخلوق شیطان کی پیروکار ہے۔کیا تم نہیں سمجھتے کہ شیطان کون ہے اور وہ کیا کام انجام دے رہا ہے۔میرے بچے۔یہ ناری مخلوق عصبیت اور انتقام سے بھری ہوئی ہے جب تک یہ شرارت نہیں کرے گی اسے سکون نہیں ملے گا۔اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے۔یہ جو سنیارہ بھٹی ہے ناں...... جوانی میں بڑا دل پھینک قسم کا نوجوان تھا...... کیوں بھٹی۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں' بابا جی نے بڑے خوشگوار انداز میں پوچھا تو سنیارہ بھٹی اپنے بچوں کی موجودگی میں شرم سے دوہرا ہو گیا۔

''اور کیا جی...... یہ تو اب بھی باز نہیں آتے......''سنیارے بھٹی کی بیوی نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''بڑی خوشبو لگا تا پھرتا تھا یہ......اکثر دوپہر کے وقت انجیر کے درخت کے نیچے چارپائی بچھا

کراس پر لیٹ جاتا اور ریڈیو پر گانے سنتا رہتا تھا۔ عین جب سورج دھرتی پر نیزے کی طرح کھڑا ہوتا ہے یہ ناری مخلوق اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ دوپہر اور زوال کا وقت ان کی مستیوں اور مصروفیات کا وقت ہوتا ہے۔ کیوں بھٹی...... تمھیں آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں سونے کا شوق نہیں تھا کیا......۔

''جج جی سرکار......'' وہ شرما کر بولا'' ......مگر آپ کو کیسے معلوم ہے......''

''انجیر کے نیچے یہ چارپائی ایسے بچھاتا تھا کہ آدھی دھوپ میں اور آدھی انجیر کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں میں ہوتی تھی۔ اس کا آدھا جسم دھوپ کی تمازت کا لطف اٹھاتا اور آدھا ٹھنڈی چھاؤں کے لطیف احساس سے بھر جاتا۔ خوشبو یہ جاندار لگاتا تھا۔...... اس کا یہ بننا سنورنا انجیر پر آباد اس مخلوق کی عورتوں کو بڑا لبھاتا تھا۔ وہ اسکی چارپائی کے گرد چکر لگاتی پھرتیں، جب دھوپ بڑھ جاتی اور ہوا جھلسنے لگتی ہے تو تم نے کبھی اس ہوا کا شور سنا ہے...... یہ گرم اور جھلسی ہوئی ہوا تمھیں صحراؤں اور بیابانوں میں محسوس ہوگی۔ اس کا اپنا وجود اور آلاپ ہے اس مخلوق پر جب مستی طاری ہوتی ہے تو یہ گاتی ناچتی پھرتی ہے۔ گرم اور جھلسی ہواؤں کا یہ شور درحقیقت وہ گانے اور نوحے ہیں جو یہ مخلوق گاتی ہے۔ لیکن تم اس تپش آلود ہوا کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔ سنیارے بھٹی کی یہ ادا ان ناری عورتوں کو بہت پسند تھی اس لیے وہ اس کی قربت کی بھی خواہش مند تھیں...... یہ بے چارہ نہ جان سکا تھا کہ اسے انجیر کے اس درخت کے نیچے جس لطف کا احساس ہوتا ہے اور نیند کے بعد جس خواب اور خمار سے بیدار ہوتا ہے درحقیقت وہ کیسے پیدا ہوا۔ یہ تو بس اس خمار اور خواب کا رسیا تھا...... اگر بھٹی اجازت دے تو میں اسے یہ کہانی بھی سنوا سکتا ہوں۔ اسے ان چڑیلوں کی زبانی جو اس کی طلب میں رہتی تھی.......... بابا جی نے کہا تو سنیارہ بھٹی جلدی سے بولا......'' کیا فرق پڑتا ہے۔ انہیں کہیں ناں مجھے سنا دیں......''

''اس بھری محفل میں۔ سننا پسند کرو گے...... شرم کرو بھٹی۔ بوڑھے ہوگئے ہو مگر تمھارے اندر کی ہوس نہیں گئی...... اپنے بچوں کے سامنے کہتے ہو کہ مجھے یہ کہانی سناؤ'' اس کی بیوی اس پر برس پڑی تو اس کا بیٹا بولا'' اماں جی کیا کرتی ہیں۔ چھوڑیں ان باتوں کو......۔

''وہ تو میں اس لیے کہہ رہا تھا کہ یہ تجربہ ذرا مختلف ہے۔ مجھے تو آج تک احساس نہیں ہو سکا کہ کسی دوسری مخلوق کی عورت بھی مجھ میں دلچسپی لیتی ہے۔ اس لیے ذرا......''

''فضول باتیں نہ کریں...... ورنہ میں سارے کرتوت سنا دوں گی......'' اس کی بیوی کو آج جیسے موقع مل گیا تھا۔ غازی اور شاہ صاحب میرے پاس کھڑے تھے اور ہم تینوں ان کی باتیں سن کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

''سرکار...... اگر اجازت دیں تو میں بھٹی صاحب کو دوسرے کمرے میں لے جا کر داستان عشق سنوا دوں......'' غازی سے نہ رہا گیا۔

''ہاں ہاں...... آؤ...... دوسرے کمرے میں چلتے ہیں'' سنیارہ بھٹی اس کے باوجود اپنے اشتیاق کو نہ روک سکا۔ غازی بابا جی کی اجازت سے اسے دوسرے کمرے میں لے گیا...... کچھ دیر بعد جب وہ واپس آئے تو سنیارہ بھٹی خاموش ہوگیا تھا۔ غازی نے کہا اس سے رخصت ہونے کے بعد مجھے اس کی داستان عشق سنائی تو مجھ پر اس مخلوق کی شیطانی حرکات کا ایسا پہلو وارد ہوا جسے ہمارے ہاں عام سا تصور کیا جاتا ہے مگر اس میں کئی شیطانی گرہیں لگی ہوتی ہیں۔ غازی اور سنیارہ بھٹی کی عدم موجودگی میں بابا جی سرکار نے تاسف بھرے انداز میں ایک جملہ کہا تھا جو مجھے کبھی نہیں بھول سکتا...... انہوں نے کہا تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کی امت کو بہترین امت کا درجہ دیا اور اس پر قرآن پاک جیسی کتاب نازل فرمائی...... رشد و ہدایت کے ایسے اسباق دیئے کہ اگر یہ مسلمان سوتے' جاگتے گھر سے نکلتے' گھر کے اندر آنے' کھانے پینے گویا اپنے معمولات کے دوران آداب قدرت اور ذکر الٰہی کرتے رہیں تو یہ بدکار مخلوق ان پر اثر نہیں کر سکتی۔''

''بے شک......'' میں نے کہا ہم لوگ اسلامی آداب اور طرز حیات کو بھول گئے ہیں۔ اسی لیے تو یہ مخلوق ہماری زندگیوں میں مداخلت کرتی ہے۔''

''شاہد میاں...... یاد رکھنا! جو نوجوان شیر مادر کا لحاظ کرتا ہے وہ ساری عمر ایسی حرکت نہیں کرے گا جو اسے ہوس اور غفلت پر آمادہ کرے...... لیکن افسوس تمھاری دنیا میں آج کل کے نوجوان شیر مادر کی حرمت سے آگاہ نہیں رہے...... انہیں پاکیزگی کا خیال نہیں رہتا۔ ذہنی و جسمانی اعتبار سے غلاظت زدہ ہیں ان کی یہی حالت اس شیطانی مخلوق کو محبوب ہے۔ کاش یہ نوجوان جان لیں کہ شیطان نے اپنی اولاد کو انسانوں پر کس کس طرح سے مامور کیا ہوا ہے...... کاش کہ یہ انسان جان لیں...... اے کاش...... بابا جی سرکار تاسف بھرے لہجے میں کمرے میں گھوم رہے تھے...... میں نے کہا

"سرکار ارشاد...... مجھے بتا دیجئے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ کہ ابلیس کی اولاد ہمارے کن کن معاملات پر مامور ہے......"

شیطان انسانوں پر کس کس طرح سے سواری ڈالتا ہے اگر انسان اس کا ادراک کرتے تو وہ بشریت کے تقاضے پورے کرسکتا ہے۔ بابا جی کہنے لگے "ہم جنات انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ ہم انسانوں سے کیوں ڈرتے ہیں؟"

مجھے سمجھ نہیں آئی کہ کیا سوال کروں۔ محض یہ کہا "جی"

"اس کی بنیادی وجہ انسان کا اشرف المخلوقات کے درجہ پر فائز ہونا ہے"

"مگر کیا...... آپ ہر انسان سے ڈرتے ہیں" اس بار میں سوال کرنے سے نہ گھبرایا۔

"دراصل انسان نے خود اپنی فضیلت کھودی ہے۔ اس لئے اب جنات ہر انسان سے نہیں ڈرتے۔ جنات علم وفضل میں یکتا انسانوں سے ہی ڈرتے ہیں"

بابا جی منطق کی ایک بات سمجھاتے ہوئے کہنے لگے "شیطان بدی کا گماشتہ ہے۔ انسان کو نفس کا غلام بنا کر اس نے انسانوں کو علمی فضیلت کے درجات سے گرا دیا ہے۔ جب سے انسان نے احکامات الٰہی کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے اور فسق وفجور کی عادات کا انتخاب کیا ہے وہ کمزور ہوگیا ہے اور یہی بشری کمزوری جنات کو ان پر غالب ہونے میں مدد دیتی ہے"

بابا جی کے ساتھ اس روز خوب نشست رہی۔ انہوں نے سنیارے بھٹی کے گھر سے چڑیلوں کی پکھی اٹھا دی تھی۔ 80 تولے سونا لینے کے باوجود ان کا تقاضا تھا کہ وہ کچھ عرصہ بعد دوبارہ اس جگہ پر آ جائیں گی۔ بابا جی نے ان کی یہ بات نہیں مانی۔ ساری رات شور شرابہ رہا۔ بالآخر چڑیلیں اس گھر سے رخصت ہوگئیں مگر جاتے جاتے انہوں نے انجیر کے درخت کی سب سے موٹی اور پھلدار شاخ کو توڑ دیا۔ فجر کا وقت ہوگیا تھا۔ ہم نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد بابا جی کے جنات نے محفل سماع کا اہتمام کیا۔ ریاض شاہ نے بابا جی کی اجازت سے کمرے میں زیرو بلب روشن کر دیا تھا اور سب کو آنکھیں کھولنے کی اجازت بھی دے دی۔ بابا جی ایک کونے میں بڑے صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کے گرد جنات کا ایک گروہ کھڑا تھا۔ سبھی نے سفید احرام جیسا لباس پہنا ہوا تھا۔ سروں پر سفید براق پگڑ تھے جو پیشانی سے آگے تک جھکے ہوئے تھے۔ سنیارا بھٹی اور اس کا بیٹا یہ منظر دیکھ کر عش عش کرا اٹھے۔ محفل سماع اپنے جوبن پر تھی کہ غازی کی آواز سنائی دی

"سرکار میں تحفے لے آؤں"

"آجاؤ غازی" بابا جی نے اسے اجازت دی۔

ہماری نظروں کے سامنے غازی انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھوں میں ایک بڑا تھال اٹھا رکھا تھا جس میں آب زم زم کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ سرخ پتھروں والی تسبیح اور سنہرے تاروں والی دو ٹوپیاں بھی ساتھ رکھی تھیں۔

"بیٹا...... ان سب میں مبارک تحفے تقسیم کر دو" بابا جی نے ریاض شاہ کو اشارہ کیا تو اس نے آب زم زم گھر کے افراد میں تقسیم کر دیا۔

"بھٹی...... یہ ایک ٹوپی تمہارے لئے ہے" انہوں نے تھال میں سے ٹوپی اٹھائی تو سنیارا بھٹی تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ اس نے عقیدت واحترام سے بابا جی کا ہاتھ چوم لیا۔ بابا جی کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ سنیارے بھٹی نے اپنا سر ان کے سامنے جھکا دیا۔ بابا جی نے ٹوپی اس کے سر پر اوڑھا دی اور کہا "بھٹی اپنی آنکھ اور دل کی حیا کا خیال رکھنا" ہمارے اس بیٹے کو کبھی ناراض نہ کرنا۔ یہ ہے تو ہم ہیں۔" انہوں نے ریاض شاہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ضرور رکھوں گا جی۔ میری توبہ۔ اب میری آنکھ کبھی میلی نہیں ہوگی"

"یہ تسبیح تمہاری بیوی کے لئے" بابا جی نے سنیارے بھٹی کی بیوی کو بلا کر تسبیح دی اور اس کے سر پر شفقت بھرا پیار دے کر کہا! تو ہماری بیٹی ہے۔ ہمارا یہ تحفہ تمہیں ہماری یاد دلاتا رہے گا۔ بیٹی! میری ایک بات یاد رکھنا۔ اللہ کا ذکر سب سے افضل ہے۔ اللہ کے حبیبؐ پر درود وسلام بھیجتی رہا کرو۔ سورۃ الکوثر بکثرت پڑھا کرو۔ اللہ تمہارے مسائل دور فرمائے۔ آمین"

بابا جی نے اسے نصیحت فرمائی تو وہ عقیدت واحترام کے ساتھ الٹے قدموں چلتی ہوئی واپس اپنی نشست پر چلی گئی۔

"یہ ٹوپی ہمارے بیٹے کے لئے ہے" بابا جی نے تبسم ریز نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا "یہ لو...... یہ تم پہن لو"

"مم میرے لئے" میں نے چونک کر پوچھا

"کیوں ہم تمہیں تحفہ نہیں دے سکتے" بابا جی ہنس دیئے۔ میں بھی جھکتا، آداب خاطر ملحوظ رکھتا ہوا ان کے پاس گیا۔ ان کا ہاتھ چوما۔ بابا جی نے ٹوپی میرے سر پر پہنا کر کہا "کتنی جچتی

ہے تمہارے سر پر۔ سرخ داڑھی' سفید چہرہ' شفاف آنکھیں' میرے بچے ...... یہ ٹوپی تمہارے سر پر پہنائی ہے تو لگتا ہے تو اس سرزمین کے باشندے نہیں ہو۔ ایرانی النسل لگتے ہو''

مجھے کچھ سمجھ نہیں آئی کہ بابا جی کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ میں نے ریاض شاہ کی طرف دیکھا تو وہ تبسم ریز انداز میں کہنے لگا'' بابا جی کی بات مشکل لگتی ہے سمجھ نہیں آ رہی۔ سرکار کے کہنے کا مطلب ہے اس ٹوپی کی لاج رکھنا۔ یہ تمہارے سر پر دستار فضیلت کے مترادف ہے۔ اس کو ہر وقت سر پر رکھنا تمہارے سر پر خوب جچتی ہے''

''انشاءاللہ...... میں اسے سر سے نہیں اتاروں گا''

اس اثنا میں غازی کی چہکار سنائی دی

''انگور کھاؤ گے بھیا''

''انگور...... اور اس موسم میں'' میں نے ہنستے ہوئے کہا

''اگر کہو تو حاضر کروں''

''اگر مل جائیں تو ضرور کھاؤں گا'' میں نے جواباً کہا

میرے منہ سے یہ نکلنے کی دیر تھی کہ غازی نے ایک دوسرا بڑا تھال ہمارے سامنے کر دیا۔ انگور کے بھاری رس بھرے اور تر و تازہ خوشے دیکھ کر میں ہی کیا سنیارے بھٹی کے اہل خانہ بھی حیران رہ گئے۔ ہم سب نے مل کر انگور کھائے۔ انتہائی شیریں اور لذیذ انگور اور پھر بے موسمی پھل۔ میں نے غازی سے پوچھا

''کہاں سے لائے ہو''

''یمن سے لے کر آیا ہوں'' وہ ہنستے ہوئے بولا...... کچھ اور چاہئے ہو تو لے آؤں''

''ہاں...... مجھے ایک عقیق یمنی لا دو''

غازی نے میری فرمائش سنی تو ہنسنے لگا'' میں نے سوچا تھا کوئی بڑی فرمائش کرو گے خیر یہ لو''

غازی نے پلک جھپکنے میں عقیق یمنی انگشتری میں سجا ہوا پیش کر دیا۔ ''لو پہن کر دیکھو''

میں نے انگشتری دائیں ہاتھ کی چوتھی انگلی میں پہنی تو بالکل فٹ آ گئی۔ ایسے لگا جیسے یہ میرے لئے ہی بنائی گئی تھی۔ میں انگوٹھی اور عقیق کو بار بار دیکھنے لگا

''بہت بہت شکریہ'' میں نے غازی کا شکریہ ادا کیا تو وہ ہاتھ نچا کر بولا'' بس خالی اور سوکھا

شکریہ نہیں چلے گا''

اس کی بات سن کر سنیارے بھٹی کی بیوی بولی

''ہاں بھئی اس کو خالی تو نہیں ٹرخانا چاہئے''

''کیا چاہئے تمہیں'' میں نے غازی سے کہا تو وہ میرے کان کے قریب منہ کر کے کہنے لگا

''میں نے فلم دیکھنی ہے''

میری ہنسی چھوٹ گئی۔'' غازی تم فلم دیکھو گے''

''آہستہ بولو بھیا...... بابا جی سرکار نے سن لیا تو ماریں گے۔'' غازی منمنا کر بولا'' کون سی فلم دیکھنی ہے'' میں نے پوچھا

''جو مرضی دکھا دو'' اس نے کہا

''یہ ناہنجار باز نہیں آئے گا'' بابا جی ہماری سرگوشیوں کی زبان سمجھ کر بولے'' ایسے ہی تمہارا دماغ چاٹ رہا ہے بڑا حرام خور ہے۔ فلم کے بہانے تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا''

''سرکار...... میں'' غازی کچھ کہنے لگا تھا کہ بابا جی نے اسے ڈانٹ دیا...... وہ منہ بنا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''اچھا بچو اب ہمارے رخصت ہونے کا وقت ہو گیا ہے'' بابا جی نے اجازت طلب کی اور ریاض شاہ سے اپنی مخصوص زبان میں کچھ کہنے لگے۔ ریاض شاہ نے جلدی سے زیرو کا بلب بند کر دیا اندھیرا ہوتے ہی بابا جی کی آواز سنائی دی'' اللہ حافظ میرے بچو''

ہم سب نے کہا'' اللہ حافظ'' چند ثانیے تک اندھیرا رہا۔ پھر ریاض شاہ نے ٹیوب لائٹ روشن کر دی اور زیر لب کچھ پڑھتے ہوئے کمرے کے کونے کونے میں پھونکیں مارنے لگا۔ وہ دوسرے کمرے میں بھی گیا اور چند منٹ بعد واپس آ کر کہنے لگا

''صبح جب دکانیں کھل جائیں تو سب سے پہلے مجھے یہ چیزیں منگوا دیں۔ آپ کے گھر کی غلاظت صاف کرنی ہے'' اس نے سفید چٹ سنیارے بھٹی کی طرف بڑھائی۔

''گھر تو ہمارا صاف ہے شاہ صاحب'' وہ بولا

''میں اس صفائی کی بات نہیں کر رہا۔ ان بدروحوں نے ایک عرصہ تک اس گھر میں ڈیرے ڈالے رکھے تھے۔ ان کی گندگی کو یہاں سے صاف کرنا ہے اس لئے کنیر کے پھول' دیسی گھی' لوبان' جاپھل' گوگل' مصری .... اور سونے چاندی کا دو تولے کا تعویذ اور زعفران

چاہئے۔ جب تک تعویذ اور نقش بنا کر گھر میں دھونی نہیں دیں گے ان کے سحری اثرات مکمل طور پر ختم نہیں ہوں گے''

''یہ سامان کتنے کا ہوگا'' سنیارے بھٹی نے پوچھا ''اور یہ کیکر کے پھول کہاں سے ملیں گے۔ چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مجھے نہیں لگتا یہ سارا سامان یہاں سے مل جائے گا''

''پندرہ بیس ہزار کا سامان ہوگا۔ آپ خود نہیں لا سکتے تو پیسے مجھے دے دیں۔ میں غازی سے کہہ کر منگوالوں گا'' ریاض شاہ نے کہا۔ ''میں اب کچھ دیر آرام کروں گا۔ دوپہر تک یہ سامان آ گیا تو میں دھونی اور عمل کر کے چلا جاؤں گا۔ دوبارہ میرا آنا مشکل ہوگا''

میں نے محسوس کیا کہ باباجی کے رخصت ہوتے ہی ریاض شاہ کا لہجہ خاصا روکھا ہوگیا تھا۔ سنیارا بھٹی اپنے بیٹے اور بیوی کا منہ تکنے لگا۔ وہ شش و پنج میں مبتلا ہوگیا تھا کہ یہ کیا ماجرہ ہے۔ پہلے باباجی کے کہنے پر اس نے 80 تولے سونا دیا۔ لاکھوں روپے ہوا برد ہو گئے تھے اور اب یہ بیس ہزار کا سامان منگوا رہے ہیں

''مجھے بستر دے دیں۔ مجھے اب آرام کرنا ہے۔ پیسوں کا بندوبست ہو جائے تو مجھے بتا دیجئے گا'' ریاض شاہ کا چہرہ تھکان سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور لہجہ بھرا گیا تھا۔ لگتا تھا اسے فوری آرام مہیا نہ کیا گیا تو اس کی حالت بگڑ جائے گی۔

سنیارے بھٹی کی بیوی نے انہیں ساتھ والے کمرے میں نیا بستر بچھا کر دیا۔ ریاض شاہ نے مجھے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ خود بستر پر دراز ہوگیا اور مجھے کہنے لگا ''یار...... میرے سر پر ذرا مالش کر دو'' میں اس کی کیفیت سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے تھیلے سے تیل کی شیشی نکالی۔ میں اس کے گھنے اور گھنگریالے بالوں میں تیل انڈیل کر مالش کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ سو گیا۔ مجھے ابھی تک نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سنیارا بھٹی اپنا سر تھام کر بیٹھا ہوا تھا۔

''مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میں تو برباد ہو جاؤں گا''

''اللہ کا شکر کرو جی...... آپ پیسہ خرچ کر کے برباد نہیں ہو رہے اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان کا صدقہ اتار رہے ہو'' اس کی بیوی اسے سمجھا رہی تھی

''تیرا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ تو مجھے برباد کر کے سکون لے گی۔ تو جانتی ہے 80 تولے سونا کتنے کا تھا اور اب یہ بیس ہزار۔ میں تو کہتا ہوں یہ سارا ڈھونگ تھا۔ باباجی اللہ کے نیک

بزرگ جن ہیں تو انہوں نے اتنا زیادہ پیسہ کیوں خرچ کرا دیا۔ اللہ والے ایسا نہیں کرتے بھلی مانس تو نہیں سمجھ سکتی''

''توبہ توبہ کریں جی...... لگتا ہے آپ پر ابھی تک ان چڑیلوں کا نشہ طاری ہے۔ ایسی گمراہوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔ توبہ کریں۔ باباجی کی شان میں گستاخی نہ کریں۔ انہوں نے جو کیا حق سچ کے ساتھ کیا۔ انہوں نے سونا چاندی لے کر کیا کرنا تھا''

''میں کب کہتا ہوں انہوں نے سونا لیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے یہ سارا سونا اور رقم ریاض شاہ'' سنیارے بھٹی کے منہ پر دل کی بات آنے لگی تو اس کی بیوی نے جلدی سے اس کا منہ بند کر دیا۔

''خدا کے لئے ایسی بات نہ کریں۔ شاہ صاحب نے سنا تو ناراض ہوں گے۔ آپ کو یاد ہے باباجی سرکار نے کہا تھا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان رابطہ ریاض شاہ کی وجہ سے ہے۔ وہ اسے اپنا بیٹا کہتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں رات بھر کتنی خوفناک چڑیلیں اور جنات ہمارے سامنے آتے جاتے رہے ہیں۔ اگر شاہ صاحب ناراض ہو گئے تو یہ ساری چیزیں واپس آ جائیں گی اور پھر...... اللہ نہ کرے۔ بس آپ جلدی سے بندوبست کر دیں''

سنیارا بھٹی زچ ہوگیا تھا۔ مجھے دیکھا تو خاموش ہوگیا۔ میں نے اسے تجویز دی ''بھٹی صاحب سونے چاندی کا تعویذ تو آپ خود بنا سکتے ہیں۔ باقی جتنی رقم ہے وہ ریاض شاہ کو دے دیں وہ خود بندوبست کر لیں گے'' اس نے مجھے تو کچھ نہ کہا...... دوپہر تک اس نے سونے چاندی کا تعویذ بنا دیا تھا اور باقی رقم جو تقریباً دس ہزار بنتی تھی اس نے مجھے دینے کی کوشش کی اور کہا ''یہ شاہ صاحب کو دے دینا''

میں نے ہاتھ پیچھے کر لیا ''آپ خود انہیں دیں...... میں ایسے پیسوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتا''

''آپ ان کے ساتھی نہیں ہیں''

''میں باباجی کا مرید ہوں'' میں نے مختصر جواب دیا۔ انہوں نے میرے متعلق جاننے کی کوشش کی مگر میں نے اپنے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کیا۔

دوپہر کے وقت شاہ صاحب بیدار ہو گئے۔ سنیارے نے انہیں دس ہزار اور سونے چاندی کا تعویذ دے دیا۔ شاہ صاحب نے اسی وقت غازی کو طلب کیا اور اسے پیسے دے کر کہا کہ وہ عملیاتی اشیا لا دے۔ غازی دس منٹ بعد واپس آ گیا اور سارا سامان تھما کر چلا گیا۔ شاہ

صاحب نے تمام اشیا کو ایک خاص ترتیب سے رکھا۔ سونے چاندی کے تعویذ پر عبارت لکھی اور دیسی گھی کا چراغ جلا کر ساری اشیا نہ جانے کس کس طریقے سے سلگاتے رہے۔ لوبان، جائپھل اور خوشبودار اشیا کی دھونی پورے گھر میں نہایت مسکن اور سحر انگیز مہک پھیل گئی۔

دھونی ختم ہو چکی تو ریاض شاہ نے کاغذ پر عجیب سے رسم الخط میں کچھ لکھا اور ان کے کمرے کے دروازے کی چوکھاٹ کے اوپر کیل کی مدد سے انہیں ٹھونک دیا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ریاض شاہ نے ان سے اجازت لی اور ہم لوگ واپس ملکوال کی طرف چل دیئے۔

راستے میں میں نے ان سے وہی سوال پوچھ لیا جو سنیارے بھٹی کے خدشات کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ ''کیا یہ سارا خرچہ کرانا ضروری تھا اب''

''بہت ضروری تھا۔ میں ایک عامل ہوں۔ تم اچھی طرح سمجھتے ہو''

''اتنے مہنگے تعویذ دھاگے کیوں کرتے ہیں'' میں نے پوچھا

''جادو ٹونہ اور جنات کے سحری اثرات کو ختم کرنے کے لئے یہ عمل کرنا ضروری ہوتا ہے...... بعض اوقات تو اس سے بھی مہنگے عمل کرنے پڑتے ہیں۔ اگر میں تمہیں یہ بتا دوں تو تم زیادہ پریشان ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں ایک واقعہ سناتا ہوں۔ آج سے تیس پینتیس سال پہلے کی بات ہے۔ میرے بڑے بھائی صاحب نے یہ کیس کیا تھا۔ تم سنو گے تو کبھی یقین نہیں کرو گے''

اس وقت نہر کی پٹڑی پر اتر گئے تھے۔ وہاں سے ہم نے تانگہ لے لیا تھا اور گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر مکھن سائیں کا ڈیرہ تھا۔ میری ساری توجہ اس واقعہ کو سننے کے لئے مرکوز تھی۔ ریاض شاہ کہنے لگا'' میں نے بتایا ہے کہ آج سے تیس پینتیس سال پہلے پسرور شہر میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ پسرور میں ایک گوالے کے گھر پر جنات نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے سارے جانور انسانوں کے ہاتھ سے پانی پینے سے گریز کرنے لگے تھے۔ کیا تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو کہ کوئی جانور اپنے کھروں سے پانی کے نلکے کی ہتھی چلا کر پانی نکالنے لگ جائے''

''ناقابل یقین بات ہے'' میں نے کہا

''لیکن یہ حقیقت ہے۔ اس گھر کے سارے جانور نلکا خود چلا کر پانی نکالتے اور پیتے تھے۔ ان لوگوں نے دنیا بھر کے عاملوں اور پیروں سے رابطہ کیا تھا مگر کوئی بھی اس گھر سے جنات کو نہیں نکال سکا تھا۔ وہ لوگ میرے بھائی تک پہنچے اور باباجی سرکار کے ساتھ پسرور چلے

گئے۔ باباجی نے اس گھر کے جانوروں پر مسلط جنات کو مار مار کر بھگا دیا تھا اور آخر میں شیر کی کھال، کستوری اور زعفران کی مدد سے ایک تعویذ بنا کر اس گھر میں گاڑ دیا تھا۔ اس زمانے میں شیر کی کھال اور کستوری حاصل کرنا بہت مہنگا سودا تھا لیکن باباجی سرکار کی ہدایت پر یہ سارا سامان حاصل کر لیا گیا اور پھر جب یہ عمل کر کے تعویذ بنایا گیا تو اس گھر پر پھر کبھی جنات نازل نہیں ہوئے'' میرے لئے یہ واقعہ بہت بھاری تھا اور اسے ہضم کرنا ناممکن تھا۔ لیکن میں نے اب حجت کرنا چھوڑ دی تھی اس لئے یہ سوچ کر تسلیم کر لیا کہ اگر میرے سامنے جنات اور بدروحوں کا ظہور ہو رہا ہے تو ایسا انہونا واقعہ بھی اس سرزمین پر رونما ہوا ہو گا کیونکہ جنات سے کچھ بعید نہیں ہے۔ ممکن ہے پسرور شہر کے رہنے والے پرانے لوگوں کو اس واقعہ کا علم ہو کہ وہی بہتر جانتے ہیں کہ ان کے شہر میں جب یہ شہر ایک بڑے قصبہ کی شکل میں تھا وہاں کے کسی شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

ہم جب مکھن سائیں کے ڈیرے کے پاس سے گزر رہے تھے کہ کوچوان نے تانگہ روک لیا اور پھر تیزی سے نیچے اتر کر وہ نہر کی پٹڑی کے پاس رکھے ایک بڑے سے مٹکے کے پاس گیا۔ مٹکے کے منہ پر مٹی سے لیپ کیا ہوا تھا اور چونے سے اس کے اوپر لکھا ہوا تھا ''نذرانہ سرکار مکھن سائیں آستانہ'' کوچوان نے مٹکے کے منہ میں کئے گئے ایک چھوٹے سے سوراخ میں دو روپے ڈالے اور کانوں کی لوؤں کو چھوتا ہوا منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا تانگے پر آ بیٹھا۔ ریاض شاہ نے میری طرف دیکھا اور کوچوان کی اس پر حرکت پر خفیف سے انداز میں مسکرا کر کہنے لگا'' ایسے ہوتے ہیں عقیدت مند''

کوچوان نے سنا تو کہنے لگا'' جناب لگتا ہے آپ پردیسی ہیں اسی لئے تو آپ نے نذرانہ نہیں ڈالا ورنہ یہاں کے لوگ جب تک روپیہ دو روپیہ نہیں ڈال دیتے انہیں سکون نہیں آتا۔ آپ نہیں جانتے ہر جمعرات کو اس غلہ سے حاصل ہونے والی رقم سے نیاز تیار ہوتی ہے۔ لوگ دور دور سے نیاز حاصل کرنے آتے ہیں''

''کیا خیال ہے...... مکھن سائیں سے مل نہ لیا جائے'' ریاض شاہ نے مجھ سے پوچھنے لگا۔

''کوئی حرج نہیں...... لیکن آپ انہیں جانتے ہیں''

''وہ بھی مجھے جانتا ہے'' ریاض شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ ہم نے تانگے والے سے کہا کہ وہ ہمیں مکھن سائیں کے آستانے پر لے جائے۔ پہلے تو اس نے حیرانی

سے ہمیں دیکھا پھر اس نے تانگے کا رخ آستانے کی طرف کر دیا۔ ابھی ہم راستے کے سرکنڈوں سے آگے بڑھے ہی تھے کہ مجھے مکھن سائیں کا مخصوص نعرہ مستانہ سنائی دیا۔ ایسے لگا جیسے وہ ہمارے بہت قریب ہو۔ لیکن وہ ہمیں دکھائی نہیں دیا۔ ہم آستانے پر پہنچے تو اس وقت مکھن سائیں کے مریدوں کا ہجوم وہاں اکٹھا تھا۔ ہم تانگے سے اترے اور ان کی طرف بڑھے تو معلوم ہوا کہ مکھن سائیں قبر میں ہیں اور جب تک ان کا چلہ پورا نہیں ہو جاتا وہ قبر سے باہر نہیں نکلیں گے۔

''پھر تو ہمیں واپس چلنا چاہئے'' میں نے ریاض شاہ سے کہا تو وہ میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے

''جب مکھن سائیں نے ہمیں خود بلایا ہے تو ہمیں اس طرح جانے نہیں دے گا'' میں ریاض شاہ کا منہ دیکھنے لگا۔

ہم دونوں مکھن سائیں کے مریدوں سے ہٹ کر ایک چبوترے پر بیٹھ گئے۔ اس دوران مکھن سائیں کی کٹیا کے اندر سے ایک لڑکی ننگے سر نہایت خستہ حالت میں روتی چلاتی ہوئی باہر آئی۔ اس کے پیچھے ایک بوڑھی عورت اور بوڑھا مرد تھا۔ لڑکی کی حالت نہایت دگرگوں تھی لباس اگرچہ صاف تھا مگر جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ ''اسے پکڑو دیوانی ہو گئی ہے'' بوڑھی عورت دہائی دینے لگی۔ لڑکی کسی چھلاوے کی طرح بھاگ رہی تھی۔ سارے ملنگ مرید لڑکی کو پکڑنے کے لئے اس کی طرف لپکے مگر وہ ان کے ہاتھ سے مچھلی کی طرح پھسل پھسل جا رہی تھی لیکن کچھ دیر بعد وہ اسے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک ہٹے کٹے ملنگ نے لڑکی کو اٹھا کر نہایت بے دردی سے قبر کے پاس پھینک دیا تھا۔ لڑکی اذیت ناک انداز میں چیخی۔ وہ مرغ بسمل کی طرح قبر کی مٹی میں تڑپ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ منہ کو آ گیا اور میں ریاض شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ریاض شاہ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر وہ چبوترے سے نیچے اتر کر لڑکی کی طرف بڑھا

''پیچھے ہٹ جاؤ'' ریاض شاہ کڑکدار اور پرجلال انداز میں ملنگوں اور بوڑھی عورت سے مخاطب ہوا تو وہ سب اس کا منہ تکنے لگے۔

ہٹا کٹا ملنگ ریاض شاہ کی آواز سن کر طیش میں آ گیا۔ چھ فٹ قامت' کسرتی بدن' چوڑی چھاتی نیم عریاں سیاہ بالوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ نتھنے اور دہانہ چوڑا' پیشانی ابھری ہوئی' بال

لمبے اور تیل میں چپڑے ہوئے تھے۔ وہ ملنگ نہیں کوئی چھٹا ہوا بدمعاش لگتا تھا۔

ریاض شاہ اس کی طرف بڑھا تو وہ آستین چڑھاتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ اس کی موٹی موٹی کلائیوں پر کہنیوں تک کانسی اور پتھر کے کڑے تھے۔ ہاتھوں کی انگلیاں بھی جواہرات کی بھاری انگوٹھیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا نشہ تھا اور ان میں سرخ ڈورے صاف نظر آ رہے تھے ایسا غضب ناک اور جلالی صورت ملنگ ایک تصوراتی انسان ہی ہو سکتا تھا۔ آنکھوں میں کھینچ کر سرمہ ڈالا ہوا تھا۔ وضع قطع سے لگتا تھا کہ وہ اپنے روپ بہروپ کو سنوارنے کے لئے خاصا وقت صرف کرتا ہو گا۔

''کون ہو تم'' وہ جلالی لہجے میں ریاض شاہ سے مخاطب ہوا ''ہمارے آستانے پر ہمیں آنکھیں دکھاتے ہو، تمہیں جرات کیسے ہوئی''

ریاض شاہ چہرے مہرے سے ایک عام سا شخص ہی لگتا تھا اس وقت اس نے یمنی عمامہ سے سر ڈھانپ رکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شخص مذہبی اور متقی ہو سکتا ہے لیکن ملنگ پر اس کی شخصیت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے تیور بتاتے تھے کہ وہ ریاض شاہ کے ساتھ مارکٹائی سے گریز نہیں کرے گا۔

ادھر لڑکی ملنگ کی آواز سن کر ایسی وحشت زدہ ہوئی کہ خود اپنے آپ سے نپٹ گئی۔ اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ریاض شاہ کے چہرے پر کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ وہ ملنگ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تیکھے انداز میں بولا ''اوئے شرم نہیں آتی۔ ایک معصوم سی لڑکی کو مارتے ہو۔ انسان ہو یا درندے'' ریاض شاہ کی بات سن کر خود مجھے ایک لمحہ کے لئے حیرت ہوئی۔ ایک مظلوم لڑکی کی خاطر وہ لڑائی کرنے پر اتر آیا تھا۔ میری نظر میں تو وہ بھی درندہ تھا۔ نا جانے اس نے کتنی لڑکیوں کو درندگی کا نشانہ بنایا تھا۔ آج اس کی زبانی ایسے الفاظ سن کر مجھے حیرت ہوئی لیکن حیرت سے زیادہ اب خوشی ہو رہی تھی کہ بہرحال وہ جیسا بھی تھا بہرحال ایک لڑکی کی عزت وناموس کی خاطر ان ملنگوں سے لڑنے پر آمادہ تھا۔

ملنگ ریاض شاہ کی بات سن کر تپ گیا اس نے منہ کی بجائے ہاتھوں سے بات شروع کر دی اور اپنا بھاری بھرکم ہاتھ ریاض شاہ کے گریبان پر جما دیا تو اس کے کہنیوں تک کڑے کھنکھنانے لگے۔ ایک عجیب سا جلترنگ پیدا ہوا تھا۔

''تجھے بتاتا ہوں میں انسان ہوں یا درندہ، بڑا آیا شرم دلانے والا۔ تیری ماسی کی دھی لگتی

ہے۔ ماما لگتا ہے تو اس کا" اس نے ریاض شاہ کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا تو وہ لڑکھڑا گیا۔

"گریبان چھوڑ دے میرا ورنہ تیرا حشر نشر کر دوں گا" ریاض شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے گریبان چھڑانے کی بے سود کوشش کی۔

"بات تو ایسے کر رہا تھا جیسے کچا کھا جائے گا۔ لے۔ ہمت ہے تو گریبان چھڑا کر دیکھ" یہ کہہ کر ملنگ نے استہزائیہ انداز میں اپنے ملنگ ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ "اوئے کوئی مائی کا لعل ہے جو اچھو خاں ملنگ کی پکڑ توڑ سکے"

"اچھو خاں ملنگ ـــــــ" نام سنتے ہی میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اگر وہ واقعی اچھو خاں ہی تھا تو اس کا ڈیل ڈول اس پر ہی جچتا تھا۔ برسوں پہلے اس نام کا ایک ڈکیت ہو گزرا تھا۔ انتہائی سفاک اور طاقتور۔ سنا تھا کہ وہ کسی پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ وہ علاقہ بدر ہو گیا تھا لیکن آج برسوں بعد وہ مکھن سائیں کے ڈیرے پر نظر آ رہا تھا ـــــــ اور ایک ملنگ کے روپ میں ـــــــ اس کے چہرے کی سفاکی اور درندگی اس بات کی غماز تھی کہ وہ اچھو ڈکیت ہی ہو سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ریاض شاہ اس کی اصلیت سے آگاہ نہیں ہوگا۔

"اگر تو اچھو خاں ڈکیت ہے تو یہ جان لے کہ اب تیری موت آنے والی ہے۔ میرا گریبان پکڑ کر تو نے بہت بڑی غلطی کی ہے" ریاض شاہ میری توقع کے برعکس اسے جانتا تھا اور میرے لئے حیرت کی دوسری بات تھی

"ہاں ...... میں اچھو خاں ڈکیت ہی تھا لیکن اب مکھن سرکار کا ملنگ ہوں" اس نے کہا

"ایک ملنگ اور ڈکیت میں فرق دیکھ لیا تو نے۔ اگر تو نے اچھو خاں ڈکیت کو للکارا ہوتا تو میری بندوق کی گولی تیری بات کا جواب دیتی لیکن کیا کرے اب اچھو خاں ...... ملنگ جو ہو چکا ہے۔ مجبوری نے روک رکھا ہے"

"تو ملنگ نہیں اب بھی ڈکیت ہی لگتا ہے" ریاض شاہ نے کسی گھبراہٹ کے بغیر کہا "ملنگ ایسے ہوتے ہیں ـ۔ تو سانڈ ہے ـــــ اب بھی لوگوں کو لوٹتا ہے۔ بے رحمی سے پیش آتا ہے۔ اس بے چاری نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو اسے یوں اٹھا کر نیچے مارا ہے ...... تو وحشی تھا اچھو ...... اب بھی تو وحشی ہے"

"اوئے زبان بند کر ...... رب سوہنے کی قسم تیری زبان کاٹ ڈالوں گا" اچھو خاں دھاڑتے

ہوئے بولا۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ ریاض شاہ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو رہا تھا۔ اس کی پیشانی کی لکیریں تن گئیں اور نتھنے پھولنے لگے۔ اس سے قبل کہ ملنگ کچھ اور کہتا ریاض شاہ نے گریبان پر قابض ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مارا کہ وہ کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا قلابازیاں کھاتا ہوا کئی فٹ دور جا گرا۔ اس لمحہ برگد کے درخت پر جیسے طوفان آ گیا۔ شاخیں تیزی سے لہرانے لگیں ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بگولا برگد کے درخت میں گھس گیا ہے اور اسے جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دے گا۔ آستانے کے ملنگ یہ منظر دیکھ کر تتر بتر ہو گئے اور برگد کے نیچے سے ہٹ کر دور کھڑے ہو گئے۔

ریاض شاہ اچھو خاں ڈکیت کے پاس پہنچا۔ وہ الٹے منہ زمین سے چمٹ گیا تھا اس نے جوتی کی نوک اس کی ٹھوڑی پر رکھ کر اسے سیدھا کیا۔

"اٹھ دکھا مجھے اپنی طاقت" ریاض شاہ کا لہجہ بھرا ہوا تھا ایسے لگتا تھا جیسے وہ خود نہیں کوئی اس کے اندر بول رہا ہے۔ ادھر برگد کے درخت پر جیسے قیامت مچی ہوئی تھی۔ اس کی شاخوں سے بہت سارے سانپ، تعویذ، ہڈیاں، رنگ برنگے کپڑے اور نہ جانے کیا کیا فضولیات نیچے گرنے لگی تھیں۔

اچھو خاں کی آنکھوں میں جوالہ انگڑائیاں لینے لگا تھا۔ وہ جھٹ سے اٹھا اور سینہ ٹھونک کر ریاض شاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا وہ انتہائی سرعت کے ساتھ ریاض شاہ کو ٹکر مارنے لئے بڑھا۔ کسی بپھرے ہوئے سانڈ کی ٹکر پہاڑ کو بھی ہلا کر رکھ دیتی ہے، مگر ریاض شاہ کے اندر چٹانوں سے زیادہ ثابت قدمی آ گئی تھی۔ اچھو خاں کی ٹکر کھانے کے باوجود اس کے بدن کو ہلکا سا بھی جھٹکا نہیں لگا تھا بلکہ اس ضرب شدید کے ردعمل میں اچھو خاں پیچھے الٹ گیا۔ جب اٹھا تو اپنے سر کو دونوں ہاتھ سے تھام رکھا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس کے سر کے اندر کی دنیا میں زلزلہ آ گیا ہے۔ وہ سر کو بار بار جھٹک کر اپنے ہوش واپس لانے لگا۔ ریاض شاہ کے چہرے پر عجیب سی سرشاری اور طاغوتیت تھی۔ اچھو خاں دوبارہ اپنے حواس میں آیا ایک بار پھر وہ دھاڑتا ہوا ریاض شاہ کی طرف بڑھا اور اپنی پوری قوت صرف کر کے اس کے پیٹ میں ٹکر ماری مگر اس بار بھی اس کے ساتھ وہی ہوا جو اس سے قبل ہوا تھا۔ لیکن اس کی جرات دیکھ کر میں عش عش کر اٹھا۔ وہ تیسری بار اٹھا اور ریاض شاہ کو ٹکر مارنے ہی لگا تھا کہ ایک زوردار آواز نے اس کے دوڑتے قدموں میں بھاری زنجیر ڈال دی اور وہ کسی بت کی طرح اپنے قدموں پر منجمد ہو گیا۔

"رک جاؤ اچھو" مکھن سائیں قبر کا تختہ پیچھے دھکیل کر باہر آ گیا تھا۔ مر جائے گا تو اچھو لیکن اس پہاڑ کا ایک پتھر بھی نہ توڑ پائے گا" مکھن سائیں کے چہرے پر مسکان تھی۔ اس نے اپنے دونوں بازو فضا میں بلند کئے اور حق یا علی...... حق اللہ...... یا پیر دستگیر...... حق اللہ" کے نعرے بلند کر کے اس نے برگد کے درخت کی طرف نظر اٹھائیں تو برگد کی جھومتی شاخیں آہستہ آہستہ ساکت ہو گئیں اور طوفان یوں تھم گیا جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ یہ مکھن سائیں کی کرامت تھی یا شعبدہ...... یا پھر...... برگد پر طوفان برپا کرنے والوں سے کوئی تعلق ......۔ کہ تلاطم یکدم کافور ہو گیا اور برگد کی شاخیں آہستہ آہستہ جھومنے لگیں اور ان سے ٹھنڈی ہوائیں آنے لگیں۔ مکھن سائیں نے لمبا سا کالے رنگ کا چولا پہنا ہوا تھا۔ ہاتھوں میں عقیق کے دانوں کی تسبیح تھی۔ ایک ایک دانا نیچے گراتا ہوا وہ اچھو خاں ملنگ کی طرف بڑھا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا

"اوئے اچھو۔ میں نے کتنی بار کہا ہے کہ اپنے اندر کے ڈاکو کو مار ڈال۔ ہر ایک کے ساتھ الجھا نہ کر۔ آج تو نے میرے مہمان کو اپنی بدمعاشی دکھانی شروع کر دی تھی"

"سرکار......اس نے......"

"زبان بند کر اچھو۔ میں سب سن رہا تھا۔ تو نے اس معصوم لڑکی کو مار کر ہمارے شاہ صاحب کو ناراض کر دیا تھا" مکھن سائیں اس کو سرزنش کرنے لگا تو نہ جانے مجھے کیوں لگا مکھن سائیں ڈرامہ کر رہا ہے۔ مکھن سائیں ریاض شاہ کی طرف بازو پھیلا کر بڑھا اور دونوں نے معانقہ کیا۔

"معاف کرنا شاہ جی......ان کم عقلوں کو بندوں کی پہچان نہیں ہے" مکھن سائیں نے کہا

"آپ انہیں لگام ڈال کر رکھیں ناں سائیں۔ ان کی حرکتوں سے آپ کو ہی نقصان پہنچے گا"

ریاض شاہ کے چہرے پر اب سکوت تھا۔

"آئیں اندر چلتے ہیں" مکھن سائیں نے ریاض شاہ کا ہاتھ تھام کر اپنے حجرہ میں چلنے کے لئے کہا۔ یہ سن کر مکھن سائیں بولا "شاہ جی یہ بچہ ہے۔ بڑوں کی باتوں میں اسے کیا مزہ آئے گا۔ میرے ملنگ اس کی ٹہل سیوا کریں گے۔ آپ اندر چلیں بہت سی باتیں کرنی ہیں آپ سے"

ریاض شاہ نے میری طرف دیکھا تو میں خود ہی بول پڑا "ٹھیک ہے شاہ جی میں ادھر ہی

بیٹھتا ہوں آپ ہو آئیں"

"سمجھدار بچہ ہے" مکھن سائیں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے ملنگوں کو میری خدمت کی ہدایت کر کے اندر جانے لگا تو وہ بوڑھی عورت بول پڑی "سرکار...... میرے لئے کیا حکم ہے"

مکھن سائیں نے غصہ بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "مائی اسے گھر لے جاؤ اگلی جمعرات کو آنا"

"مگر سرکار...... یہ تو باؤلی ہو گئی ہے۔ گھر کیسے لے جاؤں" عورت گھگھیائی "کوئی تعویذ دے دیں سرکار"

"اچھا۔ اچھا" مکھن سائیں ناگواری سے بولا "اوئے بھولے قلندر اس کو تعویذ بنا دے" یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ بھولا قلندر ایک مجہول سا بوڑھا تھا وہ برگد کے نیچے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ برگد کے تنے میں ایک بڑی سی کھوہ تھی اس کے اندر چراغ رکھے تھے۔ کھوہ کی دیواروں پر کالے رنگ کے چیتھڑہ نما کپڑے اور دھاگے لٹکے ہوئے تھے۔ اس نے ایک دھاگا کھینچ کر اتارا۔ کچھ پڑھتے ہوئے اس نے دھاگے میں سات گرہیں لگائیں اور دھاگا بوڑھی عورت کو دے کر کہا "اس کے پاؤں میں سائیں سرکار کی سنگلی ڈال دے اب یہ کہیں نہیں بھاگے گی"

عورت نے نہایت ادب اور تمیز کے ساتھ دھاگا لیا اور اپنی بیٹی کے پاؤں سے باندھ دیا۔ اس کی بیٹی ابھی تک بے حس پڑی تھی۔ "جا...... اب چلی جا"

"سرکار کے مہمان کے لئے شربت لے کر آؤ" بھولے قلندر نے ایک ملنگ سے کہا تو میں بول پڑا

"شکریہ جناب مجھے پیاس نہیں ہے" میں جانتا تھا کہ ان کا شربت کس قسم کا ہو گا۔

"ناں جی...... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سرکار ناراض ہوں گے جی شربت تو آپ کو پینا ہی ہو گا"

"محترم میں روزے سے ہوں۔ میں نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے لہٰذا میں یہ شربت پینے سے معذور ہوں" میں نے اس موقع پر جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑانی چاہی کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کا مخصوص شربت بھنگ کے علاوہ دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر میں جلدی سے عورت کی طرف بڑھا وہ اپنی بچی کو ہوش میں لا رہی تھی۔

"ماں جی...... اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ماریں" میں نے کہا تو اس کا شوہر پانی لے آیا۔ چھینٹے مارنے سے لڑکی کو ہوش آ گیا تو وہ خالی خالی نظروں سے ارد گرد دیکھنے لگے۔ پھر مجھ پر

نظر پڑی تو گھبرا گئی اور اپنی ماں کے ساتھ لپٹ گئی۔

"ماں مجھے گھر لے چلو" لڑکی خوف زدہ نظروں سے اچھو خاں ملنگ کو دیکھنے لگی جو اس سے چند قدم اور کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"چل میری بچی گھر چلتے ہیں" عورت نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے سر پر چادر دے کر اس کی خستہ حالی کو چھپا کر چلنے لگی

"ماں جی آپ نے کہاں جانا ہے" میں نے دیکھا کہ ہمارے تانگے کے سوا کوئی اور سواری وہاں نہیں تھی۔ اسے نہر کی پٹری تک پیدل جانا تھا

اس نے اپنے گاؤں کا نام بتایا۔ "آپ کیسے جاؤ گی" میں نے دریافت کیا۔

"پتر اپنے پیروں پر چل کر ہی جانا ہے"

"ٹھہریئے۔ میں آپ کو نہر تک چھوڑ آتا ہوں" میں نے کوچوان کو آواز دے کر بلایا تو وہ عورت مسکینوں کی طرح بولی۔ "رہنے دے پتر ہم چلے جائیں گے"

"ماں جی آپ کی بیٹی کی حالت ایسی نہیں ہے کہ یہ چل سکے اور پھر آپ دونوں اسے اٹھا کر بھی تو نہیں جا سکتے"

"چلے ہی جائیں گے سائیں کی دعا سے...... دیکھ لو...... میرے سائیں کے ایک تعویذ نے اس کو گھر واپس جانے پر آمادہ کر دیا ہے ورنہ یہ باؤلی تو گھر جانے کا نام نہیں لیتی تھی" مجھے ماں بیٹی کی ذات میں دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔ میں ان کی کہانی سننا چاہتا تھا کہ وہ کون ہیں اور مکھن سائیں سے ان کی یہ عقیدت...... اور لڑکی کی یہ بیماری کیسے پیدا ہوئی۔ میں نے انہیں تانگے پر بٹھایا تو بھولا قلندر دوڑتا ہوا میرے پاس آ گیا

"آپ کہاں جا رہے ہیں"

"میں انہیں نہر تک چھوڑنے جا رہا ہوں" میں نے کہا

"ناں جی آپ یہ نہیں کر سکتے۔ سرکار کے مہمان ہیں وہ ناراض ہوں گے"

"میں ابھی آ جاتا ہوں" یہ کہہ کر میں نے کوچوان سے چلنے کے لئے کہا۔ بھولا قلندر مجھے روکتا ہی رہ گیا مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی

"ماں جی...... آپ کی بیٹی کو کیا ہوا ہے۔ کیا یہ بچپن سے ہی ایسی ہے" میں نے راستے میں ان سے پوچھا

"ناں میرے پتر...... یہ اچھی بھلی تھی۔ ایک سال پہلے جب میں سیالکوٹ شائیں بادشائیں کے مزار پر سلام کرنے گئی تھی تو واپسی پر اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ میں سمجھی کہ بیمار ہے۔ دوا دارو بہت کیا، مگر میری بچی کی حالت نہیں سنبھلی۔ چھ سات مہینے گزر گئے۔ اس کے سر کے سارے بال اتر گئے اور سارے بدن کا ماس پولا ہو گیا۔ میری تو ایک ہی اولاد ہے میری اس میں جان ہے۔ دسویں میں پڑھتی تھی۔ سرخ سپید رنگ تھا اس کا نہ جانے میری بچی کو کس کی نظر لگ گئی۔ دو مہینے پہلے۔ مکھن سائیں کا ایک ملنگ خیرات مانگنے آیا تو میں نے اسے روٹی دی اور کہا کہ سائیں بابا دعا کرو میری بچی ٹھیک ہو جائے۔ اس نے بچی کو دیکھا تو کہا کہ اس پر طاقتور قسم کا جن آیا ہوا ہے تم اسے مکھن سائیں کے پاس لے جاؤ۔ میں دوسرے دن چارپائی پر ڈال کر اپنی بچی کو مکھن سائیں کے پاس لے آئی۔ اللہ سوہنے کا کرم ہوا۔ سائیں کی دعا سے میری بچی سنبھلنے لگی اور ایک مہینے میں اس کے سر کے بال اور بدن کا گوشت واپس آنے لگا۔ میری بچی نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا صرف مٹی کھاتی تھی لیکن اب یہ روٹی بھی کھا لیتی ہے اللہ بھلا کرے سائیں بہت اچھے......"

یہ سن کر وہ لڑکی اچانک چیخ پڑی "ماں...... سائیں اچھا انسان نہیں ہے وہ گندہ ہے گندہ"

"ناں...... ناں پتر...... ایسے نہیں کہتے" اس کی ماں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا

"بی بی اللہ کے قہر کو آواز نہ دو سائیں بہت اچھے انسان ہیں" کوچوان بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"تمہارا سائیں ہے کیا۔ خدا غارت کرے تم اندھے لوگوں کو۔ تمہاری آنکھیں شیطان نے پھوڑ ڈالی ہیں اس لئے تمہیں نظر نہیں آتا"

"استغفر اللہ" میرے لبوں سے نکلا میں لڑکی کو دیکھنے لگا

"توبہ توبہ...... بی بی" کوچوان ہڑبڑا گیا اور اس نے تانگہ روک لیا۔

"بی بی...... نیچے اترو میں مکھن سائیں کے نافرمانوں کو اپنے تانگے میں نہیں بٹھا سکتا"

"نافرمان...... ہونہہ۔ تم اللہ کے نافرمان اگر تمہاری کوئی بیٹی بہن ہے۔ جوان اور کنوری ہے تو اس کا جن اتروانے کے لئے تعویذ دھاگے کے لئے یہاں لے آتا...... اور پھر مجھے بتانا کہ تمہارا مکھن سائیں کیسا ہے۔ اس کے بھوکے ملنگ کیسے ہیں۔ اللہ تم لوگوں کو غارت کرے۔ بے غیرت قسم کے لوگ ہو تم۔ پاگل کہہ کر میری باتوں کو رد کر دیتے ہو۔ لیکن تم خود

پاگل ہو۔ تمہیں کچھ سمجھ نہیں آتی۔ تم عقیدتوں کے سراب میں بھٹکتے پھرتے ہو۔ تم شیطان اور جنات کے غلام ہو۔ ایسے بدعقلوں کو تو مکھن سائیں فرشتہ ہی نظر آئیں گے۔ اللہ کی مار ہو تم لوگوں پر" یہ کہہ کر وہ لڑکی تانگے سے نیچے اتر گئی۔ اس نے ماں اور باپ کو نیچے اتار لیا۔ میں نے تانگے والے کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ ایسا خفا اور شرمندہ ہوا کہ تانگہ لے کر نہر کی طرف چلا گیا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو" میں نے لڑکی سے کہا "کیا نام ہے تمہارا"

"بلقیس" وہ بولی "ماں مکھن سائیں کا کلمہ پڑھتی ہے۔ میں کہتی ہوں ماں تم شیطان کے بہکاوے میں آگئی ہو اس کی آنکھیں چندھیا گئی ہیں"

"مکھن سائیں نے کیا کہا ہے تمہیں" میں نے کہا "اس کے تعویذ اور دعاؤں سے تمہارے جن اتر گئے ہیں اور تم صحت یاب ہو گئی ہو"

"گند کو گند نے ہی صاف کیا ہے لیکن اب وہ میری پاکیزگی کو اپنی غلاظت کے جوہڑ میں ڈبو دینا چاہتا ہے" بلقیس کے اندر جیسے لاوا ابل رہا تھا۔ اس کی ماں نے اسے خاموش کرانے کی بڑی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ سنی اور بولتی چلی گئی۔۔۔۔۔......

اس نے ماں کو سختی سے ڈانٹ دیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگی۔

"ماں...... مکھن سائیں کہتا ہے بلقیس تو میری ملنگنی بن جا اور اب میرے پاس ہی رہا کر۔ تو بھی یہی چاہتی ہے۔۔۔۔ بابو" وہ میری طرف رخ موڑ کر کہنے لگی "یہ میری ماں ہے اس نے مجھے جنم دیا ہے۔ اپنے دودھ کا واسطہ دے کر کہتی ہے مکھن سائیں کو ناراض نہیں کرنا۔ اس کی بددعا.......... برباد کر دیتی ہے۔ آپ خود انصاف کریں کیا مجھے ماں کی بات مان لینی چاہئے"

بلقیس ماں اور باپ کے سامنے مجھے مکھن سائیں کی ہوس بھری اصلیت کی کہانی سناتی چلی گئی ......اور میں عقیدتوں کا مارا شرم سے زمین میں گڑھ گیا۔ اس کے باپ کا سر جھک گیا۔ مگر ماں کا چہرہ شرمندگی سے خالی تھا۔ الٹا اسے کہنے لگی "بلقیس تو نہیں ترے اندر جن بول رہا ہے۔ لگتا ہے ابھی نکلا نہیں ہے۔ وہ تجھے گمراہ کر رہا ہے۔ مکھن سائیں پر الزام لگا رہی ہے تو۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے"

"ماں...... میری بھولی ماں" بلقیس اس کے دونوں شانے پکڑ کر اس کی نظروں میں دیکھتے ہوئے سسک سسک کر کہنے لگی "تجھے میں کیسے سمجھاؤں۔ تو نہیں جانتی تو اپنی بیٹی کو برباد

کرنے پر تلی ہوئی ہے" پھر وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگی اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ "ابا میں مر جاؤں گی لیکن اس آستانے پر نہیں آؤں گی۔ اس ظالم نے مجھے چیلوں کی طرح نوچ ڈالا ہے۔ میں شور کرتی رہی۔ مگر ماں کہتی ہے وہ میرے جن اتار رہا تھا۔ ابا خدا کے لئے مجھے یہاں سے دور لے جاؤ"

بلقیس کے دکھ سے میرا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ میں سوچنے لگا کہ ہماری بعض عورتیں کتنی معصوم اور بے وقوف ہوتی ہیں جو عقیدتوں کی مٹی اپنے تن من پر لیپ کر یہ سمجھنے لگتی ہیں وہ گناہ کی آلائشوں سے پاک ہو گئی ہیں۔ یہ نہیں سمجھتیں کہ یہ مٹی غلاظت کے ڈھیر سے اٹھائی گئی ہے۔ توہمات کی ماری ہوئی ان عورتوں نے پورے سماج کو اپنے اللہ اور اس کے رسولؐ سے دور کر دیا ہے۔ اے کاش یہ سمجھ لیں کہ ایسی جگہوں پر خدا کی تعلیمات نہیں پائی جاتیں جہاں اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق زندگی نہیں ملتی...... اللہ نے کالے پیلے دھاگوں اور کپڑوں کی دھجیوں میں گرہیں لگا کر جنتر منتر کر کے مسائل حل کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہوئی ہے۔ دھاگوں کی گرہوں میں خدا کا کلام نہیں باندھا جاتا۔ میرے اللہ کا کلام تو وہ ہے جو زباں سے ادا ہو اور کسی محتاجی اور وسیلے کے بغیر بندے کے دل میں اتر جائے۔ آسمانوں پر پہنچ جائے۔ میرے اللہ کے کلام میں تو وہ طاقت اور اثر ہے جو بدی کی مخلوق کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ بھنگ چرس اور ہوس بھرے لبوں سے یہ مقدس الفاظ نہیں نکلتے۔ وہ تو ان کالے پیلے دھاگوں میں معصوم اور احمق لوگوں کے ایمان کو پروتے ہیں۔ میں انہیں کیا سمجھاؤں کہ میرے اللہ اور میرے رسول اور اس کے حقیقی صالحین و اولیا کی تعلیمات کیا ہیں۔

بلقیس ایک سمجھدار لڑکی تھی۔ میں نے اس کی ماں کو سمجھایا اور اسے نصیر کے گاؤں کا پتہ دے کر سمجھایا کہ وہ آج شام کو اسے لے کر وہاں آ جائے۔ میں نے طے کیا تھا کہ اپنی موجودگی میں ریاض شاہ سے کہہ کر اس کا علاج کرادوں گا۔ میں بلقیس اور اس کے ماں باپ کو نہر کی پٹڑی پر چھوڑ کر واپس آستانے پر آ گیا۔ بھولے قلندر نے کینہ توز نظروں سے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔ اگر میں مکھن سائیں کا مہمان نہ ہوتا تو یقیناً وہ میرے ساتھ بدسلوکی کرتا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ میں نے ایک معصوم ہرنی کو ان درندوں کے ہاتھوں سے نکل جانے کا موقع دے دیا تھا۔

دس پندرہ منٹ بعد ریاض شاہ اور مکھن سائیں حجرے سے باہر نکلے تو دونوں کے چہرے خوشی کی تمازت سے روشن تھے لیکن جونہی مکھن سائیں نے مجھے دیکھا اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔

''اچھا سائیں...... اب ہم چلتے ہیں۔کل میں آپ کا انتظار کروں گا''

''اللہ سائیں خیر کرے ...... میں آؤں گا'' مکھن سائیں نے بھاری بھرکم ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا۔''بالکے میں اچھو کو سمجھاتا رہتا ہوں کہ اب تو جس دنیا کا بندہ بن چکا ہے اس میں پورے کا پورا داخل ہو جا لیکن یہ پاگل سمجھتا ہی نہیں۔اس کے اندر کا انسان اسے ابھارتا رہتا ہے۔بچے میری بات سمجھ رہا ہے ناں...... جب مرید مرشد کے دائرے میں آ جاتا ہے اور اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیتا ہے تو اپنے مرشد کی آنکھ کان اور زبان بن جاتا ہے۔اس کا دل اپنا نہیں رہتا۔مرشد کے دل کے ساتھ دھڑکتا ہے۔یہ فقیری لائن تو کیا سمجھے۔ تجھے تو نئی نئی کہانیوں کی تلاش رہتی ہے۔لیکن یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔۔۔تو ابھی ان نزاکتوں کو نہیں سمجھتا''

''سائیں...... شاہد میاں بڑا سمجھدار لڑکا ہے'' ریاض شاہ نے صورتحال سمجھتے ہوئے کہا''آپ جب اس کے ساتھ بیٹھیں گے تو غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔اچھا اب ہم چلتے ہیں'' یہ کہہ کر ریاض شاہ نے کوچوان کو تلاش کرنا شروع کیا تو میں نے کہا''وہ چلا گیا ہے''

''کیوں چلا گیا'' ریاض شاہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا تو میں سمجھ گیا کہ انہیں سارے معاملے کی خبر نہیں ہے۔

مکھن سائیں کے لبوں پر مسکراہٹ تیرنے لگی''یہی بات تو میں اسے سمجھا رہا تھا شاہ صاحب اس بیچارے کو تو پھر جانا ہی تھا''

''چلو پھر پیدل چلتے ہیں'' ریاض شاہ نے قدرے ناگواری سے کہا۔

''شاہ صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔آپ کو بڑی عزت کے ساتھ ہم روانہ کریں گے''

مکھن سائیں نے اچھو خاں ملنگ کو آواز دی۔''ذرا تانگہ گھوڑا جوت لے بھئی۔شاہ صاحب کو ان کے گاؤں تک چھوڑ کے آنا ہے''

میں حیران ہو کر دیکھنے لگا کہ اس پورے آستانے میں تانگہ گھوڑا تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا پھر مکھن سائیں ہم سے مذاق کیوں کر رہا تھا۔لیکن ہماری حیرت اس وقت دور ہو گئی جب اچھو خاں حجرے کے عقب میں گیا تو گھوڑے کے ہنہنانے کی آوازیں آنے لگیں۔پانچ منٹ بعد وہ تانگہ لے آیا۔گھوڑا اعلیٰ نسل کا تھا۔اس کا قد رکاٹھ بھی غیر معمولی تھا۔رنگ سفید تھا لیکن اس کی رانوں پر کالے رنگ کی دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔آنکھیں صاف اور گہری کالی۔اسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا یہ گھوڑا کسی نواب یا مہاراجے کا ہو گا اس کی ٹہل سیوا اور ستھرائی صرف کسی بڑے اصطبل میں ہی ہو

سکتی تھی۔

''اچھا شاہ صاحب آپ بیٹھیں۔یہ تانگہ آپ لے جائیں اللہ کا نام لے کر واپسی کے لئے اس کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیجئے گا۔یہ خود واپس آ جائے گا''

میں نے مکھن سائیں کو دیکھا اور کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ بول اٹھا''جو شے مکھن سائیں کی ہو جاتی ہے وہ اپنا راستہ نہیں بھولتی۔وہ واپس آستانے پر آ جاتی ہے''

''آؤ بھئی...... آج مکھن سائیں کی سواری کا مزہ لیتے ہیں'' ریاض شاہ خاصا پرجوش نظر آ رہا تھا۔وہ آگے اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تو مکھن سائیں گھوڑے کے پاس آیا اور اس کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا

''میرے بچے میرے مہمانوں کو ان کے گاؤں تک چھوڑ آ اور اچھے بچوں کی طرح واپس آ جانا۔جا میرے بچے'' یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کے چہرے پر پھونک ماری تو گھوڑے نے نتھنے پھیلائے اور تانگے کو لے کر چل دیا۔شاہ صاحب نے اس کی راسیں پکڑی ہوئی تھیں

''شاہ صاحب یہ تو عجوبہ ہے'' میں نے کہا

''مکھن سائیں خود بھی تو عجوبہ ہے'' شاہ صاحب نے قہقہہ لگایا''لیکن یہ تو بتاؤ تانگے والا کیوں چلا گیا تھا''

میں نے ساری بات سنا دی اور یہ بھی کہا کہ آج رات وہ لڑکی ماں باپ کے ساتھ ہمارے پاس حویلی میں آئے گی۔

''تو نے مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا''

''شاہ صاحب آپ نے جس طرح اس کو اچھو ملنگ کی زیادتی سے بچایا ہے میں نے اس مان کے ساتھ اس کو حویلی بلایا ہے۔وہ لڑکی بڑی اچھی ہے اور اچھے برے میں تمیز کرنا جانتی ہے''

''شاہد میاں...... تم ٹھیک کہتے ہو۔اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں اچھے برے کی تمیز کرنے کی نعمت سے سرفراز کیا ہے۔لیکن یار تم فی الحال ہر ایک سے الجھنے کی کوشش نہ کیا کرو۔تمہارا ادراک اور فہم درست ہے۔مکھن سائیں کے بارے میں اچھی طرح جان چکا ہوں۔یہ شخص سفلی علوم میں اس قدر ماہر ہے کہ خدا پناہ۔بڑا خود غرض بندہ ہے۔اس نے تو باباجی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔جنات کا ایک پورا قبیلہ اس کا مطیع ہے۔چلے کاٹ کاٹ کر اس نے خود کو کندن بنا لیا ہے۔یہ بندہ چالیس گھنٹے تک اپنا سانس روک اور چالیس روز تک بغیر کچھ کھائے

پڑے زندہ رہ سکتا ہے"

"آپ اسے کیسے جانتے ہیں" میں نے پوچھا

"میں نے بڑے بھائی سے اس کا نام سن رکھا تھا" ریاض شاہ کہنے لگا

"ہم لاہور کے اصل مکین نہیں ہیں۔ ہم پہلے ادھر ڈسکہ میں رہتے تھے۔ بابا جی میری والدہ کے پاس تھے۔ برسوں پہلے ہم لاہور منتقل ہو گئے لیکن ڈسکہ اور سیالکوٹ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ بڑے بھائی ڈسکہ نہر کے پاس سے گزرنے والی نہر کے کنارے چلے کاٹتے تھے۔ مکھن سائیں کے ساتھ وہاں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ پھر جب میں ادھر ملکوال آیا تو بابا جی کی حاضریاں لگنے لگیں۔ ٹاہلی والی سرکار سے ملاقاتیں ہونے لگیں تو مکھن سائیں کو علم ہو گیا" ریاض شاہ کی بات سن کر معاً مجھے مکھن سائیں سے اپنی پہلی ملاقات کا منظر یاد آ گیا۔ جس روز میں دو رتی افیون لینے کے لئے لالو قصائی کے ساتھ نہر کی پٹڑی سے گزر رہا تھا تو مکھن سائیں سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اس نے بڑے خفیف اور معنی خیز انداز میں لالو سے کہا تھا کہ یہ ہمارے مہمانوں کا خدمت گار ہے۔ اس لئے ہم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آج مجھے یاد آ رہا تھا کہ مکھن سائیں کو علوم کی طاقت کے ذریعے یہ بات معلوم تھی کہ میں کس کے لئے افیون لے کر جا رہا تھا۔ میں نے ریاض شاہ کو اس سے پہلی ملاقات کا ماجرہ سنایا تو وہ ہنسنے لگا "یہ تو بہت معمولی بات تھی"

"کیسے"

"وہ ایسے کہ اس روز غازی تمہارے ساتھ ساتھ تھا۔ مکھن سائیں نے اسے دیکھ لیا تھا اور ان کی آپس میں گفتگو بھی ہوئی تھی۔ یہ غازی ہی تھا جو تمہیں پولیس کی دستبرد سے محفوظ رکھتا رہا۔ مکھن سائیں نے غازی کے ذریعے بابا جی کو سلام پہنچایا اور ملاقات کا پیغام بھی دیا تھا"

"مکھن سائیں نے بابا جی کو قابو کرنے کے لئے کیا حرکت کی تھی" مجھے اشتیاق ہوا تو میں نے یہ بات پوچھ لی۔

"ہاں" ریاض شاہ اس وقت جوشیلے انداز میں بول رہا تھا۔ "مکھن سائیں خود کو بہت زیادہ طاقتور انسان بنانا چاہتا ہے۔ تم نے دیکھ لیا ایک گھوڑا اس کے اشارے پر اس کے مہمانوں کو ان کے گاؤں چھوڑ کر واپس اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو یہ ملنگ ٹائپ لوگ کیا شئے ہیں۔ اس نے اچھو خاں ڈکیت کو بے بس کر دیا ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا غازی نے جب بابا جی اور مجھ کو اس کا پیغام دیا تو بابا جی نے پہلے تو یہ کہا کہ وہ اس سے نہیں ملنا چاہتے۔ لیکن جن دنوں ہمیں حویلی کی

چڑیلوں کو رخصت کرنے اور کالی داس کے خلاف جنگ کا سامنا تھا تو بابا جی نے مصلحت کے تحت مکھن سائیں سے ملاقات کی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس پورے علاقے کی جناتی مخلوق اپنے علاقے میں ان کی دخل اندازی پر بیخ پا ہو۔ لہٰذا وہ جب اس سے ملنے گئے تو مکھن سائیں قبر میں چلہ کاٹ رہا تھا۔ اس کے جنات نے بابا جی کی خدمت کی۔ بابا جی قبر میں محو چلہ مکھن سائیں کے پاس گئے تو اس نے بابا جی کی آؤ بھگت کی اور انہیں کہنے لگا کہ وہ اس پاس کیوں نہیں آ جاتے۔ مکھن سائیں کو بابا جی سرکار کی طاقت اور بزرگی کا صحیح طریقے سے ادراک نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ اگر وہ اس کا ساتھ دیں تو وہ پوری دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دے گا۔ اس نے بابا جی کو اپنے موکل جنات کے پورے قبیلہ سے ملوایا تھا۔ بابا جی سرکار نے جب مکھن سائیں کو اپنے بارے میں بتایا کہ وہ کس درجہ اور حیثیت کے مالک ہیں تو مکھن سائیں کی باچھیں کھل گئیں۔ ہوس اور غرض سے رال ٹپکنے لگی اور آنکھیں انتقام کے شعلوں سے بھر گئیں۔ وہ بابا جی کے ذریعے خود کو ایک بہت بڑا روحانی بزرگ بنانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا ناں کہ وہ خود غرض اور سفلی علوم کا ایسا بندہ ہے۔ بابا جی نے اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ گندے گھناؤنے اور غیر شرعی کام چھوڑ دے۔ لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوا۔ بابا جی جب واپس آنے لگے تو وہ کہنے لگا۔

"زرقان شاہ...... میں تمہیں وہ کچھ دے سکتا ہوں جس کی تم طلب کرو گے۔ میرے ایک اشارے پر یہاں سب کچھ حاضر ہو گا۔ میں تمہیں اپنی آفر ٹھکرا کر واپس نہیں جانے دوں گا"

"شاہد میاں" ریاض شاہ کہنے لگا "یہی وہ آگ ہے جو کسی عامل اور اللہ کے حقیقی ولی اور باشرع پیر کامل میں فرق پیدا کرتی ہے۔ سفلی عملیات کرنے والے کی طبیعت میں نفرت، حسد، تکبر کی آگ بھڑکتی رہتی ہے لیکن اللہ کے بندوں کے دلوں پر محبت اور انکساری کی بارش برستی ہے۔ مکھن سائیں کی بات سن کر بابا جی نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔ اس پر وہ کھول اٹھا اور بدتمیزی سے پیش آیا۔ کہنے لگا۔ "زرقان شاہ میں تمہیں واپس نہیں جانے دوں گا تم بھی میرے برگد پر مقیم جنات کی طرح میرے مرید اور قیدی بن کر رہو گے"

بابا جی طیش میں آ گئے اور اٹھ پڑے۔ مکھن سائیں نے آناً فاناً عملیات کی آگ بھڑکا کر انہیں قبر میں ہی روکنے کی کوشش کی تو بابا جی سرکار نے اسے اس کی آگ سمیت قبر سے باہر پھینک دیا مکھن سائیں حیرت پاش نظروں سے بابا جی سرکار کو دیکھنے لگا۔ اسی وقت اس کے موکل جنات

میں سے ایک بزرگ جن نے مکھن سائیں کو باباجی سرکار کے درجات سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ وہ ان کے ساتھ ایسے پیش نہ آئے۔ مکھن سائیں صرف خود غرض ہی نہیں گھاگ بھی ہے۔ وہ جان گیا کہ اس نے غلط وقت میں غلط حرکت کی ہے۔ اس نے باباجی سے معافی مانگ لی۔ جانتے ہو آج جب مکھن سائیں مجھے حجرے میں لے کر گیا تھا تو اس نے کیا فرمائش کی تھی"

"جی...... کیا کہا تھا اس نے" میں نے پوچھا

"کہنے لگا کہ اگر میں اس کے ساتھ مل جاؤں تو وہ یہاں ایک بڑی روحانی سلطنت قائم کرے گا۔ میں نے اسے کہا کہ میں تو خود شہنشاہ ہوں تمہارے زیر سایہ کیسے آ سکتا ہوں۔ باباجی بھی اس لمحے ہمارے پاس تھے۔ اس نے بڑی آفر دی ہیں ہمیں لیکن باباجی نے اسے سختی سے منع کر دیا ہے کہ وہ تماشا نہ لگائے۔ روحانیت جیسے مقدس لفظ کی حرمت خراب نہ کرے ورنہ لوگوں کا اللہ کے نیک بندوں سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ مکھن سائیں شیطان کا آلہ کار ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ شیطان اس کا مطیع ہے۔ اللہ معاف کرے شاہد میاں۔ ہم بہت گناہ گار لوگ ہیں۔ خود میری اپنی یہ حالت ہے لیکن میں خود یہ جرات نہیں کر سکتا۔ مکھن سائیں گمراہ ہے اور گمراہی کی دلدل میں دھنستا جا رہا ہے۔ تم میرے بارے بہت بدگماں رہتے ہو لیکن میرے اور مکھن سائیں میں زمیں آسماں کا فرق ہے۔ میں تو صرف ایک زلیخا کی طلب تک محدود ہوں۔ مکھن یہ مکھن سائیں ہزاروں معصوم لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا چکا ہے۔ جن زادیوں سے خدمت کراتا ہے۔ اس کی خادماؤں میں ایسی ایسی خوبصورت جن زادیاں ہیں جنہیں دیکھ کر غازی کا ایمان بھی خراب ہو گیا تھا۔ باباجی نے غازی کو بڑے جوتے مارے۔ اس نے تمہیں وہ کہانی نہیں سنائی تھی اب ملے تو پوچھنا مکھن سائیں کی ایک خادمہ مہ وش نے اسے کیا کہا تھا اور وہ اسے پیچھے کیوں پڑی تھی" یہ کہہ کر ریاض شاہ ہنسنے لگا۔ اس وقت ہم پٹری سے اتر کر ملکوال کی طرف جا رہے تھے۔ ریاض شاہ نے گھوڑے کی راس کھینچ کر اسے صحیح سمت میں ڈال دیا تھا۔ نہر کی پٹری سے اتر کر ہم ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ ریاض شاہ اور میں انہماک سے باتیں کرتے کرتے ملکوال پہنچ گئے۔ گھوڑے کا رخ واپس پٹری کی طرف موڑ دیا۔ گاؤں کے کچھ لوگ ہمیں دیکھ رہے تھے۔ گھوڑے کو کوچوان کے بغیر تانگہ لے کر جاتے دیکھ کر وہ حیران ہو گئے۔ لیکن ہم نے ان کی حیرانی دور نہیں کی۔ حویلی پہنچ کر ہم نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کے لئے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ میرے ذہن پر گذشتہ رات اور آج کی فلم

چلنے لگی۔ مجھے اب اپنے اگلے پرچے کی فکر ہو رہی تھی۔ میں نے ڈیٹ شیٹ دیکھی تو سر پکڑ کر رہ گیا۔ کل میرا پرچہ تھا اور میں نے کتابوں پر نظر بھی نہ ڈالی تھی۔ میں نے پریشان ہونے کی بجائے خود کو حوصلہ دیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد جاگا تو ذہن خاصا فریش ہو چکا تھا۔ میں نے کتاب کھولی اور پڑھنے لگا۔ ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ ایک مانوس سی مہک میرے چاروں طرف پھیلنے لگی۔ کتاب کا ورق ورق اس مہک سے بھیگ گیا اور اس میں ایک سوگوار سے چہرے کا عکس نمایاں ہونے لگا۔ خوشبو کے پیرہن میں وہ چہرہ میرے سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھوں میں دودھ کا گلاس تھا۔

"کہاں تھے تم" میرے سامنے زلیخا کھڑی تھی۔ سر پر سفید چادر لئے۔ حوروں جیسا تقدس تھا اس کے چہرے پر۔ لیکن آنکھیں سوز و ہجر کے آنسوؤں میں سوگواری کا غم اٹھائے نظر آ رہی تھی لہجہ گھمبیر۔

"آؤ دیکھو"

"یہ لو...... پی لو...... اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی کہہ رہی تھیں میرے پتر کا پیپر ہے اسے دے آؤ" زلیخا میرے سامنے موڑھے پر بیٹھ گئی۔ "کہاں تھے تم" زلیخا نے تکلف پاش لہجے میں کہا۔ آپ سے تم کا رشتہ استوار کر کے وہ کہہ رہی تھی "اگر یوں خدمات بن کر آوارہ گردی کرتے رہو گے تو امتحان میں پاس کیسے ہو گے"

"میں نے پاس ہو کر کیا لینا ہے" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے میں کہیں کھو گیا اور ہزار احتیاط کے باوجود میرے منہ سے نکل گیا" میں تو جس امتحان میں ڈال دیا گیا ہوں اس کا نتیجہ میرے حق میں کبھی نہیں نکلے گا۔ میں نے بہت کچھ کھو دیا ہے۔ زلیخا۔ خوشیاں میری دسترس سے بہت دور ہو گئی ہیں" میرا حلق آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ آنکھیں تو کب سے خشک ہو گئی تھیں۔ میں نے آنسوؤں کو آنکھوں سے بہنے کی اجازت نہیں دی۔

زلیخا نے نظریں نیچی کر لیں اور بے بسی سے انگلیاں مروڑنے لگی۔ پھر اٹھ پڑی۔ آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے۔

"بیٹھو ناں" چھپانے کے باوجود اپنے گلوگیر لہجے کو نارمل نہ رکھ سکا۔

اس نے چادر کے پلو سے آنکھیں صاف کیں اور ٹھہرے ٹھہرے انداز میں سانسیں بھر کر پلٹی "چلتی ہوں میں" اس نے کہا "صرف تم ہی نہیں میں بھی امتحان میں مبتلا ہوں۔ ایک ایسے

امتحان میں جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا ...... ہمیں اب اپنے اپنے وعدوں کا پاس رکھنا ہے۔ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں رہا۔ ہماری سانسوں پر کسی اور کا اختیار ہے" یہ کہہ کر وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔ اور میں کتاب کے ورقوں میں اپنا چہرہ چھپا چھپا کر ہچکیاں بھر بھر کر رونے لگا...... میں روتا رہا بہت رویا...... کہ ایک گداز نہایت مہرباں اور خلیق ہاتھ میرے کندھے پر محسوس ہوا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ آنسوؤں کی دھند کے پار ٹاہلی والی سرکار کا چہرہ دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔

"نہیں میرے بچے ایسا بالکل نہیں کرنا۔ یہ عشق کی آگ تجھے بھڑکا رہی ہے۔ اگر چہ عشق حقیقی عشق مجازی تک لے جاتا ہے مگر میرے بچے ...... تو وعدہ کر چکا ہے تو صرف ایک عشق کی راہ کا مسافر ہے تو امتحانوں میں سرخرو ہو گا تجھے آرزوئے زلیخا نصیب ہو گی مگر اس طرح نہیں" میں بے تابی سے محروم ایک بچے کی طرح بلکتا ہوا اٹھا اور ٹاہلی والی سرکار کے سینے سے لگ کر اپنے سینے میں اٹھنے والے طوفان کو مات دینے کی کوشش کی مگر آنسوؤں کی دھند کے اس پار جاتے ہی ٹاہلی والی سرکار کا وجود عنقا ہو گیا۔ "بابا...... سرکار" میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کاندھے پر ان کے ہاتھوں کا لمس میری آنکھوں کے سامنے ان کا شفیق چہرہ' ساعتوں میں ان کے الفاظ اور کمرے میں ان کے وجود کی مخصوص مہک کا احساس اس قدر قوی تھا کہ میں انہیں غائب پا کر بھی انہیں اپنے آس پاس پا رہا تھا۔

میں نصاب کی کتاب ایک طرف رکھ کر ہجر و وصل کی کتاب کو چپکے چپکے پڑھ رہا تھا۔ میری ہچکیاں فضا میں پھیل چکی تھیں اور آنسو اوس بن کر مجھے ہی بھگو رہے تھے۔ ٹاہلی والی سرکار کا احساس بھی مجھے اس بھیگے ہوئے ماحول میں شدت سے ہو رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے نرمے مجھے سمجھا کر جا بھی چکے تھے مگر میں ابھی تک کہیں کھویا ہوا تھا۔ یہ عشق اور وہم بھی کیا چیز ہوتے ہیں۔ اگر دل میں بس جائیں یا عقل میں پھنس جائیں انہیں نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر چہ مجھے واضح طور پر یہ سمجھایا جا چکا تھا کہ مجھے زلیخا کا خیال چھوڑ دینا ہو گا اور اسے بھول کر مجھے زبان بند رکھ کر اپنے ماحول میں جینا ہے لیکن یہ میرے لئے بڑا مشکل ہو رہا تھا۔ میں بے بس پرندے کی طرح کمرے میں چکر کاٹنے لگا۔ بہت چاہا بڑی کوشش کی کہ زلیخا کا چہرہ' اس کا خیال اور اس کی باتیں میرے ذہن سے نکل جائیں لیکن کوئی چارہ نہیں تھا۔

بالآخر میں کمرے سے نکل کر باغیچے میں چلا گیا۔ میں اپنی سوچوں کو ذہن کے کواڑوں سے باہر

جھٹکنے سے تو رہا۔ ایک ہی راستہ تھا خود کو دوسرے ماحول میں مصروف کر کے میں زلیخا کی یادوں سے فرار حاصل کر سکتا تھا لیکن یہ بھی دل کو سمجھانے کے لئے طفل تسلی ہی تھی۔ باغیچے میں کھڑا تھا کہ نظریں بے اختیار زلیخا کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ اس وقت چھجے میں کھڑی تھی اور خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نظریں چرا کر ایک پودے کے پیچھے چلا گیا۔ چند ثانیے بعد میرا دل مچلنے لگا اور میں پودے کے پتے ہٹا کر شاخوں کی اوٹ سے زلیخا کو دیکھنے لگا کہ معاً کسی نے دھیرے سے میرے کاندھے پر دستک دی

"کک...... کون" میں ہڑبڑا کر پلٹا تو ملک صاحب کھڑے تھے۔

"پتر یہاں کیا کر رہے ہو" وہ باغیچے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھنے لگے

"بس...... وہ چاچا جی" میں بوکھلا کر بولا "وہ ناں...... میرا دل گھبرا رہا تھا۔ اس لئے یہاں چلا آیا۔ وہ کیا ہے ناں...... مجھے پودوں سے بڑا پیار ہے دل گھبراتا ہے تو ان کے پاس آ جاتا ہوں بڑا سکون ملتا ہے"

"مگر پتر ابھی تو ادھر حبس ہے اس وقت پودوں کے نیچے نہیں بیٹھنا چاہئے"

میں کیا کہتا کہ میرے اندر تو اس سے بھی زیادہ حبس ہے۔ میرے بولنے سے پہلے ہی بولے

"پتر کچھ دنوں کے لئے میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ ادھر میں بری امام بھی جاؤں گا تم کبھی گئے ہو بری امام"

"ہاں...... گیا ہوں۔ کئی سال پہلے گیا تھا" میں نے کہا۔

وہ منہ میرے قریب لا کر سرگوشی کے انداز میں بولے "ادھر اسلام آباد میں میرا ایک پرانا دوست ہے اسے روحانیت اور تصوف سے عشق ہے۔ وظائف کرتا رہتا ہے۔ بڑا نیک آدمی ہے۔ اس کے مرشد بری امام کی پہاڑیوں میں رہتے ہیں تم نے بری امام کی پہاڑیوں میں اس غار کو دیکھا ہے جہاں بری امام سرکار عبادت و ریاضت کرتے تھے"

"نہیں...... میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سنا۔ کیا اس غار میں کوئی ہے" میں نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا

"سنا ہے۔ میں نے دیکھا نہیں۔ کہتے ہیں بڑی چھوٹی اور تنگ سی غار ہے۔ اس میں ایک انسان کیڑوں کی طرح رینگ کر اندر داخل ہو سکتا ہے۔ لوگ اس غار کو دیکھنے جاتے ہیں۔ میرے دوست شیخ امجد کے مرشد اس غار میں ریاضت کرتے رہتے ہیں"

"آپ کیوں جا رہے ہیں؟" میں نے پوچھا

"میں کیوں جا رہا ہوں" وہ آہ بھر کر بولے۔ ان کے چہرے پر دکھوں کی گھٹائیں چھا گئیں۔ زلیخا کے چھجے کی طرف نظریں اٹھا کر کہنے لگے "تم نے دیکھا ہے میری زلیخا کو کیا ہو گیا ہے۔ دیکھو میرے بچے۔ میں تمہیں اپنے بہت قریب سمجھتا ہوں۔ اس لئے کسی سے اس بات کا ذکر نہیں کر رہا۔ صرف تمہیں بتا رہا ہوں میں شیخ امجد کے مرشد سے مل کر تمہارے اس ریاض شاہ اور باباجی کے بارے میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے وہ ہماری کچھ مدد کر دیں"

"لیکن چاچا" میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ وہ بولے۔

"نہیں پتر...... ترے سوا میں کسی اور کو اس مقصد میں شریک نہیں کرنا چاہتا"

"نہیں میں تو یہ کہہ رہا تھا...... اگر ریاض شاہ اور باباجی کو معلوم پڑ گیا تو کیا ہو گا" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔ میں ٹاہلی والی سرکار سے یہ وعدہ کر چکا تھا کہ اب ریاض شاہ کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔ اس لئے تو زلیخا واپس آ گئی تھی۔ اس وقت میں نے بات کو چھپانا مناسب نہیں سمجھا اور ملک صاحب کو ٹاہلی والی سرکار سے ملاقات اور ان سے کئے ہوئے وعدے کے بارے بتا دیا۔ میری بات سن کر وہ خاموش ہو گئے۔

"لیکن پتر جی" وہ کہتے کہتے رک گئے۔ چند ثانئے بعد بولے

"تو نے وعدہ کیا تو میں اس کی لاج رکھوں گا لیکن میں اپنے خاندان کو تباہ و برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ریاض شاہ نے میرے گھر کا تنکا تنکا اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ایک صرف میں ہوں اور ایک تو۔ باقی سب کی عقلوں پر تو پردہ پڑ چکا ہے" میں انہیں کیا بتاتا کہ میری عقل تو کب سے ماری جا چکی ہے۔ جس دشت کی سیاحی کو میں نکلا تھا اس میں تو دور دور تک کسی صحیح سمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انسان مجنوں کی طرح بھاگتا پھرتا رہتا ہے اور منزل کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس راہ میں عقل محو حیرت رہتی ہے۔ اس کے کرنے کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ عقل تو ایک ضعف زدہ بوڑھے کے جسم جیسی ہوتی ہے جو کانپتی اور ہانپتی رہتی ہے۔ کیونکہ...... کیونکہ...... وہ جو کچھ دیکھتا ہے ایک انہونی، غیر حقیقی بات سامنے آتی ہے۔ عقل سے ماورا...... وہ اسرار کے پردوں میں لپٹی اس مخلوق اور اس دنیا کی وسعتوں کو پرکھنے اور ماپنے سے عاجز آ جاتی ہے۔ اس راہ میں عقل دو کوڑی کی نہیں رہتی۔

"ٹھیک ہے...... میں آپ کو نہیں روکوں گا۔ میرے پیپر ختم ہونے والے ہیں۔ میں اب گھر

واپس چلا جاؤں گا"

"جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تو کہیں نہیں جائے گا" ملک صاحب نے کہا

دن ڈھل رہا تھا۔ میں اور ملک صاحب خاصی دیر تک باغیچے میں ہی باتیں کرتے رہے۔ زلیخا چھجے سے ہٹ چکی تھی۔ شام ہونے کو تھی جب میں کمرے میں واپس آیا اور مردہ ہاتھوں سے کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔ مغرب کی اذان ہوئی تو میں نے کتاب چھوڑی۔ نماز پڑھی اور دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ آدھ گھنٹہ بھی نہ گزرا ہو گا۔ نوکر نے آ کر بتایا کہ ایک بوڑھی عورت اور مرد اپنی بیٹی کے ساتھ شاہ صاحب کے پاس آئے ہیں اور مجھے بلا رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا بلقیس آئی ہو گی۔ میں جلدی سے شاہ صاحب کے کمرے میں پہنچا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ بلقیس کی حالت خاصی بگڑی ہوئی تھی۔ بال اڑے ہوئے تھے اور چہرہ کسی اپاہج بوڑھے کی طرح عجیب سے انداز میں بگڑا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی چلائی۔

"یہی ہے...... یہی ہے۔ میں اسے مار ڈالوں گی۔" بلقیس کسی آفت زدہ گدھ کی طرح مجھ پر جھپٹی

"رک جاؤ...... اس لکیر کو پار کیا تو ماری جاؤ گی" ریاض شاہ نے گرجدار آواز میں میرے اور بلقیس کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی۔

بلقیس چلائی "بڑا دیکھا ہے میں نے تری لکیروں کو" یہ کہہ کر وہ لکیر پار کر گئی اور اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوا۔ اس وقت تک میں صورتحال کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ مجھے سمجھ بھی نہیں آ رہی تھی کہ بلقیس کو اچانک کیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے یوں پکڑ لیا تھا جیسے چیل جھپٹا مار کر چوزے کو اٹھاتی ہے۔ اس نے اتنے زور سے مجھے اٹھا کر فرش پر پٹخا تھا کہ میرے لبوں سے کربناک چیخ نکل گئی اور لگا جیسے بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ شاہ صاحب اس کو پکڑتے وہ میرے سینے پر سوار ہو گئی اور میرے چہرے پر دونوں ہاتھوں کے ناخن میخوں کی طرح گاڑھ کر ہذیانی انداز میں چلائی

"میں اپنی پیاس ترے خون سے بجھاؤں گی۔ ترا سرخ سرخ خون پیوں گی" نیچے گرنے سے میرا سر گھوم رہا تھا۔ چہرے میں اس کے ناخن اترتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس میں اتنی قوت آ گئی تھی کہ مجھے لگا میں منوں ٹن وزنی پتھر کے نیچے دب گیا ہوں۔ یہ سب کچھ لمحوں میں ہو گیا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ بلقیس کے اندر کوئی طاغوتی قوت داخل ہو چکی ہے۔

میرے چہرے سے خون پھوٹنے لگا تھا۔ اس نے ناخنوں پر لگے خون کو چاٹ لیا اور استہزائی انداز میں قہقہے لگانے لگی۔ ''بڑا میٹھا ہے ترا خون۔ مزہ آ گیا۔ مزہ آ گیا'' وہ سر لہرا لہرا کر قہقہے لگانے لگی۔ اس لمحے مجھے یہ چند لمحے صدیوں پر بھاری لگے۔ میں نے چلانا چاہا مگر میری آواز حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔ وہ میرے چہرے پر ناخن مار مار خون نکالتی اور انگلیاں چاٹنے لگتی۔ مجھے لگا جیسے ریاض شاہ مجھے یونہی تڑپتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ بلقیس کے اندر طاغوتی قوت اس سے بھاری تھی جو اس کی کھینچی ہوئی لکیر پار کر گئی تھی۔ میں سخت اذیت میں تھا اور ماہی بے آب کی طرح مچلنے لگا۔ کوئی بھی تو آگے نہ بڑھ رہا تھا

''بڑا مزہ آ رہا ہے۔ واہ بڑا مزہ آ رہا ہے'' بلقیس کا جنون بڑھتا جا رہا تھا اور میرے ذہن پر اب اندھیرا چھانے لگا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے دم نکلنے کو اب کچھ ہی سمے رہ گیا تھا۔ میرے ذہن سے ہر کسی کا تصور مٹتا جا رہا تھا کہ یکایک دروازہ کھلا اور ایک مانوس چیختی چلاتی آواز میرے تصور کو زندہ کرتی ہوئی رگ و پے میں داخل ہو گئی۔

''شاہد......'' یہ زلیخا تھی۔ یہ آواز میرے بہت قریب سے آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ بلقیس نے زور سے چیخ ماری تھی اور الٹ کر پیچھے گر گئی تھی۔ میرے سینے سے بوجھ اترا تو سکون کی ایک لہر سی محسوس ہوئی لیکن میرا سارا چہرہ جلنے لگا تھا جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا لیکن میں جلد ہوش میں آ گیا۔

میں نے دیکھا زلیخا کے ہاتھ میں بڑا سا ڈنڈا تھا۔ وہ بلقیس کے سر پر کھڑی تھی اس نے زور سے ڈنڈا بلقیس کی ٹانگوں پر مارا وہ بلبلانے لگی۔ ''خون پیئے گی تو اس کا...... لے پی...... اب اپنا خون چاٹ لے'' بلقیس کے سر سے خون نکل کر اس کے چہرے پر بہہ رہا تھا۔ بلقیس کی ماں اور اس کے باپ نے آگے بڑھ کر زلیخا کو روکنا چاہا تو وہ دھاڑی ''ڈائن اس کا خون پی رہی تھی تو تب تم آگے نہیں بڑھے۔ اب بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ پیچھے ہٹ جاؤ تم''

''زلیخا...... بس کرو یہ مر جائے گی'' اس لمحہ ریاض شاہ نے زلیخا کے ہاتھ سے ڈنڈا چھین لیا۔ زلیخا نے قہر بھری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر میرے پاس بیٹھ گئی۔ اپنے دوپٹے کے پلو سے میرا چہرہ صاف کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن میرے چہرے سے خون بہتا دیکھ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اٹھو کمرے میں چلو۔ میں دوا لگاتی ہوں'' اس کے لہجے میں اتنا پیار اور جذباتیت تھی کہ

میں کسی سحر زدہ انسان کی طرح اس کے ایک اشارے پر اٹھا۔ اس نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔ سامنے سے ملک صاحب آ رہے تھے۔ اپنے والد کو دیکھ کر زلیخا ایک لمحے کے لئے جھجکی لیکن اس نے میرا بازو نہیں چھوڑا۔

''کیا ہوا ہے اسے'' ملک صاحب نے میرے چہرے کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ میں نے ہانپتے ہوئے انہیں صورتحال بتائی۔

''اوہ...... میرے اللہ...... میری حویلی تو اب آسیب زدہ لوگوں کا مقبرہ بن جائے گی'' ملک صاحب لاچارگی اور غصے کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ بولے ''بیٹی تو اسے دوا لگا دے۔ میں دیکھتا ہوں اندر کیا ہو رہا ہے''

''نہیں...... آپ نہیں جائیں گے'' میں نے انہیں روک دیا۔ بس یہ اتفاقاً ہوا ہے۔ اس لمحے میرے دل سے آواز اٹھی۔ یہ اتفاق بھی بڑا حسین اور مہربان ہے۔ چلو اچھا ہوا۔ زلیخا میرے اندر کے گھاؤ سے رستے خون کو تو صاف نہیں کر سکی۔ میرے آنسوؤں کو نہیں پونچھ سکی۔ اس بہانے آج اس کی محبتیں اور چاہتیں کھل کر سامنے آ گئی ہیں۔ مسیحائی ہاتھوں سے وہ میرے زخموں کو صاف کر رہی ہے۔ اچھا ہی ہوا ناں...... عشق کے مارے ایک گرفتہ حال دل کو ایسے مسیحا لمحے بہت اچھے لگتے ہیں۔ سو مجھے بھی یہ اتفاقیہ حادثہ بہت بھلا محسوس ہوا۔ زلیخا نے میرے چہرے پر دوا لگائی اور بولی ''اب تم آرام کرو'' اس کا لہجہ ایک تندرست اور باہوش لڑکی سے متعارف کرا رہا تھا۔

''زلیخا...... تم اچانک کمرے میں کیسے آ گئی اور یہ سب''

''میں نہیں جانتی...... نہ جانے میں کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ تمہاری چیخ سنی تو مجھے لگا جیسے...... جیسے'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''جیسے...... جیسے'' میں خوشگوار انداز لئے اس سے مخاطب ہوا ''کہو ناں جیسے...... کیا ہوا''

''کک...... کچھ...... نہیں'' وہ شرما گئی۔ اس کا شرمانا مجھے بہت اچھا لگا۔ اس کے گداز، ریشمی مخروطی ہاتھوں پر خون لگا ہوا تھا۔ مجھے بڑا بھلا لگا۔

میں نے کہا ''زلیخا تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگی ہے''

اس نے چونک کر ہاتھ دیکھے ''نہیں تو''

''یہ کیا ہے'' میں نے اشارہ کیا۔

''یہ......خون کے دھبے ہیں'' اس نے فوراً روئی پکڑی اور صاف کرنے لگی

''رہنے دو......رہنے دو......زلیخا......میں ترے ہاتھوں میں مہندی نہیں رچا سکا میرے خون کے یہ قطرے سمجھ لو......مہندی کا رنگ لئے ہیں۔ مہندی بھی تو ارمانوں کے خون سے رنگین ہوتی ہے''۔ میرا لہجہ بھرا گیا۔ ایک بار پھر میں زلیخا کے سامنے خود کو بکھرتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ اس نے روئی پھینک دی اور اپنے ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیئے۔

''لگا دو مہندی......میں کب چاہتی ہوں تم اپنے خون سے میری مانگ اور سیندور کھینچو'' زلیخا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''زلیخا......میری زلیخا'' میں نے بے قرار ہو کر اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ معاً عقب سے چاچی کی آواز آئی۔

''زلیخا......زلیخا......کیا ہوا میرے پتر کو'' چاچی ہانپتی ہوئی میرے پاس آ گئیں۔ میرا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولیں ''ماں صدقے زیادہ خون تو نہیں نکلا''

''نہیں......زلیخا نے دوا لگا دی ہے۔ اب بہت سکون ہے'' میں نے کن اکھیوں سے زلیخا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''زلیخا تو ڈاکٹرانی لگتی ہے مجھے'' میری بات سن کر وہ شرما گئی۔

''ہاں پتر......اس کے ہاتھوں میں جادو ہے جادو میرے اور تیرے چاچا جی کے سر میں جب بھی درد ہوا ہے اس نے جب بھی دبایا درد منٹوں میں غائب ہو گیا''

''لیکن ماں......میرا درد میرے ہاتھوں سے دور نہیں ہوتا'' زلیخا مسکراتے ہوئے بولی۔ کئی دنوں بعد اس کو یوں ہنستے ہوئے دیکھا تھا

''کچھ لوگ صرف فیض دینے کے لئے پیدا ہوتے ہیں'' میں نے کہا تو چاچی جھٹ سے بولیں

''جیسے پتر موچی کی اپنی جوتی ٹوٹی رہتی ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہوتا ہے۔ اب تم اپنے شاہ صاحب کو دیکھ لو دوسروں کو نیکی کا پرچار......خود خر کار......بس یہ نصیب کی بات ہے جو دوسروں کا دکھ بانٹتے رہتے ہیں، جن کے ہاتھ دوسروں کے لئے اٹھے رہتے ہیں، وہ خود اپنے دکھوں کو ختم نہیں کر سکتے اور نہ اپنی خالی جھولی بھر سکتے ہیں۔ یہ تو داتا کی دین ہے۔ وہ چاہے تو بانٹنے والے ہاتھوں کو بھی سکھ چھاؤں دے نہ دے تو نہ دے۔ اس سے کیا گلہ''

''ماں......میری سوہنی ماں'' زلیخا نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ مدتوں بعد مجھے بہت سی چیزیں اچھی لگنے لگی ہیں۔ ایسے لگ رہا ہے جیسے میں آزاد تتلی ہوں۔ ساری دنیا میرے

اندر بس گئی ہے۔ مجھے بہت بھلا لگنے لگا ہے ماں......نہ جانے کیسے۔ اچانک صرف ایک آدھ دن میں۔ اس لئے اب میرے سامنے ایسی کوئی بات نہ کرنا کہ میں پھر مایوسیوں اور دکھوں کے کنویں میں گر جاؤں''

''ماں صدقے واری......کنویں میں گریں ترے دشمن۔ تو خوش رہے گی تو یہ سارا گھر خوش رہے گا میری بچی۔ تجھے خوش دیکھ کر میں دوبارہ جی پڑی ہوں'' چاچی اس کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہہ رہی تھی ''شاہد پتر......میں نے تجھ سے ایک بات کرنی ہے......لیکن نہ جانے وہ بات کرتے ہوئے میرے ہونٹ کیوں بند ہو جاتے ہیں۔ دل تو بہت کرتا ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں آتی کیسے کہوں'' وہ زلیخا کا سر اپنے کندھے کے ساتھ تھپتھپانے لگی۔ چاچی کی بات سن کر نہ جانے میرے دل میں میٹھا میٹھا سا درد کیوں جاگنے لگا تھا۔ نہ جانے کیوں۔ لہجے بھی تو من کی باتیں ہوا میں اچھال دیتے ہیں۔

''ماں'' وہ شوخ سی ہو کر کہنے لگی ''میں تو کہتی ہوں آج جو کہنا ہے کہہ دے۔ کل ہو نہ ہو۔ آج تو ہے ناں۔ اس لئے میرے سامنے ہی کہہ ڈال''۔

''ہائے میری بچی'' چاچی کو اس کی اداؤں پر پیار آ رہا تھا۔ ممتا کی ماری نے نہ جانے کتنے برسوں تک بیٹی کے سوگوار چہرے کو دیکھا تھا۔ آج خوشی اور ترنگ دیکھ کر وہ بار بار اس پر واری جا رہی تھی۔

''ترے سامنے تو نہ کہوں گی'' چاچی کہنے لگی ''تو جا......پھر کہوں گی''

''ماں'' وہ مصنوعی خفگی بھرے لہجے میں اس کو آنکھیں دکھانے لگی۔ ''ایسی کون سی بات ہے جو مجھے نہیں بتانا چاہتی''

''جاناں......چل تو......تجھے بھی بتا دوں گی۔ ویسے تو بنتی بڑی بھولی ہے جتنی ہے میں جانتی ہوں۔ تو اچھی طرح جانتی ہے میں کیا کہنا چاہتی ہوں''

''ہیں......ماں......کیا کہا......میں جانتی ہوں'' وہ مچل اٹھی۔ نٹ کھٹ انداز لئے بولی

''اچھا وہ کون سی بات ہو سکتی ہے جو میں جانتی ہوں لیکن سمجھ نہیں پا رہی۔ لیکن ماں تو سمجھتی ہے کہ میں سب جانتی ہوں لیکن وہ بات ہے کیا......ہائے میرے ربا......یہ کیسی پہیلی ہے''

''اچھا تو اندر جا''

''میں تو نہ جاؤں'' زلیخا ماں کے بازو سے لپٹ گئی

''میرے سامنے کرو بات''

''دیکھا ہے شاہد پتر...... اب میں تیرے ساتھ اس کے سامنے اس کی بات کیسے کروں۔ اسے تو شرم نہیں آ رہی، ہنستے ہوئے، لیکن مجھے تو لاج ہے ناں...... بھلا کوئی ماں بیٹی کے سامنے ایسی بات کہہ سکتی ہے۔'' چاچی نے نہ کہتے ہوئے بھی وہ بات کہہ دی جو وہ کہنا چاہ رہی تھی۔ اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ مجھے شرم آ گئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ زلیخا نے ایک بار تو چونک کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں ہزاروں شمعیں جل اٹھی تھیں۔ وہ نظریں اپنی ہتھیلیوں پر مرکوز کر کے دھیرے دھیرے سے مسکرانے لگی۔ ساری بات سمجھ جانے کے باوجود میں نے جان بوجھ کر بدھو بن کر کہا۔

''چاچی...... کیسی بات کرنی ہے آپ نے...... میں سمجھا نہیں'' میں نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی

''ہیں کیا تم سمجھے نہیں ابھی'' چاچی نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ زلیخا کے ماتھے پر بل پڑ گئے

''نہیں'' میں نے کہا

''تو نہیں سمجھا تو نہ سمجھ۔ میں تو سمجھی تھی تم بہت کچھ سمجھ چکے ہو گے لیکن مجھے کیا معلوم تھا نرے بدھو ہو'' چاچی کے لہجے میں شوخی برقرار تھی۔ ''اب یہ بات میں تمہاری والدہ کو سمجھاؤں گی''

''کک کیا...... خدا کے لئے ایسا نہیں کرنا۔ امی کو پتہ چل گیا کہ حویلی میں میرے ساتھ کیا ہوا ہے تو وہ جوتے مار مار کر کھال اتار دیں گی'' میں جلدی سے بولا

''اچھا ہے۔ میں کہوں گی چار جوتے ہمارے نام کے بھی لگا دیں چاچی'' زلیخا بولی ''شاید کھال تو نہ اترے کم از کم دماغ تو ٹھکانے آ جائے گا'' اس کی بات سن کر میں ہنس دیا

''چاچی...... بہتر ہے آپ امی سے مل کر بات کر لیں'' میں نے شرماتے ہوئے کہا اور اٹھ پڑا ''لیکن چاچی...... یہ لڑکی بڑی خونخوار ہے۔ ڈنڈا ہاتھ میں پکڑے تو سر کھول کر رکھ دیتی ہے۔ مم...... میں تو ناحق مارا جاؤں گا'' یہ کہہ کر میں جلدی سے باہر نکل گیا۔ عقب میں زلیخا اور چاچی کے ہنسنے کی آوازیں آتی رہیں

میں کمرے میں پہنچا اور بستر پر دراز ہوگیا۔ میرے ذہن پر چاچی کی باتوں سے بہت خوبصورت تصور پھیلتا جا رہا تھا۔ ''کاش ایسا ہو جائے'' میں خوشگوار تصورات کو حقیقت میں

بدلنے کی دعا کرنے لگا۔ لیکن پھر کیا ہوا کہ دعا کرتے کرتے میرے دل میں ایک وہم جڑ پکڑ گیا ''زلیخا تمہاری نہیں ہوسکتی۔ وہ تم جیسے انسانوں کے قابل نہیں ہے اس پر کسی اور کا حق ہے تمہیں اس کے حق سے دستبردار ہونا ہوگا''

''نہیں...... میرے مولا...... یہ سب کیا ہے۔ میرے مولا مجھے اس فریب سے نکال دے۔ زلیخا میرے قابل ہے۔ اس کو مجھ سے چھیننے کے لئے یہ سارا ڈرامہ کیا جا رہا ہے''

باباجی ٹاہلی والی سرکار کے ساتھ عہد و پیماں اور باتیں ایک ایک کر کے میرے سامنے آنے لگیں۔ سبھی نے مجھے باور کرایا تھا کہ زلیخا صرف اور صرف ریاض شاہ کی ہوسکتی ہے۔ وہ باباجی کی امانت ہے باباجی نے اسے بیٹی بنایا ہے۔ وہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی۔ یہ باتیں یاد آنے سے میری وحشت بڑھنے لگی۔ میرا پورا بدن پسینے میں بھیگ گیا۔ میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس دوران دروازہ کھٹکا۔

''کون'' میں نے بے اختیار ہو کر پوچھا

''میں ہوں بلقیس''

''بلقیس...... یاالٰہی...... یہ پھر آ گئی'' میرا سر گھومنے لگا اور کچھ وقت پہلے کا منظر میرے ذہن میں تازہ ہوگیا۔ اس کا بگڑا ہوا چہرہ ہاتھ میرے خون میں بھیگے ہوئے...... اب وہ میرے کمرے میں آنا چاہتی تھی۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

میں نے دروازہ کھولنے میں تردد سے کام لیا۔

''شاہد صاحب۔ خدا کے لئے دروازہ کھولیں'' بلقیس روہانسی ہو کر بولی

''اب کیا لینے آئی ہو'' میں بے اختیار ہو کر اپنی گردن اور چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ میرے زخموں سے ابھی تک ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ بلقیس کی آواز سن کر تو سارے زخم تازہ ہو گئے ''شاہ صاحب کہاں ہیں'' میں نے دروازے کھولے بغیر پوچھا

''اپنے کمرے میں ہیں...... آپ دروازہ کھولیں۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں''

''اگر ٹھیک ہوگئی ہو تو اپنے گھر چلی جاؤ'' میں نہ جانے دروازہ کھولنے سے کیوں کترا رہا تھا

''وہ تو میں جا ہی رہی ہوں۔ لیکن آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔ میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں'' اس کی آواز میں لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی

''جاؤ جاؤ میں نے معاف کر دیا'' میں نے کہا تو وہ پھر بھی دروازہ کھلوانے پر بضد رہی

"یا اللہ" میں بڑبڑایا "کہیں یہ لڑکی جھوٹ تو نہیں بول رہی۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو یہ پھر مجھ پر جھپٹ پڑے گی" میں سوچنے لگا لیکن پھر ایک قوت میرے اندر بیدار ہوئی شاید کسی نے مجھے کچھ یاد دلایا تھا۔ میں نے اپنی حفاظت کے لئے وظیفہ پڑھ کر خود پر پھونک ماری اور دروازہ کھول دیا۔

بلقیس کی حالت اب معمول پر آ چکی تھی لیکن چہرہ ابھی تک زرد تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔

"میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ مجھے معاف کر دیں۔ یہ سب انجانے میں ہوا ہے" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں

"انجانے میں" مجھے غصہ آ گیا "میرا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے تو نے اور کہتی ہو انجانے میں ہوا ہے۔ اللہ کی پناہ۔ میرا خون مزے لے کر چاٹتی رہی ہو۔ اب کہتی ہو انجانے میں ہوا۔ تم انجانے میں مجھے بوٹی بوٹی کر کے ہڑپ کر جاتی اور پھر میری ہڈیوں پر بیٹھ کر آنسو بہا بہا کے معافیاں مانگ کر خود کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتی" میں بولتا ہی چلا گیا۔ وہ روتی رہی۔ ہاتھ جوڑ کر، رو رو کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن میرے دماغ کی "فرکی" گھوم چکی تھی۔ میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ خود مجھے اپنی حالت کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ شکر ہے اس وقت کسی نے میری آواز نہیں سنی تھی۔ ورنہ ایک اور تماشا لگ جاتا۔ میں نے بلقیس کو سخت الفاظ میں واپس جانے کے لئے کہا لیکن وہ مجھ سے زیادہ ضدی تھی۔ روتی ہوئی فرش پر بیٹھ گئی۔

"جب تک معاف نہیں کریں گے نہیں جاؤں گی۔ ادھر یہیں بھوکی پیاسی مر جاؤں گی"

"بی بی...... مرنا ہے تو باہر جا کر مرو میرے سر چڑھ کر کیوں مرنا چاہتی ہو"

خاصی دیر گزر گئی۔ میرا غصہ بھی اترنے لگا اور میں پھر ہانپتا ہوا چارپائی پر بیٹھ گیا۔ دماغ ٹھنڈا ہونے پر احساس ہوا کہ میں نے بلقیس کو بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ وہ فرش پر گھٹنوں میں سر دیئے سسکیاں بھر رہی تھی۔ مجھے اپنے آپ سے ندامت محسوس ہونے لگی۔

"بلقیس" میں خجالت آمیز لہجے میں بولا "معاف کرنا مجھے پتہ ہی نہیں چلا...... تمہیں کیا کچھ کہہ گیا ہوں"

اس نے نظریں اٹھائیں۔ آنکھیں متورم ہو رہی تھیں لیکن اس کا چہرہ پھر بھی کھل اٹھا۔

"آپ نے مجھے معاف کر دیا"

"بھئی...... اب معافی کیسی حساب برابر ہو گیا۔ اب تو میں بھی معافی کا طلب گار ہوں" میں پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ مسکرایا "مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا خیر یہ بتاؤ کہ مجھے دیکھتے ہی تمہیں غصہ کیوں چڑھ گیا تھا"

"مجھے غصہ تو نہیں آیا تھا۔ میں تو اس کے قبضے میں تھی" وہ کہنے لگی

"کس کے" میں نے پوچھا

"وہی جو مجھے برباد کر رہا ہے" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولی "یہ مکھن شاہ کی چھوڑی ہوئی جن زادی ہے۔ جو مجھے اکساتی رہتی ہے۔ کہتی ہے میں مکھن شاہ کی ملنگنی بن جاؤں۔ پہلے مجھ پر ایک جن آتا تھا۔ مکھن شاہ نے اسے اتار دیا لیکن مکھن لگا کر اس نے جن زادی کو مجھ پر سوار کر دیا"

"لیکن اس کی میرے ساتھ کیا دشمنی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ باؤلی کیوں ہو گئی تھی"

"میرا خیال ہے آپ ہمیں مکھن شاہ کے آستانے سے لے جا کر یہاں لے آئے تھے۔ اس نے یہ حملہ حسد کی وجہ سے کرایا"

"اوہ...... میں سمجھ گیا...... سمجھ گیا" میں پرخیال انداز میں سوچنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے مکھن شاہ نے مجھے اپنی ہٹ لسٹ پر رکھ لیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں اسے اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا" میرے اندر کوئی انتہائی جوش کے عالم میں عہد کر رہا تھا۔ "مکھن شاہ...... اگر تم اپنی سفلی طاقتوں کے گھمنڈ میں مبتلا ہو تو میرے ساتھ میرا اللہ ہے۔ دیکھتا ہوں تم اب مجھ پر کیسے حملہ کرتے ہو"

"اب طبیعت کیسی ہے" میں نے پوچھا

"بہتر ہوں...... شاہ صاحب نے مجھے تعویذ دیا ہے۔ کہتے ہیں اب کچھ نہیں ہو گا۔ انہوں نے تین دن بعد دوبارہ آنے کے لئے کہا ہے"

"اللہ خیر کرے گا انشاء اللہ تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔ میں نے اسے تسلی دی" اب تم جاؤ"

"جاؤں" نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں...... اب جاؤ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اور اب اچھے بچوں کی طرح گھر میں رہنا ہے اور خوب پڑھنا ہے۔ شاہ صاحب نے تعویذ دیا ہے تو تم جلد ٹھیک ہو جاؤ گی"

"اچھا...... میں چلتی ہوں" اس کا لہجہ نہ جانے کیوں اداس ہو گیا۔ نظریں میرے چہرے پر مرکوز کئے وہ الٹے قدموں دروازے کی طرف بڑھنے لگی

"ارے یہ کیا...... سیدھی رخ ہو کر جاؤ ناں" میں نے ہنستے ہوئے کہا

"میں جاتی ہوں" اس کا لہجہ بدستور اداس تھا

"کیا بات ہے لگتا ہے تمہاری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی" میں نے پوچھا

"ٹھیک تو ہوں...... مگر" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی

"آؤ میں چھوڑ آؤں" میں نے اسے ساتھ لیا اور باہر والے کمرے میں لے آیا۔ اس کے ماں باپ بھی اس کی حرکت پر مجھ سے معافیاں مانگنے لگے۔

میں نے کہا "اس بے چاری کا کیا قصور تھا۔ شکر کریں یہ جلدی قابو میں آ گئی۔ ورنہ نہ جانے یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتی" میں نے خوشگوار لہجے میں کہا اور پھر انہیں حویلی کے باہر تک چھوڑ آیا۔ وہ تانگہ لے کر آئے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ بلقیس یکدم خاموش ہو گئی تھی اور بار بار چپکے چپکے میری طرف دیکھ لیتی تھی۔ اللہ حافظ کہہ کر میں ریاض شاہ کے پاس گیا۔ وہ تھیلے سے کوئی شے نکال رہا تھا۔

"آ گئے...... اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر" وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا مجھے غصہ آ گیا

"شاہ صاحب...... آپ نے اچھا نہیں کیا"

"میرے چاند...... میں کیا کرتا مجھے موقع ہی نہیں ملا بڑی تیزی سے اس نے وار کیا تھا" ریاض شاہ نے میرے غصہ کو انجوائے کرتے ہوئے کہا "دیکھا بے چاری کو اب تم پر کتنا رحم آ رہا تھا"

"رحم نہیں افسوس ہو رہا تھا" میں نے کہا

"ہوش میں آنے کے بعد جب اسے بتایا کہ تم نے شاہد میاں کا کیا حال کر دیا تھا تو پریشان ہو گئی۔ کہنے لگی میں تو اب ان سے ملوں گی۔ مجھے تو کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے"

"کیسی گڑبڑ" میں نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا

"اس کے دل میں تمہارے لئے ایک جذبہ پیدا ہوتا ہوا محسوس کیا ہے میں نے" ریاض شاہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

"خبردار...... خبردار...... دیکھیں شاہ جی۔ بالکل نہیں۔ ایسی بات نہیں کرنی۔ بڑی معصوم

لڑکی ہے۔ اس کی شرمندگی کو کسی اور جذبہ سے منسوب نہ کریں" میں نے ناراضگی کے ساتھ کہا

"پہلے اس پر جن سوار تھے۔ وہ تو اتر گئے۔ یہ مکھن شاہ کی چھوڑی اس کی موکلہ ہے۔ یہ بھی دفعان ہو جائے گی لیکن مجھے ڈر ہے اگر اس پر عشق کا بھوت سوار ہو گیا تو کیا بنے گا۔ نہ بابا۔ مجھ سے یہ بھوت نہیں اتارا جائے گا" اس روز ریاض شاہ بہت زیادہ خوشگوار دکھائی دے رہا تھا۔

"شاہ صاحب...... یہ زیادتی ہے۔ آپ جانتے ہیں...... میں" میں کہتے کہتے رک گیا۔

"بولو...... رک کیوں گئے" ریاض شاہ کی آنکھیں میرا تمسخر اڑا رہی تھیں۔ "کیا میں نہیں جانتا۔ مجھے اب بتاؤ گے کہ تم ان جذبوں سے ناآشنا ہو"

میں کچھ نہ بولا کہنے لگا "اپنے وعدے کا پاس رکھنا شاہد میاں۔ آگ میں کودو گے تو جل جاؤ گے"

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں" میں نے اپنے لہجے کی ناگواری کو محسوس کرائے بغیر بمشکل کہا "سمجھا رہا ہوں۔ تم نے جن بزرگوں کے سامنے وعدہ کیا تھا اسے نبھانا ہے تمہیں" ریاض شاہ کی آنکھوں میں اب سرخ ڈورے نظر آنے لگے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے کس آگ میں کودنے سے باز رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔ اس نے زلیخا کو جس والہانہ انداز میں مجھے بلقیس سے بچاتے ہوئے دیکھا تھا وہ اس کے لئے ناقابل برداشت منظر تھا۔ زلیخا کے جذبات کھل کر سامنے آ گئے تھے ریاض شاہ جیسے شاطر اور گہرے آدمی سے یہ سب کیسے چھپا رہ سکتا تھا۔

"شاہ صاحب...... آپ جانتے ہیں میں ایک محتاط انسان ہوں۔ اپنے وعدے نبھاتا ہوں لیکن آپ مجھے دھمکیاں نہ دیا کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ مجھے سمجھا رہے ہیں یا ڈرا رہے ہیں۔ میں آج آپ کو ایک بات عرض کر دینا چاہتا ہوں" میں نے سنبھلتے ہوئے اپنی جبلت کا اظہار کرنا مناسب سمجھا۔ "میں ایک حد تک برداشت کرتا ہوں۔ جب میرا پندار صبر لبریز ہو جاتا ہے تو پھر میں نفع نقصان نہیں دیکھتا۔ اس سے مجھے زندگی اور موت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ میں ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہوں لیکن جب میری توہین کی جائے اور مسلسل یہ رویہ اختیار کیا جائے تو میرا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے بزرگوں سے

جو وعدہ کیا ہے اسے کیسے نبھانا ہے لیکن میں آپ سے بھی ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ آگ کو بھڑکائیں نہیں۔ آگ کو جگہ جگہ نہ پھیلائیں۔ اکثر اوقات اپنی جلائی آگ میں اپنا دامن اور ہاتھ بھی جل جاتے ہیں۔ یہ مکافات عمل ہے۔ ہاں اس میں دیر سویر ہو جاتی ہے لیکن یہ ہوتا ضرور ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی انسان نے شیطانیت کا لبادہ اوڑھا ہے، اس نے آسمانوں پر اپنا تخت بچھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا پردہ چاک ہوا ہے اور وہ زمین کی پستیوں میں آکر دفن ہو گیا ہے'' میں بولتا چلا گیا۔ ریاض شاہ کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور چلے گئے لیکن وہ اپنے جذبات کو چھپانے کی قدرت رکھتا تھا۔

''بول لیا...... بس...... دیکھو تم میرے بھائی ہو مجھے تم سے بڑی محبت ہے۔ کوشش کروں گا کہ تمہاری بدگمانیاں ختم کر دوں۔ لو...... صلح۔ آج کے بعد میں تمہیں دھمکی نہیں دوں گا۔ اگر کوئی ناگوار بات لگے گی تو پیار سے سمجھا دیا کروں گا'' ریاض شاہ نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا'' آؤ میں تمہارے زخموں پر مرہم لگا دوں''

''شکریہ دوا تو لگالی ہے'' میں نے کہا

''جانتا ہوں کہ تم دوا لگا چکے ہو لیکن چندا...... یہ زخم اس دوا سے ٹھیک نہیں ہوں گے۔ یہ تو سحری زخم ہیں۔ شاید تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ جب کسی سحر زدہ انسان کے اندر طاغوتی و شیطانی جنس ہلچل مچاتی اور قہر میں آکر کسی کو زخمی کرتی ہے تو اس کے دیئے زخموں میں عملیاتی زہر اتر جاتا ہے۔ اسی لئے ہم لوگوں نے ایک عملیاتی دوا بنائی ہوتی ہے۔ بعض اوقات کوئی کیس کرتے ہوئے ہمیں ہاتھا پائی ہونا پڑتا ہے اور کوئی زخم آ جائے تو ہم یہ دوا لگاتے ہیں۔ مجھے یہ دوا باباجی سرکار نے بنا کر دی تھی'' ریاض شاہ نے ایک ڈبیہ سے سفید سفوف نما دوا نکال کر میرے زخموں پر لگا دی۔ دوا کے لگتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ٹھنڈی شے زخموں پر رکھ دی گئی ہے۔ پورے بدن میں راحت آمیز ٹھنڈک کا احساس ہوا اور میرے ذہن پر چھایا اضمحلال ختم ہو گیا۔ میں شاہ صاحب سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن میں نے اپنے امتحان کی تیاری کی خاطر اس وقت ان سے کچھ سوالات نہ کئے۔

میں کچھ دیر بعد دوبارہ کمرے میں چلا گیا۔ دوا لگنے سے ذہن تازہ ہو گیا تھا۔ کتاب کھول کر اسباق دیکھنے لگا اور پھر کتاب پڑھتے پڑھتے ہی مجھے نیند نے آ لیا۔ میں بہت گہری نیند سویا تھا لیکن ایک خواب نے میری نیند منتشر کر دی۔ خواب انتہائی خوفناک تھا۔ جب اس

سے بیدار ہوا تو احساس ہوا کہ خواب کی دہشت تو مجھ پر ابھی تک طاری ہے۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں فضا میں اڑتا چلا جا رہا ہوں۔ ہرے بھرے کھیت' گاؤں' پہاڑ' آبشاریں اور شہروں کے اوپر سے اڑتا بادلوں میں تیرتا انتہائی مسرور دکھائی دیتا تھا۔ پھر میں ایک بلند عمارات والے شہر کے اوپر پہنچتا ہوں کہ یکا یک ایک اژدھا میرے پیچھے لگ جاتا ہے۔ سر آسمان کو چھو رہا تھا اور دم نیچے زمین کے پندار کو چھو رہی تھی۔ اژدھے کے منہ سے آگ نکل رہی تھی۔ میں ڈر گیا کہ کہیں یہ مجھے کھا نہ جائے۔ میں تیزی سے اپنا رخ بدل کر لیتا ہوں۔ اژدھا کروٹ لے کر میری طرف پلٹتا ہے۔ وہ مجھ پر آگ پھینکتا ہے میں خوفزدہ ہو کر آگ سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آگ میرے پورے جسم کو چھوتی ہے لیکن مجھے ہلکی سی تپش تو محسوس ہوتی ہے جسم جھلستا نہیں۔ اژدھا میرے بہت قریب آ جاتا ہے اور مسلسل آگ پھینکتا ہے لیکن آگ سے میرا بدن پھر بھی نہیں جھلستا۔ خوف کے مارے میرا دل بری طرح دھڑکنے لگتا ہے اور میں اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر اژدھے کا سر میرے منہ سے دو فٹ قریب آ جاتا ہے۔ وہ اپنا جبڑا کھولتا ہے تو لگتا ہے اس میں پوری دنیا سما سکتی ہے لیکن کوشش کے باوجود وہ مجھے ہڑپ نہیں کر سکتا۔ میں کچھ نہیں سمجھتا اور اپنے بچاؤ کے لئے چیخنے چلانے لگتا ہوں۔ میری چیخ و پکار سن کر اژدھا قہقہے لگانے لگتا ہے اور پھر اس کے کھلے ہوئے جبڑوں سے نکلتی آگ میں ایک خوفناک انسان کا ہیولہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ میں غور سے دیکھتا ہوں تو اس کی شکل مکھن سائیں سے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر میں جان لیتا ہوں کہ یہ اژدھا مکھن سائیں کا چھوڑا ہوا ہے اور اس نے اسے مجھے ہلاک کرنے کے لئے مامور کیا ہوا ہے۔ میں زور زور سے کہتا ہوں۔

''مکھن سائیں تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے''

آگ کے شعلوں میں بھڑکتے ہوئے ہیولے کی آواز آئی'' جو ہمارے منہ سے نوالا چھینتا ہے ہم اس کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ مکھن سائیں سے دشمنی ٹھان کر تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم میرے انتقام کی آگ میں جھلس کر راکھ ہو جاؤ گے'' یہ کہہ کر مکھن سائیں آگ کا ایک بڑا سا گولا میری طرف پھینکتا ہے۔ جوں جوں آگ کا گولا میرے قریب آتا ہے اس کے اندر سے بہت سے گولے پھیل کر میرے گرد جال سا بن دیتے ہیں اور پھر مجھے محسوس ہوتا ہے میری پرواز کی سکت ختم ہو جاتی ہے اور میں آسمان کی بلندیوں سے پاتال کی طرف گرتا چلا

جاتا ہوں۔ آگ کے گولے شہاب ثاقب بن کر میرے تعاقب میں ہیں' اور اژدھے کے جبڑے میں کھڑا مکھن سائیں میری حالت دیکھ کر قہقہے لگاتا چلا جارہا ہے۔ میری آواز دہشت سے پھٹ جاتی ہے اور دل دھڑکنا رک جاتا ہے۔ یونہی ہاتھ پاؤں مارتے مارتے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ میں بستر سے نیچے گر جاتا ہوں۔ آنکھ کھلنے کے باوجود میں ہاتھ پاؤں مارتا جارہا ہوں۔ گلے سے خرخر کی آوازیں نکال رہا ہوں اور پھر بے سدھ ہو کر پڑا رہتا ہوں۔ میرا پورا جسم پسینے میں شرابور ہے۔ دل ڈھول کی طرح بج رہا ہے۔ آنکھیں جب کمرے میں چلتے بلب پر مرکوز ہوتی ہیں تو ہوش واپس آنے لگتے ہیں اور پھر مجھے خواب سے حقیقت کی دنیا میں لوٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ میں نے اٹھ کر وضو کیا۔

تہجد کا وقت ہو رہا تھا۔ نوافل ادا کرنے کے بعد میں ٹاہلی والی سرکار اور بابا جی سرکار کا دیا وظیفہ پڑھنے بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ وظیفہ سجدے میں گر کر پڑھنا شروع کیا تھا۔ آدھ گھنٹہ یونہی سجدے میں پڑے رہنے میں اپنے رب سے اس کی حفاظت وکالت اور رحمت مانگتا رہا۔ پھر خشیت الٰہی کو اپنے رگ و پے میں محسوس کرنے لگا۔ میرا رواں رواں خواب کے اذیت ناک احساس سے نجات پانے لگا۔ ٹاہلی والی سرکار نے سچ کہا تھا۔ تہجد کے وقت ایک مسلمان کو اپنے رب سے جو قربت میسر آتی ہے شاید وہ کسی اور وقت کی عبادت و ریاضت میں نصیب نہ ہو۔ قبولیت کی گھڑی کے اوقات کا تعین اس رب کائنات کے اختیار میں ہے' اس کا فضل اور رحمت ساعتوں کی پابند نہیں ہے۔ لیکن جو نزاکت و لطافت تہجد کی ان ساعتوں میں محسوس ہوتی ہے یہ اس بندے سے پوچھا جا سکتا ہے جو شب گزاری کا عادی ہو۔ جسے عبادت و ریاضت میں سرخروئی حاصل ہو۔ یہ تو وہ لمحات ہوتے ہیں جب میرا مولائے کل اپنے بندے کی سسکیوں کو تھپتھپاتا ہے۔ اپنے بندے سے خوش ہو کر اپنے فرشتوں سے کہتا ہے دیکھو تو میرے اس بندے کو۔ اس نے رات آنکھوں میں گزار دی صرف میرے لئے۔ یہ مجھ سے جو مانگے گا میں اسے دوں گا۔ اللہ اللہ۔ کیا شان ہے میرے سوہنے اللہ کی۔ وہ بندے سے کبھی دور نہیں ہوا۔ وہ بڑی محبت سے اپنے بندے کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ لیکن افسوس بندہ غفلت سے بیدار ہی نہیں ہوتا۔ میں نے اس رات...... اپنی برسوں کی عبادت کا ایک نیا ہی لطف اٹھایا۔ میں نے عہد کیا کہ اب میں روزانہ رات کے اس لمحے جب ساری دنیا سو رہی ہوتی ہے میں صرف اور صرف اپنی جان کے مالک اللہ کے لئے جاگا کروں گا لیکن

جنات کا غلام

افسوس...... اس ذات کامل نے اپنی ایک رات کی عبادت سے اتنا فیض دے دیا کہ میں اس کی لاج نہ رکھ سکا اور ناشکروں کی طرح یہ بھول گیا کہ میں نے اس رات جو عہد کیا تھا اس کا کیا ہوا...... میں بھی ان بندوں کی طرح دنیا کے پیچھے لگ گیا جو اللہ سے قربت محض دنیا کی طلب کے لئے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگلی صبح میں جلد بیدار ہو گیا تو ریاض شاہ کو اپنا خواب سنایا۔ اس نے مجھے تسلی دی اور کہا آج رات بابا جی سرکار آئیں گے تو ان سے بات کرنے کے بعد میں مکھن سائیں کا بندوبست کرتا ہوں' ریاض شاہ نے کچھ پڑھ کر میرے سینے پر پھونک ماری اور کہا ''بابا جی نے تمہیں جو وظیفہ دیا ہوا ہے اسے پڑھتے ہوئے جانا۔ اللہ خیر کرے گا''

اس روز خلاف توقع میرا پرچہ بہت اچھا ہوا تھا حالانکہ میں پریشان تھا۔ اللہ نے میرے لئے پرچہ آسان بنا دیا تھا۔ میں ملکوال آنے کے لئے لاری اڈے پر پہنچا اور بس پر سوار ہو کر میں سیٹ پر دبک کر بیٹھ گیا۔ میں نے خالی الذہن بیٹھنے کی بجائے اللہ کا ذکر کرنا مناسب سمجھا اور بزرگوں کا دیا وظیفہ پڑھنے لگا۔ میں اس وقت وظیفہ پڑھنے میں اتنا مگن تھا جب کنڈیکٹر نے مجھ سے ٹکٹ کے پیسے مانگے میں نے پیسے نکال کر دیئے تو اس نے پوچھا ''کہاں جانا ہے''

میں نے سمبڑیال کی نہر کے سٹاپ کا بتایا تو وہ بولا ''باؤ جی یہ بس سمبڑیال نہیں جارہی''

''ہیں...... تو پھر کہاں جارہی ہے'' میں نے چونک کر پوچھا اور پھر میری نظریں بس سے باہر کا منظر دیکھنے لگیں۔ بس شیخ مولا بخش کے تالاب کے قریب سے گزر رہی تھی۔

''جناب بس ظفر وال کی طرف جارہی ہے''

''تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا'' میں نے غصے سے کہا۔ سواریاں میری طرف دیکھنے لگیں۔ ظفر وال سیالکوٹ کے بارڈر کی طرف ایک قصبہ تھا۔ دیہاتی لوگ اور طالب علموں سے بس کھچا کھچ بھری تھی۔

''آپ کو نہیں پتہ بس کہاں جارہی ہے حیرت ہے۔ میں تو دہائی دے دے کر سواریاں اکٹھی کر رہا ہوں سب کو پتہ ہے بس کدھر جارہی ہے''

کنڈیکٹر الٹا مجھے غصے سے دیکھنے لگا

''اچھا تو مجھے اتار دو'' میں سیٹ سے نکلنے لگا۔ وہ بس رکوانے لگا تھا کہ معاً ایک قریب بیٹھی

سواری نے دوسرے سے سوال کیا

''سیداں والی یہاں سے کتنی دور ہے''

''اورے............ سے اگلا سٹاپ ہے'' دوسری سواری نے بتایا

''سیداں والی'' یہ نام سنتے ہی جیسے میرے ذہن میں ہلچل سی مچ اٹھی۔ بابا تیلے شاہ نے مجھے سیداں والی آنے کے لئے کہا تھا اور میں وعدہ کرنے کے باوجود بھول گیا تھا۔ کئی روز بیت گئے تھے۔ میں دوبارہ سیٹ پر بیٹھ گیا اور کنڈیکٹر سے کہا'' مجھے سیداں والی اتار دینا'' میں نے اسے کرایہ دیا تو وہ عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس وقت میری اضطراری حالت ہی ایسی تھی۔ میں کئی برسوں سے سیداں والی جانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ ایسی آتی تھی کہ میں اپنے ارادے پر عمل نہ کرسکتا تھا لیکن آج تقدیر نے خود مجھے اس راہ پر ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

بس اورے جا کر ٹھہری تو میں جلدی سے نیچے اتر گیا۔ ''پل ایک'' کے پہلو میں واقعہ یہ گاؤں خاصا قدیم تھا۔ اورے سے سیداں والی شریف زیادہ دور نہیں تھی۔ میرے والدین میری پیدائش سے بہت پہلے یہاں رہ چکے تھے۔ والدہ کی زبانی میں پیرکا کے شاہ کے بارے بہت سی حکایات سن چکا تھا میرے ذہن کے ایک گوشے میں اس مجذوب ولی کی کرامات کا بسیرا تھا۔ بس سے اترتے ہی میرے قلب و ذہن پر ان کی نورانی پرچھائیاں رینگنے لگیں۔ اس وقت دھوپ پھیلی ہوئی تھی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے بس سے اتر کر اندازہ ہوا کہ میں نے غلط سٹاپ کا انتخاب کیا ہے۔ سیداں والی جانے کے لئے بس قصبہ کے قریب سے ہو کر گزرتی تھی لیکن میں ایک سٹاپ پہلے ہی اتر گیا تھا۔ میں نے ایک دیہاتی سے سیداں والی کا راستہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ دو کوس دور ہے۔ مجھے بھوک بھی ستا رہی تھی۔ میں نے ہوٹل پر کھانے کا سوچا۔ ایک ٹوٹے پھوٹے کھوکھے میں ایک دیہاتی بوڑھا جس نے بنیان اور دھوتی پہنی تھی نان پکوڑے بیچ رہا تھا۔ دس بارہ لوگ وہاں بیٹھ کر نان پکوڑے کھا رہے تھے۔ اس کے سوا دور دور تک کوئی ہوٹل نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں کھوکھے والے کے پاس گیا اور پانچ روپے دے کر نان پکوڑے مانگے تو وہ میری طرف دیکھنے لگا۔ ''پتر پردیسی ہو''

''پردیسی'' مجھے اس لفظ میں بڑی اپنائیت محسوس ہوئی۔ دیہاتی لوگ دوسرے شہروں سے آنے والوں کو پردیسی ہی کہتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں تو پردیسی سے مراد دوسرے دیس سے آئے ہوئے انسان کو کہا جاتا ہے۔ ہماری دیہی زندگی میں دور دراز کے دیہاتوں اور شہروں کو بھی دوسرا دیس ہی سمجھا جاتا ہے۔ کھوکھے کے پاس ایک ٹوٹی پھوٹی چوکی پڑی تھی۔ میں اس پر بیٹھ گیا۔

''ہاں بابا...... میں پردیسی ہوں لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا'' میں نے پوچھا۔

''پتر جی جمعرات کو میں نان پکوڑے پیسے لے کر نہیں بیچتا۔ یہ نذر نیاز کا دن ہوتا ہے۔ دور دور سے لوگ اس روز میرے نان پکوڑے کھانے آتے ہیں اس لئے میں جان گیا کہ تم پردیسی ہو۔ بابا بوٹے کی دکان کا رواج نہیں جانتے''

''سوری بابا...... میں نہیں جانتا تھا'' میں نے کہا تو اس نے ایک ٹھنڈے نان کے اوپر چند گرم گرم پکوڑے رکھ کر دے دیئے۔ میں نے ایک لقمہ ہی لیا تھا کہ خشک نان کا ٹکڑا میرے گلے میں پھنس گیا۔ میں نے بابا بوٹے سے پانی مانگا تو ان نے ایک صراحی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے پاس مٹی کا ایک پختہ گلاس پڑا تھا۔ میں نے جلدی سے صراحی سے پانی لیا اور غٹاغٹ پی گیا۔ پانی پیتے ہی نان کا ٹکڑا میرے معدے میں اتر گیا۔ میری حالت دیکھ کر پاس بیٹھے دیہاتی ہنسنے لگے۔ بابا بوٹے نے یہ دیکھا تو وہ انہیں ڈانٹ کر بولا'' اوئے پاگلو...... اس بیچارے نے پیر کا کے شاہ کا لنگر پہلی بار کھایا ہے اس لئے گلے میں پھندہ لگ گیا تھا''

پیر کا کے شاہ کا نام سن کر میں چونکا اور میری نظر پانی والی صراحی پر جا لگی۔ اس پر لکھا تھا ''کا کے شاہ دی سبیل'' مجھے بابا بوٹے کی ذات میں دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ میں جب نان پکوڑے کھا چکا تو بابا بوٹے نے میری طرف دیکھا۔ ''اور دوں''

''شکریہ بابا پیٹ بھر گیا ہے''

''کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا ہے'' اس نے پوچھا

میں نے اپنے قصبے کا نام بتایا اور کہا'' پیرکا کے شاہ کے مزار پر حاضری دینے جا رہا ہوں''

''ماشاءاللہ...... دیکھو میرے پیر کی کرامت۔ لوگ دور دور سے مزار پر دعا کرنے آتے ہیں''

بابا بوٹا پکوڑوں کی کڑاہی چھوڑ کر میرے پاس آ گیا۔ اس کے جھریوں زدہ چہرے پر عجیب سی چمک آ گئی تھی۔ میرے ہاتھ اپنے استخوانی ہاتھوں میں لے کر لرزتی آواز میں بولا'' پتر مزار پر جا

کردعا کرنا۔ میری چھوٹ ہوجائے۔ میرے لئے دونفل پڑھ دینا۔ سورہ یسین کی تلاوت ضرور
کرنا۔ اللہ سے دعا کرنا میری چھوٹ ہوجائے'' بابا بوٹے کی آنکھوں سے دوآنسو جھریوں میں
راستے بناتے ہوئے نیچے گرنے لگے تو میں نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے آنسو زمین پر گرنے
سے بچا لئے۔

''بابا...... میں دعا کروں گا'' میں نے ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ کر اسے تسلی دی۔

''بابا ایک بات پوچھوں''

''جی پتر...... سو بار پوچھو'' میری تسلی نے اس کے دل کو سکون بخش دیا تھا۔

''بابا...... کب سے یہ نذرونیاز کررہے ہو۔ کیا آپ نے کبھی پیر کا کے شاہ کو دیکھا ہے''

بابا بوٹے کے ماتھے کی سلوٹیں سمٹنے لگیں آنکھیں سکڑ گئیں اور ہونٹ کھنچ گئے۔ بھرائی ہوئی
آواز میں بولا'' پتر ایک بار دیکھا ہے اس گناہ گار نے...... پتر آج تک کسی نے مجھ سے یہ سوال
نہیں کیا تھا۔ میں نے بھی کسی کو نہیں بتایا۔ آج تو نے پوچھا ہے تو میں تجھے بتاؤں گا۔ لیکن کچھ
دیر ٹھہر جا میں نیاز بانٹ لوں۔ فارغ ہو کر تمہیں بتاتا ہوں''

بابا بوٹے نے بیس پچیس منٹ میں ساری نیاز بانٹ دی۔ چھابے میں ایک نان اور دو پکوڑے
بچ گئے تھے۔ اس نے ایک رنگین کپڑے میں نان پکوڑے تہ کر کے کھوکھے کے اندر رکھ دیئے۔

''بابا آپ بھی کھا لو۔ باتیں بعد میں کر لیں گے نان پکوڑے ٹھنڈے ہو جائیں گے''۔
میں نے کہا۔

''پتر...... میں رات کو کھاؤں گا'' وہ بولا'' یہ تو کسی کی امانت ہیں۔ جو میں نے سنبھال
کر رکھ دی ہے''

باہر دھوپ بڑھ گئی تھی بابا بوٹا فارغ ہو گیا تو ہم دونوں کھوکھے کے اندر بیٹھ گئے۔۔ بابا کہنے لگا
''پتر جی! کیا تم بتا سکتے ہو میری عمر کتنی ہوگی'' میں نے اس کے چہرے پر غور کیا' ماتھے کی سلوٹوں
کو شمار کیا۔ دھندلائی آنکھوں کے عقب میں جھانک کر دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں ابھری بے
گوشت رگوں کو دیکھا۔'' یہی کوئی ستر اسی سال ہوگی'' میں نے اس بوڑھے برگد کے درخت کی
مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا جس کی عمر جاننے کے لئے جب اس کے تنے کو کاٹا جاتا ہے تو
اس کا ہر پرت سالوں کی کہانیاں سناتا ہے۔

''ایک سو سال عمر ہے میری'' بابا بوٹا بولا'' شاید دو چار سال زیادہ ہی ہو''

میں نے حیرت سے اسے ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ ستر اور سو کے پھیر میں اس کی زندگی کا
حساب لگانا بڑا مشکل لگا۔

''میں اس وقت گبھرو جوان تھا'' وہ پرخیال انداز میں بولا تو اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ
ابھر آئی۔'' میں بھینس اور گھوڑیاں چوری کیا کرتا''

''یعنی چور تھے آپ'' میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا

''ہاں چور تھا میں...... آج کے چوروں میں اور ہمارے دور کے چوروں میں بڑا فرق ہوتا
تھا۔ آج کا چور ہمیشہ کی طرح بزدل اور ہمارے دور کا چور بڑا جی دار ہوتا تھا۔ ہم دو طرح سے
چوری کیا کرتے تھے۔ ایک تو ڈھاٹا باندھ کر چوری کرتے تھے اور دوسری قسم کے چور لنگوٹا کس
کر پورے بدن میں تیل کی مالش کر کے چوری کرتے تھے۔ لنگوٹے والے چور عموماً گھروں
کے اندر گھس کر سامان اٹھا کر بھاگ جاتے تھے۔ تیل کی مالش اس لئے کرتے تھے اگر کوئی پکڑ
لے تو اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نکل جانے کا موقع مل جاتا۔ ڈھاٹا باندھنے والے چور جنس
کی چوری کرتے تھے۔ بھینس' بکریاں' گھوڑے' بیل...... میں بھی ڈھاٹا باندھ کر چوری کرتا
تھا۔ بڑے بڑے چودھری اور ملک مجھ سے کام لیتے تھے۔ ایک بار مجھے ایک ملک نے سیداں
والی سے ایک گھوڑی کھول کر لانے کی فرمائش کر دی۔ ان دنوں سیلاب آیا ہوا تھا اور ایک (نالہ
ایک) چڑھی ہوئی تھی۔ آگے پیچھے کے گاؤں اور فصلیں پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے
ملک کو بتایا کہ سیلاب کے دنوں میں چوری کرنا مشکل تو نہیں ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ان دنوں
پانی کے ڈر سے گھوڑی کو کسی اور جگہ لے جایا گیا ہو' کیونکہ جو گھوڑی وہ چوری کرانا چاہتا تھا وہ
ایک سیدزادے کی تھی اور اسے پاکپتن کے بزرگوں نے تحفہ میں دی ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا
لیکن میں نے یہ سن رکھا تھا کہ وہ گھوڑی اصیل نسل تھی اور گھوڑوں کی اس نسل میں سے تھی جس
نے کربلا میں اپنا خون بہایا تھا۔ میں مذہبی طور پر باغی قسم کا نوجوان تھا۔ مجھے کھانے پینے اور
پہلوانی کا شوق تھا۔ راتوں کو چوری کرتا' دنوں کو کبوتر اڑاتا۔ نماز روزہ کا کوئی خیال نہیں تھا مجھے
...... خیر...... ملک کے اصرار پر میں سیداں والی چلا آیا۔ ادھر جہاں ہم دونوں بیٹھے ہیں' اس
وقت سڑک نہیں بھی تھی۔ کچا اور نشیبی علاقہ تھا۔ درخت بھی پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں شام
سے پہلے ادھر آ گیا تھا۔ کوئی انسان ادھر نظر نہیں آ رہا تھا۔ سیداں والی کو جانے والا سارا راستہ
پانی میں گم تھا۔ میں نے اچھا کام یہ کیا کہ نالہ ایک کی پٹری پر چلا گیا۔ کئی جگہ سے پٹری سے اوپر

بھی پانی آیا ہوا تھا۔ پانی میں تیزی تھی۔ میں نے جب دیکھا کہ ٹوٹی پٹری کی وجہ سے میں سیداں والی کی طرف نہیں جا سکوں گا تو میں نے نالہ تیر کر عبور کر لیا۔ مجھے بڑی مشکل آئی۔ کئی بار تو ڈوبتے ڈوبتے بچا۔ بالآخر میں نالے کی دوسری طرف پہنچا تو مجھے ایک مجذوب سا آدمی ملا۔ وہ نالہ کے اندر اترنے کی کوشش کر رہا تھا اس نے صرف تہبند باندھ رکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص نالہ میں ڈوب جائے گا لہٰذا میں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور کہا ''ڈوب مرنے کا ارادہ ہے''

وہ کچھ نہ بولا اور جھٹکے سے بازو چھڑوا کر نالہ کے اندر اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا جلال تھا۔ اس دوران چار پانچ مرد بھی ادھر آ گئے۔ میں نے انہیں بھی کہا ''اس کو روکو یہ ڈوب جائے گا پانی بڑا تیز ہے''

وہ مجھے کہنے لگے ''لگتا ہے تو نہیں جانتا یہ کون ہیں۔ یہ کاکے شاہ سرکار ہیں جب تک یہ نالہ ایک میں نہیں اتریں گے اس کا زور ختم نہیں ہوگا''

میں ہنس دیا ''پاگل ہو گئے ہو تم۔ پانی نے بڑے بڑے بند توڑ دیئے ہیں یہ کیسے روکے گا''

''یقین نہیں آتا تو دیکھ لو'' ایک شخص نے کہا ''ہر سال جب سیلاب آتا ہے تو سرکار نالہ ایک میں کھڑے ہو جاتے ہیں'' اس کی بات سن کر میں ہنسنے لگا۔ دیہاتیوں نے میری اس حرکت پر منہ بنا لیا میں بھی از راہ تفریح وہاں ٹھہر گیا کہ دیکھوں پانی کیسے ٹھہرتا ہے۔

شام ہونے میں ابھی خاصا وقت تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اندھیرا ابھی سے چھانے لگا ہے۔ آسمان کی طرف دیکھا تو سیاہ بادل بڑی تیزی سے پھیلتے ہوئے روشنیوں کو نگل رہے تھے۔ کچھ ہی لمحے میں آناً فاناً موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بجلیاں کڑکنے لگیں جیسے دوپہر میں رات کی سیاہی گھل مل گئی تھی۔ اس موسم میں گھوڑی کھول کر لے جانا مشکل تھا۔ کیونکہ طوفانی بارش کے اندھیرے میں لالٹین نہیں جلائی جا سکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ میں واپس چلا جاتا ہوں لیکن جب ارادہ کیا تو مجھے اس طوفان میں واپسی کا راستہ ملنا مشکل نظر آیا۔ سو میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا اور پیر کاکے شاہ کی طرف دیکھنے لگا جو نالہ ایک کے بپھرے پانیوں میں اتر گئے تھے۔ ان کے ہاتھ اور چہرہ آسمان کی طرف بلند تھا وہ پانی میں یوں چل رہے تھے جیسے وہ پانی میں نہیں پختہ راستے پر چل رہے ہوں۔ میرے لئے یہ بات حیرانی سے کم نہیں تھی۔ گہرے پانیوں میں چلا نہیں جاتا بلکہ تیرنا پڑتا ہے۔ پانی ان کے کندھوں تک نظر آ رہا تھا حالانکہ میرے

اندازے کے مطابق نالہ بیس پچیس گز گہرا تھا۔ میں نے دیہاتیوں کی طرف دیکھا تو وہ میری طرف دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ گویا مجھے سمجھا رہے تھے کہ دیکھا تم ہم پر ہنس رہے تھے لو اب اپنی عقل پر ہنس لو میرے بچے۔ روحانی لائن میں عقل محو تماشا ہوتی ہے۔ اس کو ضعف آ جاتا ہے یہ تو دل کی دنیا ہے اس میں عقل کا کیا کام۔ پیر کاکے شاہ آدھ گھنٹہ پانی میں کھڑے رہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ پانی ان کے کاندھوں سے نیچے ہو رہا ہے اور پھر ان کی کمر سے ہوتا ہوا ان کے گھٹنوں تک آ گیا۔ میرے سامنے کناروں کو اپنی وحشت میں غرق کرنے والا پانی پیر کاکے شاہ کے پیروں تک بیٹھ گیا تھا۔ میں بار بار اپنا سر جھٹکتا ہوا کہ کہیں میں نیند کی حالت میں تو نہیں ہوں۔ لیکن میرے سامنے ایک سربستہ راز حقیقت بے نقاب ہو رہی تھی۔ میں دم بخود حیرت کے سمندروں میں غوطے کھا رہا تھا۔ جب ایک دیہاتی نے میرا کاندھا تھپتھپایا اور کہا ''تم کہاں سے آئے ہو''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا ''میں بہت دور سے آیا تھا راستہ بھول گیا ہوں''

میں اسے کیا بتاتا کہ میں ان کے گاؤں میں چوری کرنے آیا ہوں۔

کچھ دیر بعد پیر کاکے شاہ نالہ ایک سے باہر آئے اور شان بے نیازی سے ایک اچٹتی نگاہ مجھ پر ڈالی اور سیداں والی کی طرف چل دیئے۔ دیہاتی ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ میں اپنی جگہ بت بنا کبھی نالہ ایک کو دیکھتا اور کبھی پیر کاکے شاہ کی طرف۔ تھوڑا سا آگے جا کر وہ پلٹے اور میری طرف دیکھ کر زور سے ہاتھ ہلا کر بولے ''جا...... جا...... چورا''

ان کی بات سن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

پیر کاکے شاہ میرے اندر کے چور کو پہچان گئے تھے۔ میں سر سے پاؤں تک لرز گیا۔ بارش میں بھی پسینہ آ گیا۔ میں اس جگہ جیسے زمین میں دفن ہو گیا تھا۔ وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ بارش کا زور تھم گیا لیکن میں بھیگتا رہا۔ خاصی دیر گزر گئی تو میں نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور سیداں والی کی طرف چل دیا۔ راستے میں بانسوں کا ایک گنجان جھنڈ تھا۔ اسے عبور کیا تو دور دور تک فصلیں پانی میں ڈوبی نظر آئیں۔ وہاں مجھے ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے ہاتھ میں دودھ سے بھرا ڈول اٹھایا تھا۔ میں نے اس سے سیدزادے کے گھر کا پتہ پوچھا تو وہ بولی۔

''پتر میں بھی ادھر ہی جا رہی ہوں میرے ساتھ چل''

میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا لیکن اس کی ایک بات سن کر میں اس کے ساتھ ہو لیا۔

کہنے لگی "پتر راستے میں گارا اور پانی ہے۔ میں بوڑھی عورت ہوں۔ ڈرتی ہوں میرے گر جانے سے دودھ کا ڈول نہ گر جائے۔ پتر دودھ گر گیا تو آج کا کے شاہ کو دودھ نہ پلا سکوں گی"

"ماں جی...... یہ کا کے شاہ کون ہیں" میں نے اس کی بات سن کر اپنے تجسس کو بے نقاب کیا۔

"لے پتر تو نہیں جانتا، اللہ کے سائیں ہیں۔ انہیں دنیا داری سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بس اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں۔ بولتے بہت کم ہیں۔ جو بات کہتے ہیں وہ پوری ہو جاتی ہے۔ تم نے جس سیدزادے کا پوچھا ہے اس کا گھر ان کے گھر کے قریب ہے" میں نے بوڑھی عورت کو ان کے نالہ ایک میں اترنے کا قصہ سنایا تو وہ بولی۔

"پتر ہر سال کا کے شاہ نالے میں اتر کر سیلاب کو روکتے ہیں۔ اگر وہ یہ نہ کریں تو ہمارا گاؤں اور سارا شہر ڈوب جائے۔ پچھلے دو دن سے وہ گاؤں میں نہیں تھے۔ آج آئے ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ سیلاب کا خطرہ بڑھ گیا ہے تو وہ اسی وقت نالہ ایک پر چلے گئے۔ اب میں انہیں دودھ پلانے جا رہی ہوں۔ وہ کسی سے لے کر نہیں کھاتے لیکن انہیں میرے ساتھ بڑا پیار ہے۔ مجھے "سائیں شاہ دی رکھی" کہتے ہیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے کہا کہ سائیں شاہ دی رکھی مجھے دودھ پلاؤ۔ میں نے کہا شاہ جی ہمارے پاس بھینس نہیں ہے۔ پتر ہم بڑے غریب لوگ ہیں۔ کہنے لگے اللہ دے گا۔ شاہ صاحب بہت کم باتیں کرتے ہیں۔ میں نے گھر جا کر اپنے خاوند کو یہ بات بتائی تو وہ بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا کہ اس کا مطلب ہے ہمیں بھینس مل جائے گی۔ وہ اسی وقت باہر نکل گیا اور رات گئے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بھینس کی رسی تھی۔ میرے پوچھنے پر کہ وہ یہ بھینس کہاں سے لایا تو وہ بتانے لگا کہ یونہی ایک خیال کے تحت کھیتوں میں چلتا جا رہا تھا کہ اسے ایک آدمی مل گیا یہ بھینس اس کے ساتھ تھی۔ کہنے لگا کہ اسے تھوڑے پیسوں کی ضرورت ہے۔ اگر وہ یہ بھینس خرید لے تو اس کا کام بن سکتا ہے۔ میرے خاوند کے پاس صرف دو روپے تھے۔ اس اجنبی نے دو روپے میں بھینس بیچ دی۔ میں نے صبح سویرے بھینس کا تازہ دودھ گرم کیا اور کا کے شاہ کی خدمت میں پیش ہوگئی۔ اب میں ایک وقت کے دودھ میں سے ایک پیالہ روزانہ انہیں پلانے جاتی ہوں۔ یہ سب ان کی دعاؤں کا اثر ہے۔ پچھلے سال میری بیٹی کو دورے پڑنے لگے تو میں اسے کا کے شاہ کے پاس لے کر گئی۔ میری بیٹی کو دیکھتے ہی ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے سر پر پیار کر کے دو تین چپتیں ماریں اور دوبارہ

مسکرانے لگے اور کہا "سائیں شاہ دی رکھی۔ دودھ کہاں ہے" پتر جی کا کے شاہ بڑا پیار کرنے والے انسان ہیں۔ کسی کو دکھ نہیں دیتے۔ اس روز کے بعد میری بچی کو کبھی دورہ نہیں پڑا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے سیداں والی کے اندر داخل ہو گئے۔ اس نے ایک گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ کا کے شاہ کا گھر ہے۔ دو گھر چھوڑ کر گلی میں داخل ہو جانا۔ اس سے پہلا گھر سیدزادے کا ہے" پیر کا کے شاہ کے گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ بوڑھی عورت اندر چلی گئی۔ میں نے سیدزادے کا گھر دیکھا اور پھر میں لوگوں سے پوچھتا ہوا اس کی حویلی تک چلا گیا۔ اس کی گھوڑی وہاں بندھی ہوئی تھی۔ میں رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ بارش رک چکی تھی اور آسمان صاف ہو گیا تھا۔ عشا کی نماز کے بعد میں نے گھوڑی کھولی اور اسے پچکار کر حویلی سے باہر لے جانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر میں اس پر سوار ہو کر نالہ ایک کی طرف چل دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ گھوڑی ان راستوں سے آشنا ہے۔ میں جب بانسوں کے جھنڈ کے پاس سے گزرنے لگا تو یکا یک ایک آواز نے گھوڑی کے اٹھتے قدموں کو جیسے زنجیریں ڈال دی تھیں۔

"چورا...... تو باز نہیں آیا" پیر کا کے شاہ کی آواز میں قہر تھا۔ میں نے ان کی بات کا جواب نہ دیا اور گھوڑی کو ایڑھ لگا کر بھگانے لگا۔ نالہ ایک پر پہنچا تو اس وقت چاند آسمان پر اپنی روشنیاں بکھیر رہا تھا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور گھوڑی سمیت نالہ ایک عبور کرنے لگا۔ پانی اب اتر چکا تھا لیکن جونہی گھوڑی "ایک" میں اتری پانی کا ایک زوردار ریلا اٹھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی میرے سر تک آ پہنچا۔ ایک طوفانی لہر نے مجھے گھوڑی سمیت اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس وقت میرا سر ایک بھاری پتھر سے ٹکرایا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ اگلی صبح میری آنکھ کھلی دیکھا تو میرا سارا بدن آگ میں تپ رہا تھا۔ سر پر خون جما ہوا تھا اور بدن ٹوٹ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے اپنے گاؤں پہنچا۔ گھر پہنچتے ہی میں بے ہوش ہو گیا۔ وید، حکیم، پیر فقیر سبھی آئے میرا علاج کرنے...... مگر مجھے ہوش نہ آیا۔ مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ کئی مہینے تک میں بے ہوش پڑا رہا۔ کبھی کبھی میرے منہ سے پیر کا کے شاہ کا نام بھی نکل جاتا۔ لیکن ان دنوں ان کی زیادہ شہرت نہیں تھی۔ کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ میں ان کا نام کیوں لیتا ہوں۔ ایک روز ایک فقیر ہمارے گھر آیا۔ اس نے خیرات مانگی تو میری ماں نے اسے کہا کہ

میرے بیٹے کے لئے دعا کرو۔ میں تمہارا منہ گھی شکر سے بھر دوں گی۔ فقیر نے جب مجھے دیکھا تو وہ زیرلب کچھ بدبدانے لگا۔ پھر ایک دم بولا ''جن بھوت کا سایہ نہیں ہے۔ اسے کسی کی بددعا لگی ہے'' اس وقت میرے منہ سے پیر کا کے شاہ کا نام نکل گیا تو فقیر چونک پڑا اور بولا...... ''اسے پیر کا کے شاہ کے مزار پر لے جاؤ اور اس کی صحت کی منت مانگو''۔ میری ماں اور بھائی مجھے سیداں والی لے آئے۔ معلوم ہوا کہ ان کا وصال ہو چکا ہے۔ میری ماں نے وہاں منت مانگی اور چند ہفتوں بعد میں صحت یاب ہونا شروع ہو گیا۔ میری دیوانگی اتر گئی۔ جونہی ذہن میں شعور کی بتیاں روشن ہونے لگیں میں کاکے شاہ کے مزار کی طرف بھاگ اٹھا۔ میں جانتا تھا کہ میں ایک بزرگ کی گستاخی کر کے عذاب میں مبتلا ہوا ہوں، اس کا علاج بھی ان کے پاس ہی ہے۔ لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں ان کی قبر پر جا کر بہت رویا لیکن مجھے سکون نہ ملا۔ پھر میں ان کے مزار پر ہی رہنے لگا۔ ہر جمعرات کو لنگر تقسیم کرتا۔ ایک روز پیر کا کے شاہ مجھے خواب میں ملے اور کہا ''چورا...... میرے مزار سے چلا جا''

پتر جی میری تو دنیا ہی لٹ گئی۔ میں اپنی قسمت کو روتا پیٹتا اس جگہ آ بیٹھا اور ساری عمر یہاں گزار دی۔ مجھے ان کے مزار پر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ برسوں سے ہر جمعرات کو یہاں نان پکوڑے نذر نیاز کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میری سختی دور ہو جائے''

بابا بوٹا داستان حزن وملال سنا کر ہچکیاں بھرنے لگا ''پتر اس چوٹ کا درد وہی جانتا ہے جو اس درد سے گزرا ہو پتر جی میں تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ میری سفارش کرنا۔ ہوسکتا ہے سرکار کسی پردیسی کی لاج رکھ لیں''

''بابا'' میرا دل اندر سے کٹنے لگا۔ میں بزرگوں سے انتہا درجے کی عقیدت تو رکھتا تھا مگر ان سے کچھ طلب کرنے کی جسارت نہیں کرتا تھا۔ صرف اپنے اللہ سے مانگتا تھا۔ میں نے انہیں تسلی دینا چاہی مگر الفاظ میرا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس اثنا میں ایک گدڑی پوش جس نے سر تک چادر اوڑھی ہوئی تھی ہمارے پاس آ گیا۔ بابا بوٹا اسے دیکھتے ہی عقیدت سے اٹھا اور ان کے ہاتھ چوم کر کپڑے میں رکھے نان پکوڑے انہیں دے کر بولا ''بابا...... دعا کی ہے ناں''

گدڑی پوش نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس چلنے لگا تھا کہ چند قدم چلنے کے بعد وہ رک گیا اور پلٹ کر ہماری طرف دیکھنے لگا۔ پھر سر سے چادر سرکا کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی میں تڑپ کر رہ گیا۔

''بابا آپ'' میں بھاگ کر اس چادر پوش کے پاس پہنچا اور بے اختیار ہو کر ان کے چہرے سے نقاب ہٹائی۔ ان کی آنکھیں اور چہرہ مسکراہٹ کی تابانی سے منور تھا۔ بابا تیلے شاہ کا یوں بابا بوٹے کے پاس آ جانا میرے لئے اچنبھے کی بات تھی۔

''یاد آ گئی ہماری'' بابا تیلے شاہ نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ شکوہ بھرے لہجے میں کہا۔

''دیر ہو گئی بابا'' میں عاجزی اور شرمندگی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ بولا ''سچ تو یہ ہے کہ آج بھی میں ارادتاً نہیں آیا بلکہ لایا گیا ہوں''

''میں سمجھتا ہوں۔ اگر تم آج بھی نہ ہوتے تو پھر تمہارا آنا نہ آنا ایک برابر ہوتا'' وہ بولے

''میں سمجھا نہیں'' میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

تم جن سراؤں میں بھٹک رہے ہو ایک روز ان میں گم ہو کر رہ جاؤ گے اور تمہیں واپسی کا راستہ نہیں ملے گا'' بابا تیلے شاہ نے کہا ''آؤ...... مزار پر چلتے ہیں پھر باتیں کریں گے''

میں ان کے ساتھ چلنے لگا تو بابا بوٹا دوڑتا ہوا میرے پاس آ گیا اور ہانپتی کانپتی آواز میں مجھے یاد دلانے لگا ''پتر جی اپنا وعدہ نہیں بھولنا میرے لئے دعا کرنا'' پھر وہ بابا تیلے شاہ کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھنے لگا ''سرکار یہ بچہ آپ کا پچھانو ہے تو میرا کام اب کی بار کر دیں۔ میری خلاصی کرا دیں۔ گناہ پہاڑوں سے اوپر ہو گئے ہیں۔ دل کو سکون نہیں ملتا سرکار۔ جب تک پیر کا کے شاہ معاف نہیں کریں گے میرا دم سکون سے نہیں نکلے۔''

''بابا'' میں نے بابا بوٹے کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا ''تم بھی ہمارے ساتھ آ جاؤ۔ مل کر نوافل ادا کریں گے اور اللہ سے دعا کریں گے کہ تمہارے دل کو سکون مل جائے''

''ناں...... ناں...... ناں پتر'' وہ ایک دم پیچھے ہٹ گیا''۔ میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا جب مرشد نے اپنے مزار سے نکال دیا ہے تو میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں۔ جب تک بلاوا نہیں آتا میں نہیں جا سکتا۔ پتر جی...... پہلے ہی ایک بار گستاخی کر کے سزا بھگت رہا ہوں۔ اب دوبارہ گناہگار نہیں ہونا چاہتا''

''حوصلہ رکھ بوٹے...... اللہ نے چاہا تو بوٹا دوبارہ ہرا بھرا ہو جائے گا'' بابا تیلے شاہ نے اسے تسلی دی تو وہ آنسوؤں سے رونے لگا۔ میرا دل بڑا مکدر ہوا لیکن اسے تسلی دینے کے لئے میرے پاس مزید الفاظ نہیں تھے۔

میں بابا تیلے شاہ کے ساتھ ہولیا۔ ان سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن وہ راستہ بھر

خاموش رہے۔ میں نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی۔ ان کی چال میں وقار تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے تھے۔ سرنگوں چل رہے تھے۔ میں حیران تھا کہ وہ راستہ کو بغور دیکھے بغیر کیسے آرام سے چل رہے تھے۔ شاید اس لئے کہ اللہ والوں کو ظاہری آنکھوں کے بغیر بھی راستے نظر آتے ہیں۔ ان کے اندر ہزاروں آنکھیں روشن ہوتی ہیں جو پاتال سے آسمان کی بلندیوں تک قدرت کے حجابات کے اندر تک دیکھ لیتے ہیں۔ قلبِ دِنظر کے کثیف معاملات ان سے چھپے نہیں رہتے۔ وہ زیرلب کچھ پڑھ بھی رہے تھے لیکن مجھے ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ کے سوا کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ میں ان کے قدموں کا ساتھ دینے سے عاجز آ گیا تھا۔ مجھے باقاعدہ دوڑ کر ان کے ساتھ ساتھ چلنا پڑ رہا تھا اور رے سے سیداں والی کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن جس شخص کو کبھی لگاتار پیدل چلنے کی عادت نہ ہو اور پھر وہ بھی جوگنگ کے انداز میں چلنا پڑے تو وہ جلد ہانپ جاتا ہے۔ ہم جب اونچائی سے اتر کر پکی سڑک سے سیداں والی کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچے تو سامنے مجھے بانس کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ مجھے بابا بوٹے کی بات یاد آ گئی۔ سالہا سال سے یہ جھنڈ اسی طرح نظر آ رہا تھا۔ اس وقت میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور مجھ سے چلنا مشکل ہو گیا۔ میرے دل میں آیا کہ میں کچھ دیر کے لئے ستا لوں لیکن یہ بات زبان پر لاتے ہوئے مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

''تھک گئے'' بابا تیلے شاہ نے میری طرف دیکھے بغیر رفتار کم کی اور میرے دل کا بھید جانتے ہوئے سوال کیا

''ہاں بابا......اب چلا نہیں جاتا'' پیاس سے میرا برا حال ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔ بابا تیلے شاہ کی بات سنتے ہی میں راستے کے ساتھ گزرتی ایک کھالی کے کنارے بیٹھ گیا۔ میرے عقب میں دھان کی سرسبز فصل لہلہا رہی تھی۔ کھیتوں کی اپنی ہی خوشبو ہوتی ہے۔ دور تک لہلہاتے سرسبز کھیت انسان کی روح کو تروتازہ کر دیتے ہیں لیکن اس وقت میرے دل پر لہلہاتی فصلوں کے سحرانگیز ماحول نے بھی کوئی اثر نہ ڈالا۔ کھلی فضا میں بھی مجھے گھٹن محسوس ہو رہی تھی

بابا تیلے شاہ بھی میرے پاس آ بیٹھے اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے

''میرے بچے یہ راستہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ادھر دیکھو میرے پیروں کی طرف دیکھو۔ میں

پچھلے بیس برسوں سے ننگ پا ہزاروں لاکھوں میل پیدل چل چکا ہوں لیکن اپنی منزل پانے کے لئے میں نے اپنے پیروں کی کبھی نہیں مانی۔ تو جوان ہے' ابھی سے بیٹھ گیا ہے۔ اٹھ اور ہمت کر۔ ادھر دیکھ۔ مجذوب بابا کے مزار کا گنبد تجھے اپنی طرف بلا رہا ہے۔ وہ دیکھو گنبد کے اوپر۔ بابا سرکار کھڑے مسکرا رہے ہیں'' میں نے اس طرف دیکھا اور مزار کا گنبد نظر آ رہا تھا۔ سورج عین اوپر چمک رہا تھا مگر مجھے وہاں کوئی نظر نہیں آیا۔

''بابا مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا'' میں نے کہا

''تمہیں نظر آئے گا بھی نہیں۔ میں جو دیکھ رہا ہوں۔ اٹھو۔ میری ریاضت کا وقت ہو رہا ہے۔ مجھے وہاں پہنچنا ہے''

بابا تیلے شاہ نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں غیرارادی طور پر کسی معمول کی طرح اٹھ پڑا۔ ان کی رفتار اب بھی پہلے جیسی تھی۔ اب کی بار میں ان کے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔ میں اپنے اوپر حیران تھا کہ میرا تو پورا بدن تھکاوٹ سے چور چور تھا لیکن اب میں یوں چل رہا ہوں جیسے پہلی بار قدم اٹھا رہا ہوں۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے اپنی رفتار پر کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہم پیر کا کے شاہ کے مزار کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ پرانی عمارت نما مزار تھا۔ ایک طرف ان کا تکیہ اور دوسری طرف چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔ ایک بھی ذی حس وہاں موجود نہیں تھی۔ مزار کی ویرانی دیکھ کر میں حیران ہوا کہ یہ روحانی درگاہ عقیدت مندوں سے خالی کیوں ہے۔ میں نے مزار پر دھڑکتے دل کے ساتھ دعا کی۔ بابا تیلے شاہ قبر کے سرہانے بیٹھ گئے اور اپنی عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ میں نے مزار کے اندر ہی ایک جائے نماز پر نوافل ادا کئے اور بابا بوٹے کے لئے خاص طور پر دعا کی۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے مزارات پر عبادت اور دعا کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ دو نوافل پڑھنے کے بعد میں فارغ ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کروں۔ پہلے تو دل چاہا کہ مزار کے سجادہ نشین سے مل لوں لیکن پھر اس خیال سے جائے نماز پر ہی بیٹھا رہا کہ اگر بابا تیلے شاہ نے مناسب خیال کیا تو وہ مجھے خود ملوا دیں گے۔ میں کچھ دیر فارغ رہنے کے بعد سوچنے لگا کہ مجھے یوں خالی الذہن نہیں بیٹھنا چاہئے۔ لہٰذا نے درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ ٹاہلی والی سرکار کے دیئے وظائف بھی پڑھنے لگا۔ اول اول تو میں ارتکاز توجہ سے غافل ہو کر پڑھتا رہا لیکن جوں جوں وظائف کی گردان بڑھتی گئی میرا انہماک بہتر ہوتا گیا اور ظہر کی نماز ہونے تک میرا یہ عالم تھا کہ مجھے

گردوپیش کی خبر نہیں رہی تھی۔

اذان سنتے ہی بابا تیلے شاہ مزار سے باہر آئے اور مجھے نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ ہم دونوں نے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد میں ایک بار پھر مزار کے درودیوار کی طرف دیکھنے لگا۔ برسوں پہلے میرے والدین یہاں میرے نام کی نذر چڑھانے آئے تھے۔ سالہا سال سے مزار کے نقوش اس طرح برقرار تھے۔ بابا تیلے شاہ میرے انہاک کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''ان دیواروں پر ہمارے بابا کی یادیں نقش ہیں۔ میں اس وقت سے یہاں آ رہا ہوں جب بابا سرکار کے بہنوئی پیر مظفر شاہ نے گدی سنبھالی تھی۔ اس مزار کے درودیوار کے سوا مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا۔ میں آتا ہوں تو اپنے بابا کے پاس بیٹھ کر عبادت کرتا ہوں''

''بابا'' میں نے جرات کر کے ایک سوال کیا'' بابا مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ آپ ایک مجذوب کے مزار پر آ کر عبادت کیوں کرتے ہیں۔ آپ کسی مسجد میں بیٹھ سکتے ہیں۔ عبادت کے لئے کیا مزارات پر آنا ضروری ہے''

بابا تیلے شاہ بولے۔''میرے بچے۔ اپنے دل کو اتنا سخت کر کے سوال نہ کرو۔ ویسے میں تمہیں یہ بتادوں کہ عبادت کے لئے مقامات کی بھی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ بڑے نازک معاملات ہیں۔ جو ہر کسی کو سمجھ نہیں آ سکتے۔ ہم یہاں آتے ہیں تو قلب ونظر کو گہرا سکون ملتا ہے۔ ہم غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔''

لیکن آخر کیوں......'' میں ان کے جواب کو نظر انداز کر کے اپنے سوال پر بضد ہو گیا۔

''صبر کرو...... تحمل سے سنو......'' بابا تیلے شاہ شفقت اور ملائمت سے بولے اور پھر زیر لب کچھ پڑھنے لگے۔ اس بار ان کے الفاظ صاف سنائی دے رہے تھے۔ وہ سورۃ اخلاص اور دوسرا کلمہ پڑھنے کے بعد میرے سینے پر پھونک مار کر بولے۔''شاہد میاں ایک بات ذہن میں رکھ لو۔ اللہ تعالی اپنے عبادت گزار بندوں کو، اپنے محبوب انسانوں کو اپنی رحمت سے دور نہیں رکھتا۔ وصال کے بعد ان کی قبور پر اللہ کی رحمت برستی رہتی ہے تم نے دیکھا ہے۔ اللہ کے حقیقی بندوں کے مزارات پر ایک گونا سکون ملتا ہے۔ ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے بچہ آغوش مادر میں آ بیٹھا ہے۔ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔ ایسے احساسات کیوں پیدا ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں اللہ کی رحمت برستی ہے اور اللہ تبارک تعالی کی رحمت کا احساس بہت بڑی نعمت ہے۔ ہم لوگ جب ایسی جگہوں پر آتے ہیں تو بنیادی طور پر یہی

احساس اور یقین ہمیں یہاں لے کر آتا ہے۔ اس بزرگ کی قبر پر رحمت خداوندی سایہ فگن ہوتی ہے اور ہم اس کی قبر کے پاس بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں تاکہ اللہ کی رحمت کا سایہ ہم کو اپنی پناہ دے۔ جہاں اللہ کی رحمت برستی ہے وہاں دعائیں' التجائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔''

''بابا مگر مجھے' تو......'

''میں جانتا ہوں...... تجھے یہ سکون نہیں ملا ہوگا'' بابا تیلے شاہ میری زبان پکڑ کر بولے''اگر تم اپنے دل کو آزاد کر دو۔ اس پہ پڑا سختی اور غفلت کا پردہ پھاڑ دو تو تمہیں بھی یہ احساس ہوگا''

''لیکن بابا...... آپ جانتے ہیں میں بزرگوں سے عقیدت رکھتا ہوں۔ مجھے ان کی محبت بھی حاصل رہی ہے اور پھر...... مجھے اس مزار پر آنے کی تمنا بھی تھی۔ کوئی ایسی کشش تھی جو مجھے یہاں بلاتی تھی مگر میں یہاں آیا ہوں تو میرے دل سے ہر قسم کا احساس جاتا رہا ہے۔ دل خالی ہو گیا ہے...... میں اپنے دل کی بات زبان پر لے آیا۔

''ہو سکتا ہے ایسا ہوا اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تم جن چکروں میں پڑ گئے ہو اس کی وجہ سے سرکار ناراض ہیں۔ اللہ کے ولی کی ناراضگی بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی'' بابا تیلے شاہ کی بات سن کر سنسنی کی ایک لہر میرے پورے بدن میں پھیل گئی۔''میاں تمہیں برسوں پہلے یہاں حاضری دینی چاہئے تھی۔ جس بزرگ کی دعا کو اللہ نے قبول کر کے تمہارے ماں باپ کو اولاد نرینہ عطا کی تھی اس کا شکریہ تو ادا کرنا چاہئے تھا'' یہ سن کر میں شرمندہ ہو گیا۔

''ہاں بابا دیر ہو گئی ہے لیکن اب میں ان کی ناراضگی ختم کر دوں گا۔ لیکن بابا ان کی ناراضگی کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ مثلاً مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''بچے...... انہیں دھن دولت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بس تم یہاں نوافل ادا کرو۔ عبادات کرو اور اللہ سے ان بزرگوں کی شفا کے لئے دعا کرو...... اور کیا مانگتے ہیں یہ۔ بس اتنی سی بات ہے'' بابا تیلے شاہ کی بات سن کر میرے دل کو قدرے تقویت پہنچی۔ ان کی ہدایات اور رہنمائی کے مطابق میں پیر کاکے شاہ کے مزار پر مغرب کی نماز تک نوافل ادا کرتا رہا اور اللہ سے گڑگڑا کر اپنی نالائقیوں اور کوتاہیوں کی بخشش کے لئے دعا کرتا رہا۔ مغرب اور پھر عشا کی نماز بھی میں نے بابا تیلے شاہ کے ساتھ ادا کی۔ مجھے وقت گزرنے اور بھوک پیاس کا

احساس ہی نہ رہا تھا۔

یہ عشا کے بعد کی بات ہے۔ میں نے بابا تیلے شاہ سے اپنے معاملات کی باتیں کیں۔ انہیں جنات' ٹاہلی والی سرکار اور مکھن سائیں کے بارے بھی سب کچھ کہہ سنایا۔ وہ بولے۔

''میں جانتا ہوں کہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ شاہد میاں ایک بات ذہن میں بٹھا لو۔ ابلیس مردود نیکی کی آڑ میں بدی پھیلاتا ہے۔ وہ سلطان الملائکہ تھا لیکن تکبر نے اسے ابلیس مردود بنا دیا۔ لہٰذا وہ کمزور عقیدہ کے ہمارے انسانوں کو نیکی کے بہکاوے میں گناہوں کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ یہ مکھن سائیں بھی ایسا ہے۔ ٹاہلی والی سرکار اللہ کے ولی ہیں۔ لیکن ابھی وہ اپنی منزل سے بہت دور ہیں۔ ریاض شاہ ایک خراب اور دنیا کی طلب کا مارا ہوا شخص ہے۔ اس کے پاس آنے والے جنات ہیں تو مسلمان لیکن وہ اس کے احکامات ماننے پر مجبور ہیں۔ ریاض شاہ نے علوم کی طاقت سے انہیں پابند کیا ہوا ہے۔ تمہیں یاد ہے میں نے غازی کو سبزی منڈی میں پکڑ لیا تھا لیکن تم نے چھڑوا دیا۔ میں اس وقت بھی یہی چاہتا تھا کہ تم میرے پاس آؤ کیونکہ تم ایک کام کر سکتے ہو۔ ہر انسان کے بس میں ہر کام نہیں ہوتا لیکن اگر تم ہمت کرو تو ریاض شاہ کو شیطانی حرکات سے روک سکتے ہو۔ اس کے لئے ہمت اور حسن تدبر چاہئے۔ اب اگر تم یہ سوچنے لگ جاؤ کہ ایک غلط کار انسان کو روکنے کے لئے ہم کیوں نہیں کچھ کرتے تو میرے بچے...... اس کا جواب یہ ہے کہ ہر کام ہم نہیں کر سکتے۔ یہ کام تم جیسے نوجوانوں کے ذمہ ہے۔ برائی روکنا ایک جہاد ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ہمارا کام نیکی کی تبلیغ کرنا ہے۔ سو ہم کرتے رہتے ہیں۔ تمہیں اس کام پر آمادہ کرنے کے بعد میں تمہیں کچھ وظائف دوں گا جو تمہاری حفاظت کریں گے...... اللہ اکبر...... اللہ کے فضل و کرم سے تم ہر برائی کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اندر ہمت مرداں پاؤ گے'' اس رات بابا تیلے شاہ نے مجھے روحانی دنیا کے اسرار رموز سے آگاہ کیا اور کچھ قرآنی وظائف بھی یاد کرائے۔ میں رات بھر وظائف پڑھتا رہا۔ فجر کی نماز بھی مزار پر ہی ادا کی اس کے بعد مجھے نیند نے آ لیا۔ میں بہت پرسکون نیند سویا تھا۔ کسی قسم کا خواب نہیں آیا۔ حالانکہ میرے دل کے اندر یہ خواہش بھی تھی اور امید بھی تھی کہ خواب میں پیر کا کے شاہ آئیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو سورج سر پر آیا ہوا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی میں بابا تیلے شاہ کو دیکھنے لگا۔ وہ مزار کے اندر موجود تھے اور جھاڑو دے رہے تھے۔ میں نے ان کے ہاتھ سے جھاڑو

لینے کی کوشش کی تو وہ کہنے لگے کہ پہلے منہ ہاتھ تو دھو لو۔ میں ہاتھ منہ دھو کر واپس آیا اور ان سے جھاڑو لے کر مزار میں صفائی کرنے لگا۔ آدھ گھنٹہ بعد میں فارغ ہو گیا۔ بابا تیلے شاہ کہنے لگا۔

''اب ہمیں شاہ سائیں بابا کے مزار پر جانا ہے''

اس وقت مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے کھانے کی خواہش کا اظہار کیا تو مزار کے اندر سے پوٹلی اٹھا لائے اور کل دوپہر کے نان پکوڑے نکال کر مجھے تھما دیئے۔

''لو...... کھا لو''

میں نے ایک بار تو نان پکوڑوں کی طرف نظر ڈالی اور پھر بابا تیلے شاہ کی طرف دیکھا۔ وہ بولے

''کبھی کبھی روکھی سوکھی بھی کھا لیا کرو۔ پھر ساری عمر گھی کی چپڑی روٹیاں کھائی ہیں تم نے ...... اس وقت تمہیں فقیروں کا یہ کھانا نہ ملے گا''

ان کے کہنے پر میں نان پکوڑے کھانے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ انہیں کھانا میرے لئے مشکل ہو گیا تھا صرف ایک لقمہ ہی کھا سکا تھا۔

''بابا...... نہیں کھایا جاتا''

''میں جانتا ہوں تو ابھی یہ نہیں کھا سکے گا'' بابا تیلے شاہ نے نان پکوڑے واپس لئے اور بڑے سکون سے ایک ایک نوالہ کر کے کھا گئے۔

ہم دونوں الوداعی سلام کے بعد سیالکوٹ کی طرف چل دیئے

''بابا...... اب بھی پیدل چلنا ہو گا''

''نہیں آج تمہیں سواری ملے گی'' بابا تیلے شاہ نے کہا۔ ہم دونوں قصبے سے باہر نکلے تو ہمیں ایک خالی تانگہ مل گیا۔ ہم اس پر سوار ہو گئے تو کوچوان کچھ پوچھے بغیر تانگہ لے کر چل دیا۔ جب ہم اورے پہنچے تو میری نظریں بے اختیار بابا بوٹے کے کھوکھے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کی دکان پر لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ یہ نان پکوڑے کھانے والے لوگ ہوں گے لیکن پھر احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا' بابا تیلے شاہ نے انا للہ پڑھی اور میرے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی۔ بابا تیلے شاہ نے کوچوان کو رکنے کا اشارہ کیا اور بابا بوٹے کے کھوکھے کی طرف چل دیئے۔ میں بھی ان کے

ساتھ ہولیا۔ ہجوم کو چیر کر ہم آگے بڑھے تو بابا بوٹا بان کی ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔ ان کے چہرے پر گہرا سکون تھا مگر آنکھیں کھلی تھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ بابا تیلے شاہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا اور بڑے پیار سے انہیں بند کر دیا۔

''اللہ مغفرت کرے، بوٹے تیری سنی گئی'' وہ اپنا منہ اس کے کان کے قریب کر کے بولے

ہم دونوں نے بابا بوٹے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد سائیں بابا کے مزار پہنچے تو اس وقت شام ڈھل رہی تھی۔ دربار کے پاس ایک سفید باریش بزرگ دیگ تقسیم کر رہے تھے۔ دیگ کے اوپر سیاہ بھاری کپڑا ڈالا ہوا تھا۔ ایک لمبی قطار بڑے سکون سے ان سے نیاز لے رہی تھی۔ بابا تیلے شاہ نے مجھے کہا

''تو بھی قطار میں لگ جا'' میں نے ایک نظر قطار پر ڈالی۔ کم از کم سو لوگ کھڑے تھے۔ اونچے ٹیلے پر مزار تھا اور اترائی تک قطار جاتی تھی۔ میں نے سوچا کہ میرے وہاں پہنچتے پہنچتے دیگ ختم ہو جائے گی۔ یوں کھڑا رہنے کا کیا فائدہ۔ میرا خیال پڑ لگا کر بابا تیلے شاہ تک جا پہنچا بولے'' جتی ...... ہر وقت دلیل کی گانٹھ دے کر اپنے دل کی وسعتوں کو قید کرنے کی کوشش نہ کیا کرو...... صبر و تحمل سے کام لو''

ان کے کہنے پر میں قطار میں لگ گیا۔ باریش بزرگ نے ہاتھ میں ایک تھالی پکڑی ہوئی تھی۔ وہ کپڑا ذرا سا سرکاتے اور تھالی بھر کر چاولوں کی نیاز مندوں کو دیتے۔ میرے اندازے سے دیگ کو اب تک ختم ہو جانا چاہئے تھا لیکن میں ان کے قریب جا پہنچا تھا اور اب میرے پیچھے اب لمبی قطار لگ چکی تھی لیکن دیگ تھی کہ ختم ہونے کو نہ آ رہی تھی۔ میں پاس پہنچا تو میں نے اپنی جھولی پھیلا دی۔ باریش بزرگ نے تھالی چاولوں سے بھر کر میری جھولی میں ڈال دی۔ میں چلنے لگا تو وہ بولے'' شوہدے...... ایک تھالی اور لے جا اپنے بابا کو بھی کھلا دینا''

میں حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگا۔ ان کی آواز مجھے جانی پہچانی لگی لیکن میں انہیں پہچان نہ سکا۔ میرے دماغ میں کھدبدی ہونے لگی کہ یہ آواز تو میں نے کئی بار سنی ہے لیکن یہ شکل و صورت پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ میں نیاز لے کر کونے میں بیٹھ گیا۔ بابا تیلے شاہ تو مزار کے اندر چلے گئے تھے لیکن بھوک کی وجہ سے میں چاول کھانے لگ گیا۔ اصولی طور پر تو یہ بداخلاقی تھی لیکن بھوک کی ننگی تلوار میرے سر پر ضربیں لگا رہی تھی اس لئے میں'' شوہدا اور

ندیدا'' بن کر نیاز کے چاول کھاتا رہا۔ میری نظریں ابھی تک سفید باریش بزرگ پر تھیں۔ ان کا ہاتھ دیگ کے اندر جاتا تھا اور بھری پلیٹ باہر آ جاتی تھی مگر دیگ تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ میں اس عجیب اسرار پر حیران تھا اور شاید میری حیرانی کبھی ختم نہ ہوتی کہ ایک مجہول سا نوجوان لڑھکتا ہوا میرے پاس آ بیٹھا۔ اس کی ناک بہہ رہی تھی۔ بال گندے تھے۔ تن پر صرف ایک چیتھڑا تھا اس سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ مجھے ناگوار تو لگا لیکن کراہت کے باوجود میں کچھ نہ کہہ سکا۔ مزار کی روشنیاں جل اٹھیں۔ وہ لڑکا میری جھولی میں ہاتھ ڈال کر چاول کھانے لگا۔ میرے اندر ناگواری کی لہر اٹھی لیکن میں نے ضبط کیا اور سارے چاول اس کے سامنے کر دیئے۔ لڑکا بھوکوں کی طرح چاولوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے چاول کا ایک دانا بھی نہیں چھوڑا تھا۔ جب کھا چکا تو میری طرف دیکھ کر ہنس دیا۔ میرے چہرے پر اندر کی ناگواری رینگ کر باہر نکلتی نظر آ رہی تھی۔ وہ بولا

''بھیا...... سواد آیا ہے''

اس کی بات سنتے ہی میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''غازی تم''

''ہاں میں ...... اور وہ ...... بابا جی سرکار'' اس نے دیگ والے باریش بزرگ کی طرف اشارہ کیا تو اس لمحہ انہوں نے نگاہ اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ میں اس عجیب اتفاق پر ابھی حیران ہو ہی رہا تھا کہ بابا جی سرکار نے مجہول لڑکے کے روپ میں غازی کو آواز دی تو وہ پھدکتا ہوا ان کی طرف بڑھ گیا اور ان کے اشارے پر دیگ کو یوں اٹھا کر ایک طرف کو چل دیا جیسے وہ دیگ نہ ہو پیالی ہو۔ میں جھولی جھاڑتا ہوا بابا جی کی طرف بڑھا تو انہوں نے ہاتھ سے ادھر ہی مجھے رک جانے کا اشارہ کیا۔

بابا جی کا یہ روپ مجھے اچھا لگا تھا۔ لیکن میں حیران تھا کہ انہوں نے مجھے قریب آنے سے کیوں روکا ہے۔ میں گومگو کی کیفیت میں مبتلا تھا کہ کیا کروں۔ بابا جی کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ اس اثنا میں غازی دیگ رکھ کر آ گیا۔

''بابا جی نے مجھے پاس آنے سے منع کر دیا ہے'' میں نے شکوہ کے انداز میں غازی سے کہا۔

''اس کی وجہ ہے'' غازی نے کہا

''کیا وجہ ہو سکتی ہے'' میں نے دریافت کیا۔

"آج سرکار کے ساتھ ایک اور مہمان ہستی آئی ہے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ تم ان کے قریب جاؤ اور کوئی بات کرو"

"کون سی ہستی ان کے ساتھ آئی ہے" میں نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"بتادوں گا...... لیکن پہلے ایک وعدہ کرو"

"وعدہ" میں نے سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا۔

"ادھر تمہارے شہر میں قلفیوں کی ایک بڑی مشہور دکان ہے۔ مجھے قلفیاں لا دو پھر تمہیں بتاؤں گا"

غازی کی فرمائش سن کر میں نے بے اختیار قہقہہ لگایا

"بس...... اتنی سی بات تھی" یہ کہہ کر میں نے جیب سے پیسے نکال کر اسے تھما دیئے۔ "یہ لو اور موج اڑاؤ"

"بھیا میں فقیر تو نہیں ہوں خود لا کر دو ناں"

"چھوڑ یار...... شکل سے تو آج فقیر ہی لگ رہا ہے" میں نے اسے چھیڑا اور کہا "ویسے غازی تمہیں یہ عجیب وغریب روپ بھرنے کا خیال کیسے آتا ہے"

"مجھے مزہ آتا ہے ایسے سوانگ بھرنے سے۔ لوگ مجھے پاگل مجہول سمجھ کر مجھ سے بھاگتے ہیں اور میں اندر ہی اندر انجوائے کرتا ہوں"

"غازی تمہیں معلوم ہے ہمارے ہاں بہت سے ایسے مجہول ملنگ ٹائپ بچے جوان اور بوڑھے لوگ موجود ہیں جنہیں لوگ بزرگ ہستی مان کر ان سے دعائیں کراتے ہیں"

"جانتا ہوں میں...... میں خود بھی یہ کام کرتا ہوں۔ کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ مل کر کسی علاقے میں چلا جاتا ہوں کسی کو گالی دیتا ہوں' کسی کو جوتے مارتا ہوں۔ کسی پر پتھر اٹھا مارتا ہوں مجذوب بن کر۔ اپنے پاگل پن سے لوگوں کو ڈراتا ہوں۔ پھر ایسے شعبدے بھی دکھاتا ہوں جنہیں لوگ ایک مجنوں کی کرامت سمجھ کر اس کا احترام کرنے لگ جاتے ہیں۔ مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔ تمہیں ایک بات بتاؤں"

"ہوں۔۔ کہو" میں نے کہا

"ہو سکتا ہے تم غصہ کرو۔ لیکن ایک بات ہے ہمارے جدامجد ابلیس نے اپنے چیلے چانٹوں کو یہ سبق پڑھایا ہے کہ لوگوں کا اعتقاد کمزور کرنے کے لئے انہیں ایسے شعبدے دکھایا کرو جنہیں

دیکھ کر لوگ کرامت سمجھنے لگ جائیں اور لوگ۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے مسلمان، ایسے لوگوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اللہ کی حقیقی عبادت سے دور ہو جاتے ہیں۔ شریعت کے احکامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بھیا...... میں سوچتا ہوں کہ اللہ نے ہر مسلمان کو اس کے کردار اور اس کی عبادات کی وجہ سے معاف کرنا ہے لیکن ہم یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ دوسرے لوگ ہماری نجات کا باعث ہوں گے۔ اگرچہ اخلاقیات اور حقوق کے حوالے سے ہمارے اعمال دوسروں سے منسلک ہوتے ہیں مگر یہ اعمال نیکی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہم مسلمان نیکی کے اسباب اور طریقہ کار کو بھول جاتے ہیں۔ ظلم تو یہ ہے بھیا کہ مسلمان اب شیطان سے بھی نیکی کرنے لگے ہیں۔ اس پر بھی رحم کھاتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ نیکی کے لباس میں چھپا ہوا شیطان ہماری ہمدردی کا مستحق نہیں ہے جیسا کہ میں اعتراف کر رہا ہوں کہ مجھ جیسے شرارتی جنات اور شیاطین بھی ایسے کراماتی روپ دھار کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھیں کہ جس شخص کی کرامات سے وہ متاثر ہو رہے ہیں کیا وہ شریعت کا پابند ہے۔ شریعت کے دائرہ عمل سے باہر نکل جانے والا کبھی بھی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ مجذوب قسم کے لوگ جو ہوش و حواس سے بیگانہ ہوں ان کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔"

"غازی...... تم نے بڑے کام کی بات بتائی ہے لیکن کیا تم مجھے کوئی ایسا نکتہ بتا سکتے ہو جس سے جنات یا شیاطین کی پہچان ہو جائے"

"یہ بڑا مشکل کام ہے۔ انہیں پہچاننے کا ایک طریقہ تو شریعت کا آئینہ ہے جس میں ہر کسی کے اصلی چہرے کو پہچانا جا سکتا ہے۔ دوسرا طریقہ وظائف کا ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایسا وظیفہ ہے جسے آپ پڑھ کر اس شخص کی طرف پھونک ماریں گے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ وہ شخص خاکی ہے یا آتشی۔ ہم جنات اور شیاطین آتشی مخلوق ہیں۔ یہ نورانی آیات ان کے بدن کی کھال ادھیڑ دیتی ہیں"

غازی کی بات سن کر میرے ذہن میں بہت سے سوالات سر ابھارنے لگے۔ میں نے غازی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ہم دونوں مزار سے چند قدم دور پتھروں سے بنی قبور کے پاس جا بیٹھے۔ میں نے اس سے پوچھا "غازی...... تم مجھے بہت کارآمد باتیں بتا رہے ہو لیکن ایک سوال مجھے تنگ کر رہا ہے"

"وہ کیا" اس نے پوچھا

"سچی بات تو یہ ہے میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے بہت سے وظائف یاد ہیں لیکن میں نے جب بھی یہ وظائف پڑھے ہیں میں اپنے سامنے حاضر ہونے والے جنات کی پہچان نہیں کر پایا"

"میں تمہاری بات نہیں سمجھا" غازی نے الجھے لہجے میں سوال کیا۔

"مثلاً یہ کہ...... جب بابا جی اور آپ لوگوں کی حاضری ہوا کرتی تھی تو میں اس شک میں مبتلا رہتا تھا کہ آپ لوگ شیطان ہیں۔ حقیقی جنات نہیں ہو سکتے۔ میں دل ہی دل میں بہت کچھ پڑھتا تھا مگر آپ لوگ پھر بھی میرے سامنے سے غائب نہیں ہوتے تھے۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ وظائف کی نورانی طاقت سے جنات وشیاطین کا اصلی چہرہ سامنے آ جاتا ہے اور وہ غائب ہو جاتے ہیں"

میری بات سن کر غازی نے قہقہہ لگایا اور پھر دیر تک ہنستا رہا۔

"ہنس کیوں رہے ہو"

"بابا...... وہ میں...... تمہاری سادگی پر ہنس رہا ہوں"

غازی ہنستا ہی چلا جا رہا تھا۔ اس اثنا میں ایک شخص ہمارے پاس سے گزرنے لگا تو غازی اسی طرح قہقہے لگاتا اس سے لپٹ گیا۔ وہ شخص پریشان ہو گیا۔ غازی نے ہنستے ہوئے ایسا پینترا بدلا کہ میں حیران ہو کر رہ گیا۔ وہ اس کے گلے میں بازو ڈال کر جھولا جھولنے کے انداز میں لٹک گیا اور منمناتے ہوئے گنگنانے لگا۔

ترے من کی مراد
بابا شاہ کرے پوری
رکھ لاج فقیر کی
بابا شاہ کرے پوری

وہ شخص خاصی عمر کا تھا۔ اس کے چہرے پر حزن وملال ڈیرے ڈالے نظر آ رہا تھا۔ اس نے جب ایک مجہول لڑکے کو یوں اپنے ساتھ لپٹے دیکھا اور پھر اس کے نعرہ مستانہ کو سنا تو وہ اس سے گھبرانے کی بجائے خود اس سے لپٹ گیا۔

"میں مر جاؤں گا سرکار...... میرے لئے کچھ کریں" وہ شخص بلک بلک کر رونے لگ گیا۔ میں حیرت میں گم سم غازی کی اس حرکت کو دیکھ رہا تھا اس نے اپنی بات کو سچ ثابت کر دکھایا تھا۔

غازی نے کن اکھیوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر معصوم مسکراہٹ تیر رہی

تھی۔ مجھے ایسے لگا جیسے کہہ رہا ہو دیکھا بھیا میں نے اس کو پھانس لیا ہے۔

غازی اب اس کو دلاسہ دینے کے انداز میں زور زور سے پیٹھ پر تھپکیاں دینے لگا۔

"بابا شاہ تری مراد پوری کرے گا" غازی مجہول سے لہجے میں اسے کہنے لگا یہ بات کرتے ہوئے اس کا ڈھیر سارا لعاب دہن اس شخص کے چہرے پر گرا۔ میں نے اس وقت کراہت سے آنکھیں میچ لیں۔ اس شخص نے بڑی عقیدت سے سارا لعاب دہن دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے پر یوں مل لیا جیسے لوشن لگا رہا ہو۔ مجھے ابکائی آتے آتے رہ گئی۔

"شاہ بابا...... شاہ بابا۔۔ دھم دھما دھم...... شاہ بابا...... دھم دھما دھم...... شاہ بابا" غازی اب لہک لہک کر دھمال کے انداز میں نام لیتا جا رہا تھا۔ وہ شخص بھی دیوانہ وار اس کا ساتھ دینے لگا۔ اس لمحہ ایک ڈھولچی کہیں سے ادھر آ نکلا۔ اس نے ڈھول کو ایسی تھاپ دی کہ کچھ ہی دیر بعد ایک پرکیف' وجدانی اور سرفروشانہ ماحول پروان چڑھ گیا۔ مزار کی نکڑوں سے' قبروں کے آس پاس لیٹے بھنگ کے نشہ میں غرق ملنگ اور عقیدت مند ادھر آ نکلے اور ایسے سرمست ہو کر دھمال ڈالنے لگے کہ میرا انگ انگ بھی ڈھول کی تھاپ پر مچلنے لگا۔ پہلے ایک ڈھولچی' پھر دوسرا اور اس کے بعد تیسرا میدان میں اتر آیا۔ ایک طرف دھمال ڈالنے والے اور دوسری طرف ڈھول کو تھاپ کے نئے نئے آہنگ دینے والے۔ میرے لئے اب بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا مجھے لگا جیسے یہ تھاپ مجھے مدہوش کئے جا رہی ہے۔ ایک سرور ہے جو میرے ذہن پر تسلط جما رہا ہے۔ میرے پیر مچلنے لگے،،، پورا بدن پھڑکنے لگا اور پھر میں ڈھول کی تھاپ کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ میں دیوانہ وار دھمال ڈالنے لگا۔ مجھے نہیں معلوم کب تک میں دھمال ڈالتا رہا تھا اور پھر میں تھک کر جیسے گر گیا۔ شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔ میری آنکھ کھلی تو میرے گرد بہت سارے لوگ اکٹھے تھے۔ میرا سر غازی کی گود میں تھا۔ قریب ہی وہ شخص بھی بیٹھا میرے چہرے پر پانی چھڑک رہا تھا

"غغ...... غاز" میں غازی کو پکارنے ہی لگا تھا کہ اس نے میرے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا "شاہ بابا...... شاہ بابا شاہ بابا" مجھے ہوش میں آتے دیکھتے ہی اس نے خفیف انداز میں مجھے اپنا اصلی نام لینے سے روک دیا تھا۔ لیکن اس کی حرکت سے اس کا ڈھیروں تھوک میرے چہرے پر گر گیا اور میں یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اپنی قمیض کے پلو سے فوراً چہرہ صاف کیا اور غصے سے اس کی طرف دیکھنے لگا لیکن غازی سرمست ہو کر شاہ بابا، شاہ بابا کی گردان کئے جا رہا تھا۔ مگر وہ شخص میرے پاس آ گیا اور بولا "بیٹے غصہ نہ کرو یہ سائیں بچہ ہے۔ میں نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ ایسے

بچے کی بددعائیں نہیں لینی چاہیئے یہ کسی پر تھوک دیں تو اس کے غم ڈھل جاتے ہیں، تم غصہ نہ کرنا مجھے تو لگتا ہے اس سائیں کو تم سے کوئی خاص نسبت ہے“

”مم...... میری کوئی نسبت نہیں ہے اس سے“ میں ناراض ہو کر اپنے گرد کھڑے لوگوں کو دیکھنے لگا تو اس شخص نے ملنگوں اور عقیدت مندوں کو وہاں سے جانے کے لئے درخواست کی۔ لوگ تتر بتر ہو گئے۔ اب صرف وہ شخص اور غازی ہی میرے پاس تھے۔

”اگر تمہاری نسبت نہیں ہے تو دھمال کے بعد جب تم نیچے گرنے لگے تھے تو اس نے تمہیں نیچے کیوں نہیں گرنے دیا۔ اس نے تمہیں یوں اٹھا لیا تھا جیسے نومولود بچے کو اس کی ماں سینے سے لگا کر چارپائی پر لٹاتی ہے۔ میں ہی نہیں ان سب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تھا۔ اس نے بڑی چاہت سے تمہیں اٹھایا تھا۔ خود سوچو یہ اللہ والا ہے۔ کیا تمہارا وزن اس سے زیادہ ہے۔ اس نے بغیر کسی تردد کے تمہیں اٹھا لیا تھا۔ اس کا مطلب ہے اس کے اندر اتنی روحانی قوت ہے کہ تمہیں اٹھاتے ہوئے اسے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ جس انداز میں تم گرنے لگے تھے تمہیں چوٹ لگ سکتی تھی مگر اللہ کے اس سائیں نے تمہارا بال بیکا نہیں ہونے دیا“

”آپ کون ہیں“ وہ خاموش ہوا تو میں نے دریافت کیا۔ غازی اب اٹھ کر اس قبر کے پاس جا بیٹھا تھا جہاں کچھ دیر پہلے ہم باتیں کر رہے تھے۔

”میں تو اس مزار پر آتا رہتا ہوں مجھے بڑا سکون ملتا ہے یہاں برسوں سے ادھر آتا ہوں اور سکون بھر کر لے جاتا ہوں“ اس نے عقیدت سے مزار کے گنبد پر روشن رنگین ٹیوب لائٹس کی طرف دیکھا اور پھر حسرت بھرے لہجے میں بولا ”سکون تو مل جاتا ہے لیکن من کی مراد پوری نہیں ہو رہی۔ میرے دکھوں کی چادر ابھی تک میلی ہے۔ یہ نہیں دھلے۔ اصل مراد پوری نہیں ہو رہی“

”آپ کا نام کیا ہے“

”بیٹے...... میرا نام اصغر شیخ ہے۔ میں ایک معلم ہوں۔ یہاں کالج میں اردو پڑھاتا ہوں۔ بیٹا ایک وقت تھا جب میں مزاروں پر نہیں آتا تھا۔ پھر مجھے ایک بزرگ ملے۔ وہ بھی اس صاحب مزار کے عقیدت مند تھے۔ ان کے وصال کے بعد میں بھی یہاں آنے لگا۔ ان کے ساتھ آتا تھا‘ تو یہاں بزرگوں کی کرامات سنتا۔ نذر نیاز کرتا۔ میری اولاد نہیں ہوتی تھی۔ پانچ سال بعد اللہ نے ایک بیٹی دی۔ میں نے منت یہاں چڑھائی۔ اب دس سال ہو گئے ہیں۔ اس

کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ میرے دل میں اولاد نرینہ کی خواہش جڑ پکڑ چکی ہے۔ میں ہر جمعرات کو خاص طور پر یہاں آتا ہوں اور جو بھی اللہ والا ملتا ہے اس سے دعا کراتا ہوں۔ ڈاکٹروں نے تو جواب دے دیا تھا کہ اب میری بیوی کے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی۔ عزیز رشتہ داروں نے کہا دوسری شادی کر لو۔ میں نے دو سال پہلے دوسری شادی کی تھی لیکن اس سے اولاد نہیں ہوئی۔ اب احساس جرم بھی رہتا ہے کہ میں نے پہلی بیوی کی بے قدری کی اور اولاد نرینہ کے لئے دوسری بیوی کر لی لیکن ہری بھری شاخ بھی سوکھ گئی۔ میں اب اس امید پر دیئے جلاتا ہوں کہ ایک دن میری شاخ مراد پھر سے ہری ہو جائے گی“۔ اصغر شیخ کے لہجے میں امید بھی تھی اور احساس جرم بھی۔ دونوں ہاتھ تھام کر بولا ”بیٹے اگر تمہارا اس سائیں سے کوئی تعلق واسطہ ہے تو اسے کہو میرے لئے دعا کرے“

”محترم! میں اس سائیں کو نہیں جانتا“ میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا اور کہا ”میں بھی آپ کی طرح عقیدت مند ہوں میں ادھر بیٹھا ہوا تھا کہ یہ بچہ بھی ادھر آ گیا“

”تمہیں معلوم ہے اس صاحب مزار کی کرامات اور تصوف میں پہنچ کا یہ عالم ہے کہ جنات بھی ان کے مزار پر حاضری دیتے اور جاروب کشی کرتے ہیں۔ ان کے خدمت گاروں میں بھی جنات ہوا کرتے تھے۔ صاحب مزار جب درس تصوف دیتے تھے تو جنات قطار باندھ کر کھڑے رہتے تھے“

”کیا آپ نے صاحب مزار کو دیکھا ہے“ میں نے پوچھا

”نہیں بیٹے وہ تو ایک صدی پہلے وصال فرما گئے تھے۔ مجھے یہ باتیں میرے بزرگ سنایا کرتے تھے“ اصغر شیخ نہایت ادب سے کہنے لگے ”حق مغفرت کرے میرے بزرگ دوست آغا حامدی خود بھی صاحب کرامت تھے تہجد اور شب گزار تھے۔ شریعت کے پابند ایسے ولی اللہ تھے کہ ہر وقت ان کے چہرے پر بشاشت کا نور چمکتا نظر آتا۔ جود و سخا کے مالک تھے“

اس دوران غازی دوبارہ بابا شاہ کی گردان کرنے لگا۔ میں اور اصغر شیخ اس کے پاس چلے گئے۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آیا میں نے غازی سے کہا ”بابا شاہ۔ یہ ہمارے استاد ہیں ان کے لئے دعا کرو اللہ انہیں بیٹا عطا کرے“

غازی نے مجذوبانہ نظروں سے اصغر شیخ کو دیکھا پھر ایک شان سے سر ہلا کر بولا ”جا...... جا...... وہ دے گا“

اصغر شیخ یہ سن کر خوشی سے پاگل ہو گیا آگے بڑھا اور والہانہ انداز میں غازی کے میلے کچیلے ہاتھوں پر بوسے دینے لگا۔ غازی نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور ایک بار پھر میری طرف دیکھ کر ہنسنے لگا ''اب جا...... دفع دور ہو جا'' غازی نے اسے ایک طرح سے دھتکار کر اٹھایا...... اصغر شیخ بڑا خوش تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو

''ہاں بھیا اب سناؤ۔ دیکھا ایک پروفیسر بھی شرع و شریعت کو بھول گیا۔ تم ایک عام سیدھے سادھے مسلمان کو کیا کہو گے''

''غازی اس میں اس بیچارے کا زیادہ قصور نہیں ہے۔ تم نے بہروپ بھر کر اسے اکسایا''

''میں نے اکسایا۔ ارے بھیا یہ لوگ تو اکسنے پر ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ انسان کی مجبوریاں' خواہشیں' بے قراریاں اور مایوسیاں اس کو قبروں پر ماتھے ٹیکنے پر مجبور کر دیتی ہیں'' غازی بولا

''یہ تو اندھیروں کے مارے لوگ ہیں۔ جہاں روشنی ملے گی یہ اس سراب کی طرف چل دیں گے۔ تم انہیں روشنی بن کر اپنی طرف نہ بلایا کرو۔ وہ ذات کبریا...... جو مشعل راہ ہے انہیں اس طرف ہی جھکنا چاہئے۔ ہاں بزرگوں کی مغفرت اور ان کی دعاؤں کے لئے حاضریاں ہو جائیں تو غلط نہیں' یہ کہتے کہتے مجھے ایک گھن آلود خیال آ گیا'' کمبخت تو نے میرے چہرے پر بھی تھوک دیا تھا'' یہ سن کر غازی ایک بار پھر ہنسنے لگا اور بولا ''بھیا میں مجذوب جو ٹھہرا...... مجھے تو معلوم ہی نہیں ہوتا''

''تو باز آ جا غازی...... تری انہی شرارتوں کی وجہ سے یہاں کے بزرگ خفا ہیں'' میں نے اسے بتایا'' سرکار تیلے شاہ اس وقت مزار کے اندر عبادات میں مصروف ہیں''

''میں جانتا ہوں لیکن آج وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ کیونکہ آج جنات اپنے بزرگوں کے ساتھ یہاں حاضری دے رہے ہیں۔ ان کی بیبیاں بھی ساتھ آئی ہیں''

''کن کی بیبیاں......'' میں نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔

''جنات کی...... ہماری بیبیاں'' وہ بولا

''یعنی جن زادیاں'' میں نے استفسار کیا۔

''جی ہاں...... لیکن وہ ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ البتہ ایک دو بزرگ جن زادیاں ملنگنیوں کے روپ میں ہوں گی''

''باقی انسانوں کے روپ میں کیوں نہیں ظاہر ہوتیں''

''نہیں...... انہیں اس کی اجازت نہیں ملی''

''اجازت...... کیوں نہیں ملی'' میں نے حیرت سے سوال کیا

''باباجی سرکار نے منع کیا تھا۔ میں تو برسوں سے یہاں اسی روپ میں آ رہا ہوں اس لئے باباجی سرکار نے مجھے کچھ نہیں کیا۔ باباجی سرکار کے علاوہ دوسرا کوئی بھی جن انسانی روپ میں نہیں ہے۔ اس وقت ہمارا پورا گروہ اس درخت اور مزار کے اردگرد موجود ہے'' میں نے غازی کے اشارہ کرنے پر چند قدم دور بیری کے ایک بوڑھے درخت کی طرف دیکھا جس کی شاخوں پر رنگ برنگے دھاگے اور کپڑوں کے چیتھڑے لٹکے ہوئے تھے۔

''بھیا یہ بیری کا درخت بھی کراماتی درخت ہے'' غازی نے کہا'' جو اس کا بیر کھاتا ہے اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے زیادہ تر عورتیں ہی اس بیری پر آ کر دھاگے اور کپڑے باندھتی ہیں۔ کچھ تو اس کی جڑوں میں چاول اور چینی ڈال جاتی ہیں۔ ان کے خیال میں درخت پر چڑھنے والے کیڑے مکوڑے یہ خوراک کھائیں گے تو ان کی شجر مراد کی لاج بڑھ جائے گی اس لئے تو صاحب مزار کو بیری والا پیر بھی کہا جاتا ہے''

''بیری والا پیر'' میں زیر لب بڑبڑایا۔ یہ نام پہلی بار سن رہا تھا۔

''ہاں...... صاحب مزار بڑے روشن ضمیر ولی اللہ تھے۔ وہ اس کے نیچے بیٹھ کر عبادت اور تبلیغ کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ درخت بھی معتبر بن گیا۔ اس درخت پر پھل بہت کم لگتا ہے۔ یہ بھی ایک کرامت ہے کہ اگر اسے پھل لگ بھی جائے تو ہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ صرف وہ انسان ہی اس پھل کو دیکھ سکتا ہے جس کی مراد پوری ہونے کا وقت آ پہنچا ہو''

''اللہ تیری شان'' میں غازی کی بات سن کر بیری والے درخت کی طرف جانے کے لئے اٹھنے لگا کہ ایک ادھورا سوال پھر میرے ذہن میں کلبلانے لگا۔

''غازی تم نے میرے پہلے سوال کا جواب نہیں دیا تھا''

''اچھا...... ہاں...... وہی سوال...... ہاں میں تمہیں بتا دیتا ہوں'' غازی اب کی بار سنجیدہ ہو کر بتانے لگا ''بھیا آپ نے پوچھا تھا کہ وظائف پڑھنے کے باوجود جنات اور شیطان دفع دور کیوں نہیں ہوتے۔ اس کا ایک جواب تو آپ کو مل چکا ہے۔ دوسرا سوال ہماری ذات سے متعلقہ تھا۔ آپ کا کہنا ہے کہ جب ہماری حاضری ہوتی تھی تو آپ وظائف پڑھتے تھے اس پر میں ہنس پڑا تھا۔ اس کی وجہ

یہ تھی کہ ہم مسلمان جنات ہیں۔ ہمارے من میں ابلیس کی گندگی نہیں اس لئے ایک سچا مسلمان جن بشرطیکہ کوئی غلط حرکت نہ کر رہا ہو تو اسے ان وظائف سے نقصان نہیں پہنچتا لیکن میں تمہیں ایک وظیفہ بتاتا ہوں۔ اگر تم یہ پڑھ کر مسلمان جنات پر بھی پھونک مارو گے تو تمہیں اس کا ثبوت مل جائے گا کہ تمہیں جس شخص پر جن ہونے کا شبہ ہے وہ اپنی اصلیت ظاہر کر دے گا" غازی نے مجھے وظیفہ بتایا یہ قرآن پاک کی آیت تھی جسے میں بچپن سے پڑھتا آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ غازی نے مجھے ایک اور آیت مبارکہ پڑھنے کے لئے کہا۔

"اب میں یہ وظیفہ پڑھ کر تم پر پھونک ماروں گا" میں نے غازی کو چھیڑا "تا کہ تم اپنی شکل میں ظاہر ہو جاؤ"

"ارے بھیا یہ حرکت نہ کرنا ورنہ بابا جی سرکار اتنے جوتے ماریں گے کہ پھر ترستے ہی رہ جاؤ گے اور میں تمہارے سامنے نہ آؤں گا" غازی نے میرے ہاتھ پکڑ لئے۔

"کیوں ایسی بھی کیا بات ہے" میں نے کہا

"ہے ناں مسئلہ" وہ زور دے کر بولا "بابا جی سرکار کا کہنا ہے کہ انسان وعدہ کر کے مکر جاتا ہے اور وظائف کا غلط استعمال شروع کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ کسی کو ایسا وظیفہ پڑھنے کے لئے نہیں دیتے۔ جب تک کوئی انسان ریاضت کی بھٹی میں پک کر کندن نہیں ہو جاتا تب تک اسے وظائف کی حقیقی معراج نہیں ملتی" غازی کی بات میں واقعی بڑی دلیل تھی۔ میں نے اس کی بات مان لی اور پھر ہم دونوں مزار کے اندر جانے کے لئے اٹھ پڑے۔ میرے ذہن میں ان لوگوں کو دیکھنے کی خواہش مچل رہی تھی جو بیری والا پیر کے عقیدت مندوں کے روپ میں مزار کے احاطے میں محو عبادت تھے۔

مزار کے احاطے میں اگربتیوں کی سحر انگیز مہک نے ہمارا استقبال کیا۔ کالی شیشم کے منقش دروازے سے اندر داخل ہونے کے لئے تقریباً سر اور کاندھے جھکا کر اندر داخل ہونا پڑتا تھا۔ دروازے پر مغلائی خطاطی سے بیری والے پیر کا نام اور القابات لکھے ہوئے تھے۔ میں اندر داخل ہونے لگا تو ایک مجاور کہیں سے نکل کر ادھر آ گیا۔ اس نے غازی کو قمیض کے کالر سے پکڑ لیا اور درشت لہجے میں بولا۔

"تو کدھر جاتا ہے سائیں۔ چل ادھر دیگوں کے پاس"

غازی نے غیر محسوس انداز میں مجھے آنکھ ماری اور منہ کھول کر مجاور کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے

ہونٹوں کے کناروں سے رالیں ٹپکنے لگیں۔ آنکھیں کھچ گئیں۔ بدن پر تشنج کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ ہمک ہمک کر مجاور سے غیر مانوس زبان میں کچھ کہنے لگا۔ مجاور کو اس کی باتوں کی سمجھ نہ آئی تو اس نے پاس سے گزرنے والے دربار کے ایک ملنگ کو بلایا اور کہا "سائیں کو لنگر خانے میں لے جاؤ۔ ناپاک حالت میں مزار کے اندر جانا چاہتا ہے"

مجھے مجاور کا یہ انداز پسند نہ آیا۔ میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ غازی خاموشی سے ملنگ کے ساتھ لنگر خانے کی طرف چل دیا۔ اس اثنا میں ایک عقیدت مند مزار کے اندر جانے کے لئے مجھ سے راستہ مانگنے لگا۔ میں نے اسے اندر جانے کے لئے راستہ دیا اور خود ایک طرف ہو گیا۔ اس نے مزار کے دروازے کو عقیدت واحترام سے دونوں ہاتھوں سے چھوا۔ انہیں چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر زیر لب بولا "یا پیر دستگیر اس گناہگار کی حاضری قبول فرما"

میں بغور اسے دیکھتا رہا۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ صاحب مزار کی قبر کے قدموں کی طرف جھکتا چلا گیا۔ قبر سنگ مرمر کے پتھروں سے بنی تھی اور زمین سے تین فٹ اونچی تھی۔ سبز رنگ کی چاندی کے تاروں سے کشیدہ آیات و عربی القابات سے سجی ایک چادر قبر کے اوپر رکھی تھی۔ اطراف میں گلاب کے پھولوں کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ قبر کے سرہانے بابا تیلے شاہ سر گھٹنوں میں دے کر ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ دائیں طرف بابا جی سرکار انسانی روپ میں کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مورچھل تھا اور وہ دھیرے دھیرے قبر کے اوپر اس سے ہوا دے رہے تھے۔ مزار کے اندر سرہانے سے کوئی ایک دو فٹ پرے ایک کھڑکی کھلی تھی جس کی دوسری طرف بہت سی خواتین نظر آ رہی تھیں۔ کالی قباؤں میں ملبوس اجلے چہرے غزالی اور سرمگیں آنکھوں والی خواتین مقامی ہرگز نہیں تھیں۔ لگتا تھا زمیں پر حوریں اتر آئی ہیں۔ میں نے باہر دیکھ لیا تھا یہاں آنے والے متوسط نچلے طبقہ کے لوگ تھے۔ لیکن ان خواتین کے شاداب پرسکون اور امارت کی چمک سے خیرہ کرنے والے چہرے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ یہ پوش علاقے کی خواتین ہیں۔ ایک لحہ میں مجھے ان پر عربی و ایرانی خواتین ہونے کا شبہ ہوا۔ قامت قیامت خیز اور حسن آتش نوا تھا۔ گلابوں کی سرخیاں شہد اور دودھ سے دھلے ان کے چہرے انہیں مقامی عورتوں سے ممتاز کرتے تھے۔ اس سمے مجھے خیال آیا کہیں یہ جنات کی بیبیاں تو نہیں ہیں۔ یہ خیال آتے ہی میں جسارت کر کے انہیں دوبارہ دیکھنے لگا۔ ان کی آنکھوں میں ایسی جاوداں برق اور کشش تھی کہ انسان کے دل کا آبگینہ اس حسن آتش نوا کی ایک جھلک سے پگھل جاتا۔ اس سمے مجھے یہ احساس بھی ہوا کہ مجھے مزار پر کھڑے ہو کر ایسی تاک جھانک نہیں کرنی چاہئے لیکن میرے سامنے ایک ایسی مخلوق

کھڑکی تھی جسے دیکھے بغیر رہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ من چاہتا تھا بس انہیں دیکھتا رہوں۔ ان کی عمروں کا یقین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہر ایک اس قدر جاذبیت اور نسوانیت سے گوندھی ہوئی تھی کہ یہ طے کرنا مشکل ہو رہا تھا کون دوشیزگی کے پہروں میں ہے اور کون عمر کی سیڑھیاں چڑھ چکی ہے، کس کی جوانی کا سورج ڈھل چکا ہے گویا ہر ایک جوانی کے ماہتاب کی بھرپور کرن تھی۔

شاید میں یونہی بے حس و حرکت کھڑا رہتا لیکن اس عقیدت مند کی ایک حرکت سے میں چونک پڑا۔ وہ اونچی اونچی آواز میں آیات قرآنی کی تلاوت کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنے لگا۔ چند ثانئے بعد ہی وہ قبر کے قدموں میں اپنا سر رکھ کر رونے لگا۔ زاروقطار اس کی ہچکیاں سن کر باباجی سرکار نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ان کی نظریں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ ان کے لبوں پر خفیف سی مسکان نمودار ہوئی۔ انہوں نے مورچھل اس عقیدت مند کے سر پر مارا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اس کا رونا دھونا عجز و انکساری یکدم کافور ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک بھی آنسو نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کی آہ و فغاں سے لگتا تھا جیسے اس کے دل پر کرب و اذیت کے آرے چل رہے ہیں اور آنکھوں سے ساون بھادوں جاری ہو گی۔ عقیدت مند فوراً باباجی سرکار کی طرف بڑھا، جھک کر ان کے قدم چھونے لگا تھا کہ باباجی پرے ہٹ گئے اور مورچھل اس کے کاندھے پر مار کر بھاری بھرکم آواز میں بولے

"جاؤ بیٹا...... اللہ تمہاری مراد پوری کرے گا"

عقیدت مند الٹے قدموں سے پیچھے ہٹا۔ قبر کو ہاتھ لگا کر ہاتھوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا اور اسی عقیدت و احترام سے مزار سے باہر نکل گیا۔

میں بھی اندر داخل ہو گیا اور کھسکتا ہوا اس بغلی کھڑکی کے پاس چلا گیا۔ میرے ذہن پر ان حوروں کا عکس لہرا رہا تھا۔ لیکن عقیدت و احترام کا تقاضا تھا کہ میں کوئی اوچھی حرکت نہ کروں۔ پس میں نے اپنے بے لگام دل کو قابو کیا اس کی سرکشی کی لگام کھینچی اور زور سے آنکھیں میچ کر صاحب مزار کے لئے دعا کرنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ" اس دوران بابا تیلے شاہ کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ میں نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھنا چاہا لیکن غیر ارادی طور پر نظریں کھڑکی کی طرف اٹھ گئیں۔

کھڑکی بند ہو چکی تھی دوسری طرف ایک بھی چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرا دل انتظار کی سوئی پر اٹک گیا۔ بابا تیلے شاہ نے میرے من کی کمزوری کو بھانپ لیا اور سرزنش کرنے کے انداز میں بولے "میں

نے کہا ہے بیٹھ جاؤ...... لوگ دنیا کو چھوڑ کر یہاں آتے ہیں لیکن تیری نظریں یہاں بھی بھٹک رہی ہیں"

"سرکار...... میں تو" میں نے کسی عذر کا سہارا لے کر شرمندگی سے بچنے کی ناکام کوشش کی مگر پھر میں نے سوچا کہ بصیرت رکھنے والے بزرگ کے سامنے جھوٹ بولنا دوہری شرمندگی ہو گی۔ ان سے چھپانا بے سود ہے۔ وہ تو دل کی ہر دھڑکن کے اندر دھڑکتے احساس کو پا لیتے ہیں" سرکار...... میں دراصل"

"میں جانتا ہوں تو کیا کہنا چاہتا ہے" بابا تیلے شاہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑے۔

"جو تو نے دیکھا ہے کسی اور نے نہیں دیکھا"

"کک...... کیا مطلب" میں نے چونک کر...... مگر احتیاط سے پوچھا

"یہ جلوہ صرف تمہاری نظروں کو دکھایا گیا ہے ورنہ وہ بیبیاں تو اسرار کے پردوں میں ملفوف ہو کر آتی ہیں۔ کوئی دوسری عورت ان جن زادیوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ دربار کی خادمائیں ہیں۔ صاحب مزار کا فیض ہے کہ انسانوں سے بڑھ کر مسلمان جنات ان کی خدمت بجا لاتے تھے اور آج بھی وہ یہاں آتے ہیں"

درباروں مزاروں پر جنات کی حاضریوں کے حوالے سے ہمارے ہاں بہت سی حکایات مشہور ہیں۔ شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جس نے اللہ کے کسی ولی سے متعلق ایسی انہونی حکایات نہ سنی ہوں کہ ان کے پاس جنات بھی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ جنات کے وجود کی حقیقت کو تسلیم کرنے اور جھٹلانے والے دو گروپوں میں تقسیم ہیں جو جنات پر یقین رکھتے ہیں ان کے ہاں اولیاء سے وابستہ جنات کی کہانیاں بہت معروف ہیں۔ ہمارے ہاں اہل سنت کا ایک بڑا مکتبہ فکر دیوبندی کہلاتا ہے۔ اس کے اسلاف سے متعلق بھی ایسی کہانیاں میں نے سن رکھی تھی۔ میں نے جن قاری صاحب سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تھی وہ بھی دیوبندی تھے۔ وہ اکثر بتایا کرتے تھے کہ دیوبند کے مدرسہ میں جنات بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مولانا قاسم نانوتوی جنہوں نے چھتہ مسجد دیوبند کی بنیاد رکھی، اسلامی علوم یکتا تھے۔ جنات بھی ان سے فقہی مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ جنات انہیں اٹھا کر ایک ایسی مجلس میں لے گئے جہاں بہت سے جنات پہلے سے موجود تھے۔ انہیں ایک فقہی مسئلہ درپیش تھا۔ جنات نے مولانا قاسم نانوتوی سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے بیان کر دیا۔ جنات کی مجلس میں ایک سن رسیدہ جن بھی تھے۔ ان کے بارے کہا جاتا تھا کہ وہ

صحابی رسولؐ ہیں۔ مولانا قاسم نانا توی نے جب مسئلہ بیان کیا تو اس صحابی رسولؐ نے ان کے شرعی مسئلہ کی تصدیق کردی کہ ہاں یہ مسئلہ جو بیان کیا گیا ہے درست ہے۔

میں جب سے بابا جی سرکار اور ریاض شاہ کے ساتھ وابستہ ہوا تھا مجھے ایسے واقعات سنائے جارہے تھے کہ جنات اللہ کے بزرگوں کی بے حد تکریم کرتے اور ان سے شرعی فقہی مسائل بھی دریافت کرتے ہیں۔ اگرچہ جنات علم وفضل میں یکتا ہوتے ہیں لیکن ایک عالم دین جنات کے علما پر فوقیت رکھتا ہے۔ میرے مشاہدے اور تجربے میں بھی یہ بات آرہی تھی کہ جنات اولیاء اللہ کے مزارات پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ بیری والے پیر کے مزار پر بابا جی سرکار، غازی اور جنات کی بیبیوں کی موجودگی بھی ان حقائق کی تصدیق کرتی تھی۔

بابا تیلے شاہ ساری رات مزار پر عبادت وریاضت میں مصروف رہنا چاہتے تھے۔ دل تو چاہتا تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ ہی شب گزاری کروں لیکن اپنے امتحان کی فکر تھی مجھے۔ عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد میں نے بابا تیلے شاہ سے گزارش کی کہ مجھے واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم واپس چلے جاؤ۔ لیکن جانے سے پہلے میں تمہیں ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں'' یہ کہہ کر انہوں نے اپنے سلوکے میں سے ایک مڑا تڑا کاغذ نکالا اور مجھ سے قلم مانگ کر اس پر کچھ لکھنے لگے۔ پھر میرے سینے پر انگشت شہادت سے کچھ لکھنے کے بعد کاغذ مجھے دے کر بولے۔

''بیٹے یہ تعویذ اپنے بازو پر باندھ لیا۔ اللہ ہی تمہارا کفیل وکیل اور محافظ ہے۔ بس میں یہ چاہتا ہوں تم جنات کے کسی بہکاوے میں نہ آنا اور انہیں یہ درس دیتے رہنا کہ وہ انسانی آبادیوں میں نکل کر شرارتیں نہ کیا کریں۔ خاص طور پر اس غازی کے بچے کو سمجھا دینا۔ بنیادی طور پر وہ نیک جنات میں سے ہے لیکن ہے تو آتشی مخلوق۔ بچہ ہے۔ شرارت کرنے سے باز نہیں آتا۔ اس نے تم سے آج جو کچھ کہا ہے وہ صحیح کہتا ہے۔ لیکن اسے سمجھا دو کہ انسانوں کے اعتماد کو مجروح نہ کیا کرے''

''سرکار اب آپ سے ملاقات کہاں ہوگی'' میں نے ان کے ہاتھ چوم کر سوال کیا

''اللہ نے چاہا تو بہت جلد ملاقات ہوگی اور...... اچانک وہ گفتگو کرتے ہوئے رک گئے اور وعلیکم السلام۔ مرحبا یا سیدی...... وعلیکم السلام کہنے لگے۔ اس لمحہ مجھے سرسراتی ہوا کے گزرنے کا احساس ہوا۔ ٹھنڈی ہوا کا وہ جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا اور صندل کی خوشبو جیسی مہک نتھنوں سے ٹکرائی۔ کچھ ہی دیر بعد پورے ماحول میں صندل اور اگر کے جلنے سے خوشگوار مہک پھیل گئی۔ میں نے پھیپھڑوں تک مسحور کن مہک کو اندر کھینچ لیا۔

''سرکار لگتا ہے جنات خوشبویات لے کر آئے ہیں''

''ہاں آج ساری رات وہ یہاں محفل جمائیں گے۔ اس لئے میں نے تمہیں جانے دیا ہے۔ صرف میں یہاں رہ سکتا ہوں چند اور بزرگ بھی آنے والے ہیں کوئی عام انسان آج کی رات یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ ہر مہینے میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جب ہم سب لوگ اسرار کے پردوں میں ملفوف ہو جاتے ہیں یہ دنیا اس دنیا سے بڑی مختلف ہوتی ہے۔ بڑی سہانی مجالس سجتی ہیں۔ واللہ تمہیں کیا بتاؤں اس روح پرور وجد والی محافل کی خواہش میں ہی تو ہم نے اس دنیا کا ذائقہ چھوڑ دیا''

یہ سن کر میری نیت بدل گئی۔ میں نے کہا ''سرکار...... وہ کیا ہے ناں...... میں کسی طرح یہاں رہ سکتا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ اس رات کے روحانی مناظر دیکھ سکوں''

''بڑا مشکل ہے یہ...... اللہ نے چاہا تو کبھی ایسا موقع بھی آئے گا۔ میں تمہیں خود بلواؤں گا لیکن یہ موقع تمہیں اس وقت ملے گا جب تم لاہور چلے جاؤ گے''

''لاہور...... مگر کہاں؟''

''وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ جب تم راوی سے اس پار ایک صاحب کرامت کی نگری میں چلے جاؤ گے۔ جب تو بے یارومددگار ہو کر اس آستانے کی چوکھٹ پر خالی دامن بیٹھا کرو گے...... وہیں سے تمہیں یہ فیض ملے گا۔ وہ وقت دور نہیں ہے۔ میرے اللہ نے چاہا تو ہوسکتا ہے میری تم سے اب ملاقات لاہور میں ہی ہو۔ یہ ملاقات کب ہوگی۔ فی الحال اس کا تعین نہیں ہوسکتا۔ ہوسکتا ہے سال، دو سال، دس سال، بیس سال بعد...... شاید اس وقت جب تمہارا تیلے شاہ تیلا تیلا ہو کر بکھر جائے گا۔ اس کی یہ سوکھی مڑی تڑی ہڈیاں خاک میں مل جائیں۔ شاید تب تم سے ملاقات ہو''

''اللہ نہ کرے بابا آپ سلامت رہیں۔ ایسی باتیں نہ کریں'' ان کی بات سن کر میں روہانسا ہو گیا

''بابا اگر یہ بات ہے آج کے بعد ہماری ملاقات طے نہیں ہے تو میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کے پاس ہی رہوں گا۔ میں برسوں ہجر و وصل کے عذاب نہیں سہہ سکوں گا۔ مجھے اپنے سے جدا نہ کریں''

''بیٹے تمہیں جانا ہی ہوگا۔ میں تمہیں اس لئے یہاں نہیں رکھ سکتا کہ تم یہ سب برداشت نہیں کر پاؤ گے۔ تمہارے دماغ کی طنابیں ٹوٹ جائیں گی۔ تم نے روحانی نشہ چکھ لیا تو غرق ہو جاؤ گے۔ خرد سے بیگانہ ہو جاؤ گے۔ دنیا تمہیں پاگل سمجھے گی۔ دنیاوی شعور ختم ہو جائے گا اور تم اللہ کے سائیں بن کر رہ جاؤ گے۔ بیٹے تمہیں اپنے ہم جنسوں کے درمیان رہ کر ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ رہا سوال

ملاقات کا تو...... میں نے تمہیں اپنے وجود کا احساس دے دیا ہے۔ یہ تعویذ تمہارے پاس رہے گا تو سمجھو میرا تعلق تم سے جڑا رہے گا۔ اس لئے اب تم واپس جاؤ" یہ کہہ کر بابا تیلے شاہ نے میرا ماتھا چوما اور نصیحت کرتے ہوئے بولے "میرے بچے تم دنیاداری میں پڑ جاؤ گے۔ جاہ و حشم کے طلبگار ہو جاؤ گے۔ اللہ تمہیں کامرانیاں دے گا لیکن میرے بچے...... اگر تم نے بزرگوں کے عطا کردہ وظائف اور اللہ کی عبادت سے رخ نہ موڑا تو تمہیں فیض ملتا رہے گا اب جاؤ کوئی تمہارا انتظار کر رہا ہے"

"بابا" ان سے جدا ہونے کے تصور سے میرا کلیجہ پھٹنے لگا۔ میری مرادوں کا گوہر چھلکنے لگا۔ میں ان سے لپٹ گیا "بابا آپ سے جدا ہو کر میں مر جاؤں گا"

میری یہ حرکت دیکھ کر وہ ہنس دیئے اور میری پیٹھ تھپتھپا کر بولے "حوصلہ کرو اب واپس سیدھے حویلی چلے جانا۔ تمہارے ملک صاحب بری امام سے ہو کر آ گئے ہیں"

"جی بابا" میں یہ خبر سن کر ان کا منہ دیکھنے لگا "ہمیں ابھی ابھی اطلاع ملی ہے اس لئے تم حویلی جاؤ اور اپنے ملک صاحب کے ساتھ مل کر شیطان کے خلاف جہاد کرو"

"شیطان...... کک کون شیطان" میں نے ہڑبڑا کر پوچھا

"مکھن سائیں...... پورے کا پورا شیطان ہے۔ اس خبیث نے صاحب مزار پر آ کر ڈیرہ جمانے کی کوشش کی تھی لیکن ایک ہی چوٹ کھا کر بھاگ گیا۔ ریاض شاہ پورے کا پورا شیطان تو نہیں ہے لیکن کبھی کبھی اس کے زیر اثر آ جاتا ہے۔ وہ حد سے گرا ہوا برا شخص نہیں ہے چونکہ ابھی ان کے پاس تازہ تازہ طاقت آئی ہے اسے برسوں کشٹ نہیں جھیلنے پڑے۔ بلکہ تھالی میں رکھ کر اسے یہ طاقت عطا کر دی گئی تھی اس لئے وہ گھمنڈی ہو گیا ہے۔ یاد رکھنا یہ گھمنڈ شیطان کا سب سے طاقتور ہتھیار ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ انسانوں کو ان کے اعلیٰ وارفع مقام سے نیچے اتارتا ہے۔ اچھا اب جاؤ ہمارا بلاوا آ رہا ہے۔ اب ہم چلتے ہیں۔ ہاں ایک اور بات یاد رکھنا ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو ایک دیا جلانے یہاں آنا اور نوافل بھی ادا کرتے رہنا"

"ٹھیک ہے بابا" میں چلنے لگا تو ایک دم ایک خیال ذہن میں آ گیا "بابا کیا میں اس بیری کا بیر کھا سکتا ہوں"

یہ سن کر وہ ہنس دیئے "تمہیں بیر کھانے کی ضرورت نہیں ہے"

"کیوں بابا"

"بیٹے...... تم اپنا اعتقاد کبھی کمزور نہیں ہونے دیتے۔ اس لئے تمہیں بیر کھانے کی ضرورت نہیں

ہے۔ یہ لوگ شارٹ کٹ کی تلاش میں آتے ہیں۔ جیسی نیت ہوتی ہے ویسا پھل مل جاتا ہے انہیں" یہ کہہ کر بابا تیلے شاہ مزار کے اندر چلے گئے۔ میں انہیں حسرت و یاسیت سے دیکھتا رہا۔

میں مزار سے نکل کر باہر سڑک پر آ گیا۔ مزار کی نسبت سڑک پر کم روشنی تھی۔ ایک کوچوان اپنے گھوڑے کو گھاس کھلا رہا تھا۔ میں نے اسے اشارہ کر کے پاس بلایا تو اس نے گھاس کی بوری گھوڑے کے منہ سے ہٹا کر تانگے میں رکھی اور میرے پاس آ کر بولا "بابو کہاں جانا ہے"

"لاری اڈے جانا ہے"

"سالم چلو گے"

"ظاہر ہے اب سواری تو ہے نہیں کوئی، سالم ہی چلو" میں نے اس سے پیسے پوچھے تو بولا "بابو جی تیس روپے لوں گا"

"تیس روپے...... کیا بات کرتے ہو۔ اڈہ دور ہی کتنا ہے۔ دو روپے سواری بنتی ہے۔ تین پیچھے تین آگے۔ کل ملا کر چھ سواریوں کے بارہ روپے بنتے ہیں" میں نے سخت انداز میں حساب کتاب کر کے بتایا۔

"بابو رات کا وقت ہے واپس بھی خالی آنا پڑے گا اور اوپر سے گھوڑا بھی تھک چکا ہے۔ جانا ہے تو پچیس روپے ہوں گے۔ بابو جی مہنگائی بہت ہو چکی ہے گھاس کلو سبزہ خریدنے کے لئے بیس روپے دینے پڑتے ہیں۔ دال دانہ الگ سے خریدنا پڑتا ہے۔ یہ گھوڑا پچاس روپے کھا جاتا ہے۔ مجھے کیا بچتا ہے صرف چالیس پچاس۔ سارا دن سڑکوں پر گھوڑوں کی لید' گاڑیوں کا دھواں پھانک کر صرف چالیس پچاس۔ مجھ سے اچھا تو گھوڑا ہے۔

پچاس روپے صرف ایک ہی کام کے لیتا ہے۔ تانگے میں جوتا اور پھر ٹھک ٹھک...... نہ بال نہ بچہ۔ نہ بیوی کی ترتر۔ نہ بجلی پانی کا بل......"

"اچھا...... اچھا...... یار پچیس طے" اس کی باتیں سن کر میں بے اختیار ہنس دیا۔ حالانکہ اس ستم ظریف کی حالت پر مجھے ہنسنا نہیں چاہئے تھا۔ حالات کا ستایا سماجی بدگمانیوں کا شکار یہ شخص ہمارے پورے معاشرے کی عکاسی کر رہا تھا۔ مجھے تو رونا چاہئے تھا لیکن میں اس کی غربت پر کیوں روتا۔ صرف ہنس دیا۔ بے حسی پر کبھی کبھار ہنس دینا بھی ہزاروں آنسوؤں سے افضل ہوتا ہے۔

☆☆

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ میں اس وقت ملکوال نہیں جانا چاہتا تھا لیکن بابا تیلے شاہ نے مجھے اشارہ دے دیا تھا کہ حویلی میں میرا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ایک ولی کامل کی رہنمائی کو اشاروں کی زبان سے سمجھ لینا دانائی کی بات ہوتی ہے۔ میں دانا تو تھا نہیں مگر میں نے جب غور کیا تو دل نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے اس وقت ہی ملکوال چلے جانا چاہئے۔ نہر کی پٹری پر لٹ جانے کا خدشہ بہر حال رہتا تھا۔ گھپ اندھیرے میں راستوں کی پہچان، بھوت پر بت کا خوف ایک فطری سی بات تھی مگر اب مجھے بھوت پریتوں سے خوف کی بجائے زیادہ خطرہ انسانی روپ میں رات کی سیاہی میں لوٹ مچاتے ہوئے ان درندوں سے تھا جو خنجر کی اور گولی سے بات کرتے تھے۔ اگر مجھے درندوں میں سے کسی ایک کا بھی سامنا کرنا پڑ جاتا تو میں اپنے بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرے پاس بارہ بور کی بندوق تھی جس کا باقاعدہ لائسنس بھی میرے پاس تھا۔ بندوق لینے کے لئے مجھے گھر جانا پڑتا اور میں گھر جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ والدین مجھے اس وقت ملکوال جانے نہ دیتے لہٰذا اس کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں خالی ہاتھ ہی ملکوال چلا جاؤں۔

لاری اڈے سے پشاور اور راولپنڈی کو جانے والی بسیں رات گئے تک چلتی تھیں لیکن ان میں سے کوئی بھی بس تھوڑے فاصلے کی سواری نہیں بٹھاتی تھی۔ گجرات وزیر آباد کی طرف جانے والی بسیں بھی جا چکی تھیں۔ لاری اڈے سے نہر کا فاصلہ کم و بیش دس پندرہ کلومیٹر پر محیط تھا۔ اگر میں پیدل بھی چل پڑتا تو صبح ہونے سے پہلے نہر تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ویسے بھی اتنا فاصلہ پیدل نہیں طے کیا جا سکتا تھا۔ اس سے مجھے بابا تیلے شاہ کا خیال آیا۔ وہ ہزاروں لاکھوں میل پیدل چل کر ریاضتوں کی اس منزل تک جا پہنچے تھے جہاں سے بندہ اپنے خالق کی قربت کو گہرے سکون سے محسوس کرتا ہے۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں پیدل چل کر نہر کے کناروں کو چھو لیتا۔ ویسے بھی یہ میلوں کا سفر پیدل طے کرنے کا معاملہ ایک دن پر تھوڑا

ماقوف ہوتا ہے۔ یہ تو مسلسل چلتے رہنے کا کام ہے۔ اور اس وقت تک میں نے یہ طے نہیں کیا تھا کہ مجھے پیدل سڑکوں کے کناروں، بیابانوں، قبرستانوں، صحراؤں، نالوں، کوہساروں کو طے کرنا ہے۔ سلوک کی یہ سبھی مسافتیں ایک آدھ دن میں تھوڑی طے ہوتی ہیں۔ اس کے لئے بھی من میں پختگی ضروری ہوتی ہے اور ایسی پختگی سے فی الحال میں محروم تھا۔ روحانیت کی لذت سے آشنائی تو ہو رہی تھی۔ لیکن میں دنیا سے کنارہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، سمندر میں غرق نہیں ہونا چاہتا تھا۔ میں تو ساحلوں کے کنارے چلتے چلتے سمندروں کی ہواؤں اور ان کے جوار بھاٹا کو دیکھنا چاہتا تھا۔ پس یہی میری سوچ اور یہی میرا عمل تھا۔

ان دنوں گندم کی کٹوائی ہو رہی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ رات کے اس پہر ٹریکٹر ٹرالی والے عموماً شہر سے واپس جاتے ہیں۔ ملکوال اور دوسرے دیہاتوں سے بھی ٹریکٹر ٹرالیاں گندم کی بوریاں لاد کر لاتی تھیں۔ میں اس امید پر لاری اڈے سے نکل کر باہر بڑی سڑک پر آ گیا کہ کسی ٹریکٹر والے سے لفٹ لیکر نہر تک چلا جاؤں گا۔ میرے بائیں طرف کوٹلی بہرام اور گلستان سینما، دائیں جانب صدر کینٹ۔ میں صدر سے آنے والے راستے پر نظریں لگائے کھڑا رہا۔ آدھ گھنٹہ گزر گیا لیکن ایک بھی ٹریکٹر ٹرالی نہ آئی۔ اس دوران میں نے لانگ روٹ کی گاڑیوں میں لفٹ لینے کی بے سود کوشش کی۔ اس انتظار کے بعد میں نے سوچا کہ میرا یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔ میں ڈیڑھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے کوٹلی بہرام کے سٹاپ پر پہنچ گیا۔ ادھر سے ایک سڑک سبزی منڈی کی طرف جاتی تھی۔ عموماً گندم منڈی سے آنے والے ٹریکٹر ٹرالیاں بھی یہی راستہ اختیار کرتی تھیں۔ میرے عقب میں گلستان سینما تھا۔ اس وقت ایک بجے کا شو ٹوٹا تھا۔ شائقین باہر آ رہے تھے۔ اس وقت مجھے امید ہوئی کہ ممکن ہے اس وقت کوئی لوکل بس آ جائے کیونکہ سیالکوٹ کے نواحی علاقوں کے علاوہ سمبڑیال تک سے یہاں فلمیں دیکھنے آنے والے آتے تھے لیکن میری یہ امیدیں بھی دم توڑ گئیں۔ اس وقت نہ تو کوئی تماشائی بس سٹاپ پر ٹھہرا تھا اور نہ ہی کوئی بس اور ویگن آئی تھی۔ غالباً کوئی فلاپ قسم کی فلم چل رہی تھی جس کی وجہ سے شو میں رش نہیں تھا۔ دوسرے علاقوں کا ایک بھی شخص فلم دیکھنے نہیں آیا تھا۔

میں یونہی ایک گھنٹہ وہاں کھڑا رہا۔ میری ٹانگیں پتھر ہو گئی تھیں۔ اس وقت مجھے تھکن کا شدید

احساس ہوا۔صبح سے رات گئے تک میں مسلسل حرکت میں تھا اور اب تھکان سے ٹوٹ کر گر جانا میرے لئے عجیب نہ تھا۔ میں ایک بند کھوکھے کے پاس رکھے لکڑی کے ایک ٹوٹے بنچ پر بیٹھ گیا۔بنچ کے پائے کو کھوکھے والے نے سنگل سے باندھا ہوا تھا۔اسے خدشہ ہوگا کہ کوئی چور یہ بنچ نہ اٹھا کر لے جائے۔شاید بنچ کی کیلیں ابھری ہوئی تھیں جونہی میں نے پہلو بدلا ایک بے رحم کیل میری ران میں چبھ گیا۔تڑپ کر اٹھا اور ران دبانے لگا۔شدید درد کا احساس ہونے لگا۔ ہاتھ لگانے پر احساس ہوا کہ ران سے خون نکلنے لگا ہے۔میں نے چلنے کی کوشش کی تو دقت محسوس ہونے لگی۔

''یاالٰہی میری مدد فرما'' میرے دل سے فغاں نکلی اور احساس کی سوئی نے میری آنکھوں میں چھید کر دیئے۔نہ جانے کیوں میں اس وقت خود کو تنہا اور بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

''اللہ میاں جی آج ہی یہ سب کچھ ہونا تھا'' میں شکوہ کے انداز میں سوچنے لگا۔سوچوں پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔ وہم و خیال کے یہ سوتے ذہن سے پھوٹتے رہتے ہیں۔ سوچوں کو روکنا کسی بھی عام انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ٹاہلی والی سرکار نے ایک بار فرمایا تھا کہ صرف وہی لوگ اپنی سوچوں کو روک سکتے ہیں جو ظاہر باطن میں اللہ کے قرب کے متمنی ہوتے ہیں۔ان کی فکر کا محور صرف ایک ذات ہوتی ہے۔عشق محمدؐ اور عشق الٰہی پر قلب و نظر کی قوتیں مرکوز کر کے ایک نقطہ میں سمٹ جاتے ہیں اور وہ نقطہ بظاہر بہت خفیف نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر داخل ہونے والے کو احساس ہوتا ہے کہ ساری کائناتیں اور اسرار اس نقطہ کے اندر بس رہے ہیں۔ جو لوگ اس ارتکاز فکر کو حاصل کر لیتے ہیں وہ دنیاوی وہم و خیال کے جال توڑ کر نکل جاتے ہیں۔انہیں کسی قسم کے گزند کا احساس نہیں ہوتا۔ان کے پیروں میں چھالے اور ان چھالوں سے رستا ہوا لہو...... انہیں قطعی درد کا احساس نہیں دلاتا۔ان کی تمام حسیات صرف ایک مرکز پر ٹھہری ہوتی ہیں۔اس لمحے میں جب مجھے ٹاہلی والی سرکار کی بات یاد آئی تو مجھے اپنی کتابوں میں پڑھا ہوا ایک سبق بھی یاد آ گیا۔حضرت علیؓ کو ایک بار تیر لگا تو آپؓ نے فرمایا ''ٹھہرو...... مجھے نماز میں کھڑے ہو لینے دو پھر تیر نکال لینا'' حضرت علیؓ نماز پر کھڑے ہوئے تو آپؓ کے شانے سے تیر نکال لیا گیا۔تیر گہرا پیوست ہوا تھا لیکن باب العلم حضرت علیؓ کے چہرہ مبارک پر ایک لمحہ کے لاکھویں حصہ میں بھی تیر

کے کھینچے جانے کا احساس نہ ہوا۔ میں سمجھ گیا اور جان گیا۔یہ وہ احساس ہے۔یہی وہ ارتکاز ہے جو اللہ کے ایک برگزیدہ انسان کو حاصل ہوتا ہے۔اس کا انہماک اپنے رب کی طرف اتنا گہرا اور مضبوط ہوتا ہے کہ اسے اردگرد کا کوئی ہوش ہی نہیں ہوتا۔یہی احساس اولیا میں منتقل ہوا۔ چلے' شب و روز کی ریاضتیں' عبادتیں دراصل اس ارتکاز کی طرف منزل پانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔جب کوئی انسان اپنے ذہن کو یکسوئی پر مائل کر لیتا ہے تو اس پر اندر باہر کی دنیا کے بھید آشکار ہونے لگتے ہیں۔یہ ذہن بھی کیا بلا ہے کیسا سپر کمپیوٹر ہے۔یہ ارتکاز اور یکسوئی اس سپر کمپیوٹر کی ٹیکنالوجی کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ جو سمجھ گیا اس نے پا لیا۔ یہ وظائف بھی تو یہی چیز ہیں۔آپ پڑھتے رہیں گے مگر شاید ہی کوئی رزلٹ نکلے۔ لاکھوں لوگ کہتے ہیں وظائف پڑھتے ہیں مگر اثر نہیں ہوتا۔لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے۔ادھر مال پر نظریں اور انگلیاں تسبیح پر۔لبوں پر وظائف مگر دل اور گمان سڑکوں کے کنارے چلتے لوگوں کی طرف مائل۔حساب کتاب میں مستغرق۔نہیں۔منزل اور گوہر مراد یوں حاصل نہیں ہوتا۔اس کے لئے انہماک چاہئے اور یہ انہماک رات کے سناٹے میں خلوت نماز پر بیٹھ کر۔جائے نماز بچھا کر۔پانچوں پہر کی نمازوں میں حاصل ہوتا ہے۔ذہن کو قابو کیجئے۔یکسوئی سے وظائف پڑھئے۔آپ کا روحانی کمپیوٹر چل پڑے گا اور مشکلات دھیرے دھیرے ختم ہوتی جائیں گی۔۔۔۔۔۔۔کیل چبھا، ران میں درد اٹھا اور میرے ذہن میں فکر اور سلوک کے نئے معنی وارد ہونے شروع ہو گئے۔اس احساس کو پانے کے بعد میں نے اپنے درد سے سمجھوتہ کر لیا۔ اسے بھولنا تو دوبھر تھا لیکن دل کو سمجھا لیا۔''شاہد میاں یہ درد ایک آزمائش ہے بلکہ نعمت ہے۔ کیل تمہاری ران میں چبھا اور درد نے تمہارے ذہن کے مقفل دریچے کھول دیئے۔اپنے رب کا شکر ادا کرو۔وہ شافع مطلق ہے۔علم یوں بھی عطا کرتا ہے۔اس کا شکر ادا کرو''

حقیقت یہ ہے کہ میں اس قدر صابر و شاکر کبھی نہ تھا۔لیکن اللہ پاک کا ناشکرا کہلوانا مجھے کبھی بھی پسند نہیں آتا تھا۔میرا ہاتھ ران سے بہتے خون پر تھا اور ذہن علم و آگہی کے اس نئے معنی پر اس علیم اور خبیر ذات کا شکر ادا کرنے لگا تھا۔

مجھے یاد آیا کہ یہاں سے کچھ دور ہی ایک مسجد ہے۔ میں لنگڑاتا ہوا مسجد میں چلا گیا لیکن باہر دروازے پر تالا پڑا دیکھ کر رک گیا۔

"اللہ میاں جی...... آپ کے گھر پر تالے پڑے ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا میری نیت کیا تھی۔ میں ساری رات حمد و ثنا کرتا۔ سجدے میں گرا پڑا رہتا۔ اللہ میاں جی آپ کے گھر پر تو تالے ہیں"
میں خود کلامی کے انداز میں مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ سنگ مرمر کی بڑی بڑی ٹائیلوں سے بنی یہ سیڑھیاں بڑا ہی ٹھنڈا احساس دلا رہی تھیں۔ بیٹھتے ہی ران میں اٹھنے والا درد آہستہ آہستہ دب گیا۔ ٹھنڈی ٹائیلوں نے درد کی آگ کو سرد کر دیا تھا لیکن اکڑاؤ بہرحال محسوس ہو رہا تھا۔

دروازے کے عین اوپر ایک سبز رنگ کا زیرو کا بلب روشن تھا۔ ادھر آسمان پر گھرا سناٹا اور اندھیارا...... اور ادھر سبز روشنی میرے قلب و نظر میں ملگجے اجالے پیدا کر رہی تھی۔ میں نے دیوار سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کر کے اپنے اللہ کا ذکر کرنے لگا۔ درود پاک پڑھتا رہا۔ وظائف جو یاد تھے تکرار سے پڑھتا رہا پھر اپنا اسم اعظم پڑھنے لگا چند لفظوں پر مشتمل یہ کلمات بہت ہی زود اثر ہوتے ہیں۔ یہ اسم اعظم جو اسمائے الٰہی سے بنائے جاتے ہیں اگر فٹ بیٹھ جائیں تو سمجھ لیں آپ کے روحانی کمپیوٹر کو وہ پاس ورڈ مل گیا جو کمپیوٹر کے رابطے عرش پر رکھی لوح محفوظ سے جوڑ دیتا ہے۔ استغراق اور انہماک کے ساتھ پڑھنے سے رب ذوالجلال بندے کو اپنی عطا اور رحمت سے نوازتا ہے۔ اس کی مردہ تقدیر میں جان ڈال دیتا ہے گویا تقدیر بدل دیتا ہے۔ یہ صرف میرے اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ سے رابطہ کے لئے اس کا ذکر ہی کافی ہے۔ میں ذکر الٰہی کے خمار میں اس قدر کھو گیا تھا کہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ میں ساعتوں کے گزرنے سے بے خبر تھا۔ دھیرے دھیرے بے چاپ گزرتے لمحوں نے مجھے قرب الٰہی کے احساس سے مالا مال کر دیا تھا۔ میرے قلب و نظر پر چھائی کدورتوں کی میلی چادر ہٹ گئی تھی۔ میں نے اس وقت آنکھیں کھولیں جب مسجد کے موذن نے ہلا جلا کر مجھے بیدار کیا لیکن وہ خمار پھر بھی آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔ موذن نے اسے کوئی اور ہی معنی دیا۔ درشت لہجے میں بولا

"ابے نشہ کر کے اللہ کے گھر پر ڈیرہ کیوں ڈالے پڑا ہے کوئی اور جگہ نہ ملی تھی تجھے"
میں موذن کو بس ایک ٹک دیکھتا رہا۔ اسے غصہ آ گیا
"گھورتا کیا ہے ابے۔ چل اٹھ بھاگ یہاں سے"
"مولوی صاحب غصہ کیوں کرتے ہو۔ میں تمہارے گھر پر چوکی لگا کر نہیں بیٹھا۔ یہ میرے اللہ

کا گھر ہے۔ اس نے برا نہیں منایا تو کیوں غصہ کرتا ہے"
موذن میرا الٹو ٹا ہوا اور خمار آلود لہجہ دیکھ کر تپ گیا۔
"اپنی ناپاک زبان سے اللہ کا نام لیتا ہے۔ شرم نہیں آتی۔ شکل سے تو پڑھا لکھا لگتا ہے لیکن کرتوت نشیوں جیسے"
"مولوی صاحب میری زبان پاک ہے۔ تم اپنی زبان کو چیک کراؤ میرے ساتھ مغز ماری نہ کرو اور تالا کھولو" موذن نے میرے لہجے کی کاٹ کو محسوس کیا کہ یہ کوئی بگڑا ہوا نوجوان ہے۔ اس کے دل میں نہ جانے کیا آیا کہ پھر نہیں بولا اور مجھے گھورنے پر اکتفا کر کے دروازہ کھول کر مسجد میں چلا گیا۔
میں بھی اٹھا۔ لڑکھڑاتا ہوا مسجد میں داخل ہو گیا۔
"تو اندر آ گیا...... نجاست پھیلانا چاہتا ہے۔ چل باہر نکل......" موذن نے مجھے دیکھا تو زور سے میرا بازو پکڑ کر دھکیلنے لگا۔ اکڑاؤ کی وجہ سے مجھ سے سیدھے ہو کر چلنا مشکل تھا۔ موذن نے میری لڑکھڑاتی چال دیکھ کر سمجھا کہ میں نشہ کی حالت میں ہوں...... وہ میری باطنی کیفیت نہیں سمجھ سکتا تھا......
"مولوی صاحب...... میں نشہ میں نہیں ہوں...... آپ اندر جائیں اور اذان دیں۔ میں نماز پڑھ کر چلا جاؤں گا......" مسجد کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے نرم انداز میں کہا۔
"نشہ میں نہیں ہے......" موذن نے گھور کر دیکھا۔ "ابے تری آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ بہک بہک کر چلنا۔ استغفر اللہ۔ اللہ کے گھر میں آ کر جھوٹ بولتے ہو...... لاحول ولاقوۃ......"
موذن نے میرا بازو نہ چھوڑا اور مجھے باہر دھکیلنے سے باز نہ آیا...... اس اثنا میں اندر سے کسی کی گھمبیر آواز آئی۔
"قادر بخش کس سے جھگڑ رہا ہے......"
"علامہ صاحب ایک نشئی مسجد میں گھس آیا ہے......"
"کیا کہتا ہے......"
"کہتا ہے نماز پڑھنے آیا ہوں۔ لیکن مجھے تو یہ چور لگتا ہے۔ ٹوٹیاں کھول کر اور جوتیاں اٹھا کر بھاگ جائے گا...... اس لئے باہر نکال رہا ہوں مگر یہ نکلتا ہی نہیں......"

"قادر بخش اسے اندر آنے دو...... نماز سے نہ روکو...... اس کی نیت کیا ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے۔ تو آ کر اذان دے، وقت ہو رہا ہے۔" موذن قادر بخش نے مجھے بے بسی سے گھور کر دیکھا مگر جاتے جاتے دانت چبا کر بولا۔ "اگر تو نے کوئی گڑبڑ کی تو ترا چم ادھیڑ دوں گا۔" وہ کھلے ڈیل ڈول والا شخص تھا۔ ہاتھ سخت اور وزنی تھے۔ وہ واقعی میری چمڑی ادھیڑ سکتا تھا...... میں اس سے الجھ نہیں سکتا تھا۔ بے وجہ ایک وہم میری ظاہری حالت سے دغا کھا رہا تھا...... ویسے اسکی بات صحیح تھی مگر صرف اتنی...... میں تو اپنے آپ کے ذکر کا خمار لئے بیٹھا تھا۔ میں نے اسکی بات کا پھر برا نہیں منایا۔ وہ نشئی سمجھتا تھا مجھے اور میں نے قبول کر لیا کہ ہاں میں واقعی نشہ میں ہوں مگر یہ نشہ اسکی سمجھ سے بالاتر تھا۔ میں وضو کر چکا تو اس دوران فجر کی اذان ہو چکی تھی۔ مسجد بہت بڑی نہیں تھی۔ ایک کنال رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ اسکا ایک بڑا ہال تھا...... جس طرف غسل خانے تھے اس سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک حجرہ کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ گھمبیر آواز ادھر ہی سے سنائی دی تھی۔

میں وضو کر کے مسجد کے ہال میں پہنچا تو وہاں موذن کے علاوہ ایک عمر رسیدہ بزرگ نظر آئے۔ سفید لمبی ریش۔ سر پر سفید عمامہ، سفید ململ کا کرتا اور نیچے تہبند۔ وہ نوافل ادا کر رہے تھے۔ میں نے فجر کی سنتیں ادا کیں اور ایک طرف بیٹھ کر ذکر کرنے لگا۔ نماز کا وقت ہونے پر دس بارہ نمازی حضرات آ گئے۔ اس بزرگ نے امامت کرائی۔ نہایت خشوع وخضوع رقت آمیز انداز میں تلاوت کی۔ نماز کے بعد ان کے دعا کرنے کے انداز نے مجھے مسحور کر دیا۔ نماز کے بعد لوگ چلے گئے۔ مگر میں انہیں دیکھتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے ایک آدھ بار مجھے طائرانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ موذن بھی دیکھ چکا تھا کہ میں نے نماز پڑھی ہے۔ اسکے چہرے کا تناؤ اور نفرت بھی ختم ہو گئی تھی۔

نماز کے بعد بزرگ وضع شخص قرآن پاک پڑھنے کے لئے بیٹھ گئے۔ میں ان کے قریب ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر دھیرے سے بولے۔

"قادر بخش کا تجربہ اپنا ہے۔ ایک دو بار نشئی مسجد سے ٹوٹیاں اور سٹیل کے لوٹے چوری کر کے لے گئے تھے۔ اس لئے یہ تالا لگا کر جاتا ہے...... معاف کرنا بیٹے۔ قادر بخش نے تمہیں بہت کچھ کہہ دیا......" وہ بزرگ بولے۔

"علامہ صاحب۔ اس میں ان کا کیا قصور۔ میری حالت دیکھ کر انہیں یہی گمان ہونا تھا۔" میں نے کہا۔

"کہاں سے آئے ہو......" انہوں نے پوچھا۔ میں نے مختصر الفاظ میں بتا دیا کہ سواری نہ ملنے کی وجہ سے یہ رات یونہی گزر گئی ہے۔

"ہوں......" وہ گہرے انداز میں سانس لیکر میری طرف دیکھنے لگے۔

"اللہ تمہیں اس مشقت اور تکلیف پر صبر اور اجر فرمائے......" یہ کہہ کر وہ قرآن پاک کی سورۃ جن پڑھنے لگے۔ میں کامل توجہ سے تلاوت سننے لگا۔ اس وقت موذن اور صرف میں ہی مسجد میں موجود تھے۔ لیکن نہ جانے مجھے کیوں احساس ہونے لگا کہ تلاوت سننے کے لئے فرشتے اور جنات بھی جوق در جوق یہاں کھنچے چلے آئے ہیں اور مسجد کا ہال اور صحن ان کے خفیف اور لطیف وجود سے بھر چکا ہے۔ ایک گھنٹہ تک میں تلاوت کلام پاک سے محظوظ ہوتا رہا۔ اجالا اب پھیل چکا تھا۔ میں ان سے اجازت لیکر اٹھنے لگا کہ عین اس وقت ایک عورت سات آٹھ سال کے بچے کو سینے سے لگائے بھاگتی ہوئی ان کے پاس آئی۔

"علامہ صاحب میرے لعل کو بچا لیں۔ اسے پھر دورہ پڑ گیا ہے۔"

بچے کے ہاتھ پیر تشنج کے انداز میں اندر کو مڑے ہوئے تھے۔ چہرہ ایک طرف کو کھچا ہوا تھا اور سانس اٹک اٹک کر آ رہی تھی۔ ہونٹوں کے کناروں سے رالیں بہہ رہی تھیں۔

علامہ صاحب نے بچے کو چٹائی پر لٹانے کے لئے کہا اور آیات قرآن پاک پڑھ کر بچے پر پھونکنے لگے۔

☆☆☆

علامہ صاحب کی شخصیت سے میں پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ ان کی آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل کام تھا۔ گہری سیاہ اور جگ رتوں سے تھکی ہوئی آنکھیں تھیں ان کی۔ لیکن چہرے پر ایسا اطمینان تھا جو صرف اللہ کے شاکر بندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے وہ زیر لب کچھ پڑھتے رہے تھے۔ پھر انہوں نے سورہ جن میں سے مخصوص آیات پڑھ کر بچے پر پھونک ماری تھی۔ ایک بار دو بار تین بار۔ بچے کو کوئی افاقہ نہ ہوا۔ علامہ صاحب یہی آیات بار بار پڑھتے رہے۔ کچھ ہی دیر بعد بچے کے تشنج شدہ ہاتھ پاؤں پھڑکنے لگے۔ اس کی حالت ایسی تھی جیسے پانی سے نکالی ہوئی مچھلی پھڑک

پھڑک کر آخری دم لیتے ہوئے وقفے وقفے سے پھڑکتی ہے۔ یہ دیکھ کر علامہ صاحب کے ماتھے پر شکنیں پیدا ہوئیں۔

میں کئی روز سے اللہ کے بندوں اور عملیات کرنے والوں کو نہایت قریب سے دیکھ رہا تھا۔ ایک ولی، عامل، ملنگ، مجذوب اور امام مسجد کے درمیان روحانی استقامت کا بنیادی فرق جو محسوس کیا ہے وہ علامہ صاحب کے ہاں دیکھنے کو ملا۔ انہوں نے کسی تعویذ دھاگے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ لگتا تھا بچہ ماں کے ہاتھوں میں تڑپ تڑپ کر جان دے ڈالے گا۔ اس پر قابض شے نے اس کی رگوں میں اپنے پنجے بری طرح گاڑھ رکھے تھے۔ علامہ صاحب کی جبیں تفکر سے صرف ایک بار آلودہ ہوئی تھی۔ انہوں نے بچے کی حالت اور وظائف کو بے اثر دیکھا تو بچے کی ٹیڑھی میڑھی انگشت شہادت کو اپنے انگوٹھے اور انگشت شہادت میں دبا کر دوبارہ سے آیات قرآنی پڑھنے لگے تھے۔ بچے کو جھٹکے لگنے بند ہو گئے اور وہ آنکھیں جھپکنے لگا۔ خدا کی پناہ۔ اس کی آنکھیں کسی بھیڑیے کی مانند نظر آ رہی تھیں۔ اس نے ایک نظر اپنی ماں کی طرف دیکھا پھر دوسری نظر مجھ پر ڈالنے کے بعد علامہ صاحب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے کے خدوخال بدلنے لگے اور گلے سے غراہٹ پیدا ہونے لگی۔ یوں لگا جیسے بھیڑیا کسی طاقتور جانور کے سامنے بے بس ہو کر متاع عزیز بچانے کے لئے غرا رہا ہو۔

علامہ صاحب کے چہرے پر اب جلالی آثار پیدا ہونے لگے۔ انہوں نے سورہ جن کی آیات اور آیت الکرسی پڑھ کر اس کی آنکھوں پر پھونک ماری تو بچے کے حلق سے بھیڑیے کی آخری غراہٹ سنائی دی اور آنکھوں میں جیسے شعلہ سا بلند ہو کر بجھ گیا تھا۔ بچہ نڈھال ہو کر ماں کی گود میں گر گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ معمول کی حالت میں آ گیا۔

علامہ صاحب نے قادر بخش کو آواز دی ''مولانا ٹوٹی سے پانی لے آؤ'' قادر بخش جلدی سے اٹھا اور پلاسٹک کی ایک بوتل میں پانی بھر کر لے آیا۔ علامہ صاحب نے پانی کو دم کیا اور خاتون کو دے کر بولے ''بچے کو ایک ہفتہ تک بوتل سے پانی پلانا۔ کم ہو جائے تو بسم اللہ پڑھ کر تازہ پانی شامل کر لینا''

خاتون علامہ صاحب کو دعائیں دینے لگی۔ اس نے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور واپس چلی گئی۔ نہ اس نے کوئی نذرانہ دیا نہ علامہ صاحب نے اسے صدقہ اور ہدیہ دینے کے لئے کہا۔ میرے لئے یہ حیرت کی بات تھی ورنہ اب تک تو میں یہی دیکھتا اور سنتا آ رہا تھا۔ تعویذ دھاگے کے نام پر کاروبار منبر

پر بیٹھ کر بھی ہو رہا ہے۔ ایک صحافی کی حیثیت میں میرے لئے اس کاروبار کے گھناؤنے پہلو اب پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ جنات، بھوت، پریت، کالا جادو، نظر وغیرہ جیسے سحری معاملات کے علاج معالجے اور روحانیت کے درپردہ خانقاہوں میں کاروبار کا چراغ جلانے والے بہت سے چہرے میرے سامنے بے نقاب ہو رہے تھے۔ میں ان تلخ حقائق سے کبھی نظریں نہیں چرا سکتا تھا۔ یہ سب کاروبار اور ڈھکوسلا بھی ہو رہا تھا اور پراسرار دنیا کے راز بھی مجھ پر آشکار ہو رہے تھے۔ لیکن ایک عالم دین کو یوں صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر ایک سحری عمل کا توڑ کرتے دیکھ کر مجھے حیرت آمیز خوشی ہو رہی تھی۔ حیرت تو اس بات پر تھی کہ انہوں نے ایک پیسہ بھی وصول نہیں کیا تھا اور خوشی اس بات کی تھی کہ انہوں نے سحری توڑ کے لئے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے علاوہ کوئی ایسی غیر اسلامی حرکت نہیں کی تھی جسے دیکھ کر میرے دل میں چبھن ہوتی۔ میں اپنے دلی جذبات کا علامہ صاحب سے اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''حضرت آپ نے اس دکھیاری عورت کے بچے کو ایک عذاب ناک مرض سے بچا لیا ہے۔ حیرت ہے آپ نے اس سے صدقہ خیرات کے نام پر کچھ بھی طلب نہیں کیا''

''ہوں'' میری بات سن کر وہ گہری سانس بھر کر بولے۔ قبل اس کے وہ کچھ بولتے۔ تین نوجوان اندر داخل ہوئے اور قطار بنا کر علامہ صاحب سے ہاتھ ملا کر ان کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر نہایت عقیدت سے دو تین قدم پیچھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے مٹھائی کا بڑا ڈبہ ان کے قدموں میں رکھ دیا۔

''بھئی یہ کیوں لے آئے۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔ خیرت سے ہو ناں'' علامہ صاحب نے آنے والوں سے پوچھا

''جی حضرت جی۔ اللہ پاک کا کرم ہے۔ اس کے فیض سے ابا جی کی ضمانت ہو گئی ہے۔ طبیعت خراب تھی اس لئے خود زیارت کے لئے حاضر نہیں ہو سکے حالانکہ ضد کر رہے تھے کہ جب تک حضرت جی کی زیارت نہیں کر لیتے انہیں سکون نہیں ملے گا''

''اللہ تیرا شکر ہے'' علامہ صاحب جنہیں آنے والے حضرت جی کہہ رہے تھے اب میری طرف متوجہ ہوئے اور نہایت شفقت کے ساتھ بولے ''میرا اللہ اپنے بندوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔ جس نے اس کے دامن کو تھام لیا وہ طوفانوں سے نکل جاتا ہے۔ مصائب کی تلوار ان کا بال بھی بیکا نہیں

کرتی۔ اللہ جل شانہ ہر شے پر قادر ہے۔ اس کی رضا کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس نے وعدہ کیا ہے اور اللہ کا وعدہ حق ہے۔ وہ ذات اعلیٰ مقام فرماتی ہے مجھ سے خلوص دل سے مانگو میں تمہیں عطا کر دوں گا۔ کیا نام ہے آپ کا" حضرت جی نے اچانک رک کر میرا نام پوچھا "شاہد" میں نے نام بتایا تو بولے "سبحان اللہ، یعنی محبوب اور عزیز، گواہی دینے والا۔ میرے بچے اللہ تمہیں اس نام کی صداقت سے مالا مال کرے اور تمہیں حق گوئی اور حق شناسی کی قوت سے سرفراز کرے۔ ہاں تو میں عرض کر رہا تھا اس کائنات میں جو کچھ ہے رب ذوالجلال کے "کن" کی محتاج ہے۔ ہر حرف میں اس کی عطا اور حکمت ہے۔ اس لئے تو قرآن پاک مطہر و موثر ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے۔ اللہ پاک جس زبان میں کلام فرماتا ہے وہ یہی زبان ہے۔ قرآن پاک اعجاز ربی ہے اور جو اس کلام ربی کو سمجھ لیتا ہے اس نے گویا شفا کے دست قدرت کو حاصل کر لیا۔ کلام الٰہی طالب اور مطلوب کو اپنی شفا بخشتا ہے۔ تم نے جو پوچھا وہ میں نے کہہ دیا۔ اللہ کے کلام سے اس بچے کو شفا مل گئی، ان کے بے گناہ باپ کی ضمانت ہو گئی۔ اب بھلا میں اس کلام کے نام پر صدقہ خیرات اور نذرانہ کیوں طلب کروں۔ میں وہ والا تاجر نہیں ہوں جو جنس بیچتا ہے۔ تاجر تو ہوں۔ میرا سودا میرے اللہ سے طے ہوتا ہے۔ میرے کاروبار میں نفع ہی نفع ہے۔ میں اس کے کلام سے بدعقیدہ لوگوں کو بھی شفا کے راستہ پر لاتا ہوں تو وہ میری سختیاں دور کر دیتا ہے۔ سنو میاں، اللہ کا کلام سوائے اللہ کے کسی اور کو نہیں بیچا جا سکتا۔ اللہ سے یہ کاروبار کرنا اچھی بات ہے۔ یہ دس بیس روپے کا تیل خرید کر دیئے جلانے کا عمل اللہ کی شریعت نہیں ہے۔ یہ عقائد ہو سکتے ہیں۔ میں اور تم کون ہو سکتے ہیں۔ مجھے بتاؤ اللہ کے انبیاءؑ صحابہ کرامؓ خلفائے کرامؒ آئمہ کرامؒ اولیا کرام میں سے کسی نے اس روایت کی بنیاد رکھی ہے۔ میاں یہ کام ممنوعہ ہے۔ گمراہ مسلمانوں نے نعوذ باللہ قرآن پاک کی مقدس آیات کو غلط کاموں کے لئے استعمال کیا ہے وہ جہنمی ہیں اور جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ یہ عمل باندھنے اور توڑنے والے لوگ ہیں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے کو کشف حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کی دعا میں تاثیر ہوتی ہے۔ اللہ اپنے محبوب کلام کی مدد سے مانگی گئی دعا رد نہیں کرتا"

حضرت جی کی باتیں میرے دل میں اتر گئیں۔ ایسا لگا جیسے شریعت اور روحانیت کے راستے جدا جدا ہیں مگر منزل ایک ہے۔ ایک قاعدے کی پابند ہے ایک راہ فنا کی مسافر ہے۔ ان باتوں کو سمجھنے کے لئے دماغ سکندری کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن ذرا سے غور نے مجھے یہ نکتہ سمجھا دیا تھا کہ اصل

روحانیت شریعت کے بطن سے جڑی ہوئی ہے۔

میں جنہیں صرف ایک امام مسجد سمجھ رہا تھا ان کے کاسہ دامن کو اللہ نے روحانیت کی دولت سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھوں میں جگ رتوں کے دیپ شب بیدار ہونے کی علامت تھے۔ ساری رات اللہ کا ذکر کرتے رہتے۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تعلیم دیتے اور سائلوں کے مسائل سنتے۔ آٹھ نو بجے صبح سے لیکر نماز ظہر تک نیند لیتے اور پھر بیدار ہونے کے بعد مصیبت زدہ لوگوں کی داد رسی کرتے۔ اس کے سوا ان کی کوئی مصروفیت نہیں تھی۔

ان کی تعلیمات دیکھ کر مجھے خود پر ندامت محسوس ہوئی اور دل سے اقبال کے شعر کا یہ مصرعہ نکلا۔ "نور سے دور ہوں ظلمت میں گرفتار ہوں" ایک طرف قرآن بمثل مینارہ نور تھا اور دوسری طرف عملیات کے ظلمت کدے میں کھڑے اپنے دیئے جلانے والے کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ایک فطری اور ازلی روشنی اور اجالا اور دوسری طرف بے ثبات چراغ۔ میری مثال بالکل اس شعر کی مانند تھی۔

نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں
طفلک سیماب پا ہوں مکتب ہستی میں

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ روحانیت کی منزل میری جستجو تھی لیکن میں اس راہ کی بھول بھلیوں میں پڑ گیا تھا اور سیدھے راستے پر جو قرآن دکھاتا تھا اسے نہیں اپنا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں۔ ایمان کی کمزوری کی وجہ سے۔ یا پھر دنیا کی لذت نے مجھے اپنا گرویدہ بنایا ہوا تھا۔ دنیا کے گل گلزار دیکھ کر میں خلد کی تمنا سے عاجز آ گیا تھا۔ دنیا شفق کی لالیوں جیسی بھلی لگ رہی تھی مجھے۔ اس کی نظارگی نے مجھے نیم بسمل کر دیا تھا حالانکہ میں جانتا تھا اگر میں خیال و عمل کی اس پگڈنڈی پر چلتا رہا تو صبح خزاں مجھے راستے میں ہی پکڑ لے گی اور میں عمر رسیدہ برگد کی طرح ادھر کہیں گم نام راستوں میں بکھر جاؤں گا۔

حضرت جی نظر بیں انسان تھے۔ آفرین ہے انہوں نے میرے اندر کے ایک کوڑھ مادہ پرست انسان کو دیکھ لیا لیکن انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا البتہ دو لفظوں میں سب کچھ سمجھا دیا تھا "بہتر عمل اور راہبر قرآن پاک ہے"

میں نے ان کے اس ارشاد کو نصیحت سمجھا اور عہد کیا کہ اس پر قائم رہوں گا۔ لیکن میں ابن آدم کی

اس صف میں کھڑا تھا جو ناصح کی باتوں پر کان نہیں دھرتے۔

دس بجے کے قریب میں ملکوال چلا گیا۔ بڑے ملک صاحب کھیتوں میں گئے ہوئے تھے۔ نصیر اور شاہ صاحب ابھی تک سوئے پڑے تھے۔ چاچی نے مجھے دیکھتے ہی ہاتھوں ہاتھ لیا وہ سخت ناراض تھیں۔

"کہاں چلا گیا تھا تو...... تیرے لئے دیسی گھی سے حلوہ بنایا تھا۔ دوپہر تیرا انتظار کرتی رہی ہوں"

"اچھا اب کھا لیتا ہوں چاچی" چاچی کے ہاتھوں کا بنا ہوا حلوہ نہایت لذیذ ہوتا تھا۔ ویسے بھی بھوک سے نڈھال تھا۔ حلوے کا سن کر پیٹ میں آنتوں نے ندیدوں کی طرح اچھل کود شروع کر دی۔

"ایک لقمہ بھی نہیں باقی بچا۔ تمہارے حصے کا حلوہ تو غازی کھا گیا ہے"

"وہ کیوں کھا گیا...... کہاں ہے وہ"

"رات کو آیا تھا۔ ادھر باورچی خانے میں گھس گیا اور ضد کر کے کھا گیا.......... یہ جن کا بچہ بھی بڑا شوہدا ہے" چاچی غازی کا ذکر کرتے ہوئے ہنسنے لگی۔

"چاچی غازی کب آیا تھا" میرے ذہن میں کھلبلی سی مچی

"یہی کوئی عشا کے بعد کی بات ہے۔ کہتا تھا چاچی آج تو تمہیں دیگ پکانی چاہئے۔ میں نے کہا دیگ بھی پکادوں گی لیکن پھر کبھی۔ کہنے لگا ہائے چاچی اگر تو آج حلوے کی دیگ پکا کر مجھے دے دیتی تو تیری ساری مرادیں پوری ہو جاتیں۔ ہاں مجھے یاد آیا شاہد پتر...... اگر میں غازی کو حلوے کی دیگ پکا کر دے دوں تو کیا میری ساری مرادین پوری ہو جائیں گی"

"چھوڑ چاچی...... تو غازی کی باتوں میں آ گئی ہے۔ وہ شرارتی ہے۔ ابھی رات کو وہ مجھے کہہ رہا تھا......" کچھ کہتے کہتے میں بوکھلا گیا

"ہیں...... تو رات بھر آیا نہیں تجھے کہاں مل گیا" چاچی نے میری بات پکڑ لی۔

"نہیں...... دراصل وہ دو روز پہلے ملا تھا" میں نے بات بدل ڈالی "کہتا تھا میں چاچی کے ہاتھوں سے حلوہ کھانا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے اس نے آپ کو لالچ دینے کے لئے یہ کہہ دی ہو کیونکہ وہ بابا جی اور شاہ صاحب کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا"

"ہاں یہ تو ہے" چاچی کو جیسے سمجھ آ گئی۔

"چاچا جی کب تک آ جائیں گے" میں نے پوچھا

"اب تک انہیں آ جانا چاہئے" چاچی نے بتایا۔ اس اثنا میں حویلی کے گیٹ پر کسی نے زور زور سے کنڈی کھٹکھٹائی۔

"لگتا ہے ملک صاحب آ گئے ہیں" چاچی نے سر پر چادر سیدھی کی لیکن پھر رک گئیں

"لیکن وہ کیوں کنڈی کھٹکھٹائیں گے"

"دے خیر سخیا...... بری امام سرکار کے نام کی خیرات...... دے ملکانی"

باہر سے آنے والی آواز کے ساتھ بھاری گھنگھروؤں کی چھن چھن سنائی دینے لگی۔ ایسے لگا جیسے بہت سارے بیل اپنے گلے میں لٹکائے ٹل کھنکھناتے ہوئے بھاگ رہے ہیں

"آئی بابا...... آئی" چاچی نے فقیر کی صدا سنتے ہی کہا اور جلدی سے اندر سے ایک رنگدار بڑی سی بیل بوٹوں والی چادر اور کچھ روپے مجھے تھما کر بولیں "جاؤ انہیں دے آؤ"

"مگر یہ سب کیا ہے" میں ہاتھ میں پکڑے روپے اور چادر کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ چادر سے مجھے زلیخا کی مہک آ رہی تھی

"پہلے دے آؤ پھر بتاؤں گی" وہ آہستہ سے بولیں جیسے انہیں ڈر ہو کوئی سن نہ لے۔ چاچی کی اس رازداری سے میرے کان کھڑے ہو گئے۔

میں حویلی کے دروازے پر گیا۔ باہر چار ملنگ کھڑے تھے۔ انہوں نے ایک بڑی سی سبز چادر کو چاروں کونوں سے پکڑا ہوا تھا۔ ان کی رانوں پر اور کمر پر بڑے بڑے سے پیتل کے گھنگھرو اور زنجیریں بندھی تھیں۔ وہ ہلتے تو گھنگھرو زوردار آواز سے بجنے لگتے۔ مجھے دیکھ کر ملنگ نے چادر آگے کی۔ میں نے روپے اس میں ڈال دیئے۔ ایک کہنہ سال ملنگ نے مجھ سے چادر لے لی اور جاتے جاتے بولا "ملک صاحب کو ہمارا اسلام بول دینا۔ گھالی کے ملنگ آئے تھے نذرانہ پہنچ جائے گا" میں اندر آ گیا۔

"دے آئے...... کچھ کہا تو نہیں" چاچی نے راہداری میں سراسیمہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں نے ملنگ کا پیغام چاچی کو دے دیا اور پوچھا "چاچی یہ کیا معاملہ ہے"

چاچی نے میرے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا "چپ کر...... ملک صاحب آنے والے ہیں ان سے پوچھ لینا"

ایک گھنٹہ بعد ملک صاحب آ گئے۔ چاچی نے انہیں ملنگوں کی بابت بتا دیا۔ مجھ سے کہنے لگے "یہ بری امام صاحب سرکار کے شاگردوں کے مریدوں کا جتھا تھا۔ اس کو یہ لوگ اپنی زبان میں ڈالی کہتے ہیں"

"ڈالی...... کیا مطلب؟" "یعنی اردو زبان میں جسے شاخ کہتے ہیں"

"مجھے نہیں پتہ" ملک صاحب کہنے لگے "میں زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے صرف معلوم ہے کہ جب میں راولپنڈی سے نور پور شاہاں حضرت شاہ لطیفؒ کے مزار پر حاضری دینے گیا تو مجھے وہاں ان کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہاں ایک میرے عزیز دوست کے پیر و مرشد رہتے ہیں۔ میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا وہ پشاور گئے ہیں اور "ڈالی" کے ساتھ آئیں گے۔ میرے دوست نے مجھے بتایا ہے کہ ڈالی دراصل کسے کہتے ہیں۔ پشاور میں سرائے جہاں بیگم صاحبہ جو گور گھٹڑی کے نام سے معروف ہے وہاں حضرت بری سرکار کی گھٹالی ہے۔ یہاں بری امامؒ صاحب نے کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ ان کے مریدین نے اس مقام کو محفوظ کر لیا اور وہاں بری امامؒ کے ملنگ اور عقیدت مند سارا سال آتے رہتے ہیں۔ جن دنوں بری امامؒ میں عرس ہوتا ہے اس سے آٹھ نو دن پہلے پشاور میں گھٹالی کے ملنگ اور مرید جلوس نکالتے اور خیرات اکٹھی کرتے ہیں۔ اس جلوس کو بری امام کی ڈالی کہا جاتا ہے۔ سرحد کے کونے کھدروں سے مریدین "ڈالی" میں شریک ہوتے اور آٹھ دن کا پیدل سفر کر کے بری امام کے مزار پر اس وقت پہنچتے ہیں جب عرس کا پہلا سورج طلوع ہوتا ہے۔ ان کے راستے میں آٹھ پڑاؤ ہوتے ہیں۔ اردگرد کے مقامی لوگ اس ڈالی کا استقبال کرتے ہیں۔ ابھی ڈالی کے نور پور شاہاں پہنچنے میں آٹھ دن باقی تھے کہ میں واپس آ گیا۔ میرے دوست نے پیر و مرشد کی عدم موجودگی میں مجھے ایک مجذوب سے ملوایا تھا۔ وہ دربار سے باہر ایک جھگی میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگے کہ

"پرچھائیاں تیرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی جا پہلے سلام کر کے آ"

میرے دوست نے مجھے سلام کرنے کے آداب سکھائے۔ بری امام صاحب کے روضہ کے قریب ان کے شاگرد اور مریدین بھی دفن ہیں بری امام کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ان کی قبور پر جا کر دعا کرنی ہوتی ہے۔ لہٰذا میں دعا کر کے آیا تو مجذوب بابا نے مجھے کہا کہ تم اپنے علاقے کی ڈالی کے ذریعے نذرانہ بھیج دو۔ پرچھائیاں پیچھا چھوڑ دیں گی۔ مجذوب کے ساتھ ایک مرید تھا جس نے میرا

مسئلہ سن کر مجھے نذرانے کی رقم اور زلیخا کی استعمال شدہ چادر ارسال کرنے کے لئے کہا۔ ہمارے علاقے کے یہ چاروں ملنگ ہر سال پیدل بری امام صاحب کے مزار پر جاتے ہیں۔ میں نے آتے ہی ان سے درخواست کی تو آج وہ سوغات لے کر چلے گئے۔

"لیکن چاچا جی...... یہ سب کچھ کرنے کا مقصد...... ہم نے وعدہ کیا"

"چپ کر جا پتر" ملک صاحب نے مجھے قدرے ناگواری سے روک دیا۔ "میں اپنی بیٹی کو آگ میں نہیں جھونکنا چاہتا اس کے لئے اب مجھے جہاں سے آسرا ملے گا میں اس کو تھام لوں گا"

"آپ کا یہی فیصلہ ہے" میں نے پوچھا

"ہاں...... میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ اب میں بے شک تباہ و برباد ہو جاؤں میں اس شیطانی جال کو توڑ دوں گا"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں" میں نے ان کے لہجے میں استقامت دیکھی تو انہیں بابا تیلے شاہ اور حضرت جی سے ملاقات کا ماجرہ سنایا اور کہا "چاچا جی وہ دنیاوی طمع میں مبتلا نہیں ہیں۔ حضرت جی اور بابا تیلے شاہ کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ہمیں ان سے مدد حاصل کرنی ہو گی"

میری بات سن کر ملک صاحب کے چہرے پر زندگی ہویدا ہونے لگی۔ میرا کاندھا تھام کر بولے

"تو پھر انتظار کس بات کا۔ ابھی ان کے پاس چلتے ہیں"

میں نے گھڑی دیکھی حضرت جی کے اٹھنے کا وقت ہونے کو تھا "ہم ظہر کی نماز ان کے ساتھ پڑھیں گے۔ انشاءاللہ"

میرے اندر طمانیت کے لڈو پھوٹنے لگے تھے خدشہ بہر حال تھا کہ اگر شاہ صاحب کو معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا۔ لیکن جب ملک صاحب اٹل فیصلہ کر چکے تھے تو مجھے اپنی جاں سے گزر کر اپنی جاں تک پہنچنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ بہت سے جذبات میرے خوف کو اپنے پیروں تلے روند کر آگے ہی آگے بڑھ گئے تھے۔ ہم نے کسی کو نہیں بتایا ہم کہاں جا رہے ہیں۔ زلیخا ہمارے ساتھ تھی، ہم کار میں بیٹھے اور کوٹلی بہرام سے ہوتے ہوئے حضرت جی کی مسجد میں پہنچ گئے۔ نماز ظہر ان کی امامت میں ادا کی۔ نماز کے بعد ایک جمِ غفیر ان کی زیارت اور دعاؤں سے فیض یاب ہونے کے لئے امڈ آیا۔ ہم بہت پیچھے بیٹھے تھے۔ زلیخا کو ہم نے کار میں بٹھا دیا تھا۔ حضرت جی

نے خواتین کو اپنے حجرے کی طرف بٹھا رکھا تھا۔ میں زلیخا کو اندر لے آیا اور اسے بھی حجرے میں بٹھا دیا۔ مجھے بے قراری تھی کہ جلد از جلد حضرت جی سے ملاقات ہو۔ اس لئے میں بار بار اس امید پر کھڑا ہو جاتا تا کہ ان کی نظر مجھ پر پڑے تو ممکن ہے صبح کی شناسائی کام آ جائے اور وہ مجھے بلا لیں۔ لیکن نماز عصر تک ہماری باری نہ آئی۔ ملک صاحب بار بار پہلو بدلتے رہے۔ عصر کی اذان کے ساتھ ہی لوگ وضو کرنے کے لئے اٹھے تو میں نے موقع غنیمت جانا اور فوراً حضرت جی کے پاس پہنچ کر ان کے دست مبارک کو تھام لیا۔ میں جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا۔ حضرت جی نے مجھے دیکھا تو ایسے بولے جیسے مجھے جانتے ہی نہ ہوں "نماز پڑھ لو بھئی...... پھر ملاقات کریں گے"

عصر کی نماز پڑھنے کے بعد میں اور ملک صاحب حضرت جی کے پاس پہنچے تو انہیں دیکھتے ہی ملک صاحب کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

"صبر کرو میرے بیٹے...... اللہ اپنے بندوں کو امتحان میں مبتلا کرتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بندے کو سزا دے کر خوش ہو رہا ہے۔ بس تمہاری استقامت اور تمہارے ایمان کو آزمانا مقصود ہوتا ہے۔ اگر تو شاکر نکلا تو شکر سے مالا مال ہو جائے گا اور اگر بہک گیا تو گر گیا" حضرت جی ملک صاحب کے ہاتھ پر اپنا دست مبارک رکھ کر بولتے رہے۔ "لاؤ کہاں ہے ہماری بیٹی"۔ حضرت جی نے ہمارے دلوں کی زبان سمجھتے ہوئے پوچھا۔

میں اٹھنے لگا تو حضرت جی خود اٹھ پڑے اور حجرے کی طرف کھلنے والے دروازے کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے۔ "زلیخا بیٹی" ملک صاحب نے اسے آواز دی تو وہ چادر میں لپٹی معصوم سی گڑیا حضرت جی کے پاس آ گئی۔

حضرت جی کی محفل ایک سادہ پوش صاحب شریعت کی مجلس تھی۔ نہ اگربتی جل رہی تھی' لوبان' عطر اور کافور کی مہک سے محروم اس فضا میں صرف انسانوں کی سانسیں گھلی ہوئی تھیں۔

زلیخا چادر میں لپٹی حضرت جی کے سامنے آئی۔ حضرت جی نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر نظریں حیا سے نیچے کر کے زیر لب کچھ پڑھنے لگے۔

"زلیخا بیٹی دل پر بوجھ سا محسوس کرو تو مجھے خبردار کر دینا"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور ہلکی سی آواز میں بولی "جی"

حضرت جی دوبارہ پڑھائی کرنے لگے۔ پانچ منٹ تک مسلسل پڑھتے رہنے کے بعد انہوں نے نظریں اٹھائیں اور زلیخا کی پیشانی اور دائیں بائیں کاندھے پر پھونک مار کر باآواز بلند پڑھنے لگے "یا شافی بحق یا حفیظ علیٰ کل شئی قدیر" وہ مسلسل اس وظیفہ کی گردان کرتے رہے۔ اس لمحہ مجھے احساس ہوا زلیخا کے چہرے پر کھنچاؤ کے تاثرات ابھر رہے اور لب پھڑک رہے ہیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کسی طاقت نے اس کے ہونٹ پکڑ رکھے ہیں۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر میرا دل ہانپنے لگا۔ حضرت جی آنکھیں بند کئے پڑھائی کرتے جا رہے تھے ان کی پیشانی بھی شکنوں سے آلودہ ہو رہی تھی۔ میں نے چاہا کہ حضرت جی کو زلیخا کی کیفیت سے آگاہ کر دوں۔ اس کے دل پر پڑنے والا دباؤ مجھے اپنے قلب پر محسوس ہو رہا تھا۔ میں آگے بڑھ کر حضرت جی سے کہنے ہی لگا تھا کہ حضرت جی نے آنکھیں بند کئے ہوئے ہی دست مبارک بلند کر کے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔ اس کا مطلب تھا ان کی روشن خیالی اردگرد کے ماحول سے باخبر تھی۔

ادھر زلیخا کی حالت بگڑتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے لب کسی مرئی طاقت نے اس قدر مضبوطی سے سی دیئے تھے کہ اس کے اندر ہونے والی جنگ سینے سے چہرے تک پھیل گئی تھی۔ دونوں جبڑے بار بار پھیل رہے تھے۔ آنکھیں دباؤ سے ابل پڑنے کو تھیں حتیٰ کہ اس کے گوندھے ہوئے سیاہ گیسو بھی بکھرنے لگے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کے پاس بیٹھی عورتیں ڈر کر پیچھے ہٹ گئیں بلکہ ایک آدھ تو حجرے سے بھاگ بھی گئی تھیں۔ زلیخا نے دونوں ہاتھوں سے اپنے جبڑوں کو تھام لیا تھا۔ لگتا تھا جیسے اس کے اندر طوفان برپا کرنے والی قوت اس کے جبڑوں کا قید خانہ توڑ کر باہر نکل جانا چاہتی ہے۔ میں ہی نہیں ملک صاحب بھی اس کی یہ حالت دیکھ کر لرز اٹھے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ غبارہ یاد آ رہا تھا جس میں حد سے زیادہ ہوا بھر دی جائے تو وہ پھٹ جاتا ہے۔ زلیخا کے چہرے کو دیکھ کر یہی لگتا تھا کہیں اندرونی دباؤ اس کے پرخچے نہ اڑا دے۔ اس کے چہرے کے خدوخال بگڑتے چلے جا رہے تھے اور ادھر حضرت جی مسلسل پڑھتے جا رہے تھے۔ پھر اس کے بعد وہ ہوا جس کا آج بھی تصور کرتا ہوں تو پاؤں تک مجھ پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسا دلخراش اور خوفناک منظر میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

زلیخا کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی یا اس کے اندر شورش برپا کرنے والی طاقت کا غضب آخری حد کو چھو چکا تھا۔ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر ایک دم کھڑی ہو گئی اور اس کا بدن ایکا ایکی پھیلنے لگا۔

اس لمحہ حضرت جی پورے جاہ وجلال کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے زور سے اپنا دایاں ہاتھ زلیخا کے سر پر مارا اور اس کے سلے ہوئے لب اندرونی طوفان کے ریلے نے ایسے توڑ دیئے جیسے کسی ڈیم کے بند پانی کے دباؤ کی وجہ سے ایک دم کھول دیئے جائیں تو پانی پوری رفتار سے بہہ نکلتا ہے۔ زلیخا نے زوردار غرغراہٹ کے ساتھ خون بھری قے کی جو دور دور تک پھیل گئی۔ حضرت جی کے کپڑے خونی قے سے آلودہ ہو گئے۔ اس لمحہ انہوں نے قادر بخش کو آواز دے کر پانی لانے کے لئے کہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا گیا لمحوں میں ایک کٹورے میں پانی بھر لایا۔

زلیخا قے کر کے پیچھے کو گر گئی تھی' بری طرح ہانپ رہی تھی۔ پورا ماحول اس کی قے کے تعفن سے آلودہ ہو گیا تھا۔ سیاہی مائل قے کے کچھ چھینٹے مجھ پر بھی پڑے تھے۔ یہ دیکھ کر بہت سے سائل بھاگ گئے تھے۔

حضرت جی نے پانی لے کر اس پر دم کیا اور زلیخا چہرے کو اس پانی سے دھو دیا۔ ان کے چہرے پر اب اطمینان نظر آ رہا تھا۔ ''شکر ہے اس ذات کریم کا جو انسان کو خناس کے سحر سے پاک کرنے میں ہماری مدد فرماتی ہے'' حضرت جی نے چلو بھر پانی اپنے چہرے پر ڈالا اور اپنے سائلوں کی طرف دیکھ کر بولے ''کیا ممکن ہے آپ لوگ آج چلے جائیں۔

حضرت جی کے معتقد بڑے فرمانبردار تھے سب واپس چلے گئے۔ اب میرے اور ملک صاحب کے سوا کوئی اور سائل نہیں تھا۔

''شاہد میاں'' حضرت جی مجھ سے مخاطب ہوئے ''میں غسل کر کے آتا ہوں' زلیخا بیٹی کچھ دیر بعد ہوش میں آ جائے گی'' پھر وہ قادر بخش کی طرف رخ کر کے بولے ''قادر بخش صفائی کر دینا''

ملک صاحب بے ہوش زلیخا کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں تشکر بھرے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھیں۔ بیٹی کا سر گود میں رکھ کر وہ ممتا بھرے انداز میں اس کے بکھرے بال سنوار رہے تھے ''میرے مولا میری سختیاں معاف کر دے'' وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بار بار اللہ میاں جی سے دعا کر رہے تھے۔

میں نے قادر بخش کے ساتھ مل کر مسجد کے ہال کو پانی سے صاف کیا۔ طاق میں ایک گلاس رکھا ہوا تھا جس میں آٹا ڈال کر اس میں اگربتیاں لگائی ہوئی تھیں۔ فضا میں ابھی تک قے کی ناگوار بو رچی ہوئی تھی۔ میں نے اگربتیاں جلا دیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی خوشگوار مہک پھیلنے سے بدبو ختم ہو گئی۔

حضرت جی غسل کر کے آ گئے تھے مگر ابھی تک زلیخا ہوش میں نہیں آئی تھی۔ حضرت جی نے اس کی نبض چیک کی اور اطمینان بھرے انداز میں سر ہلا کر بولے ''اللہ کا شکر ہے بیٹی کی حالت سنبھل رہی ہے'' وہ شفقت پدرانہ کے ساتھ زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے بیدار کرنے لگے ''اٹھو میری بہادر بیٹی دیکھو تمہارے والد محترم غمزدہ کھڑے ہیں۔ اٹھو اور انہیں خوشخبری سنا دو کہ اب تاریک راتوں کا سفر ختم ہو چکا ہے۔ کہہ دو کہ اب تمہارے من میں نور کی پاکیزہ کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اٹھو میری پاک دامن بیٹی اٹھو۔ تم کتنے ہی پہروں میں جلی ہو لیکن میرے رب ذوالجلال کی رحمت نے اب تمہیں اپنی پناہ دی ہے'' حضرت جی کے الفاظ ہیرے موتیوں جیسے تھے تو جذبات جنت کی پرسکون فضاؤں جیسے تھے۔ یہ ان کے الفاظ کی تاثیر کی کرامت تھی کہ زلیخا آنکھیں کھولنے لگی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے چادر سے سر ڈھانپ لیا اور حضرت جی کی طرف عقیدت واحترام سے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر اطمینان نور کی طرح برس رہا تھا۔ آنکھوں میں زندگی بیدار ہو گئی تھی۔

''حضرت جی دل کو بڑا ہی سکون مل رہا ہے''

''بیٹی اللہ تمہارے قرار کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ اب تو سکون ہی محسوس کرتی رہے گی، لیکن میری بیٹی نماز باقاعدگی سے پڑھتی رہنا۔ میں تمہیں ایک سورۃ مبارکہ کا تحفہ دوں گا۔ اس کو پڑھتے رہنا اللہ اس کے ذاکر کو کبھی غیر مطمئن نہیں ہونے دیتا''

حضرت جی نے زلیخا کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا ''سورہ الرحمٰن فجر کی نماز کے بعد باقاعدگی سے پڑھنا اور اس عاصی کے لئے دعائے خیر کرنا۔ میرے مولا کریم کی صفات اس کی عنایات اور انسانوں کی ناشکریوں کا ذکر تمہیں اس سورہ مبارکہ میں ملے گا۔ اللہ کے نیک بندے فرماتے ہیں کہ سورہ الرحمٰن کے ذاکر کو اطمینان قلب نصیب ہوتا اور اس کے نصیب کے مقفل دریچے کھل جاتے ہیں۔ جہاں تقدیر کا لکھا بے بسی کا نوحہ پڑھتا ہے وہاں ایک ذاکر کو اللہ تعالیٰ اپنی عطا سے نوازتا ہے اور بے شک اللہ کی عطا مقدر کی پابندیوں سے افضل ہے''

''سبحان اللہ'' میرے دل سے نکلا۔ حضرت جی نے طائرانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر ملک صاحب سے مخاطب ہوئے ''کوشش کریں کہ ہماری بیٹی کی شادی جلد از جلد ہو جائے''

زلیخا شادی کا ذکر سن کر شرما گئی لیکن ایک انجانا سا خوف دوبارہ اس کے چہرے پر منحوس پرچھائیاں ڈالنے لگا۔ میرے دل میں بھی میٹھا سا احساس تقویت پانے لگا یہ سراب سے نکل

کر حقیقتوں کو پانے کا جذبہ تھا۔

''دعا کریں اچھا سا رشتہ مل جائے تو میں اپنی بیٹی کے ہاتھ فوراً پیلے کر دوں'' ملک صاحب نے کہا اور پھر کرب ناگہانی سے ان کی جبیں آلودہ ہوگئی۔ وہ ریاض شاہ کا معاملہ حضرت جی کے ساتھ ڈسکس کرنے لگے۔

''ملک صاحب آپ اپنے ایمان کی پوری قوت کے ساتھ ڈٹ جائیں انشاء اللہ وہ آپ کے راستے میں نہیں آئے گا۔ میں نے اس کی ہوس اور شیطانی کو ختم کر دیا ہے۔ اسے فوراً اپنے گھر سے نکال دیں جو بندہ شریعت کا پابند نہیں وہ اللہ کا دوست یعنی پیر اور ولی نہیں ہوسکتا''

''لیکن کچھ بزرگ کہتے ہیں کہ ریاض شاہ کے پاس روحانی قوتیں ہیں'' میں نے کہا

''روحانی قوتیں حاصل کر لینا ایک الگ بحث ہے لیکن جو مسلمان ایک بزرگ کا لبادہ اوڑھ کر اسلامی علوم سے استفادہ کرتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ پہنچا ہوا بزرگ ہے مگر نماز اور دیگر شرعی احکامات کو ملحوظ نہیں رکھتا وہ کامل پیر اور ولی نہیں ہوسکتا۔ شاہد میاں ایک بات ذہن میں رکھ لو۔ نماز افضل ترین عبادت ہے۔ اس کی چھوٹ نہیں ہے۔ میرے آقا سرکار دو جہاںؐ سے بڑھ کر متقی پرہیزگار کون ہے۔ آپؐ کے ایک اشارہ پر چاند دو ٹکڑے ہوسکتا ہے اللہ پاک اپنے محبوب کالی کملیؐ والے کی کسی بات کو رد نہیں کر سکتا لیکن سرکار دو جہاںؐ اللہ کے حضور سجدے میں رہتے اور اپنے اللہ کے شکر گزار بنے رہے۔ خلفائے اسلام اور صحابہ کرامؓ کی کوئی ایسی مثال بتا دو مجھے کہ انہوں نے کبھی نماز اور دیگر شرعی احکامات سے غفلت برتی۔ اللہ کے بندے، یہ سارے اعلیٰ و افضل انسان روحانیت کے درجہ افضل پر فائز تھے بلکہ میرے جیسے خاکسار تو کسی صحابی رسولؐ کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔ جب ایسے اعلیٰ و ارفع مسلمانوں نے شریعت کا دامن نہیں چھوڑا تو ہم کون ہوتے ہیں یہ دعوے کرنے والے۔ کسی کامل ولی کی داستان حیات پڑھ لو۔ اللہ کی عبادت اور شریعت کے پابند تھے وہ۔ اس لئے تم اپنے دل کو سمجھا لو کہ ریاض شاہ ایک کامل انسان نہیں ہے۔ وہ ہوس کا غلام ہے۔ جنات کا غلام ہے۔ جو لوگ ریاض شاہ کو نیک و بدکار کے درمیانی درجات سے نوازتے ہیں ان کے اپنے مسائل ہوں گے۔ لیکن میں نے جو دیکھا اور سنا ہے اس کے مطابق تو اس کو ایک پراگندہ خیال اور سفلی قوتوں کا ماہر سمجھتا ہوں۔ ایک مسلمان کی شان یہ نہیں کہ ایسے جھوٹے خداؤں کے سامنے جھک جائے۔''

ملک صاحب پر حضرت جی کی باتوں کا گہرا اثر ہوا۔ وہ بولے ''میں اسے جوتے مار کر نکال دوں گا

حضرت جی...... میں تو پہلے دن سے اس سے بدگمان ہوں لیکن میرے بچوں اور بیوی کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں''

''خیر جوتے مار کر نہ نکالئے۔ امن و سکون سے جان چھڑوا لیں۔ میں نے جو تجویز پیش کی ہے اس پر عمل ضرور کریں۔ زلیخا کی شادی فی الفور کر دیں اور ہاں'' حضرت جی کچھ کہتے کہتے رک گئے اور قادر بخش کو بلا کر پوچھنے لگے ''اس روز جو کپتان صاحب کی والدہ آئی تھیں کیا نام تھا ان کا''

قادر بخش کا حافظہ بلا کا تھا اس نے نام اور اس خاتون کا شجرہ نسب بھی منٹوں میں بتا دیا۔ قادر بخش تم ایڈریس ملک صاحب کو لکھ کر دے دو۔ ملک صاحب یہ خاندانی اور بہت نیک لوگ ہیں۔ مدتوں سے انہیں جانتا ہوں۔ وہ اپنے بیٹے کی شادی کے لئے زلیخا جیسی بیٹی کی تلاش میں ہیں اور انہوں نے یہ ذمہ داری مجھ پر چھوڑ رکھی تھی۔ کہتی تھیں سرمد بیٹے کا رشتہ میرے ہاتھوں سے ہی ہوگا۔ یہ ان کی محبت ہے کہ مجھ پر اعتماد کرتی ہیں آپ خود ان سے ملیئے میرا حوالہ دیں، اللہ نے چاہا تو بہتری ہی ہوگی۔''

حضرت جی کی بات سن کر میرا دل اضمحلال سے بیٹھ گیا۔

''حضرت جی آپ نے یہ کیا کر دیا'' میرا دل ڈوبنے لگا کیا زلیخا اب بھی مجھے نہیں ملے گی۔ زلیخا نے حضرت جی کی بات سننے کے بعد ایک ثانئے کے لئے میری طرف دیکھا تھا۔ میری تو دنیا ہی لٹ گئی تھی میں کیسا بدنصیب تھا جسے گوہر محبت نصیب نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت جی کے التفاقات سمیٹ کر ہم واپس آنے لگے تو میرا حال شکست خوردہ سپاہی جیسا تھا، پاؤں من من کے ہو رہے تھے اور من میں ہول اٹھ رہے تھے۔ ایک بار تو بے اختیار ہو کے میں نے حضرت جی کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ دل نے بہت چاہا کہ ان سے کہوں ''دلوں کے حال آپ جان لیتے ہیں تو حضرت جی میری حالت پر رحم کیوں نہیں کھاتے'' لیکن دل اپنی زبان نہ کھول سکا۔ مسجد سے نکلنے سے پہلے حضرت جی نے میرے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور ہلکا سا تھپتھپا کر کہا ''حوصلہ کرو اللہ بہتر کرے گا''

میری آنکھیں غم سے سلگ رہی تھیں۔ لیکن اب میں نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا تھا۔ یہی شرافت کا تقاضا بھی تھا۔ میں نے صرف اثبات میں سر ہلا کر حضرت جی کے اشارے کو سمجھنے کی تصدیق کر دی۔

''شاہد میاں...... زلیخا کو سخت قسم کے جادو سے اسیر بنایا گیا تھا۔ اپنے بابا جی سے کہنا جس زبان

سے اللہ رسول کا نام لیتے ہیں اس کو شیطانی اعمال کے لئے استعمال نہ کریں اور اگر اب بھی تمہار ریاض شاہ باز نہ آیا تو رب ذوالجلال کی قسم میں اسے کہیں کا نہ چھوڑوں گا“

میں نے انہیں یقین دلایا کہ ایسا ہی کہوں گا۔

رات گئے ہم ملکوال پہنچے۔ راستے بھر ہم تینوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ حویلی پہنچ کر میں سیدھا اپنے کمرے میں جا کر بستر پر گر گیا اور تکیہ اپنے منہ پر رکھ کر حزن وملال کی برکھا میں نہانے لگا۔ ساری رات میں نے یونہی گزار دی۔ مجھے نہیں معلوم اس رات حویلی میں کیا کچھ ہوا ہوگا۔ شکستگی اور رنج نے مجھے اندر سے اس قدر بے خوف اور لاتعلق کر دیا تھا کہ بے حسی کے سوتے میرے اندر دھڑا دھڑ پھوٹنے لگے۔ نماز فجر کے وقت چاچی نے آ کر مجھے بیدار کیا تھا۔ اس کا رنگ اترا ہوا تھا۔

”پتر تو ادھر پڑا ہے اور ادھر قیامت مچی ہوئی ہے“

”کیا ہوا ہے چاچی“ میں بے تاثر جذبات سے انہیں دیکھنے لگا

”شاہ صاحب آگ کا گولا بنے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں ساری حویلی کو جلا کر راکھ کر دوں گا۔ بابا جی بھی ناراض ہیں۔ وہ جا رہے ہیں۔ ملک صاحب نے کہا ہے کہ انہیں نہ روکنا لیکن پتر جی اگر وہ ناراض ہو کر چلے گئے تو اچھا نہیں ہوگا“

”چاچی میں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر وہ جانا چاہتے ہیں تو انہیں جانے دیں۔ ملک صاحب جو کہتے ہیں اس پر عمل کریں“ میرے دل میں بے حسی کا یہ عالم برپا تھا کہ مجھے حویلی سے اٹھتے ہوئے شعلوں کا منظر اچھا لگ رہا تھا۔ جب میرا نشیمن الفت ہی جل گیا تو مجھے اس کے در و بام سے کیا رغبت تھی۔ خود غرضی نے اکسایا کہ آج حویلی والوں کو جلنے دو۔ انہیں مرنے دو۔ شاہ صاحب کے راستے میں کھڑے نہیں ہونا۔ جو ہوتا ہے آج ہو جانے دو۔ تم اپنے لب سی لو اور دیکھو تماشا۔ زلیخا مجھے نہیں ملے گی تو کسی کو نہیں ملے گی۔ خود غرضی کی یہ جنگ میرے اعصاب پر بری طرح سوار ہو گئی تھی اور اس وقت میں بھول گیا کہ میں بھی تو ہوس کا غلام بن گیا ہوں۔ مجھ میں اور ریاض شاہ میں کیا فرق رہ گیا ہے۔ لیکن یہ سوچ میرے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں آئی لیکن جب پشیمانی کا ریلہ اٹھا اس وقت تک پانی پلوں کے نیچے سے بہہ چکا تھا۔ نشیمن اجڑ گیا تھا اور صدائے یاراں نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔

میں چاچی کے ساتھ شاہ صاحب کے حضور پیش ہوا تو وہ دیکھتے ہی نفرت سے بولے ”یہ

سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم زلیخا کو چاہتے تھے اس لئے تم نے نفرت کا یہ بیج بویا ہے“

یہ سن کر چاچی حیران ہو کر میری طرف دیکھنے لگی“ ہیں اس کا کیا قصور ہے شاہ صاحب“

”اس نے پٹی پڑھائی ہے ملک صاحب کو۔ اس نے بڑا ظلم کیا ہے۔ حضرت جی کے پاس یہی لے کر گیا تھا انہیں“

”ہاں ہاں میں ہی لے کر گیا تھا“ جذبات کے سیل رواں میں بہتے ہوئے میں نے کہا ”کیا برا کیا ہے میں نے۔ تم جیسے انسان کو نہیں بلکہ انسان کے روپ میں ایک شیطان کو پکڑنے کے لئے ہمارے پاس کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔ تم نے روحانیت اور نیکی کی آڑ میں ہم لوگوں کے ایمان کو بیچ ڈالا۔ ہمیں بیچوں بیچ چوراہے میں ننگا کر کے مارا ہے۔ تم ایک بے غیرت انسان ہو ریاض شاہ۔ ہم نے حویلی کی عزت بچانے کے لئے اللہ کے ایک سچے اور کامل بزرگ سے مدد لی ہے اور سچائی سامنے آ گئی ہے۔ تم نے زلیخا پر جادو کیا اور اس کی سوچوں پر اپنے پہرے بٹھا دیئے۔ بتاؤ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ تمہیں جس نے حضرت جی کے بارے میں بتایا ہے ان سے یہ بھی پوچھ لینا تھا کہ زلیخا نے خون کی جو قے کی ہے وہ کس کا دیا ہوا زہر تھا“ میں بولتا ہی چلا گیا“ کہاں ہیں بابا جی بلاؤ انہیں۔ میں انہیں اللہ کی عدالت میں کھینچ کر رہوں گا۔ ہم تم لوگوں کو نیک اور اسلامی سمجھتے رہے لیکن تم نے ہمیں گمراہ کیا۔ تم کہتے تھے کہ بابا جی اور ان کے بزرگ صحابی رسولؐ تھے۔ اللہ مارے تم جیسے انسان کو ریاض شاہ۔ تم نے ان بزرگوں کو بھی بیچ ڈالا، اللہ تمہیں نہیں چھوڑے گا۔ کان کھول کر سن لو تمہارا یہ معاملہ یہاں کے بزرگوں کے علم میں آ چکا ہے۔ تم جناتی قوتوں کو انسانی معاملات کے لئے استعمال کر رہے ہو۔ تم نے جنات کو بھی اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ تم نے اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کو توڑا ہے ریاض شاہ اللہ تمہیں نہیں چھوڑے گا“

میری باتیں سن کر ریاض شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

”میں جھوٹا مکار اور شیطان ہوں اگر یہی ہے تو پھر اس کا نتیجہ تم جلد بھگت لو گے“

”ریاض شاہ۔ بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے چلے جاؤ۔ تمہاری عزت اسی میں ہے۔ ہم نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہارے ہر قہر کا سامنا کر لیں گے لیکن تمہیں بھی اس قابل نہیں چھوڑیں گے کہ آئندہ کسی عزت دار اور معصوم گھرانے کو تباہ کر دو“

میں نے ریاض شاہ کو حضرت جی کا پیغام سنایا تو وہ سیخ پا ہو کر بولا“ میں اس بڑھے کو دیکھ لوں گا“ وہ

نتھنے پھیلا کر اپنے اندر کے سفلی انسان کی بھڑاس نکالتا رہا۔ اپنا سامان جلدی سے سمیٹا اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی حویلی سے رخصت ہو گیا۔ لیکن جاتے جاتے اس کے جنات دو عبرتناک نشانیاں حویلی والوں کو دے گئے۔ جنات نے حویلی کے سارے پودے جڑوں سے اکھیڑ دیئے اور کئی کمروں کے شہتیر گرا دیئے۔ حویلی کے مکینوں نے بڑی مشکل سے جان بچائی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری باتیں اسے برانگیختہ کر دیں گی اور یہی ہوا۔ ملک صاحب کے سارے جانور بھی ہلاک ہو گئے تھے چند لمحوں میں حویلی کھنڈر بن کر رہ گئی تھی۔

دو پہر تک ہم سہمے رہے کہ نہ جانے اب کیا ہو۔ اللہ کا شکر تھا کہ کسی کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں پہنچی تھی ملک صاحب اور میں اسی دو پہر کو کپتان کے گھر گئے۔ اس کی والدہ حضرت جی کے بھیجے ہوئے رشتے پر اس قدر نہال ہو گئی تھی کہ بیان خوشی سے باہر ہے۔ وہ کہنے لگی ”میرے بیٹے کو چند روز پر محاذ پر جانا ہے۔ میں تو چاہوں گی اس کا نکاح اور رخصتی ابھی ہو جائے“ میں نے شاید ہی زندگی میں کسی کی شادی اس قدر تیزی سے ہوتے دیکھی ہو گی ملک صاحب نے مصلحت کے تحت حویلی کی خستہ حالی کو نظر انداز کر دیا اور دو روز میں ہی حضرت جی کی موجودگی میں زلیخا پیا گھر سدھار گئی۔

میں نے زلیخا کی ڈولی کو کاندھا دے کر رخصت کیا تھا۔ میں اپنے جذبات کو بیان نہیں کر سکتا۔ منتقم مزاجی اور بے حسی نے مجھے دونوں میں عام سا انسان بنا دیا تھا۔ جس شام زلیخا کی ڈولی اٹھی میں اپنا جنازہ اٹھا کر قبرستان چلا گیا۔ اپنے ارمانوں کو بے گور و کفن دفن کرنے کے لئے۔ اچھا بھلا لباس زیب تن کیا ہوا تھا میں نے۔ میں نے اسے ہی بہترین کفن سمجھا۔ خوشبو لگا رکھی تھی' سوچا یہ کافور سے بہتر ہو گی۔ بیری اور کیکر کے درختوں کے بیچوں بیچ خود کو خود کو گھسیٹتا ہوا میں قبرستان میں اس جگہ پر جا کر ڈھیر ہو گیا جہاں ٹاہلی والی سرکار بیٹھا کرتی تھیں۔ میں ان کے والد کی قبر کے سرہانے جا کر گر گیا۔ ”بابا مجھے معاف کر دینا۔ میں اپنے اندر کے انسان کو نہیں مار سکا“

”تم نے ایک عشق کر کے دیکھ لیا۔ اب اس ذات سے عشق کر کے بھی دیکھ لے“ مجھے اپنے اندر کسی نے گویا ایک نشتر چبھو کر تڑپا دیا تھا ”تجھ سے کہا تھا یہ ترے نصیب میں نہیں ہے تو پھر کیوں اس آگ میں جلتا رہا“ مجھے لگا میرے آس پاس کوئی کھڑا ہے اور مجھے طنز کر رہا ہے۔ میری حالت پر ہنس رہا ہے۔

میں دکھ کی چتا میں جل رہا تھا۔ نہ جانے یہ کیسی اگن تھی جو بجھنے کو نہیں آ رہی تھی۔ ہزاروں آوازیں میرے تعاقب میں تھیں۔ بابا جی غازی اور ان کے جنات کے عکس قہقہے لگاتے میرے آگے پیچھے سے گزر رہے تھے اور میں ٹاہلی والی سرکار کے والد گرامی کی قبر پر ٹکریں مار مار کر کسی معجزہ، کرامت کا منتظر تھا۔

”او خدایا تو کہاں ہے۔ میری حالت پر رحم فرما۔ مجھے اس آگ سے نجات دلا دے“ میں جانتا تھا اس ذات اعلیٰ و برتر کے سوا میرا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ لیکن اللہ میاں جی نے مجھ پر رحم نہیں کھایا۔ میں نے ساری رات غموں کے بوجھ تلے دب کر گزار دی۔ میرے اندر پیدا ہونے والی بے حسی نے مجھے سجدہ میں نہیں گرنے دیا۔ میں تو بزرگوں کی تعلیمات کو بھی بھول گیا تھا۔

میں آج اس رات کے بارے میں سوچتا ہوں تو اپنی اس حالت پر مجھے ترس بھی آتا ہے اور حیرانی بھی۔ مجھے یاد ہے اس کے بعد میں کبھی کسی بھی قبرستان میں نہیں ٹھہرا۔ اگر کوئی عزیز وغیرہ فوت بھی ہو گیا اور اسے دفنانے کے لئے قبرستان جانا بھی پڑا تو میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ ہی ٹھہرا ہوں گا۔ کیونکہ قبرستان داخل ہوتے ہی میں یادوں کی برسات میں بھیگنے لگتا ہوں۔ مجھ پر وحشت اور خوف طاری ہو جاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے مردے قبروں سے نکل کر مجھ پر جھپٹنے لگتے ہیں۔ اللہ گواہ ہے میں وہم و خیال کا شکار ہونے والا انسان نہیں ہوں۔ ایک انسان جن حالات سے گزرتا ہے اس کے درد کی کیفیات کوئی دوسرا کیونکر لگا سکتا ہے۔ اس رات میں قبرستان میں یوں پڑا رہا تھا جیسے میں بھی مردہ ہوں۔ یہ اتفاق ہی تھا یا اللہ نے میری حفاظت کی خاطر مجھے اس خوفناک ویرانے میں مجھے تنگ کرنے کے لئے کسی شے کو میری طرف نہیں آنے دیا تھا۔ بہر حال صبح ہوئی، دو پہر ہونے کو آ گئی، میں بے ہوش پڑا رہا۔ مکھیاں اور کیڑے میرے اوپر رینگتے اور اڑتے رہے۔ کوئی بارہ بجے کی بات ہے۔ گاؤں کے کسی شخص نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو بھاگتا ہوا ملک صاحب کے پاس گیا۔ اس وقت وہ زلیخا کے پاس شہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ اور نصیر بھاگتے ہوئے میرے پاس آئے۔ مجھے ہوش

میں لانے کی کوشش کرتے رہے لیکن میں ہوش میں نہیں آیا تو دونوں مجھے تانگے میں لاد کر حویلی لے آئے۔وہ زلیخا کا سکلاوا لینے جانا بھول گئے اور مجھے ہوش میں لانے کی تدابیر کرتے رہے۔وہ کس قدر پریشان تھے اس کا اندازہ تو مجھے ہوش میں آنے کے بعد ہوا۔انہوں نے جس اپنائیت کا ثبوت دیا تھا اور میری خاطر اپنے خون کے رشتوں کو بھول گئے تھے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ چاچی نے انہیں یہ بتا دیا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور چاچی نے ہماری شادی کا عندیہ بھی ظاہر کر دیا تھا لیکن حالات اس قدر تیزی سے بدل گئے تھے کہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ملک صاحب چاچی پر بہت زیادہ برسے تھے بلکہ انہوں نے رنج وملال کے ساتھ کہا تھا۔

"اوئے کم عقل عورت' اگر تو نے یہ بات مجھے پہلے ہی بتادی ہوتی تو میں حضرت جی کے پاؤں پکڑ کر ان سے پوچھ لیتا کہ اپنے شاہد پتر کے ساتھ زلیخا کی شادی کیوں نہ کر دوں۔ مجھے اس سے زیادہ پیارا کون ہوسکتا تھا"

ملک صاحب نے نصیر اور چاچی کو دوسرے عزیزوں کے ساتھ زلیخا کے ہاں بھجوادیا تھا۔ اگر انہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو ولیمہ برباد ہو جاتا اور وہ لوگ پریشان ہو جاتے۔ ملک صاحب نے ایک رقعہ لکھ کر نصیر کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ حضرت جی کو جا کر دے آئے۔

یہ حضرت جی کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ جب عصر کی اذان ہو رہی تھی مجھے ہوش آ گیا۔ یہ بڑی عجیب نیند تھی جو میں نے بے ہوشی میں لی تھی۔ اس قدر گہری نیند کہ کسی خواب نے میرے ذہن کے کواڑوں کو چھوا بھی نہیں تھا۔ ہوش میں آتے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔ یوں لگا جیسے میں گہری نیند سے تر و تازہ ہو کر بیدار ہوا تھا۔ ملک صاحب ماتھا چومنے لگے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رقت بھرے انداز میں پوچھنے لگے

"تو نے یہ کیوں کیا"

میں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور نظریں جھکا لیں

"پتر...... پہلے تو میں سمجھا تھا ریاض شاہ نے تجھ پر کوئی وار کر دیا ہے۔ تیری چاچی نے جب مجھے بتایا کہ تو اور زلیخا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے تو میں سمجھ گیا۔ پتر میں نے زمانہ دیکھا ہے میں جان گیا کہ رات کی سیاہی میں جنات سے لڑنے والا میرا بچہ یہ دکھ نہیں سہہ سکا۔ سچ سچ بتا میں غلط تو نہیں کہہ رہا"

ملک صاحب نے ایک باپ اور عزیز ترین دوست سے بھی بڑھ کر مجھے جس محبت سے مالا مال کیا تھا یہ شاید ہی کوئی کر سکے۔ میرے دل میں غبار سا اٹھا اور پھر آنکھیں موسلا دھار برسنے لگیں۔ ملک صاحب نے مجھے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

"پتر تو جانتا ہے اب کچھ نہیں ہوسکتا"

میں بہت رویا۔ اتنا رویا کہ میرے دل کی آلودگی آنسوؤں نے دھو ڈالی اور دل پر پڑی غلاظتیں بہہ نکلیں۔ میرا اعتماد واپس آنے لگا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ بہت برا ہوگا اگر میں ملک صاحب کے سامنے یہ اعتراف کر لوں کہ زلیخا کی شادی کے رنج نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے۔ میں نے جھوٹ بولنے کا فیصلہ کیا اور کہا

"چاچا جی آپ جو سوچ رہے ہیں ایسا بالکل نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا ہے میں نے زلیخا کو خود ڈولی میں بٹھا کر رخصت کیا ہے۔ مجھے اس کا رنج نہیں بلکہ بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہے۔ میں بھلا اس کی خوشیوں پر دکھی کیوں ہوں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے شاید ریاض شاہ نے مجھ پر طاغوتی حملہ کر کے میری سدھ بدھ غائب کر دی تھی' مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں قبرستان کیسے گیا تھا" میں ملک صاحب کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ مجھے زلیخا کی وجہ سے کسی قسم کا رنج نہیں ہوا۔

"یہ بات ہے تو پتر تو نے میرے دل سے منوں بوجھ اتار دیا ہے۔ چل اٹھ' میرے ساتھ چل۔ شام کے وقت تری چاچی اور نصیر زلیخا کو لے کر واپس آ جائیں گے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کر لیں"

لیکن اب مجھ میں مزید برداشت نہیں رہی تھی۔ میں زلیخا کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بہانہ تراشا "چاچا جی میرا کل پرچہ ہے اور مجھے تیاری کرنی ہے۔ میں آج گھر جانا چاہتا ہوں تا کہ تیاری ہو سکے"

"دل تو نہیں چاہتا لیکن پتر یہ کام بھی ضروری ہے" ملک صاحب نے توقف کے بعد مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے جلدی سے سامان سمیٹا اور ملکوال سے چل دیا۔

نہر کی پٹڑی عبور کر کے جب سڑک پر پہنچا تو سامنے سے ملنگوں کی ایک ٹولی بھی ادھر کو آ رہی تھی۔ فضا ن کے گھنگھروؤں سے گونج رہی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں موٹے موٹے ڈنڈے تھے جن پر سیاہ اور سرخ رنگ کے چیتھڑے اور چھوٹے چھوٹے گھنگھرو بھی بندھے تھے۔ وہ سڑک پر پہنچے تو ایک قطار میں سیالکوٹ کی طرف رخ کر کے چلنے لگے۔ اس وقت مجھے ان کی حالت دیکھ کر رشک آنے لگا اور میں

سوچنے لگا کہ میں تو ان دیوانوں کو گناہ کی فصل سمجھتا تھا۔ چرس' بھنگ کے نشہ میں دھت اللہ ہو' اللہ ہو کرتے رہنے والے یہ ملنگ اپنے مرشد کے حکم پر چلتے چلے جاتے ہیں۔ نہ دنیا کا دکھ' نہ کوئی خواہش' اپنی دنیا میں ہی مست' ہم سے تو یہ بھلے۔ ان کے کاندھوں پر کسی زلیخا کا دکھ نہیں ہے۔ صرف اپنے عقیدے کا بوجھ اٹھائے ہوئے رہتے ہیں۔ مجھے یاد آیا بابا تیلے شاہ نے بھی تو یہ کہا تھا کہ اللہ کے سائیں یہ بندے پیدل چلتے رہتے ہیں۔ وہ فاصلہ ناپ کر نہیں چلتے۔ ان کے قلب و نظر صرف ایک منزل پر پہنچنے کی لگن میں سرشار ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا کہ ان کے ننگے پیروں تلے کتنے کانٹے' پتھر آتے ہیں۔ بس وہ مست حال چلتے رہتے ہیں نفس کو مارنے کے لیے اس سے بڑا کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ خود کو تھکا کر بدن کی پور پور کو نڈھال کر کے مرشد کی خانقاہ پر پہنچنے کا سواد ہی اپنا ہے۔ جب مرشد کا اپنے مرید کی تھکاوٹ اتارتا ہے۔ اسکی بھلی نظر سے اسکے بکھرے وجود میں طاقت آجاتی ہے۔۔۔ پس میں نے بھی فیصلہ کر لیا یا تو اب اس دنیا میں رہوں گا' یا اس دنیا میں۔ درمیان میں نہیں لٹکا رہوں گا۔ آزاد رہوں گا۔ یہ بھی آزاد ہیں اور اس دنیا کے باشندے بھی آزاد ہیں لیکن اس کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں نے اس ذائقہ سے آشنا ہونے کی کوشش کی اور تانگے سے اتر کر سڑک پر کھڑا ہو گیا۔ سیالکوٹ جانے والی بس آچکی تھی لیکن ایک سوچ نے اس پر سوار ہونے سے روک دیا۔ میں ملنگوں کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد احساس ہوا یہ چلنا کیسا چلنا ہے۔ میں نے جوتے اتار کر بیگ میں ڈال دیئے۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگا تو میری چیخیں نکلنے لگیں۔ پاؤں تلے چھوٹا سا کنکر بھی آتا تو میں اچھل پڑتا۔ "میں کس عذاب میں پڑ گیا ہوں" دل میں خیال آیا اور جوتا پہننے کی کوشش کی لیکن اب میں جوتا بھی نہیں پہن سکتا تھا۔ میرے پاؤں کے تلوں سے خون رسنے لگا تھا۔ جوتی پہننے سے پاؤں دکھنے لگے۔ میں سڑک کے کنارے ایک بوسیدہ سنگ میل پر بیٹھ گیا۔ ملنگ مجھ سے ایک کوس دور نکل چکے تھے۔ میں ادھر ہی ڈھ گیا۔ سوچنے لگا کہ کیا کروں۔ کشمکش میں مبتلا ہو گیا اور بالآخر میں نے شکست تسلیم کر لی۔ میرے لیے سلوک کی منزلوں کا سفر بہت تھکا دینے والا تھا۔ میں ہار گیا جیسے تیسے کر کے میں نے جوتے پہن لئے اور بس آنے کا انتظار کرنے لگا۔

میں گھر پہنچا تو بہت تھک چکا تھا جاتے ہی بستر پر گر کر سو گیا۔ فجر کے قریب مجھے احساس ہوا جیسے کوئی مجھے آہستہ آہستہ دبے ہوئے لہجے میں آوازیں دے رہا ہے۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھا

"کون ہے" میں نے بھی آہستہ سے پوچھا

"بھیا میں...... غازی"

میں ہڑبڑا اٹھا "کہاں ہے تو"

میں چارپائی سے نیچے اتر کر ارد گرد دیکھنے لگا

"تمہارے پاس کھڑا ہوں بھیا۔ لیکن اب میں تمہیں دکھائی نہیں دے سکتا"

غازی کی آوازیں میں ارتعاش تھا

"کیوں...... تم دکھائی کیوں نہیں دے سکتے اب کیا ہوا ہے" اس کی آواز سن کر میں تو جیسے اپنی ساری کلفتیں بھول گیا تھا

"بس بھیا وہ ایک رشتہ جو ہمارے تمہارے درمیان وسیلہ تھا اب ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے تمہیں دکھائی نہیں دے سکتا" وہ باقاعدہ ہچکیاں بھر بھر کر رونے لگا

"غازی بس کر یار...... مجھے صاف صاف بتاؤ بات کیا ہے" اگر وہ ظاہری حالت میں میرے پاس ہوتا تو میں اس کو اپنے ساتھ لپٹا کر دلاسا دیتا لیکن وہ تو ہوا میں تھا۔ ہوا کو ہاتھ کیسے لگاتا۔

"بھیا اپنے شاہ صاحب جو ناراض ہو گئے ہیں اور وہ زلیخا بھی تو ہم سے دور چلی گئی ہے"

"دیکھ غازی ادھر آ...... میرے پاس بیٹھ جا"

"تمہارے پاس ہی تو بیٹھا ہوا ہوں بھیا"

اس کی آواز سے اندازہ لگایا کہ وہ میرے دائیں جانب بیٹھا تھا۔ میں نے اندازے سے ہوا میں چھپے اس کے وجود کو چھونے کی کوشش کی تو وہ لجا شرما کر بولا "کیا کرتے ہو بھیا گدگدی تو نہ کرو"

"تمہیں محسوس ہوتا ہے کچھ" میں نے اشتیاق کے بارے پوچھا "لیکن حیرت ہے میرے ہاتھ تو کچھ بھی نہیں لگا"

کھی کھی وہ ہنسنے لگا" لگے گا کیسے ہاتھ' میں تو ہوا میں ہوں ہوا کا کوئی ٹھوس جسم تو ہوتا نہیں ہے"

"اگر ٹھوس جسم نہیں ہے تو پھر تمہیں کیوں گدگدی ہونے لگی تھی"

وہ دوبارہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگا

"بھیا تم نے ہاتھ ہی ایسے انداز میں مارا تھا جیسے کوئی اندھا ہاتھوں سے فضا میں کچھ ٹٹولنے لگتا ہے۔ تمہیں محسوس نہیں ہوا تو کیا ہوا لیکن تمہارے ہاتھوں نے ہوا کے وجود میں تو ارتعاش پھیلا دیا تھا جیسے پانی میں ہاتھ ڈالو تو بھیگ جاتا ہے لیکن جب پانی میں ہاتھ مارو تو پانی کو محسوس ہوتا ہے اور وہ دور دور تک

پھیل جاتا ہے"

"غازی تم تو فلاسفر بن گئے"

"دکھ انسان کو فلاسفر بنا دیتا ہے بھیا جیسے کہ تمہیں"

"میری بات چھوڑو۔ اگر تمہاری بات مان لوں کہ پانی میں ہاتھ ہلانے سے ارتعاش پیدا ہوتا ہے لہریں ابھرنے لگتی ہیں گویا پانی میں گدگدی ہو جاتی ہے لیکن ہاتھ تو گیلا ہو جاتا ہے ناں۔ پھر میرا ہاتھ ہوا میں چھپے تمہارے وجود سے غیر محسوس طریقے سے چھو گیا ہے تو میرے ہاتھوں کو کیوں نہیں محسوس ہوا۔ دیکھو تو میرے ہاتھ نہ گیلے ہیں نہ کسی قسم کی ٹھنڈک اور گرمی کا احساس ہوا ہے۔ اوپر سے تم کہہ رہے ہو میں نے تمہیں چھوا ہے"

"شاید میں تمہیں سمجھا نہ پاؤں بھیا لیکن یہ حقیقت ہے۔ اس کا ایک ثبوت تم دیکھ سکتے ہو۔ اپنی انگوٹھی کو دیکھو اس کا رنگ بدل گیا ہے"

"کک کیا مطلب" میں نے غازی کی دی ہوئی انگوٹھی دیکھی تو واقعی اس کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا

"اب تم پوچھو گے کہ یہ کیسے ہوا؟"

"ہاں پوچھوں گا تو ضرور"

"بھیا یہ جو مقدس جواہرات ہوتے ہیں ان کی رکھوالی ہم کرتے ہیں۔ ہم جن پہاڑوں کی غاروں میں اور گہرے پتھروں میں رہتے ہیں ان کے نیچے یہ پتھر مقناطیسی اور طاغوتی عمل سے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت ہے۔ ایک خاص درجہ حرارت انہیں چاہیے ہوتا ہے۔ ہماری دنیا میں ان پتھروں کی بڑی قدر کی جاتی ہے کیونکہ ہم ان کے پراسرار اعمال واثرات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ آپ کی دنیا میں جب ان پتھروں کی تجارت ہوتی ہے تو ان کے رنگ مختلف ہو جاتے ہیں لیکن ہمارے پاس یہ سب سیاہی مائل ہوتے ہیں۔ البتہ ان کے خواص سے ہم آگاہ ہوتے ہیں جونہی تم نے مجھے چھوا یہ پتھر میرے وجود سے چھوا اور اپنا رنگ بدل گیا"

"اللہ" حیرت سے میرے منہ سے نکل گیا "کیا میں اس کو ایک شناخت سمجھ لوں"

"کیسی شناخت"

"یہ کہ جب کوئی نگینہ اپنا رنگ بدل ڈالے یعنی سیاہ ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی جن اس کے ساتھ چھوا ہے۔ میرا مطلب ہے ایسا ہو سکتا ہے"

"ہاں بالکل ہو سکتا ہے اگر نہ یقین آئے تو یہ دیکھو" ذرا ہتھیلی پھیلاؤ۔ غازی نے عقیق یمنی کے بہت سارے نگینے میری ہتھیلی پہ رکھ دیئے۔ نہایت چمکدار نگینہ تھے۔

اب ذرا ان میں سے ایک میری طرف گھماؤ"

میں نے ایک نگینہ پکڑ کر اندازے سے اس جگہ لے جا کر گھمایا جہاں غازی کے بیٹھنے کی امید تھی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ پیچھے کرلو میری آنکھ نہ پھوڑ ڈالنا" غازی ہنستے ہوئے کہنے لگا

غازی کی بات درست تھی۔ عقیق یمنی ایک دم سیاہ ہو گیا۔ ایسے لگا میرے ہاتھ میں قیمتی پتھر نہیں بلکہ کوئلے کا ٹکڑا ہے۔" یہ سب تمہارے ہیں۔ پاس رکھ لو۔ میری طرف سے تحفہ سمجھو۔ ان کے تالے میں تم سے ایک قیمتی تحفہ لوں گا۔ اب میری بات سنو۔"

"کہو"

"اس بات پر غور کرو گے تو تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ ہم جنات انسانوں کو چمٹتے کیوں ہیں۔ تمہارے ذہن میں ایسے سوالات تو آتے ہوں گے ناں"

"ہاں سوچتا تو ہوں میں ہی نہیں ہر انسان یہ سوچتا ہے"

"جس طرح ایک انسان چلتے پھرتے لاکھوں حشرات الارض کو اپنے پاؤں تلے روند کر ان کا قتل عام کرتا رہتا ہے۔ یہ سب غیر ارادی خلل ہے۔ حشرات الارض کے پاس شعور نہیں ہے لیکن ہمارے پاس تو شعور ہے جس طرح انسانوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کی وجہ سے کتنے دیدہ ونادیدہ حشرات مارے گئے اسی طرح انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے کسی فعل سے جنات کے بچے بوڑھے مارے جاتے ہیں اور کتنوں کو گزند پہنچتی ہے"

"اس میں انسانوں کا کیا قصور ہے۔ یہ تو ون وے ٹریفک ہے اگر تم کو یہ شکایت ہے تو پہلے سے اعلان کر دیا کرو کہ بھئی بچ کر۔ ادھر ہم کھڑے ہیں"

"ایسی بات نہیں ہے...... ہماری تعلیمات میں یہ بات شامل ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ انسان ہمیں نہیں دیکھ سکتے لہٰذا ہم خود اپنے آپ کو بچاتے ہیں حالانکہ ہم انسانی بستیوں، بازاروں، دفاتر حتیٰ کہ ہر جگہ جہاں انسان پائے جاتے ہیں ہم ان کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ ہماری مخلوق انسانوں سے زیادہ ہے۔ اگر کبھی اللہ کے حکم سے جنات کو ظاہر ہونے کی اجازت مل جائے تو تم یہ منظر دیکھ ہی نہ سکو گے۔ یوں سمجھ لو جس طرح شہد کی مکھیاں چھتے کو چھپا لیتی ہیں بالکل یہی حال تمہاری دنیا کا

ہو جائے۔ پہاڑ' آبشار' گہرائیاں' سمندر' زمین' صحرا میں کوئی ایسی جگہ نہ بچے۔ اس گھما گہمی میں ہمارا قتل عام ہوتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ جنات نوکدار لوہے کی اشیا سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر انہیں ذرا سی بھی نوک چبھ جائے تو ان کی حالت وہی ہوتی ہے جو غبارے میں کانٹا چبھونے سے ہوتی ہے۔ جنات معذور ہو جاتے ہیں عمر بھر اڑ نہیں سکتے۔ تم لوگ جب ہوائی فائرنگ کرتے ہو' دنگا فساد میں بندوقیں اور چھریاں استعمال کرتے ہو تو ہماری بستیوں میں اعلان ہونے لگتے ہیں کہ اس علاقے میں نہیں جانا۔ ہمیں نقصان پہنچتا ہے۔ نئے زمانے کی جنگوں کی وجہ سے ہم شہروں سے نکل کر سمندروں میں پناہ لیتے ہیں۔ پہاڑوں کی بنیادوں میں اتر جاتے ہیں فضا میں پھیلے بارود سے ہماری حالت خراب ہو جاتی ہے کیونکہ سانس اور ہوا پر ہماری زندگیوں کا بھی انحصار ہے۔ ہم بھی اپنے طور پر انسانوں جیسے ہیں لیکن کامل انسان نہیں ہیں" غازی ایک لمحہ کے لئے رکا اور سانس لے کر دوبارہ بولنے لگا" اب سنو تمہاری بستیوں میں جب عورتیں بناؤ سنگھار کر کے نکلتی ہیں تو ان کے درشن کرتے ہیں۔ ہمارے آوارہ مزاج جنات ایسی عورتوں پر تسلط جماتے اور انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ بعضوں پر اس قدر غالب آ جاتے ہیں کہ بے چاریاں کوئی زلیخا اور کوئی بلقیس جیسی حالت سے دوچار ہو جاتی ہے۔ بچوں اور بڑوں سے جب جنات کو گزند پہنچتی ہے تو وہ بدلے میں انہیں تنگ کرتے ہیں لیکن متقی' پرہیزگار اور اللہ کا ذکر کرتے رہنے والے مسلمانوں کے علاوہ وہ لوگ جو طاقتور قسم کے عمل کرتے ہیں جنات اور ایسی شیطان مخلوق ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ بحیثیت مسلمان میں اس عقیدے پر یقین رکھتا ہوں کہ اللہ کا ذاکر بندہ کبھی بھی جنات کی طرف سے پہنچائی جانے والی گزند کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کے ذاکر بندے کے گرد ایک روحانی دائرہ قائم ہو جاتا ہے۔ جنات اور شیطانی مخلوق اس دائرے کے اردگرد تو منڈلاتی رہتی ہے اسے توڑ کر اندر نہیں داخل ہوتی۔ اولیا کرام کے گرد تو ہزاروں دائرے ہوتے ہیں اور وہی روحانی دائرے ایک انسان کو اللہ کی قربت کی لذت سے دوچار کرتے ہیں"

غازی کافی دیر تک مجھے اسرار قدرت سمجھاتا رہا۔ میرے ذہن میں بہت سارے سوالات سر ابھارنے لگے تھے

"غازی..... ذکر سے کیا مراد ہے تمہاری"

"بھیا قرآن پاک پڑھو۔ یہ افضل ترین ذکر ہے۔ درود ابراہیمی پڑھتے رہا کرو۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے

اسمائے مبارکہ کا ذکر کرتے رہنے سے انسان کی روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں"

"دیکھو ناں قرآن پاک کی آیات تو انسان چلتے پھرتے پڑھ سکتا ہے اور......"

"میں سمجھ گیا آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں" غازی میری بات کاٹ کر کہنے لگا" آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ روزمرہ معاملات نبھاتے ہوئے قرآن پاک پاس نہیں رکھا جا سکتا اور پھر اس کے لئے ہر وقت باوضو رہنا چاہئے۔ ایسے میں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کچھ وظائف مخصوص کر لیں اور چلتے پھرتے فارغ اوقات میں پڑھتے رہیں۔ بھیا اللہ وحدہ لاشریک کی قسم جو بندہ وظائف پڑھتا ہے وہ اس رمز سے آشنا ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے اشرف المخلوقات بناتے ہوئے اسے عطا کی تھی انسان اگر اس رمز کو پا لے تو وہ افضل ترین ہو جاتا ہے"

"غازی...... میرے بھائی یہی باتیں تو جاننے کے لئے میں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ کیا تم مجھے کچھ وظائف بتا سکتے ہو اور تم یہ جو کہہ رہے تھے کہ اللہ کے اسمائے مبارکہ کا ذکر کرنے سے روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں یہ ذکر کیسے کیا جا سکتا ہے"

"بھیا تمہیں ٹاہلی والی سرکار اور بابا جی نے کچھ وظائف بتائے تھے غالباً تم وہ بھول گئے ہو"

"ہاں" میں اس کی بات سن کر چونک پڑا" ہاں شاید بھٹک گیا ہوں ناں"

"اللہ کی قسم...... اگر تم یہ وظائف پڑھتے رہے تو آلام و مصائب سے کبھی شکست نہیں کھاؤ گے جسے پڑھنے کی ہدایت دو گے اس کی کشتی بھی پار لگ جائے گی لیکن بھیا تم انسان بڑے ہی ناشکرے اور لاپرواہ ہوتے ہو۔ سمندر میں رہ کر بھی پیاسے رہتے ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہیں ان بزرگوں نے کیسا خزانہ دے دیا ہے اور آج میں تمہیں اسمائے الٰہی کے ذکر کے آداب اور اسم اعظم نکالنے کا طریقہ سکھاتا ہوں"

"غازی...... خدا کی قسم اب میرے سامنے آ جاؤ میں تمہارا منہ چوم لوں خدا کی قسم جلدی کرو مجھے یہ کام سکھا دو" میں بے قراری سے بولا۔

"بھیا اسے کام نہیں سمجھو یہ افضل ترین سلیقہ ہے" غازی نے مجھے سمجھایا اور پھر مجھے وہ کلمات سکھائے جنہیں پڑھنے سے ایک انسان جنات کی شرانگیزی سے محفوظ رہتا ہے اس نے مشفق معلم بن کر اسم اعظم بنانے کا سلیقہ بھی سکھایا۔

☆☆☆☆

میں غازی کی باتوں کے سحر میں اتنا کھو گیا تھا کہ یہ غور ہی نہ کر سکا کہ غازی مجھ سے ملنے کیوں آیا ہے۔ وہ مجھے نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ بہت دنوں بعد خیال آیا کہ ریاض شاہ اور بابا جی تو مجھ سے ناراض تھے ان حالات میں غازی میرے پاس کیونکر آ سکتا تھا۔ ہاں اس کا یہ جواز ٹھیک تھا کہ جن بزرگوں کے وسیلہ اور قوت کی بنا پر وہ جناتی روپ سے انسانی روپ میں متشکل ہو کر ہمیں اپنے دیدار سے حیران کرتے تھے وہ وسیلہ کمزور ہو گیا تھا۔ کیا غازی کو مجھ سے حقیقی محبت ہو گئی تھی؟ اور وہ اس بھائی چارے سے مجبور ہو کر مجھ سے ملنے آ گیا تھا۔ یہ تو خلاف فطرت بات تھی۔ اصولاً تو مجھے غازی سے یہ باتیں پوچھ لینی چاہئیں تھیں لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ ایک عام انسان جب کسی حیرت میں گم ہوتا ہے خوشی مرگ سے دوچار ہوتا ہے کوئی ان ہونی ہوتی ہے تو اس کے سارے سوالات پس منظر میں چلے جاتے ہیں۔ وہ حیرت اور خوشی کے سمندر میں غوطے کھانے لگتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ ہزاروں رنج اور گھاؤ تھے جو ریاض شاہ کی وجہ سے میرا نصیب ٹھہرے تھے۔ غازی کے آنے پر مجھے بھڑک جانا چاہئے تھا لیکن اس کی آواز سنتے ہی جیسے میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ غازی میرے پاس کم و بیش دو گھنٹے رہا تھا۔ اسم اعظم کے بعض ایسے زود اثر کلمات اور اسمائے الحسنٰی سے کسی بھی انسان کے لئے اسم اعظم بنانے کے طریقے سکھانے کے باوجود وہ مجھے بہت سی گہری باتیں بتاتا رہا تھا۔ میں تو علوم کی دنیا کا حریص شخص تھا۔ جہاں سے علم ملتا اٹھا لیتا۔ شاید اس حرص کی وجہ سے میں غازی کی غیر متوقع حاضری سے گھبرا کر اپنے رنج والم بھول گیا تھا۔

''بھیا'' غازی نے علوم قدرت کے رازوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا تھا

''درود پاکؐ ہماری غذا ہے۔ کوئی بھی مسلمان جن اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ محبوب خدا آقائے دو جہاںؐ پر قدسی ہمہ وقت درود و سلام بھیجتے ہیں تو یہ آتشی مخلوق بھی درود و سلام میں مستغرق رہتی ہے۔ تم مسلمان تو فرقوں کے بٹواروں میں پڑے ہوئے ہو۔ میں اس پر کچھ نہیں کہوں گا اور نہ ہی تمہیں لعنت ملامت کروں گا کیونکہ ہم جنات بھی اسی تقسیم کا شکار ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بہت سے مسلک اور قبائل ہیں۔ ہمارے ہاں بھی وہابی' شیعہ' سنی جنات ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت کا ہم پر احسان ہے کہ جنات اس معاملے میں درود پاکؐ پڑھتے

رہتے ہیں اگر وہ درود شریف نہ پڑھیں گے تو ان کی عقلوں پر غضب' حیوانیت اور شیطانیت غالب آ جاتی ہے''

''غازی...... ٹھہرو ایک سیکنڈ کے لئے۔ پلیز مجھے یہ بتاؤ کہ تم جنات ہم مسلمانوں پر افسوس کرتے رہتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ تم فرقوں میں بٹ گئے ہو۔ لیکن اگر تم سلامتی کا راز سمجھتے ہو اور فرقوں کی تقسیم کو غلط کہتے ہو تو پھر تم بھی فرقوں میں تقسیم ہو تم اپنے اختلافات ختم کیوں نہیں کر سکے''۔۔۔۔۔۔ غازی ٹھنڈی اور گہری آہ بھری۔ فضا میں بہت سے بھنور بن گئے۔

''اب اگر میں تمہیں ایک سچ بتاؤں گا تو تم یقین نہیں کرو گے''

''اگر سچ معقول ہوا تو یقین کر لوں گا' تم بیان کرو''

''یہ راز ہستی ہے بھیا'' غازی غالباً کسی تکلیف دہ احساس کے ساتھ میرے پاس سے اٹھا۔ اس کی آواز مجھے قدرے اور اپنے سامنے سے سنائی دے رہی تھی۔ وہ کمرے میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ ''بھیا یہ اصول فطرت ہے۔ فطرت کا لکھا کوئی نہیں ٹال سکتا۔ یہ حقیقت ہے۔ جیسے ہم آگ سے تخلیق ہوئے اور تم مٹی کا خمیر ہو بالکل ایسے ہی یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہئے کہ تم انسان ہم سے افضل ترین مخلوق ہو۔ ہم جنات قہر و غضب میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لئے ہمارے ذہنوں میں عقل کی بھٹی گرم رہتی ہے۔ ہمارے اباؤ اجداد نے شرعی علوم کی تربیت انسانوں سے حاصل کی ہے۔ ہم محتاج ہوتے ہیں۔ اب ہمارے اجنا اباء اجداد نے جس مسلک کے بزرگ سے تعلیم پائی اس کا عقیدہ اور مسلک اپنے معلم کی تربیت کے زیر اثر آ گیا۔ پھر ہم جہاں جہاں عالم اجناء سے تعلیم حاصل کرنے گئے ہمارے ہاں بھی قبائلی اور فرقہ وار جماعتیں تشکیل پاتی چلی گئیں۔ اس لئے تو میں کہتا ہوں تم انسانوں نے ہم جنات کو بھی تقسیم کر دیا ہے۔ ہم تو پہلے ہی بگڑی ہوئی مخلوق خدا ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی ہمیں شر انگیزی پر اکساتا ہے تو ہم جلد گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اندر شعور اور لاشعور کی وہ تقسیم نہیں ہے جو تم انسانوں میں ہے۔ بھیا ہمارے اندر کوئی دوسرا جن بسیرا نہیں کئے ہوتا۔ یہ صرف انسان ہی ہوتے ہیں جن کے اندر کئی کئی انسان زندہ ہوتے ہیں۔ اسے تم عقل و فہم ادراک وہم و خیال نہ جانے کس کس نام سے پکارتے ہو۔ انسانوں کی روح میں جو بالیدگی اور طاقت ہوتی ہے جنات کے اندر نہیں ہے۔ عقل و فہم کی قوت بہت کمزور ہوتی ہے اسی لئے تو ان میں انتقام جیسے

منفی رویئے زیادہ ہوتے ہیں۔ بھیا میری ایک بات یاد رکھنا' جن جتنا بھی عبادت گزار ہو'
تم اس سے غلط کام لوگے تو وہ تمہاری اس حرکت کو کبھی نہیں بھولے گا۔ تمہارے ہاں بہت سے
عامل کامل لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے تسخیرات جنات کے علوم سیکھے مگر جنات کے
ہاتھوں ہی مارے گئے۔ اس لئے کہ شریف اور پارسا جنات ہرگز گوارہ نہیں کرتے کہ ان سے
غلط کام لئے جائیں ہاں صرف انہیں مجبور کر کے کام لئے جاتے ہیں جیسا کہ.........'' غازی
ایک دم رک گیا۔

''جیسا کہ...... کیا کہنا چاہتے ہو'' میں نے استفسار کر کے پوچھا

''جیسا کہ ہم...... بابا جی سرکار اور ریاض شاہ ہیں'' غازی آہستگی سے بولا تو اس کے انداز میں نفرت
گھلی ہوئی تھی۔ لیکن اس سے آگے وہ کچھ نہ بول سکا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ بابا جی
جیسے پرہیزگار جنات ایک عامل کی سفاکانہ اور ہوسناک خواہشوں کی غلامی کرنے پر مجبور ہو گئے
تھے۔

''بھیا میرے جانے کا وقت ہو رہا ہے پھر شاید برسوں ہماری ملاقات نہ ہو سکے۔ تمہیں یاد ہوگا
کہ میں نے کہا تھا تمہیں ایک تحفہ دوں گا۔ سو میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ میں نے تمہیں
اسم اعظم کا علم سکھا دیا ہے۔ اگر تم چاہو گے کہ تمہیں اس پر قدرت حاصل ہو جائے تو اللہ کے
کلام کو باترجمہ پڑھنا اور غور و فکر کرنا۔ میرے اللہ نے چاہا تو تمہیں اسم اعظم کی افادیت کا
یقین آ جائے گا اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہزاروں چلے کرنے سے افضل یہ چند الفاظ
درحقیقت اپنے اندر کتنی قوتیں رکھتے ہیں''

''غازی میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں لیکن میرے عزیز دوست میں تمہیں کھونا نہیں
چاہتا۔ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتا دو کہ تم سے ملاقات ہو جایا کرے''

''اس کے تو دو ہی طریقے ہیں'' غازی نے صاف صاف بتا دیا ''ایک تو یہ کہ میں از خود تم سے
ملنے آ جایا کروں۔ دوسرا یہ کہ تم کچھ وظائف پر دسترس حاصل کر لو۔ اس کے لئے تمہیں
ریاضت کی ضرورت ہوگی اور یہ ریاضت تمہیں کسی باعمل عالم سے حاصل کرنی ہوگی''

''عالم سے یا عامل سے'' میں نے وضاحت کے لئے پوچھا

''عالم سے...... لیکن یہ عالم وہ صاحب بصیرت ہونا چاہئے جو اجناء کے علوم پر دسترس رکھتا

ہو۔ عامل کی تو بات ہی نہ کرو۔ ہاں اگر نورانی علوم کا عامل مل جائے تو اس سے یہ علم حاصل کر
سکتے ہو''

''اس کے بعد تمہیں کیسے ملوں گا۔ کیا اجناء کی تسخیر کا علم حاصل کرنے کے بعد ہی تم سے
ملاقات ہو سکتی ہے''

''میں نے دو صورتیں تو بتا دی ہیں وظائف اور چلے وغیرہ حاصل کر کے تم اجنا کو طلب کر سکتے
ہو۔ میں تمہیں اپنی نشانیاں اور خاندان کی تفصیل بتا کر جاؤں گا۔ زندگی میں کبھی یہ علوم حاصل
کر سکے تو تم مجھے حاضر کرنے کی قدرت حاصل کر لو گے''

''لیکن غازی...... ابھی تو تم نے مجھے اسم اعظم کے علم کو حاصل کرنے کا ہنر سکھایا ہے اور یہ بھی
کہا ہے کہ میں نے اس علم پر دسترس حاصل کر لی تو چلے وغیرہ کے بغیر بھی بہت زیادہ طاقت
حاصل کر لوں گا۔ کیا میں تمہیں اسم اعظم کے زور پر نہیں بلا سکتا''

''بالکل بلا سکتے ہو۔ اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ قرآن پاک پڑھنا اور غور کرنا۔ میں تمہیں
ہرگز ہرگز شارٹ کٹ نہیں بتاؤں گا کہ کون سی آیات مبارکہ پڑھو گے تو ہماری شہ رگ
تمہارے ہاتھوں میں ہوگی۔ خدائے لم یزل کی قسم قرآن پاک سے افضل ترین کتاب دنیا میں
ہے ہی نہیں۔ سارے جہانوں کی زندگیاں اور ان کے نظام ہائے کار کا علم قرآن پاک کا
محتاج ہے اور اس میں حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ غور و فکر سے حاصل ہوگا۔ یاد رکھو یہ بات تمہاری
بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں۔ اگر چند آیات بتا دیں تو تم بھی ان ناشکرے لوگوں میں شامل ہو
جاؤ گے جنہوں نے نعوذ باللہ قرآن پاک کی آیات کو عملیات کے لئے مخصوص کیا ہوا ہے۔
قرآن پاک کی ہر آیت میں شفا اور حکمت ہے اور یہی تمہاری روح کو جاوداں بنائے گی۔
روح کا رشتہ قرآن پاک کے علوم سے وابستہ ہے۔ بس تم یہ سمجھ لو کہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو
مکمل قرآن پاک پڑھنا چاہئے۔ غور و فکر کر کے اور اسلامی علوم سے استفادہ کر کے' بزرگوں
سے رہنمائی بھی لے کر اپنے لئے شفا طلب کرے۔ عملیات اور وظائف پر اکتفا نہ کرے۔ کبھی
بزرگوں نے اجازت دی تو میں تمہیں وہ مناظر دکھاؤں گا کہ ہمارے مسلمان اور حفاظ اجنا کس
عقیدت اور سرشاری کے ساتھ قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ تم نے غلام محمد کی قرات اور نعت تو
سنی ہوگی''

''ہاں یاد آیا۔ مجھے تو اس کے بول بھی یاد ہیں'' میں نے کہا اور پوچھا ''غازی میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جنات جو نعتیں گیت اور کلمات ادا کرتے ہیں اگر انہیں دہرایا جائے تو وہ حاضر ہو جاتے ہیں''

''ہاں ایسا بھی ہوتا ہے لیکن یہ صرف مخصوص حالات میں ہوتا ہے''

''تو میں ...... اگر تمہاری آواز کی نقل کر لوں یعنی یہ ہنر مجھ میں ہے اور اگر وہی نعت رسول مقبولؐ پڑھوں جو غلام محمد پڑھتے تھے تو کیا تم لوگ حاضر ہو جاؤ گے''

''یہ ظلم نہ کرنا...... ہرگز تمہیں اجازت نہیں دوں گا'' غازی تیز لہجے میں بولا ''باباجی ریاض شاہ سے اس وجہ سے بھی نالاں ہیں کہ اس نے تم لوگوں کے سامنے اجناء کی محافل سجا دی ہیں۔ اگر کوئی انسان ایک ایسی جگہ پر جا کر جہاں ذاکر جنات بسیرا کئے ہوں وہاں جنات کے نعت خوانوں کی نعتیں پڑھے گا تو شدید ترین ''اثر'' میں آ جائے گا اور نقل'' ہرگز یہ کام نہ کرنا''

غازی نے مجھے بار بار تنبیہہ کی کہ یہ کام بالکل نہ کروں اور خاص طور پر شغل کے طور پر اسے نہ اپناؤں میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا لیکن میں اس وعدے پر کبھی کاربند نہ رہ سکا۔ بعض اوقات رات کی تنہائیوں میں، مزاروں پر جا کر، دوستوں کی محافل میں اجناء کی پڑھی ہوئی نعت رسول مقبولؐ پڑھتا اور نقل اتارتا تو میرا پورا بدن سن ہو جایا کرتا رونگٹے کھڑے ہو جاتے' پورے بدن میں آگ سی پھیل جایا کرتی۔ یہ میں محض اس لئے کرتا کہ یار دوستوں کو اجناء کی مخلوق کا یقین دلا دوں۔ لیکن وہ میری اس بات کو نہیں سمجھ سکتے تھے سوائے ایک بار۔ میرے ایک کولیگ نے ایک بار خاص طور پر مجھ سے یہ استدعا کی تھی کہ میں انہیں اجناء کی آواز اور لہجہ سنا دوں۔ وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ مجھے اپنے گھر لے گئے تھے۔ دراصل وہ پی ٹی وی کے لئے ایک ڈرامہ تیار کر رہے تھے جس میں وہ جنات کے بارے بھی کہانیاں دے رہے تھے۔ میں نے پہلے تو کوشش کی کہ ان سے جان چھوٹ جائے لیکن ان کی مجبوری کے پیش نظر میں نے انہیں ''باباجی'' کے لہجے میں بول کر دکھایا تو اللہ ہی جانتا ہے میری حالت کیا ہو گئی تھی۔ وہ کولیگ اپنے ساتھیوں سمیت کمرے سے باہر بھاگ گئے تھے اور میں عقل و خرد سے بیگانہ ہو گیا۔ گویا اپنی جگہ پر پتھر کا ہو گیا تھا۔ میری آواز در و دیوار کو چیرتی ہوئی دور دور تک پھیل گئی تھی اس کی بازگشت ایک پہر تک مجھے سنائی دیتی رہی تھی۔ پھر ایک روز داتا دربار

پر مجھے ایک بزرگ ملے۔ ان سے سلام و دعا ہوئی اور میں نے اپنے ماضی کا ذکر کر کے انہیں اپنی اس تکلیف سے آگاہ کیا۔ تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ آئندہ یہ حرکت نہ کرنا۔ انہوں نے مجھ پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر تم وظائف نہ پڑھ رہے ہوتے تو یہ ''وزن'' کبھی نہ اٹھا پاتے۔ اللہ نے تم پر عنایات کی ہیں کہ اس حساس ترین معاملے میں بداحتیاطی کے باوجود محفوظ رہے ہو۔

غازی سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے بہت سی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ ان کا بتدریج ذکر کروں گا۔ تاہم اپنی اس غیر سنجیدگی اور بے احتیاطی کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا تھا جس طرح کہ واقعی اگر ایک عام اور غریب انسان کے پاس ہیرے جواہرات آ جائیں تو وہ ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کئے بغیر انہیں بیچنے نکل پڑتا ہے اور اپنی بے احتیاطی اور کم علمی کی وجہ سے لٹ جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا! میں زعم اور تکبر میں مبتلا ہو گیا حالانکہ اس وقت میں ریاضت اور انکساری سے کام لیتا تو اسرار قدرت کے خزانے سے اپنی جھولی بھر لیتا۔ لیکن میں ایک مادہ پرست شخص بن گیا۔ ان علوم سے اپنی دنیا کو سنوارنے کا کام لینے لگ پڑا جس کی وجہ سے میں روحانیت کا وہ احساس اپنے اندر پیدا نہ کر سکا جو میری روح کو بالیدگی بخش سکتا تھا۔

غازی کی تعلیمات نے مجھے جس احساس سے دوچار کیا تھا اس کا نتیجہ پہلے پہلے تو یہ نکلا کہ میں راتوں کو اٹھ کر اسم اعظم بناتا اور اس کا ذکر کرتا رہتا۔ ان دنوں میں امتحانات سے فارغ ہو چکا تھا۔ یہ میرا فارغ البالی کا سال تھا۔ ذہن پر تفکرات بھی تھے باباجی کی قربت پانے کی جستجو بھی تھی۔ میں اپنے لئے اسم اعظم بنا کر اس کا ذکر تو کرتا رہتا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ مجھے اندر سے اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ میں بابا تیلے شاہ اور ٹاہلی والی سرکار سے ملنے کیلئے ان تمام مقامات پر گیا جہاں ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ایک سچے عامل کی تلاش میں بھی بھٹکتا رہا۔ انہی دنوں حضرت جی کا وصال ہو گیا۔ ان سے ملنے کی تمنا ہی رہی۔ ملکوال جانا چھوٹ گیا۔ زلیخا کے شوہر کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو گئی تھی اس سے پھر ملنا نصیب نہ ہوا۔ صحافت کا نشہ بہرحال ابھی تک قائم تھا۔ میں سیالکوٹ شہر روزانہ جایا کرتا تھا۔ میں نے وہاں ایک ہاسٹل میں رہائش رکھ لی۔ یہ ہاسٹل سیالکوٹ کے سول ہسپتال کے قریب تھا اس کے پیچھے سے ایک گندہ نالہ گزرتا تھا اور اس کے پاس ہی ایک قبرستان تھا۔ جس ہاسٹل میں مقیم تھا اس سے ملحقہ پوسٹ مارٹم کا

شعبہ تھا اس سے چند گز کے فاصلہ پر دو سینما تھے اور آگے سیالکوٹ صدر اور کینٹ کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ اب تو برسوں ہو گئے اس طرف نہیں گیا۔ لیکن اس وقت پوسٹ مارٹم کے شعبہ کے پاس سے جو سڑک گزرتی تھی اس پر ریلوے پل تعمیر ہو گیا ہے۔ یہ پل جناح اسٹیڈیم کے پاس نیچے اترتا تھا۔ سنا ہے اب اس علاقے میں خاصی ترقی ہو چکی ہے لیکن سولہ برس پہلے کا ذکر کر رہا ہوں۔ ان دنوں میں ذہنی افتراق میں مبتلا تھا اور آہستہ آہستہ مجھ میں لاابالی پن بھی آ گیا تھا۔

صحافت میں مصروف ہونے کی وجہ سے دن رات تقریبات میں شمولیت رہتی۔ گویا ایک طرح سے ٹھکا جانے کے شوق نے مجھ سے میری روحانی تعلیمات چھیننی شروع کر دی تھیں۔ میں بہت سے اسباق بھول گیا۔ نماز میں باقاعدگی ختم ہو گی، نماز تہجد تو بالکل ہی چھوٹ کر رہ گئی۔ پینے پلانے کا دور شروع ہو گیا تھا، جوانی کے قیمتی ہونے کا احساس ہونے لگا۔ دن بھر کی مصروفیات کے باعث رات جب ہاسٹل آتا تو آتے ہی بستر پر گر کر ایسا سویا پڑا رہتا کہ صبح دس گیارہ بجے ہی آنکھ کھلتی تھی۔ خود فراموشی کا دور تھا یا یہ قدرت کیطرف سے مصلحت کہ میری بصیرت اندھی ہو گئی۔ دنیاداری رنگ و بو کی محفلیں اور روپے پیسے کی لذت نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ میں اس خزانے کو بھول گیا تھا جس کی ایک کنجی قدرت نے مجھے تھما دی تھی۔

یہ ایک سال بعد کا ذکر ہے۔

مجھے اطلاع ملی کہ سیالکوٹ کے ایک عامل کو پولیس نے ہسپتال کے پیچھے واقعہ گندے نالے والے قبرستان سے گرفتار کیا ہے اور ایک بری شخصیت کے کہنے پر اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ عام صحافیوں کیلئے شاید یہ خبر دلکشی نہیں رکھتی تھی لیکن نہ جانے مجھے کیوں اس خبر میں دلچسپی ہو گئی۔
یہ قبرستان میرے قریب تھا۔ میں نے اطلاع ملتے ہی اس قبرستان میں جانے کا فیصلہ کیا۔ ہسپتال کی پچھلی آبادی سے گزر کر میں وہاں پہنچا تو پورا قبرستان اجڑے ہوئے دیار کی عکاسی کر رہا تھا۔ کیکر کے درخت سوکھے پڑے تھے حتیٰ کہ کئی قبریں گڑھوں میں تبدیل ہو چکی تھیں اور ان سے مردوں کی ہڈیاں جھانک رہی تھیں۔ کتے بلیاں اور چوہے ان گڑھوں میں گھس کر خوراک حاصل کرتے اور وہیں بسیرا کرتے تھے۔

میں قبرستان کے گورکن کو تلاش کرنے لگا۔ وہ ایک خستہ حال چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ پچاس ساٹھ کے درمیان اس کی عمر تھی۔ بڑے بڑے گھنے سیاہ اور تیل میں چپڑے بال۔ بدن ٹھوس، آنکھیں سیاہ اور گہری۔ اس کی شکل دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ گورکن ہے۔ نا جانے مجھے کیوں لگا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ وہ گھاک اور سفاک قسم کا انسان لگتا تھا۔ میں نے اسے اپنا تعارف کرایا تو مجھے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔ میں نے مدعا بیان کیا اور اس سے پوچھا کہ جو عامل پکڑا گیا تھا وہ کیا حرکت کر رہا تھا۔ گورکن نے پہلے تو اس واقعہ سے ہی اپنی لاعلمی ظاہر کر دی اور بہانہ بنایا کہ ان دنوں وہ یہاں نہیں تھا۔ اس نے مجھے کھڑے کھڑے فارغ کر دیا تھا۔ واپس آنے ہی لگا تھا کہ چند قدم چلنے کے بعد مجھے کچھ یاد آیا اور میں نے کہا" بابا۔ نہ جانے کیا بات ہے لگتا ہے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔"
"دیکھا ہوگا یقیناً دیکھا ہوگا، لیکن کہاں...... یہ تو مجھے بھی لگتا ہے۔" اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکان تھی۔
"تمہارا نام کیا ہے بابا......" میں نے نہایت تمیز سے دریافت کیا تو وہ سخت انداز میں بولا" جاؤ اپنا کام کرو...... میرا نام پوچھ کر کیا کرو گے"۔ یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ناگوار اور قہر سے بھرے تاثرات نمایاں ہو گئے تھے۔"بابا......" میں نے اس کے انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا"میں ایک صحافی ہوں یہ مت سمجھنا کہ ڈر جاؤں گا۔ میں اوپر والوں سے بات کر کے تمہاری پیشی کراوں گا تو۔۔ بھلا نام بتانے میں کیا حرج ہے۔"
"اوپر والے۔ کون اوپر والے۔ کیا تیرے اوپر والے میرے اوپر والے سے زیادہ بڑے ہیں۔"
"نہیں۔ اوپر والا زیادہ تگڑا ہے" میں نے دوستانہ انداز میں ہنس کر کہا تو گورکن کو شاید میرا یہ انداز اچھا لگا اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے اور بولا۔"پتر مجھے موتی ملنگ کہتے ہیں۔ میں ہی یہاں کا گورکن ہوں......"
"موتی ملنگ......" میرے ذہن میں جیسے بلب روشن ہو گئے۔
"تم کہیں مکھن سائیں کے دربار کے ملنگ تو نہیں ہو......"
"تو آخر پہچان لیا ناں تم نے......" موتی ملنگ بے رحمانہ انداز میں مسکرایا اور آہستہ

آہستہ چلتا ہوا برگد کے ایک بوڑھے درخت کے پاس جا ٹھہرا' درخت کے نیچے اس نے تھوڑے سے قطعہ زمین کو صاف کیا ہوا تھا اور درخت میں ایک کھوہ بنا کر اس میں دیا رکھا تھا۔ کھوہ دیا جلتے رہنے سے سیاہ ہو چکی تھی اس کے گرد سینکڑوں رنگدار کپڑوں کی ''ٹاکیاں'' بندھی تھیں۔ زمین کے گرد اس نے اینٹوں کے ساتھ دائرہ سا بنایا ہوا تھا۔ یہ ککھن سائیں کے آستانے کا ہی ایک انداز تھا جو موتی ملنگ نے قبرستان میں اپنی ریاضت کیلئے بنایا ہوا تھا۔

☆☆☆

اس نے مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میں پاس پہنچا تو اس نے کھوہ میں ہاتھ ڈال کر کسی پرندے کے پر، پیروں کی ہڈیاں اور ایک قلم نکال کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس نے قلم کی نوک بائیں کلائی پر رکھی اور مجھے عجیب سی تمسخرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا حرکت کرے گا۔ لیکن جب اس نے قلم کی نوک سے کلائی چھید کر اپنا خون نکالا تو میرے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔ یہ عمل ریاض شاہ نے میرے ساتھ بھی کیا تھا۔ زلیخا کو سحری قوتوں سے آزاد کرانے کے لئے اس نے میرا خون حاصل کر کے عملیاتی کلمات لکھے تھے۔

موتی ملنگ نے قلم کو ایک طرف رکھا اور پرندے کا پر خون میں ڈبو کر اسے ہڈیوں پر یوں پھیرنے لگا جیسے کسی دیوار پر چونا لگانے کے لئے برش پھیرا جاتا ہے۔ میں خاموشی سے اور گہری نظروں کے ساتھ اس کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنے زخم سے بیگانہ ہو کر یہ عمل کر رہا تھا۔ ہڈیوں پر خون کی تہہ لگانے کے بعد وہ استہزائیہ انداز میں میری طرف دیکھنے لگا اور پھر نہایت متکبرانہ انداز میں بولا۔

''یہ پولیس ککھن سائیں کے ملنگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ سائیں سرکار کے جوتوں میں بیٹھنے والے افسر بھلا ہمارے لوگوں کو ہاتھ تو لگا کر دیکھیں''۔

میں نہیں سمجھا کہ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہتا تھا لہٰذا میں نے کہا۔ ''سائیں یہ کیا کر رہے ہو۔''

''حیرت ہے بھئی۔ ابھی تک تمہیں یہ معلوم نہیں پڑا میں کیا کر رہا ہوں۔ مولا خوش رکھے۔ میں عمل باندھ رہا ہوں۔''

''تم تو گورکن ہو۔ تمہارا عملیات سے کیا کام''۔ میں نے معصومانہ انداز میں کہا تو وہ فلک شگاف قہقہہ لگانے کے بعد بولا۔

''لو جی۔ یہ بھی کیا خوب کہی ہے۔ بھلے مانس ککھن سائیں کے ملنگ گورکن بن کر زندگی نہیں گزارتے۔ ہم تو قبرستانوں کے شہنشاہ ہوتے ہیں۔'' یہ کہنے کے بعد اس نے مجھے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود چوکنا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ اپنی ساعت میں ان دیکھے وجود کی سرسراہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ میں نے غور کیا۔ مجھے نالے سے پار گاڑیوں کے شور کے سوا کچھ سنائی نہ دیا لیکن وہ نہایت ارتکاز کے ساتھ یوں کسی انجانے قدموں کی چاپ سن رہا تھا جنہیں میں نہیں محسوس کر پا رہا تھا۔ چند ثانیے بعد ہی مجھے برگد کے اوپر تھوڑی سی ہلچل محسوس ہوئی۔

موتی ملنگ نے اوپر کی جانب دیکھا اور پھر ایک دم اس نے جھولی پھیلا دی۔ اچانک ایک سرخ رنگ کا دوپٹہ اس کی گود میں آ گرا۔ کسی نے اسے نہایت سلیقے سے تہہ کیا ہوا تھا اور اس پر سیاہ رنگ کے دھاگے باندھے ہوئے تھے۔

موتی ملنگ نے خون آلود ہڈیاں دوپٹے کے اندر اسکی تہوں میں چھپا دیں اور دوپٹہ برگد کی کھوہ میں رکھ دیا۔ پھر زیر لب کچھ بڑبڑانے کے بعد اس نے کھوہ کے گرد حصار باندھا اور اٹھ پڑا۔

''آ ؤ جی...... اندر حجرے میں چلتے ہیں۔''

وہ جسے حجرہ کہہ رہا تھا لکڑیوں اور کچے گارے سے بنی ایک جھگی تھی۔ باہر سے اسکی حالت بہت خراب تھی لیکن اندر داخل ہونے پر اس کی حقیقت سامنے آتی تھی۔ ایک طرف کدال، بیلچہ اور کھرپہ رکھا تھا۔ پاس ہی کچا گھڑا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس کے پاس بھنگ گھوٹنے کے لئے بڑا سا ''کونڈا ڈنڈا'' اور بھنگ کا سامان تھا۔ ایک طرف جہازی سائز کی چارپائی تھی۔ نیچے بوسیدہ سا قالین بچھا ہوا تھا۔ مردوں کی ہڈیاں، کافور اور مختلف قسم کی خوشبویات حجرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

موتی ملنگ کے ماتھے پر اب پسینے کے قطرے نظر آ رہے تھے۔ وہ چارپائی پر یوں بیٹھا جیسے دن بھر کی مشقت سے ہارا ہوا شخص بے سدھ ہو کر گر پڑتا ہے۔

''امرت کا پیالہ پلا دے کاکا۔'' اس نے بھنگ کے کونڈے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ تو میں جانتا ہی تھا کہ یہ ملنگ لوگ بھنگ میں چاروں مغز ملا کر اسے امرت کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ سادہ پانی کی بجائے بھی امرت پیتے ہیں۔ اس کے بغیر ان کے جسم بے جان ہو جاتے ہیں۔ میں نے پیالہ بھر کر اسے دیا تو ایک ہی سانس میں سارا پیالہ پی گیا۔

''تم بھی پیو''۔ اس نے پیالہ میری طرف بڑھایا۔

"نہیں شکریہ۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔" میں نے پیالہ کونڈے کے پاس رکھ دیا۔

"پی لے کاکا۔ ترے سارے غم دور ہو جائیں گے۔"

"سرکار۔ آپ اور پی لیں"۔ میں نے پیالہ بھر کر۔ میرے دماغ میں عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا اسے بھنگ پلا کر اس سے بہت سی باتیں معلوم کی جا سکتی ہیں۔ شراب اور بھنگ پینے والے کی ذہنی رو بھٹک جاتی ہے۔ اس نے دوسرا، تیسرا اور پھر چوتھا پیالہ میرے ہاتھوں سے پی لیا۔ جب میں پانچواں پیالہ اسے پلانے لگا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"دیکھ ترے ہاتھوں سے چار پیالے پی لئے ہیں۔ اب ایک تو پئے گا۔"

میں نے کلائی چھڑوانے کی کوشش کرنے لگا تو وہ ایک دم جلالی انداز میں بولا۔ "اب اگر تو نے میری بات نہ مانی تو مار کر اس قبرستان میں دفن کر دوں گا۔"

میں جس مقصد کی خاطر اس سے ملا تھا اگر بھنگ نہ پیتا تو وہ ناراض ہو جاتا اور میرا مقصد فوت ہو جاتا۔ میں نے اس کے ہاتھوں سے پیالہ لیا اور قدرے ناگواری کے ساتھ پینے لگا لیکن پہلا ہی گھونٹ پینے کے بعد اسکے ذائقہ نے مجھے اطمینان کے ساتھ امرت پینے پر مجبور کر دیا۔ یہ ذائقہ میرے لئے نیا نہیں تھا۔ میں جب آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا ان دنوں مجھ پر پہلوانی کرنے کا جنون طاری ہو گیا تھا۔ میرے علاقے میں بہت سے نامی گرامی پہلوان رہتے تھے۔ گونگا پہلوان رستم ہند کا پوتا میرا کلاس فیلو تھا۔ میرے کچھ دوست بھی اس ورزش سے مستفیض ہو چکے تھے۔ پہلوانی کے دوران ریاضت کے بعد بادام، خشخاش اور مغزیات کے ساتھ کونڈے میں گھوٹ کر جو سردائی بنائی جاتی تھی موتی ملنگ کے امرت کا ذائقہ بالکل ایسا تھا۔ نہایت ٹھنڈا، شیریں۔

"سواد آیا"۔ موتی ملنگ نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھا۔

"جی بہت آیا۔" میں نے پیالہ ایک طرف رکھ دیا تو اس نے مجھے بھی چار پائی پر بٹھانے کے لئے کہا۔

بھنگ پینے کا اثر یہ ہوا کہ موتی ملنگ میرے ساتھ کھل کر باتیں کرنے لگا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ نے پرندے کے پیروں کی ہڈیاں اپنے خون میں بھگونے کے بعد دوپٹے میں کیوں چھپا دیں۔ میرا ذہن ابھی تک الجھا ہوا ہے"۔

موتی ملنگ نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور سرگوشی کے انداز میں بولا: "یہ بات تمہارے لئے

بڑی عجیب ہو گی۔ حیرت سے مر جاؤ گے تم۔ اس لئے نہ ہی پوچھو تو اچھا ہے"۔ لیکن میں بچوں کی طرح مچل کر اس کی خوشامد کرنے لگا تو وہ بولا۔ "کاکے۔ یہ ایک ادھورا عمل تھا جسے میں نے پورا کرنا ہے۔ اگلی جمعرات کو نوچندی ہو گی اور میں اس رات اس عمل کو پورا کر دوں گا۔ پھر تمہارے ریاض شاہ کی مصیبت ٹل جائے گی"۔

"کک.....کیا.....ریاض شاہ کا نام سنتے ہی میں اچھل پڑا۔" تم کیا کہہ رہے ہو۔

"کاکے..... میں نے کہا تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ گے۔ اب ایک اور بات سنو گے تو تمہاری پریشانی اور بڑھ جائے گی لیکن پہلے مجھے ایک پیالہ اور پلاؤ" موتی ملنگ کی آنکھیں خمار کے بوجھ سے کھنچی چلی جا رہی تھیں اور وہ ترنگ میں آ رہا تھا۔ میں چار پائی سے اٹھا تو مجھے احساس ہوا میرا پورا بدن آسمان پر اڑتے بادلوں کی طرح ہلکا پھلکا ہو گیا ہے۔ یہ بھنگ کا اثر تھا۔ موتی ملنگ کو ایک اور پیالہ پلانے کے بعد اس کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

"تم میرے پاس آئے تھے کہ تم جان سکو وہ عامل کون تھا جسے پولیس نے گرفتار کیا تھا۔ اور وہ کیا کرنا چاہتا تھا..... ہیں۔ یہی پوچھنا چاہتے تھے ناں تم۔"

"ہاں۔"

"وہ عامل۔ تمہارا ریاض شاہ تھا۔"

"کک کیا" میں ہکلا کر رہ گیا۔

"یہ سچ ہے کاکے"۔ موتی ملنگ زور دیکر بولا۔ "مکھن سائیں نے اپنے اثر ورسوخ کے زور پر اسے پولیس سے چھڑوا لیا تھا"۔

"وہ کیا کرنے آیا تھا یہاں"۔ میں نے پوچھا۔

"آہا۔ ہوس کی آگ مارا ہوا تھا۔ بڑا زخمی تھا۔ وہ کیا نام تھا اس لڑکی کا"۔

"زلیخا" میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں زلیخا اور ایک وہ تھی۔ ہاں بلقیس۔" وہ دونوں لڑکیوں کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ مکھن سائیں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اب وہ زلیخا کی پرچھائیں کی طرف بھی نہ دیکھے۔ کیونکہ اس کی نگرانی بزرگ کر رہے ہیں۔ پھر وہ بلقیس کے پیچھے پڑ گیا۔ مکھن سائیں نے اس کی یاری میں اسکے حقوق اسکو دے دیئے تھے۔ بڑی باغی ہرنی تھی وہ۔ یہ دوپٹہ جو ادھر میں نے کھوہ میں دبایا ہے یہ بلقیس کا تھا۔

"وہ کیوں۔"

"وہ اس لئے کہ بلقیس کسی اور سے پیار کرتی تھی۔ ریاض شاہ نے عملیات کے زور پر اس کے دل کو جیتنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لڑکی اس کو حاصل نہیں ہو سکی۔ اسی لئے وہ ایک عمل کرنے کے لئے یہاں آیا تھا اور مخبری ہونے پر پکڑا گیا۔ وہ پکڑا نہ جاتا لیکن اس روز میں یہاں نہیں تھا۔"

"لیکن موتی بادشاہ ریاض شاہ کو اس طرح ایک عمل کرنے کے لئے قبرستان کیوں آنا پڑا۔ اس کی روحانی قوتیں تو بہت زیادہ تھیں۔ بابا جی اور غازی سمیت، بہت سے جنات اس کا پانی بھرتے تھے۔"

"کہتے تو ٹھیک ہو۔ مگر ریاض شاہ سے بابا جی روٹھ گئے تھے۔ وہ پہلے بھی کالا علم کرتا تھا لیکن بعد ازاں اس نے نوری علم سیکھ لیا تھا اور اسی کے زور پر بابا جی اس کے پاس آ جاتے تھے لیکن اس کی حرام زدگیاں بابا جی کو گوارہ نہیں تھیں۔ وہ اس کی ماں اور بھائی کی لاج رکھتے تھے۔ پچھلے سال زلیخا کی شادی ہوگئی تو ریاض شاہ مکھن سائیں کے آستانے پر چلہ کرنے گیا تھا۔ اس نے زلیخا اس کے والدین اور تمہیں مارنے کے لئے مکھن سائیں کے ساتھ مل کر چلہ کاٹا تھا لیکن وہ تمہارے حضرت جی کی روحانی قوتوں نے ان سب کو بچا لیا۔ ریاض شاہ اپنی ناکامی پر تلملا اٹھا اور اس نے بلقیس کو حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ بلقیس کے والدین کو ریاض شاہ کی حقیقت معلوم ہوگئی تھی۔ وہ اس طرح کہ ایک روز وہ ملکوال گئے تو ملک صاحب نے انہیں ریاض شاہ کی اصلیت بتا دی تھی۔ ریاض شاہ مکھن سائیں کے آستانے سے بلقیس کے گھر میں منتقل ہو گیا تھا۔ وہ بے چارے اس سے ڈرتے تھے لیکن بلقیس بڑے پکے ارادے والی تھی۔ اس کے باوجود اس کی ہوس کا شکار ہوگئی۔ ریاض شاہ نے اس کے التفات کو اپنی طرف پورے کا پورا موڑنے کے لئے یہ چلہ کیا تھا۔ دراصل اب ریاض شاہ کسی قسم کی حکم عدولی نہیں چاہتا۔ اپنی خواہش کے مطابق سارے کام کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سارا سارا دن قبرستانوں، گندے نالوں اور ایسے مقامات پر بیٹھ کر کالا علم کے لئے چلے کاٹتا ہے۔"

"استغفر اللہ۔ لاحول ولاقوۃ" میں زیر لب بڑبڑایا۔ "کیا میں اسے مل سکتا ہوں۔"

"کاکے۔ اگر حوصلہ ہے تو مل لو۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ اسے نہ ہی ملو تو اچھا ہے۔ ورنہ وہ تمہیں اپنے غضب کی آگ میں جلا ڈالے گا۔" تمہیں دیکھتے ہی اس کے زخم ہرے ہو جائیں گے۔ موتی ملنگ اب مجھ پر مہربان ہو چکا تھا اور مجھے ریاض شاہ سمیت اپنی دنیا کے کرتوتوں سے آگاہ کرتا چلا جا رہا تھا۔

موتی ملنگ کے منہ سے بلقیس کا نام سن کر میرے بدن میں سوئیاں سی چبھنے لگی تھیں۔ وہ لڑکی مجھ

سے پیار کرنے لگی تھی۔ لیکن میں عشق کی منزل کا راہی نہیں تھا۔ اسے اس کی دیوانگی اور نادانی اور اپنے لئے اس کے دل میں احترام کو اندھی عقیدت سمجھتا تھا۔ میں نے اس پر احسان کیا تھا لیکن بدلے میں وہ مجھ سے متاثر ہو کر مجھ سے روح کا رشتہ قائم کرنا چاہتی تھی۔ اسی لئے میں اس سے دور ہو گیا تھا لیکن اب ریاض شاہ کے ہاتھوں اس کی پائمالی کی داستان سن کر میرے رونگٹھے کھڑے ہو گئے تھے۔ غم و غصہ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں خود کو قصوروار سمجھنے لگا کہ بلقیس جیسی شرم و حیا والی لڑکی کو ایک کتے سے بدتر انسان کے ستم کا نشانہ بننے کے لئے تنہا کیوں چھوڑ دیا۔

مجھے یقین تھا کہ موتی ملنگ اپنے مرشد کے دوست کے خلاف میری مدد نہیں کرے گا۔ لہٰذا میں نے ریاض شاہ سے نپٹنے کے لئے کسی دوسرے طریقے پر غور شروع کیا۔ لیکن میں جو بھی سوچتا میرا ذہن اس طریقے کو اختیار کرنے سے گریز کرتا۔

میں موتی ملنگ سے معلومات لے کر واپس آ گیا تھا۔ کالج میں طلبا سیاست اور صحافت کی وجہ سے میرے بہت سے سیاسی ورکروں اور پولیس والوں سے رابطے تھے۔ میں نے چند خاص دوستوں سے مشورہ کیا کہ ریاض شاہ کے خلاف کس طرح سخت کارروائی کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر بلقیس اور اس کے والدین پولیس میں رپورٹ درج کرا دیں تو اس پر سخت ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔ ہم اس معاملے کو اخبارات میں اچھال کر اس کا ناطقہ بند کر سکتے ہیں۔ یہی امید لیکر میں بلقیس سے ملنے چلا گیا تھا۔ لیکن اس کے گھر کے دروازے پر تالہ پڑا ہوا تھا۔ ہمسایوں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ چند روز پہلے اپنا سامان لے کر کہاں گئے ہیں یہ کسی کو علم نہیں ہے۔ ہمسایوں کو ریاض شاہ کا حلیہ بتا کر اس کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ وہ شخص بھی انکے ساتھ ہی چلا گیا ہے۔

ریاض شاہ آناً فاناً سیالکوٹ سے غائب ہو گیا تھا۔ نہ جانے وہ بلقیس اور اس کے والدین کو کہاں لے گیا تھا۔ میں مکھن سائیں کے پاس نہیں جا سکتا تھا لہٰذا میں نے موتی ملنگ سے دوستی گانٹھ کر اس سے ریاض شاہ کا پتہ کرانے کی کوشش کی تو اس نے صرف دو باتیں بتائیں کہ ریاض شاہ گوجرانوالہ اور ایمن آباد کے درمیان ایک کالی گھاٹ نامی خفیہ جگہ پر چلہ کرنے گیا تھا۔ یہ جگہ سفلی علوم کرنے والوں کے لئے جنت کا درجہ رکھتی تھی۔ کالے عملیات کرنے والوں نے اس جگہ کا خفیہ کوڈ نیم کالی گھاٹ رکھا ہوا تھا۔ اسے تلاش کرنا بڑا مشکل تھا۔ دوسری بات اس نے یہ بتائی کہ ریاض شاہ لاہور

چلا گیا ہے۔ وہ اس کے گھر کا پتہ نہیں دے سکا تھا۔

بلقیس کی بربادی اور ریاض شاہ کی سفا کی نے میرے دل و دماغ میں تلاطم برپا کر دیا تھا۔ لاچارگی اور غصہ کی ملی جلی کیفیات نے مجھے مہینوں اپنے کمرے میں بند رہنے پر مجبور کر دیا۔ کبھی کبھار میں بابا تیلے شاہ بیری والی سرکار حتیٰ کہ پیر کاکے شاہ کے دربار پر بھی گیا لیکن ایک عام زائر کی طرح واپس آجاتا تھا۔ سارے سلسلے بند ہو گئے تھے۔

میں نے بی اے کا امتحان اچھے نمبر لیکر پاس کر لیا تھا۔ میں مزید پڑھنا چاہتا تھا۔ والد محترم نے اپنے تعلقات استعمال کر کے مجھے نائب تحصیلدار بھرتی کرانے کی کوشش کی لیکن میں نے اب فیصلہ کر لیا تھا کہ سوائے صحافت کے میں کسی دوسرے شعبے میں نہیں جاؤں گا۔ سیالکوٹ سے باہر نکلنے کے لئے میرے پاس اب یہی راستہ تھا کہ میں وکالت میں داخلہ لے کر لاہور آجاؤں۔ پس میں نے تدبیر کی اور لاہور آگیا۔ جس روز میں نے داتا کی نگری میں قدم رکھا میری آرزوؤں کے گلشن آباد ہوتے نظر آنے لگے۔ میرے عزیز رشتہ دار لاہور میں رہتے تھے۔ لیکن میں جس مقصد کی خاطر لاہور آیا تھا اس کیلئے میں ان کے ہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ یتیم خانہ میں ان دنوں حمایت اسلام لاء کالج کی کافی شہرت تھی۔ میں نے وہاں داخلہ لے لیا۔ انہی دنوں فیملی میگزین کا آغاز ہو چکا تھا۔ چونکہ تحریر و تصنیف سے وابستگی تھی لہٰذا میں فیچر نگار کے طور پر فیملی میگزین کے لئے فیچر لکھنے لگا۔ اس دوران میں نے لاہور کے تمام عاملوں، مزاروں اور ایسے مقامات کی خاک چھان ماری جہاں جہاں عامل حضرات کے ملنے کی توقع ہوتی۔ میں لوگوں کو ریاض شاہ کا حلیہ بتاتا رہا لیکن کوئی بھی اس شخص کو نہیں جانتا تھا۔ اس تلاش بسیار میں میری حالت دگرگوں ہو گئی۔ بھوک اور افلاس سے نڈھال ہو گیا۔ داتا دربار پر جا کر لنگر سے پیٹ بھرتا، چوبرجی چوک کے لان میں رات گزارتا، رہنے کے ٹھکانے بھی چھن گئے تھے۔ بے کسی اور نامرادی کے باوجود میں نے دل نہیں چھوڑا۔ راتوں کو سٹریٹ لائٹس کی روشنی میں پڑھتا۔ اکثر رات گئے داتا دربار چلا جاتا اور صاحب مراد کے پاس بیٹھ کر قرآن پاک پڑھتا رہتا۔ میرے کان ہر وقت بابا تیلے شاہ کی آواز سننے کے لئے بے چین رہتے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ اگر اب مجھے ملے تو یہیں کہیں ملیں گے۔ داتا دربار کے اندر بہت سے سفید باریش اور نورانی چہروں والے بزرگوں کو غور سے دیکھتا رہتا کہ نہ جانے ان میں سے کوئی ایک میرے مطلوبہ بزرگ ہوں۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ پھر ایک روز میرے بہنوئی لاہور آئے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ریاض شاہ کے بڑے بھائی سید اقبال

حسین شاہ لاہور میں فلاں جگہ رہتے تھے۔ تم ان سے کیوں نہیں ملے۔ امید کے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے اور میں اگلے ہی روز سید اقبال حسین شاہ کی تلاش میں نکل پڑا لیکن وہ اس جگہ سے کہیں دور جا چکے تھے۔ مجھ پر مایوسی کا شدید دورہ پڑا۔ کئی روز تک میری حالت بھی خراب رہی۔ لیکن پھر مجھے فیملی میگزین کے مستقل رکن بننے کا موقع مل گیا تو میرے دن رات صحافتی ذمہ داریوں میں غرق ہو گئے اور وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا لیکن اب میرا دل بازاری عاملوں سے شدید ترین نفرت کرنے لگا تھا۔ میں ان لوگوں کے گھناؤنے کرتوتوں سے آگاہ تھا لہٰذا میں نے کئی بار ایسے ایسے مضامین اور فیچر لکھے جس سے ان کی اصلیت سامنے آجاتی تھی اور پولیس ان عاملوں کے پیچھے پڑ جاتی۔ حتیٰ کہ اعلیٰ سطح پر بھی ان کے خلاف کارروائیاں ہوتیں۔ انہی دنوں ایک معروف عامل سے میری ملاقات ہو گئی۔ میں نے سید اقبال حسین اور ریاض شاہ کو تلاش کرنے کے لئے ان سے مدد مانگی۔ 1999ء میں بالآخر ہم سید اقبال حسین کا گھر تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اپنے ایک دوست ظفر سجاد کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ تو وہ غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے ملے۔ تعارف ہوا۔ تو بولے۔

”خدائے لم یزل کی قسم۔ کوئی مجھے اس بے غیرت کا پتہ دے میں اس کو سونے میں تول دوں۔ اس نے ہمارا ایمان خراب کر دیا ہے۔ میں اس کو ختم کر ڈالوں گا۔ اس نے میرے نام پر میرے عقیدت مندوں کو لوٹا ہے“۔ سید اقبال حسین ایک حلیم الطبع اور شریف النفس انسان تھے۔ کہنے لگے۔ ”اس کی وجہ سے ہم برباد ہو گئے ہیں“۔

ان دنوں وہ شدید ترین بحران کا شکار تھے۔ گویا وہ سخت ترین سزاؤں سے گزر رہے تھے۔ ان کا ایک بیٹا جو ریاض شاہ کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ ناگہانی آگ لگنے سے جھلس گیا تھا اور دوسرا بیٹا خطرناک حادثے کے بعد شالیمار ہسپتال میں پڑا تھا۔ سید اقبال شاہ نے کہا۔ ”میرے بھائی۔ جنات کی غلامی کا طوق گلے سے اتارنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ نیک و بد جنات سے جب جان چھڑانی ہو تو یہ سزائیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے انہیں گلے سے لگا لیا۔ میں ان کے بیٹے کی تیمارداری کے لئے شالیمار ہسپتال چلا جاتا۔ ان سے پھر میرا مستقل رابطہ رہنے لگا لیکن میں نے ایک بات صاف محسوس کی تھی کہ وہ مجھ سے کھل کر باتیں کرنے اور ملاقات سے گریزاں ہونے لگے تھے۔ انہوں نے جواہرات کا کاروبار بھی شروع کر دیا تھا چند مہینے بعد ان کے دونوں بیٹے صحت یاب ہونے لگے تھے تو وہ پھر کاروبار پر نکلنے لگے۔ موچی گیٹ کے باغ میں وہ جواہرات لیکر جاتے اور

نگینے بیچنے لگے۔ ایک روز میں ان کے گھر گیا تو وہ قدرے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ میرے سامنے جواہرات کا صندوق کھول کر کہنے لگی۔ "بھائی۔ اس میں سے اپنی پسند کا نگینہ اٹھا لو۔" ان کے پیار بھرے انداز سے میں متاثر ہوا۔ میں نے کہا۔ "نگینہ تو میں لے لوں گا لیکن اس کے پیسے دوں گا۔"

"ارے آپ سے پیسے لینے ہیں۔ بالکل نہیں۔ فی الحال مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں تمہاری مرضی کا نگینہ دے دوں"۔ ان کے چہرے پر اس روز بڑا سکون نظر آیا۔

میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھا اور مجھے لگا جیسے ہزاروں آنسو میرے حلق میں آ ٹھہرے ہیں اور ایک میٹھا گداز احساس نمو پانے لگا ہے۔ "شاہ صاحب۔ کس نے آپ سے کہا ہے نگینہ دینے کو بابا جی نے۔ اگر انہوں نے کہا ہے تو مجھے بابا جی سے ملا دیں"۔ یہ کہتے ہوئے میری آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "برسوں بیت گئے ان کے ہجر میں۔ بہت کچھ لٹ گیا ہے میرا۔ میں ان سے ملنے کی تمنائیں لیکر یہاں آیا تھا"۔

"شاہد"۔ ان کے چہرے پر ایک دم اکتاہٹ اور سختی پیدا ہو گئی"! بابا جی کو بھول جاؤ۔ اگر تم پر ان کی اصلیت کھل گئی تو تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے"۔ میرے آنسو پلکوں میں ٹھہر گئے اور میں شاہ صاحب کی طرف حیرت آمیز مگر ملتجی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سنو۔ اگر سن سکتے ہو تو سنو۔ جنہیں تم بابا جی کے برگزیدہ جنات کہتے ہو، سمجھتے ہو۔ وہ جن نہیں تھے"۔

"کک..... کیا۔ شاہ صاحب۔ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ وہ جنات نہیں تھے تو کیا تھے"۔ شاہ صاحب نے ٹھنڈی آہ بھری اور کمرے کے روشندان کی طرف دیکھنے لگے اور جب وہ بولے تو میری سماعت پر ہزاروں ٹن جلتا ہوا بارود گرنے لگا۔

☆☆☆

میری حالت بہت بری ہو گئی تھی۔ میں سرتاپا پسینے میں بھیگ گیا۔ رعشہ سے پورا بدن کانپنے لگا تھا۔ میرا دل چاہتا تھا فرش پھٹ جائے اور میں اس میں پورے کا پورا غرق ہو جاؤں۔ کوئی میرے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دے۔ نہ میں سن سکوں نہ دیکھ سکوں نہ سوچ سکوں۔

"کک کیا..... یہ سچ ہے شاہ صاحب" میرے گھٹنوں سے جان نکلنے لگی اور میں بید کی کرسی پر گر گیا۔

"یہ سچ میرے بھائی۔ بابا جی ...... جنہیں تم بہت بڑی ہستی سمجھ رہے تھے وہ شیطان تھا۔

ابلیس کی پرچھائیں تھا وہ" ان کے چہرے پر سختی آنکھوں میں الجھن اور لہجے میں ناراضگی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"انہیں بھول جاؤ تم ...... ان کا ذکر بھی مت کیا کرو ورنہ ایک روز پچھتاؤ گے"

"شاہ صاحب" میں نقاہت زدہ لہجے میں بولا "اب کس پچھتاوے کا غم کروں۔ پہلے میں اس بات کو تو برداشت کر لوں۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا" میرا کلیجہ پھٹنے کو تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا سانسیں تیز ہو گئیں اور میں نے پوری قوت مجتمع کر کے شاہ صاحب کے ہاتھ پکڑ لئے "خدا کے لئے کہہ دیجئے یہ جھوٹ ہے"

"صبر میرے بھائی صبر۔ میں تم سے کیوں جھوٹ بولوں گا...... ریاض شاہ کے پاس جو بابا جی تھے وہ شیطان تھا اور یہی حقیقت ہے"

اس بار میں نے ان کے چہرے پر عجیب سی چمک دیکھی تھی جو لمحہ بھر میں معدوم ہو گئی۔ میرے ذہن میں سوچ کی چنگاری بھڑکی۔

"آپ نے فرمایا کہ ریاض شاہ کے پاس جو بابا جی تھے وہ شیطان تھا' یہی فرمایا ہے ناں"

"ہاں ...... میرا مطلب یہی ہے" وہ بولے "تمہارے لئے ٹھنڈا پانی منگواتا ہوں"

"جی شکریہ مجھے پیاس نہیں ہے۔ اگر آپ میری فکر ختم کر دیں تو میری برسوں کی پیاس بجھ جائے گی" میں نے کہا "آپ کی بات سے لگتا ہے کہ آپ کے پاس جو بابا جی تھے یہ وہ نہیں تھے"

"ہاں میں یہی کہنا چاہتا تھا۔ تم ایک زیرک نوجوان ہو جلد سمجھ گئے" ان کے لبوں پر مسکان ابھری۔

"تو پھر یہ سب کیا ہے" میں نے الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"میں بتاتا ہوں۔ تم نے میری بہت خدمت کی ہے اور پھر ایک ایسے وقت میں جب ساری دنیا نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا تم میرے پاس آ گئے اور میرے غموں میں شریک ہو گئے۔ اس لئے میرا فرض بنتا ہے کہ میں تمہاری جستجو اور منزل کا راستہ واضح کر دوں۔ تمہاری گتھی سلجھا دوں لیکن پہلے پانی پی لو" یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے اور میں سامنے رکھے نگینوں سے بھرے صندوقچے کو دیکھنے لگا۔ مجھے غازی کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس نے کہا تھا کہ جنات نگینوں کے

خزانے کے محافظ ہوتے ہیں تو کیا یہ سارے نگینے جنات نے انہیں دیئے ہیں۔ ایسے آبدار اور شفاف نگینے میں نے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ شاہ صاحب شربت کے دو گلاس لے کر آ گئے۔ سامنے تپائی پر رکھے اور ایک گلاس اٹھا کر کچھ پڑھنے لگے۔ پھر شربت پر پھونک مار کر مجھے پینے کے لئے دے دیا۔ میں نے لمحہ بھر کے لئے ہچکچاہٹ سے کام لیا تو وہ بولے۔

''میاں اس وقت تم جس جگہ بیٹھے ہوئے ہو یہ اس کا تقاضا ہے کہ تمہیں پانی دم کر کے دوں۔ ویسے بھی جب تم اس کمرے میں داخل ہوتے ہو اور جانے لگتے ہو تو میں تم پر دم کر دیتا ہوں تا کہ کسی جن کی شرانگیزی کا شکار نہ ہو جاؤ''

شاہ صاحب کی بات سن کر میں غیر محسوس انداز میں پورے کمرے کا جائزہ لینے لگا لیکن یہ کمرہ تو اجڑے دیار کی ترجمانی کر رہا تھا۔ صوفوں پر گرد جمی تھی۔ روشندان پر مکڑی کے جالے تنے تھے۔ لگتا تھا برسوں سے کسی نے صفائی نہیں کی حالانکہ یہ ان کی بیٹھک تھی۔

''اصل قصہ یہ ہے میاں۔ میرا بھائی کالا علم کرنے والوں کے اس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کہلاتے ہیں۔ اس نے نوری علم بھی سیکھا ہے اور کالا علم بھی۔ میاں سچ تو یہ ہے ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں لیکن نوری اور کالے علوم کے مابین کچھ ایسے علوم بھی ہیں جو دونوں کو آپس میں ملا کر بنائے جاتے ہیں۔ عاملین حضرات نعوذ باللہ قرآن پاک کی مقدس آیات کے ساتھ ایسے ایسے عمل باندھ دینے میں شیطانی قوت حاصل کر لیتے ہیں کہ اس پر جتنی بھی لعنت بھیجی جائے کم ہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد ہمارے ہاں بہت سے مسلمان عاملوں نے ہندوؤں سے یہ عمل سیکھے اور تجربات کر کے دونوں علوم کو آپس میں مکس کر دیا۔ ان دونوں علوم کے درمیان لٹکے ہوئے یہ عامل ہوس کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ روپیہ پیسہ شہرت، قہر و غضب اور صنف مخالف کے ساتھ ان کی رغبت ایک مجبوری بن جاتی ہے۔ میرا بھائی بھی ان میں سے ایک ہے۔ اللہ معاف کرے۔ میں نے تو اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا اور نہ ہی میری والدہ محترمہ نے کبھی کسی سفلی علم کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ بابا جی سرکار میری عبادت گزار والدہ پر مہربان تھے اور ان کی وفات کے بعد بابا جی سرکار میرے پاس آنے لگے۔ والدہ نے اور بابا جی نے مجھے روحانی علوم سکھائے تھے۔ میں چونکہ روپے پیسے کے لئے یہ کام نہیں کرتا تھا لیکن میرے بھائی سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا وہ کہتا تھا کہ ہم جنات کی

خدمت کرتے رہتے ہیں یا پھر دکھی انسانیت کے لئے اپنے آپ کو دکھوں میں مبتلا رکھتے ہیں۔ ہم ان کے ذریعے پیسہ کیوں نہ کمائیں۔ سو وہ بھٹک گیا اور اس نے کالا جادو کرنے والے ہندو اور مسلمان عاملوں کے زیر سایہ چلے کاٹنے شروع کر دیئے۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ اسے اس گندی راہ سے بچا لوں لیکن وہ اتنا گھاگ اور شیطان ہو گیا تھا کہ اس نے مجھ پر بھی ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا۔ مجھے جنات بزرگوں کی عزت کا خیال تھا لہٰذا میں نے بابا جی کو آزاد کر دیا۔ وہ میرے قیدی نہیں تھے بلکہ مہربان تھے۔ مجھے ان کی وجہ سے بے پناہ عزت اور شہرت ملی تھی۔ میں نے یہ بات ریاض شاہ کو نہیں بتائی تھی لیکن بدقسمتی سے میرے بیٹے کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں نے بابا جی کو آزاد کر دیا ہے۔ اب وہ اپنی مرضی سے آتے یا پھر میں اگر کسی مجبوری کے عالم میں انہیں یاد کرتا تو وہ آ جاتے تھے۔ میرے بیٹے نے اپنے چچا یعنی ریاض شاہ کو یہ خبر دے دی تھی کہ بابا جی اب ہمارے پاس نہیں رہے۔ اسے اگر کسی کا خوف ہوتا تھا تو وہ بابا جی کا تھا۔ وہ نہ رہے تو وہ باغی اور مادر پدر آزاد ہو گیا۔ مجھے بہت بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے میرے گھر کے اندر بہت سی خندقیں کھود رکھی ہیں۔ یعنی اس نے میرے بچوں کو بھی گمراہ کر لیا ہے۔ خیر۔ جب مجھے معلوم ہوا تو اس وقت تک میرا بڑا بیٹا گمراہ ہو چکا تھا اور ریاض شاہ اسے اپنے ساتھ لے کر ان علاقوں میں چلا گیا جہاں میرے معتقد رہتے تھے۔ میں نے ان سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا تھا لیکن ریاض شاہ نے بابا جی کے شعبدے دکھا کر لوگوں کا مال اور عزتیں لوٹنا شروع کر دیں''

''بابا جی کے شعبدے سے کیا مراد ہے؟'' میں نے سوال کیا

''بتاتا ہوں میاں...... ریاض شاہ نے عملیات کے زور پر جنات قابو کر لئے تھے اور پھر انہیں بابا جی کا سوانگ بھرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ ان میں سے کچھ جنات مسلمان تھے جس طرح مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مذہب سے دور ہوتے اور کافروں سے بدتر حرکتیں کرتے ہیں اسی طرح جنات میں بھی صرف نام کے مسلمان ہوتے ہیں۔ ریاض شاہ نے خود کو روحانی بزرگ کے روپ میں ہر جگہ خود کو پیش کیا۔ وہ کسی مرید کے گھر بسیرا کر لیتا اور پھر وہاں گند پھیلانا شروع کر دیتا''

''لیکن شاہ صاحب پھر بابا جی شیطان تو نہ ہوئے''

"وہ اصل بابا جی نہیں تھے۔ میرے بابا جی تو نسلاً مسلمان ہیں اور ان کے بزرگ اور معلم صحابہ کرامؓ کی صحبت میں رہتے رہے ہیں اور......"

"ہاں ہاں۔ بابا جی کے بزرگوں سے بھی میں ملا ہوں۔ وہ بھی یہی کہتے تھے۔ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے ان کی خدمت کی ہے۔ انہیں ہاتھوں سے محسوس کیا ہے اور ان نظروں سے دیکھا ہے۔ میں نے ریاض شاہ کے عملیات بھی دیکھے ہیں اور"...... میں نے شاہ صاحب کی بات کاٹتے ہوئے بے صبری سے اپنی داستان سنا دی کہ کس طرح برسوں پہلے میں بابا جی' ریاض شاہ اور ملنگوں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے ملتا رہا ہوں۔ "مگر شاہ صاحب میرا ذہن ابھی تک اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا کہ اگر وہ گندے جنات تھے تو ان پاکیزہ محفلوں کو کیا کہوں۔ درود وسلام کا ذکر' تلاوت قرآن پاک' نعتیہ محافل' بابا جی کا ریاض شاہ کی سفلی حرکات پر ناراض ہونا۔ یہ سب کیسے ہوسکتا ہے۔ میں کیسے مان لوں اور کیا میں یہ مان لوں کہ نعوذ باللہ مقدس اور قرآنی اعمال کا شیطان پر اثر نہیں ہوتا۔ اگر وہ بابا جی شیطان کی پرچھائیں تھے تو پھر ان کی ایمانی صفات کے بارے میں کیا کہیں گے۔ استغفراللہ۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا شاہ صاحب اس بات کو واضح کر دیں اور پھر مجھے یہ بھی بتائیں کہ بقول آپ کے بابا جی اپنی مرضی سے آپ کے پاس آسکتے ہیں اور مجبوری کے عالم میں آپ انہیں بلا بھی سکتے ہیں تو پھر...... جب آپ کا بھائی ہر طرف گند پھیلا رہا تھا' اس نے قیامت برپا کی ہوئی تھی آپ نے اصلی بابا جی سے مدد کیوں نہ مانگی۔ کیا یہ مجبوری نہیں بن سکتی۔ انصاف اور ظلم کا جواب دینا چاہئے تھا آپ کو۔ معاف کیجئے شاہ صاحب آپ کی باتیں میرا ایمان خراب کر دیں گی۔ میں اصل راستے سے بھٹک جاؤں گا۔ للہ کچھ واضح کریں"

"میاں" وہ میری بات سن کر گہری اداسیوں کی چادر میں سو گئے۔

"تم سچ کہتے ہو۔ تمہارے سوالوں کے جواب دینے لگا تو کتابیں بھر جائیں گی لیکن شاید میری وضاحت مکمل نہ ہو سکے۔ یہ بات ذہن میں رکھو کہ جب کوئی مسلمان بھٹک سکتا ہے تو وہ شرک کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔ وہ صرف شیطان کا غلام ہوتا ہے۔ میں صرف تمہیں ایک بات بتا سکتا ہوں اگر تم اسے سمجھ گئے تو جان لو گے کہ یہ اشرف المخلوقات حضرت انسان کیا کچھ کر سکتا ہے۔ اللہ کے بندے۔ اگر یہ انسان علم کی معراج کو چھو لے تو زمین کا سینہ اس کی انگلی

کے اشارے سے چاک ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا اندھیروں میں ڈوب سکتی ہے۔ آسمان تھرا اٹھتا ہے لیکن اللہ کا وہ کامل بندہ کبھی ایسا فعل نہیں کرتا۔ اللہ اپنے بندے کی کوئی بات رد نہیں کرتا۔ اب اس کامل بندے سے کم تر بندوں کے علم کی انتہا یہ ہے کہ وہ جنات کی بستیاں اور شہر اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ اگر وہ کم تر بندہ یہاں سے دل میں پکارے تو لاکھوں میل دور بیٹھا اس کا غلام یا دوست جن پلک جھپکنے میں اس کے پاس آ جاتا ہے۔ یہ ہے علم کی صداقت اور اس کی معراج ہے۔

اب سنو۔ شیطان یعنی ابلیس کوئی عام شے نہیں۔ اس نے سارے علوم سیکھے ہیں اور ان کے زعم میں مبتلا ہو کر متکبر ہو گیا۔ ابلیس بھی جنات میں سے تھا۔ شیطان الگ سے مخلوق نہیں تھی بلکہ ابلیس سے جنم لینے والی اور اس کے نقش قدم پر چلنے والی جناتی مخلوق شیطان بن گئی۔ یعنی شر پسند' فسادی اور اللہ کی تعلیمات کو جھٹلانے اور انسانوں کو گمراہ کرنے والی مخلوق۔ جنات اور شیاطین بھی عملیات کے ماہر ہیں۔ ابلیس نے شیاطین کو کالا علم سکھایا۔ جنات کو انبیا' صالحین' اولیا اور علمائے کرام نے قرآن پاک کی تعلیمات دی اور وہ خود قرآن کے معلم بن گئے۔ بہت سے مسلمان جنات کے پاس بھی اسی طرح روحانی اور سفلی علوم ہیں جس طرح کہ ایک انسان کے پاس ہو سکتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ریاض شاہ کے بابا جی روحانی محافل کا انعقاد کرتے تھے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ جنات بھی مسلمان تھے لیکن وہ مذہب سے غافل تھے اور مذہب کے نام پر یعنی نیکی کی آڑ میں لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی مثال اور دلیل یہ ہے کہ اگر وہ اصلی بابا جی ہوتے تو وہ زلیخا اور بلقیس کو برباد نہ کرتے۔ ان کے ہوتے ہوئے ریاض شاہ کو افیون منگوانے کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ ہی وہ تمہارے خون سے عملیات باندھتا۔ وہ نیکی اور بدی کے ڈرامے کرتے تھے تاکہ تم لوگوں کو متاثر کر سکیں۔ یاد رکھنا کوئی بھی سچا روحانی عامل کبھی ناپاک نہیں ہوگا اور خلاف شریعت کام نہیں کرے گا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہارے حضرت جی نے جب زلیخا بیٹی کا علاج کیا تو ریاض شاہ اور بابا جی کا سارا علم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اگر وہ اصلی بابا جی ہوتے تو وہ حضرت جی کی قدم بوسی کرتے۔ میرے بابا جی گندے اور گھناؤنے علم نہیں کرتے' ملنگوں کے روپ میں درباروں میں ظاہر نہیں ہوتے۔ البتہ وہ مزاروں پر پردے میں رہ کر خدمات انجام دیتے

ہیں۔ یہ تو شرارتی اور کم علم جنات کی نسل ہے جو اپنے اسلاف کی نافرمانی کرتی ہے۔ میاں
...... جنات اور انسانوں کے کئی معاملات میں قدر مشترک ہے۔ جیسے کہ ہمارے ہاں ضعیف
العقیدہ مسلمان انسان کم علم اور جاہل مسلمان۔ انہیں دیکھو کہ وہ اپنی مذہبی رسومات کیسے ادا
کرتے ہیں' مذہب پر کتنے کاربند رہتے ہیں۔ پاکی ناپاکی کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ یہی حال
جنات کا بھی ہے۔ ہم بڑے خوش قسمت مسلمان ہیں شاہد میاں...... لاکھ گناہ کر کے بھی معافی
مانگیں تو سوہنا رب ہمیں معاف کر دیتا ہے بشرطیکہ ہم گناہ کے نتائج سے پوری طرح آگاہ نہ
ہوں۔ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہے کیونکہ یہ اس ذات مصور کی کامل تخلیق ہے۔ شرپسند
جنات کو ان کے گناہوں پر معافی ملنا بہت مشکل ہے۔ انہیں معافی مانگنے کے لئے بہت
مشقت کرنی پڑتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنات اور شیاطین نے آگ سے جنم لیا۔ اسی لئے
ان کے ضمیر میں شر فساد اور ظلمت کا تناسب زیادہ ہے۔ شیاطین کو تو معافی ملے گی ہی نہیں
جنات کو مل سکتی ہے لیکن یہ سب اللہ اور ان کے بیچ کا معاملہ ہے۔ جو جنات انسانی بستیوں میں
آ کر شرارتیں کرتے ہیں ان کا سخت محاسبہ ہوتا ہے۔ میری بات یاد رکھنا۔ ریاض شاہ اور انکے
باباجی کا بھی یہی حال ہوگا۔ البتہ وہ غازی...... قدرے معصوم ہے۔ ابھی نابالغ ہے۔ مجھے
یقین ہے اگر وہ ان کے دائرہ سحر سے نکل گیا تو نیک جنات کی صف میں شامل ہو جائے گا۔
میری باتوں سے کچھ سمجھ آیا

میں شاہ صاحب کی باتیں غور سے سن رہا تھا لیکن ذہن پر یادوں کی یورش ہو رہی تھی۔ باباجی
اور غازی کا چہرہ کسی طرح ذہن کی سکرین سے غائب نہیں ہو رہا تھا۔ آخر میں نے کہا

"شاہ صاحب میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن مجھے یہ بتائیں کہ غازی نے مجھے اسم اعظم
کا علم کیوں سکھایا۔ ٹھیک ہے وہ مسلمان جن تھا لیکن جب وہ گمراہ گروہ میں شامل تھا تو اس نے
مجھ پر عنایت کیوں کی"

"میں نے تمہیں کہا ہے کہ جنات عملیات کا علم رکھتے ہیں۔ غازی ان دنوں علوم سیکھ رہا ہو
گا۔ اسے تم اچھے لگے ہو گے بلکہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے کہ اس نے تمہیں یہ علم سکھا دیا۔ یہ
بالکل وہی بات ہے کہ ایک بار ابلیس نے اللہ کے ایک پیغمبر کو ایک آیت مبارکہ پڑھنے کے
لئے دی تھی کہ جب بھی اس کو پڑھیں گے شیطان کے سحر سے آزاد ہو جائیں گے۔ یہ گمراہ

جنات کی روایت میں بھی شامل ہے۔ میں نے باباجی کے ساتھ مل کر ہزاروں ایسے کیس حل
کئے ہیں۔ کئی عامل جنات سے علم حاصل کر کے انہیں معاف کرتا تھا۔ اگر غازی نے تمہیں یہ
علم سکھایا ہے تو سمجھو اس نے تمہیں ایک تحفہ دیا ہے لیکن شاہد میاں...... یاد رکھنا...... جنات اپنی
خدمت' احسان اور تحفہ کبھی نہیں بھولتے اگر انہیں کوئی دکھ پہنچائے گا تو وہ اس انسان کی نسلوں
سے بھی حساب چکتا کرتا رہے گا۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں جنات کی دوستی پہاڑوں سے زیادہ
وزنی ہوتی ہے۔ ایک نیک اور پرہیزگار عامل ہی کسی اصیل جن کا بوجھ برداشت کر سکتا ہے"

"اب ایک اور سوال شاہ صاحب" میں نے مودبانہ انداز میں کہا

"کہو"

"اصلی باباجی کے ساتھ آپ نے ریاض شاہ کا معاملہ ڈسکس نہیں کیا"

"کیا ہے دراصل میں اس میں میری بھی بہت کوتاہیاں ہیں۔ میں باباجی کو آزاد کرنے کے
بعد ایسی عبادات میں مصروف ہو گیا جو مجھے جنات اور شیاطین کے شر سے مستقبل میں محفوظ
رکھ سکتی تھیں۔ کوئی روحانی عامل بھی جب جنات کی دوستی سے دستبردار ہوتا ہے تو اس کو سخت
امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس وقت وہ ساری شیطانی قوتیں اس کو نقصان پہنچانے کے
در پے ہو جاتی ہیں جن سے تمام عمر وہ لڑتا رہا ہوتا ہے۔ پس میں کئی سال تک اس محاسبے کے
عمل سے گزرتا رہا ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑتا ہے۔ دیکھ لو۔
میرے بچے اور یہ گھر کس حال میں ہے حالانکہ میں ایک صالح جن اور اس کے خاندان سے
رابطہ رکھتا تھا مگر مجھے خراج دینا پڑا ہے"

"باباجی آپ کے پاس آتے ہیں؟"

"ہاں جب میرا دل اداسی سے بھر جاتا ہے اور کسی سخت مشکل میں مبتلا ہوں تو بلاتا ہوں لیکن
اب ان سے خدمت نہیں لیتا اس لئے محنت مزدوری کرتا ہوں"

"باباجی سے آخری ملاقات کب ہوئی!"

"آج رات کو" شاہ صاحب کے لبوں پر آسودہ سی مسکان ابھری۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ
شاہد میاں کو ایک خوبصورت نگینے کا تحفہ دے دینا"

"کیا یہ باباجی نے کہا ہے لیکن وہ مجھے کیسے جانتے ہیں۔ میرا مطلب ہے میں تو آپ والے

بابا جی سے نہیں ملا"

سید اقبال شاہ میری بات سن کر ہنس دیئے "شاہد میاں اب اتنے زیادہ سوال نہ کرو تو اچھا ہے۔ جس روز تم مجھ سے ملنے آئے تھے میں اس روز سارا کچھ سمجھ گیا تھا اور میں نے بابا جی کے سامنے تمہارے حالات رکھ دیئے تھے۔ وہ خود بھی ریاض شاہ کے اعمال سے رنجیدہ تھے"

"شاہ صاحب" میں بے تاب ہو کر بولا "خدارا کیا ایک بار ایسا ہو سکتا ہے کہ میں اصلی بابا جی سے مل لوں تا کہ میرے سارے زخم دھل جائیں"

"دیکھو میاں یہ تو ان سے پوچھنا پڑے گا اگر اجازت مل گئی تو تمہیں میں بلواؤں گا۔ اب مجھے اجازت دو مجھے کہیں کام سے جانا ہے۔ اپنا نگینہ لے لو"

میں نے جگمگاتے جواہرات میں سے ایک انگشتری اٹھائی جس میں نیلم کا پتھر جڑا تھا۔ شاہ صاحب نے اپنے ہاتھوں سے انگوٹھی میرے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی پر چڑھائی اور میرے ماتھے پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری۔ اور پھر جیب سے ایک کاغذ نکال کر میرے سامنے کر دیا جس پر لکھا تھا

"شاہد میاں کو نیلم کا پتھر پسند آئے گا اسے دے دینا"

"یہ......کیا ہے" میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا"

"بس......میں یہی تمہیں دکھانا چاہتا تھا۔ ایک تحفہ تمہیں غازی نے دیا تھا۔ وہ پتھر اگر سنبھال کر رکھے ہیں تو انہیں تقسیم کر دینا۔ مگر ان کا صدقہ ضرور اتار دینا اور کوئی مسئلہ ہے تو بتا دو"

ان دنوں میری پریشانیوں میں ایک اہم پریشانی گھر کی تھی۔ میں اپنا گھر تعمیر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جھٹ سے کہا "شاہ صاحب میرے پاس پلاٹ تو ہے مگر مکان تعمیر نہیں ہو رہا"

شاہ صاحب چند لمحے خاموش رہے اور خلاؤں میں گھورنے لگے۔ ان کے لبوں کے ارتعاش سے معلوم ہو رہا تھا کچھ پڑھ رہے ہیں پھر بولے "انشاء اللہ دو ماہ بعد تمہارے گھر کی تعمیر شروع ہو جائے گی اللہ وسیلہ پیدا کرے گا لیکن اب میری ایک خواہش ہے"

"جی حکم" میں سرتاپا عقیدت کے ساتھ بولا

"جب تک اب میں نہ بلاؤں میرے پاس نہ آنا" وہ کمزور سی آواز میں بولے

"لیکن شاہ صاحب میں پھر سے ادھورا ہو جاؤں گا آپ کے بغیر..........."

"میاں اب تمہیں اس عہد کی پابندی کرنی ہوگی۔ عہد توڑا تو اپنے اوپر سات جنات سے محروم ہو جاؤ گے"

"جج جی......کیا فرمایا آپ نے"

"ہاں......میں سچ کہہ رہا ہوں تم اسم اعظم اور بزرگوں سے حاصل کردہ وظائف کا ذکر کرتے رہتے ہو اللہ تعالیٰ اپنے ذاکر بندوں پر اپنی مخفی مخلوق کو مامور کر دیتا ہے۔ ادھر دیکھو تمہیں یہ نظر نہیں آئیں گے۔ یہ سخت خفا ہیں کہ تم یہاں کیوں آئے۔ یہ دروازے سے باہر کھڑے ہیں۔ یہ تمہیں تنگ نہیں کریں گے۔ بس تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی عبادت اور ذکر الٰہی سے کبھی غافل نہ ہونا۔ ایک روز تم بہت کچھ حاصل کر لو گے۔ اللہ نے تمہیں کسی خاص خدمت کے لئے منتخب کیا ہے تو اس اعزاز کی عزت رکھنا۔ سمجھداری اور حوصلے کے ساتھ اس صبر آزما دور سے گزر جانا۔ ہر معاملہ اللہ کا ذکر کر کے اس کے سپرد کر دینا تمہاری مشکلات دور ہو جائیں گی"

"انشاء اللہ......میں وعدہ کرتا ہوں آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی" میں نے پورے خلوص کے ساتھ وعدہ کیا اور اٹھنے سے پہلے ایک سوال کرنا ضروری سمجھا "شاہ صاحب بابا جی اور بزرگوں نے مجھے جو وظائف دیئے تھے کیا میں انہیں کسی کو دے سکتا ہوں"

"تمہارے پاس کون کون سے وظائف ہیں" انہوں نے سوال کیا تو میں نے جتنے وظائف یاد تھے انہیں سنا دیئے۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہے اور بولے "اس پر تمہیں فی الحال کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں بابا جی سے دریافت کر کے ان کی صحت معلوم کروں گا البتہ ٹاہلی والی سرکار اور بابا تیلے شاہ کے وظائف کی اجازت تمہیں انہیں سے لینی ہوگی۔ البتہ اسم اعظم کی اجازت ہے۔ ویسے میں تمہیں اور مختصر سے اسم اعظم بتا دیتا ہوں۔ لوگوں کی بھلائی کے لئے پڑھنے کے لئے دے سکتے ہو۔ لیکن یہ وظیفہ نہیں ذکر کے طور پر پڑھنے کی ہدایت کرنا۔ ذکر اور وظیفہ میں فرق ہے" شاہ صاحب نے مجھے وظیفے اور ذکر کی نزاکتوں اور افادیت سے آگاہ کیا اور پھر مجھے چند اسمائے اعظم بتائے۔ جن کی اجازت عام بھی دی۔ یہ میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور ملتجی ہوں کہ وہ ذکر الٰہی کے بعد میری مغفرت اور سختیاں دور کرنے کے لئے بھی دعا کریں کیونکہ جب سے میں نے اس داستان کو رقم کرنا شروع کیا ہے مختلف مصائب کا

سامنا کرنا پڑا ہے مجھے۔ بلکہ جان جاتے جاتے بچی ہے۔ جس روز میں نے یہ داستان رقم کرنے کے لئے قلم اٹھایا سید اقبال شاہ کی عنایت کردہ انگشتری غائب ہوگئی۔ یہ میں عرض کر دوں کہ ان کی دعا سے حیرت انگیز طور پر دوسرے ماہ ہی میرے گھر کی تعمیر شروع ہوگئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا جہاں کی نعمتوں سے سرفراز کیا لیکن سید اقبال شاہ صاحب کی طرف سے ابھی تک باقاعدہ ملاقاتوں کا وقت نہیں آیا۔ کچھ ماہ پہلے ان سے ایک بڑے سرکاری آفیسر کے گھر ملاقات ہوگئی تھی۔ انہیں دیکھ کر میرے تو جیسے خزاں رسیدہ دل پر بہار آگئی تھی۔ انہوں نے باقاعدہ بلانے کا وعدہ کرلیا ہے، دیکھئے اب کب اصلی بابا جی اور غازی سے ملاقاتیں کب شروع ہوتی ہیں۔۔۔۔۔اور ان کے کون سے بھید سامنے آتے ہیں۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جونہی یہ ملاقاتیں شروع ہوں گی میں اپنے تمام رابطہ میں رہنے والے پرستاروں کو بتادوں گا۔۔ البتہ۔ میں ابھی بھی داتا دربار بابا تیلیے سے ملاقات کی تمنا لے کر جاتا ہوں۔ دعا کریں یہ ملاپ بھی پھر سے ہو۔ سید اقبال شاہ صاحب کے دیئے ہوئے ان اسمائے اعظم کا ذکر شب و روز کریں خاص طور پر نماز تہجد کے بعد۔ اس کی افادیت بڑھ جائے گی۔

1-یا معطی یا منعم یا نافع یا حنان یا منان بحق یا سلام علی کل شئی قدیر۔

اپنے ہر طرح کے جائز معاملات کے لئے اس اسم اعظم کا ذاکر کبھی مایوس نہیں ہوگا۔ رزق میں کشادگی، حسب خواہش نوکری اور کاروبار کے تحفظ اور وسعت کے لئے اس اسم اعظم کا ذکر پاکیزگی کے ساتھ نماز تہجد کے بعد کرتے رہنے سے مقاصد پورے ہوں گے۔

یا رحیم یا باعث بحق یا رزاق واللہ خیر الرازقین

(تمام شد)